تحقیقی، اصلاحی اور علمی

مقالات

جلد دوم

تالیف

حافظ زبیر علی زئی

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دھلی ۱۱۰۰۲۵

تحقیقی، اِصلاحی اور علمی

مقالات

جلد دوم

تالیف

حافظ زبیر علی زئی

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

نام کتاب	:	مقالات تحقیقی، اصلاحی اور علمی
تالیف	:	حافظ زبیر علی زئی
ناشر	:	سید شوکت سلیم سہسوانی
جلد	:	دوم
اشاعت	:	اپریل ۲۰۱۳ء
قیمت	:	-/300 روپے

الکتاب انٹرنیشنل

F-50 B، مرادی روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵

Phone:. 9312508762, 011-26986973

E-mail:. alkitabint@gmail.com

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ دار السلام، گاؤ کدل، سرینگر، کشمیر

۲۔ القرآن پبلیکیشنز، میسومہ بازار، سرینگر، کشمیر

۳۔ مکتبہ دار السلام، اننت ناگ، کشمیر

۴۔ مکتبہ المعارف، محمد علی روڈ، ممبئی

۵۔ مکتبہ ترجمان، اردو بازار، دہلی۔۶

فہرست

عقائد، مسلک اہلِ حدیث اور اعتراضات کے جوابات

سب سے پہلے: توحید ۱۳
آخرت پر ایمان ۱۵
اصول دین ۱۷
خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا غلط ہے ۲۵
ظہورِ امام مہدی: ایک نا قابلِ تردید حقیقت ۴۲
بدشگونی اور نحوست کچھ بھی نہیں ہے ۴۸
اصحاب الحدیث کون؟ ۴۹
حق کی طرف رجوع ۵۰
شعار اصحاب الحدیث ۵۱
ائمۂ اربعہ (اور دیگر علماء) نے تقلید سے منع فرمایا ہے ۸۶
دین میں غلو کرنا کبیرہ گناہ ہے ۸۸
عقائد میں صحیح خبر واحد حجت ہے ۸۹
بریلوی سوالات اور اہلِ سنت: اہلِ حدیث کے جوابات ۹۸
ماہنامہ الحدیث کے منہج کی وضاحتیں ۱۱۰
اصول و مقاصد ۱۱۳
اہلِ حدیث پر مخالفینِ حدیث کے حملے اور اُن کا جواب ۱۱۶

نماز کے بعض مسائل واذکار

پگڑی (عمامہ) پر مسح کرنا، جائز ہے ۱۴۳
دہری اذان اور اکہری اقامت ۱۴۸
نابالغ قاریٔ قرآن کی امامت ۱۵۴
تکبیراتِ عیدین میں رفع الیدین کا ثبوت ۱۶۳
نماز کے بعض اختلافی مسائل ۱۸۰
سفر میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے ۱۸۹
صحیح دعائیں اور اذکار ۱۹۸

احکام ومسائل

قربانی کے احکام ومسائل ۲۱۱

اصولِ حدیث اور تحقیقِ روایات

امام زہری کی امام عروہ سے روایت اور سماع ۲۲۳
صحیح مسلم کی ایک حدیث کا دفاع اور ثقہ راوی کی زیادت ۲۲۹
ضعیف روایات اور اُن کا حکم ۲۶۶
تین روایات کی تحقیق ۲۸۴
حدیث وسنت میں فرق کا اختراعی نظریہ ۲۹۰

تذکرۃ الاعیان اور رُاویانِ حدیث

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ ۲۹۵
عبدالرحمٰن بن القاسم المصری رحمہ اللہ ۲۹۷
اللہ تعالیٰ کا احسان اور امام اسحاق بن راہویہ کا حافظہ ۲۹۹
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا عظیم الشان مقام ۳۰۰

بعض شبہات اور باطل استدلالات کا رد

دلائل النبوۃ للبیہقی اور حدیثِ نور ۳۰۹
جعلی جزء کی کہانی اور نام نہاد "علمی محاسبہ" ۳۱۳
صحیح الاقوال فی استحباب صیام ستۃ من شوال ۳۲۲
تنبیہ ضروری بر غلام مصطفیٰ نوری ۳۲۹
تائیدِ ربانی اور ابنِ فرقد شیبانی ۳۴۱
محمد اسحاق صاحب جھال والا: اپنے خطبات کی روشنی میں ۳۶۵
نیموی صاحب کی کتاب: آثار السنن پر ایک نظر ۳۸۱
پالن دیوبندی اور خلفائے راشدین ۳۹۸
شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ اور بعض غلط فہمیوں کا ازالہ ۴۱۰
آلِ دیوبند سے دوسو دس (۲۱۰) سوالات ۴۲۳
عبداللہ بن سبا کون تھا؟ ۴۵۳
وحدت الوجود کیا ہے؟ اور اس کا شرعی حکم ۴۶۰
آلِ دیوبند اور وحدت الوجود ۴۷۵

آثارِ سفر

یمن کا سفر ۴۸۹

متفرق مضامین

عدل و انصاف ....
بے گناہ کا قتل حرام ہے ....
سب اہلِ ایمان بھائی ہیں ....
سچے قصے ....

سیرت رحمۃ للعالمین کے چند پہلو ۵۴۰
شذرات الذہب ۵۴۳

نصر المعبود

نصر المعبود فی الرد علی سلطان محمود ۵۷۳
ضمیمہ الذیل المحمود علی نصر المعبود ۵۹۱
قرآن مجید اور تقلید پرست حضرات ۵۹۵
حدیث صحیح اور تقلید پرست حضرات ۶۰۰
اجماع اور مقلدین حضرات ۶۰۴
اہل التقلید اور اجتہاد کی مخالفت ۶۰۷
خلیفۂ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات ۶۰۸
خلیفۂ ثانی عمر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات ۶۱۱
خلیفۂ ثالث [سیدنا] عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل تقلید حضرات ۶۱۳
خلیفۂ چہارم [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست فرقہ ۶۱۵

حرفِ اول

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد :
اسلام کی تبلیغ وترویج اور تفہیمِ دین میں کتاب کا اہم کردار ہے، تصنیف ہو یا مختلف مضامین کی ترتیب ہر دو صورت میں اس کی نافعیت اور حیثیت مسلّم ہے۔ علمی مقالات جلد اول کو لوگوں میں پذیرائی ہوئی تو جلد دوم کے لئے اصرار بڑھنے لگا، لہٰذا فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے مجلۃ الحدیث میں شائع ہونے والے مضامین اور دیگر مقالات کو جمع کر کے تبویب وترتیب دے دیا گیا ہے، جواَب ''علمی مقالات جلد دوم'' کی شکل میں حاضرِ خدمت ہے۔

اندازِ کتاب: اس کتاب کو بھی جلد اول کی طرح بہتر طرز پر ترتیب دینے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

زیرِ نظر کتاب عقائد، مسلکِ اہلِ حدیث کی حقانیت اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے مسکت جوابات، نماز کے بعض مسائل، اصولِ حدیث اور تحقیق الروایات، باطل استدلالات کا ردّ اور تذکرۂ راویانِ حدیث جیسے علمی و تحقیقی مضامین پر مشتمل ہے، علاوہ ازیں ایک بریلوی عالم کے جواب میں لکھے گئے رسالے ''نصر المعبود'' کو بھی کتاب کا آخری حصہ بنا دیا گیا ہے جس سے یقیناً قارئین علمی لطف اُٹھائیں گے۔ اس جلد میں شذرات الذہب کے نام سے ایک ایسے باب کا اضافہ ہے جس نے صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ دین اور علمائے عظام کے زریں اقوال، بے داغ کردار اور ایمان افروز واقعات سے پوری کتاب کو منور کر رکھا ہے۔ واضح رہے کہ اس میں بعض ایسے مضامین بھی شاملِ اشاعت ہیں جن کا مقصد صرف تحریر محفوظ کرنا ہے، مثلاً اصول و مقاصد اور ماہنامہ ''الحدیث'' کے مناہج کی وضاحتیں وغیرہ لیکن اس سے بھی ہمارے منہج کو سمجھنے میں مدد ملے

گی۔

بہرحال یہ ایک ایسا جامع و نافع مجموعہ ہے جو متلاشیانِ حق کے لئے بہترین رہبر ثابت ہوگا۔ (ان شاءاللہ)

راقم الحروف دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ کو صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ مقالات کا یہ علمی سلسلہ تادیر جاری رہے، نیز اس کتاب کو عوام وخواص کے لئے ذریعۂ ہدایت اور استاذ محترم کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔ (آمین)

والسلام
حافظ ندیم ظہیر
جامعہ اہل الحدیث حضرو ضلع اٹک
(۵/اگست ۲۰۰۹ء)

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:
ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ پھیرو اور حال یہ کہ تم سُن رہے ہو۔ (الانفال:۲۰)
اور فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ﴾
اور رسول تمھیں جو دے تو اسے لے لو اور جس سے منع کرے تو اس سے رُک جاؤ۔ (الحشر:۷)
ان آیات اور دیگر دلائل سے صاف ثابت ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت فرض ہے لہٰذا قرآن اور حدیث دونوں حجت ہیں۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا یجمع اللّٰہ أمتي علیٰ ضلالۃ أبدًا و ید اللّٰہ علی الجماعۃ.)) اللہ میری اُمت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت (یعنی اجماع) پر ہے۔ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح)
یہ وہ حدیث ہے جس کے بارے میں حاکم نیشاپوری نے فرمایا: علماء نے اس کے ساتھ حجت پکڑی ہے کہ اجماع حجت ہے۔ دیکھئے المستدرک (ج ۱ ص ۱۱۵)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری سنت کو اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑلو۔ الخ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷ ملخصاً وسندہ صحیح، وقال الترمذی [۲۶۷۶]: ھذا حدیث حسن صحیح)
سیدنا امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ (خلیفۂ راشد) نے قاضی شریح رحمہ اللہ سے اپنے تحریری حکم میں فرمایا: کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرو، پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو، پھر لوگوں کے اجماع سے فیصلہ کرو، پھر تمھاری مرضی ہے: چاہو تو اجتہاد کرو یا نہ کرو اور اگر اجتہاد نہ کرو تو یہ تمھارے لئے بہتر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۴۰ ح ۲۲۹۸۰ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ کتاب وسنت کے بعد اہلِ حق کا اجماع (ہر زمانے میں) شرعی حجت ہے۔ ادلۂ شرعیہ سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے اور اجتہاد کی کئی اقسام ہیں مثلاً:

۱: آثارِ سلف صالحین کو ترجیح دینا

۲: مصالح مرسلہ

۳: صحیح قیاس، وغیرہ

یہاں دو باتیں ہمیشہ یاد رکھیں:

۱: کتاب وسنت کا وہی متفقہ مفہوم معتبر ہے جو سلف صالحین سے بلا خلاف ثابت ہے۔

۲: اگر کوئی قول صراحتاً اللہ اور رسول (قرآن اور حدیث) کے خلاف ہو تو ایسا ہر قول مردود ہے، چاہے جس کا بھی قول ہو اور ہمیشہ قرآن وحدیث اور اجماع کو ہر قول پر مقدم کیا جائے گا۔

راقم الحروف نے ان اصول کے مطابق علمی وتحقیقی مضامین لکھے ہیں، جن میں اصولِ حدیث اور علم اسماء الرجال کی غیر جانبدارانہ تحقیق، کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا ہے۔ والحمد للہ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے علمی مقالات کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ مختلف مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مضامین کا مجموعہ ہے، جسے بعض اصلاح اور مفید حک واضافے کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میرے اس عمل کو قبول فرمائے اور اسے میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

حافظ زبیر علی زئی

(۸/ اگست ۲۰۰۹ء)

عقائد، مسلکِ اہلِ حدیث
اور اعتراضات کے جوابات

سب سے پہلے: توحید

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ اور ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ (النحل: ۳۶)

سیدنا و محبوبنا محمد رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا: ((فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلٰى أَنْ يُّوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى)) تم انھیں سب سے پہلے اللہ کی توحید کی طرف دعوت دو۔ (صحیح بخاری: ۷۳۷۲، کتاب التوحید)

سیدنا حارث بن حارث العائذی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (میں جب جاہلیت میں مکہ آیا تو دیکھا کہ نبی ﷺ کے پاس لوگ جمع ہیں) میں نے اپنے والد سے پوچھا: یہ لوگ کیوں جمع ہیں؟ اس نے کہا: یہ لوگ ایک صابی کے پاس جمع ہیں۔ "فإذا النبي ﷺ يدعو إلى توحيد الله والإيمان" میں نے (قریب آ کر) دیکھا تو نبی ﷺ اللہ کی توحید اور ایمان کی طرف دعوت دے رہے تھے۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ۲/ ۲۶۲ وسندہ صحیح وصححہ ابو زرعۃ الدمشقی کما فی تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۲/ ۲۱۳، ۲۱۴، ورواہ ابن ابی عاصم فی الآحاد والمثانی ۵/ ۲۷۴ ح ۲۹۷۶)

درج بالا دونوں حدیثوں سے توحید الٰہی کی اہمیت کا پتا چلتا ہے اور یہ ایک داعی کے لئے راہ متعین کر رہی ہیں کہ دعوت کے میدان میں دعوتِ توحید کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، دینِ اسلام کی اساس توحید ہے لہٰذا پہلی دعوت توحیدِ الٰہی کی ہی ہونی چاہئے، نماز اور جہاد تب مقبول ہوں گے جب توحید میں کسی قسم کی کھوٹ اور شرک کی آمیزش نہ ہو۔

اُسوۃ النبی ﷺ اور سیرتِ سلف صالحین سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دعوتِ توحید کو اولین حیثیت حاصل ہے لہٰذا ہر انسان پر یہ فرض ہے کہ توحید و سنت۔ کا راستہ اختیار کر کے اللہ تعالیٰ

کی عبادت میں اپنی ساری زندگی گزارے اور اپنی تمام عبادات خالص اللہ ہی کے لئے سرانجام دے۔ یہ عقیدہ دل میں راسخ کر لے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت صرف اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اللہ کا فرماں بردار (مسلم) ہوں۔

جس نے توحید کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا، اللہ تعالیٰ اس کے سارے اعمال ضائع کر دے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ﴾

بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس شخص کا ٹھکانا (جہنم کی) آگ ہے۔ (المآئدۃ:۷۲)

اے اللہ! ہمیں توحید و سنت پر زندہ رکھ اور اسی پر ہمارا خاتمہ کر۔ آمین

آخرت پر ایمان

یہ عقیدہ کہ ایک دن قیامت بپا ہوگی اور تمام مخلوقات کو دوبارہ زندہ کرکے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا، ارکانِ ایمان کا اہم ترین رکن اور اسلام کے بنیادی عقائد میں سے اہم عقیدہ ہے۔ اللہ اور رسول پر ایمان لانے کے ساتھ روزِ آخرت اور عالمگیر بعثت پر ایمان مربوط اور لازم وملزوم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴾ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے ان کے لئے اُن کے اعمال خوشنما بنا دیئے ہیں، پس وہ گمراہی میں حیران و پریشان پھر رہے ہیں، انھی لوگوں کے لئے بُرا عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔ (النمل:۴، ۵)

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی بعض لوگ آخرت کا انکار کرتے تھے، ان لوگوں کے بارے میں خالقِ کائنات نے فرمایا: ﴿قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ کہہ دو! کیوں نہیں، میرے رب کی قسم! تمھیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمھارے اعمال تمھیں بتائے جائیں گے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ (التغابن:۷)

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾

اور (نامۂ اعمال کی) کتاب رکھ دی جائے گی تو جرم کرنے والے اس سے ڈرے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے ہماری تباہی! یہ کیسی کتاب ہے جس میں نہ کوئی چھوٹی بات رہ گئی ہے اور نہ بڑی، اس میں سب کچھ درج ہے، اور وہ اپنے اعمال کو اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (الکہف:۴۹)

اہلِ ایمان ہر وقت آخرت کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھجور کی ایک چٹائی پر تشریف فرما تھے، آپ کے اور چٹائی کے درمیان کوئی چیز نہیں تھی اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک سرہانا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، آپ کے پاؤں کی طرف کیکر کے پتوں کا ڈھیر تھا اور سر کی طرف چمڑے کی ایک مشک لٹکی ہوئی تھی۔ جب میں نے آپ کی پشت پر چٹائی کے نشانات دیکھے تو رو پڑا۔ میں نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں اور قیصر و کسریٰ مزے کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أما ترضی أن تکون لھم الدنیا ولنا الآخرۃ .)) کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیا اور ہمارے لئے آخرت ہے؟ (صحیح بخاری: ۴۹۱۳، صحیح مسلم: ۱۴۷۹، دار السلام: ۳۶۹۱)

قارئینِ کرام! دنیا میں جتنے قوانین ہیں اُن سے جرائم رک نہیں رہے بلکہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں مگر آخرت پر ایمان ایسا عقیدہ اور قانون ہے کہ انسان کو ہر جرم سے روک دیتا ہے۔

چور کو اگر یقین ہو کہ کل آخرت میں اسے چوری کا حساب دینا پڑے گا تو وہ پوری کوشش سے اپنے آپ کو چوری سے بچائے گا اور سمجھے گا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ مادر پدر آزاد، شتر بے مہار اور آخرت کے خوف سے بے پروا پیدا کیا گیا ہے تو وہ آگاہ رہے کہ ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمھیں عبث (بے فائدہ) پیدا کیا ہے اور تم ہمارے پاس واپس نہ لائے جاؤ گے؟ (المومنون: ۱۱۵)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ہم نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کھیل کود کا سامان نہیں بنایا، ہم نے انھیں حق کے ساتھ ہی بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (الدخان: ۳۸، ۳۹)

بھائیو! دنیا کی یہ زندگی عارضی ہے اور آخرت کا ابدی دن آنے والا ہے۔ جان لیں کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں جو بوئیں گے وہاں وہی کاٹیں گے۔ سوچیں! ہم نے آخرت کی کیا تیاری کر رکھی ہے؟ یاد رکھیں' دنیا کی یہ زندگی آخری موقع ہے، دوبارہ ایسا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ آخرت کا دروازہ موت کی صورت میں مسلسل لوگوں کو نگل رہا ہے، پھر بھی اکثر لوگ آخرت سے غافل ہیں۔!!

أصولِ دین

[أخبرنا أبو زيد الشامي[1] قراءة عليه ، قال : أخبرنا الشيخ أبو طالب[2] عبدالقادر بن محمد بن عبدالقادر بن محمد بن يوسف قراءة عليه وهو يسمع وأنا أسمع فاقربه ، قال أخبرنا الشيخ أبو إسحاق[3] إبراهيم بن عمربن أحمد البرمكي رحمه الله ، قال :]حدثنا أبو الحسن علي[4] بن عبدالعزيز [بن مردك بن أحمد البرذعي] ، قال : أخبرنا أبو محمد عبدالرحمٰن بن أبي حاتم[5] [أسعده الله ورضي الله عنه] قال : سألت أبي[6] (ب۲۱۳/۱) وأبا زرعة[7] رضي الله عنهما عن مذاهب أهل [السنة] في أصول الدين ، وما أدركا عليه العلماء في جميع الأمصار ، وما يعتقدان (أ۱٦۷/۱) من ذلك ، فقالا :أدركنا العلماء في جميع الأمصار حجازًا وعراقًا ومصرًا وشامًا ويمنًا ، فكان من مذهبهم :

☆ امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ کی ''کتاب اصل السنۃ واعتقاد الدین'' کا اردو ترجمہ

(۱) السمعانی نے کہا: " شيخ صالح خير كثير العبادة " توفی ٥٥٤ ھ (سیر اعلام النبلاء ۲۰/۳۴۱)

(۲)..........العالم المسند ، توفی ٥١٦ھ (النبلاء ۱۹/۳۸٦)

(۳) وكان صدوقًا دينًا ، توفی ٤٤٥ ھ (تاریخ بغداد ج٦ ص۱۳۹، النبلاء ج۱۷ ص۶۰۵،۶۰۷)

(۴) وكان ثقة ، توفی ۳۸۷ ھ (تاریخ بغداد ج۱۲ ص۳۰)

(۵) قال ابو الوليد الباجي : ثقة حافظ ، توفی ۳۸۷ ھ (النبلاء ج۱۳ ص۲٦۷) (٦) ابوحاتم الرازی : من الأئمة الحفاظ الأثبات ، توفی ۲۷۷ ھ (تاریخ بغداد ج۲ ص۷۳، النبلاء ج۱۳ ص۲۴۷،۲٦۲)

(۷) إمام حافظ ثقة مشهور ، توفی ۲٦٤ ھ (التقریب:۴۳۱٦)

امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے اپنے والد (ابو حاتم الرازی) اور ابوزرعہ (الرازی) رحمہما اللہ سے اصول دین میں مذاہبِ اہلِ سنت کے بارے میں پوچھا اور (یہ کہ) انھوں نے تمام شہروں کے علماء کو کس (عقیدے) پر پایا ہے اور آپ دونوں کا کیا عقیدہ ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ہم نے حجاز، عراق، مصر، شام اور یمن کے تمام شہروں میں علماء کو اس (درج ذیل) مذہب پر پایا:

۱) أن الإيمان قول وعمل ، يزيد و ينقص .

بے شک ایمان قول و عمل (کا نام) ہے (اور یہ) زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔

۲) والقرآن كلام الله غير مخلوق بجميع جهاته .

قرآن ہر لحاظ سے اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔

۳) والقدر خيره وشره من الله [عزوجل]

اچھی اور بری تقدیر، اللہ کی طرف سے ہے۔

٤) وخير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر الصديق ، ثم عمر بن (ب۲/۲۱۳) الخطاب ، ثم عثمان بن عفان ، ثم علي بن أبي طالب رضي الله عنهم ، وهم الخلفاء الراشدون المهديون .

نبی (ﷺ) کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر بن الخطاب، پھر عثمان بن عفان، پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اور یہی خلفاء راشدین مہدیین ہیں۔

٥) وأن العشرة الذين سماهم رسول الله صلى الله عليه [وسلم] وشهد لهم بالجنة على ما شهد به ، وقوله الحق .

عشرہ (مبشرہ) جن کے بارے میں رسول اللہ نے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے (ہمارے نزدیک) وہ جنتی ہیں اور آپ (ﷺ) کی بات حق ہے۔

٦) والترحم على جميع أصحاب محمد صلى الله عليه [وعلى آله] والكف عما شجر بينهم .

محمد ﷺ کے تمام صحابہ کے بارے میں رحمت (اور رضی اللہ عنہم) کی دعا مانگنی چاہئے اور ان کے درمیان جو اختلافات تھے ان کے بارے میں سکوت کرنا چاہئے۔

۷) وأن اللّٰه عزوجل علٰی عرشه بائن من خلقه ، كما وصف نفسه في كتابه وعلى لسان رسوله[ﷺ] بلا كيف ، /(ب۲۱۴/۱)أحاط بكل شيء علمًا ، ليس كمثله شيء وهو السميع البصير .

اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بغیر (سوال) کیفیت (مستوی) ہے، اپنی مخلوق سے (بلحاظِ ذات) جدا ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں اور رسول اللہ ﷺ کی زبان (مبارک پر) بیان فرمایا ہے۔ اس نے ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے، اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

۸) واللّٰه تبارك وتعالٰى يرى في الآخرة ويراه أهل الجنة بأبصارهم ، /(۲/۱۶۷)كلامه كيف شاء وكما شاء .

اللہ تعالیٰ آخرت میں نظر آئے گا، جنتی لوگ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے (اسی کا) کلام ہے جیسے چاہے اور جب چاہے۔

۹) والجنة [حق] والنار حق ، وهما مخلوقتان [لا يفنيان أبدا] : فالجنة ثواب لأوليائه ، والنار عقاب لأهل معصيته إلا من رحم .

جنت حق ہے، جہنم حق ہے، اور یہ دونوں مخلوق ہیں کبھی فنا نہ ہوں گی، اللہ کے دوستوں کے لئے جنت کا بدلہ ہے، اور اس کے نافرمانوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے سوائے ان کے جن پر وہ (اللہ) رحم فرمائے۔

۱۰) والصراط حق . (پل) صراط حق ہے۔

۱۱) والميزان [الذي] له كفتان يوزن فيه أعمال العباد حسنها وسيئها حق . میزان (ترازو) کے دو پلڑے ہیں جن میں بندوں کے اچھے اور بُرے اعمال تولے جائیں گے۔

۱۲) والحوض المكرم به نبينا صلى الله عليه [وسلم وعلى آله] حق/ (ب۲/۲۱۴) والشفاعة حق . نبی ﷺ کا حوض کوثر حق ہے،اور شفاعت حق ہے۔

۱۳) وأن ناسًا من أهل التوحيد يخرجون من النار بالشفاعة حق .
اہل توحید (مسلمانوں) میں سے (بعض) لوگوں کا (آپ ﷺ کی) شفاعت کے ذریعے سے (جہنم کی) آگ سے نکلنا حق ہے۔

١٤) وعذاب القبر حق . عذاب قبر حق ہے۔

١٥) ومنكر ونكير [حق]. منکرونکیر (قبر میں سوال وجواب والے فرشتے) حق ہیں

١٦) والكرام الكاتبون حق. کراماً کاتبین (اعمال لکھنے والے فرشتے) حق ہیں۔

۱۷) والبعث من بعد الموت حق . موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔

۱۸) وأهل الكبائر في مشيئة الله عزوجل ، لا نكفر ، أهل القبلة بذنوبهم ، ونكل سرائرهم إلى الله عزوجل .
کبیرہ گناہ کرنے والوں کا معاملہ اللہ کی مشیت (اور ارادے) پر ہے (چاہے تو عذاب دے، چاہے تو بخش دے) ہم اہل قبلہ (مسلمانوں) کے گناہوں کی وجہ سے ان کی تکفیر نہیں کرتے، ہم ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

۱۹) ونقيم فرض الجهاد والحج مع أئمة المسلمين في كل دهر وزمان .
ہر زمانے (اور علاقے) میں ہم مسلمان حکمرانوں کے ساتھ جہاد اور حج کی فرضیت پر عمل پیرا ہیں۔

۲۰) ولا نرى الخروج على الأئمة ولا القتال فى الفتنة .
ہم (مسلمان) حکمرانوں کے خلاف بغاوت کے قائل نہیں ہیں اور نہ فتنے (کے دور) میں (ایک دوسرے سے) قتال کے قائل ہیں۔

۲۱) ونسمع ونطيع لمن ولاه [الله أمرنا] /(ب۲۱۵/۱)ولا ننزع يداً من طـــاعة . اللہ نے جسے ہمارا حاکم بنایا ہے، ہم اس کی سنتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں اور

اطاعت سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے۔

۲۲) ونتبع السنة والجماعة ، ونجتنب الشذوذ والخلاف والفرقة .
ہم (اہل) سنت والجماعت (کے اجماع) کی پیروی کرتے ہیں اور شذوذ، اختلاف اور فرقہ بازی سے اجتناب کرتے ہیں۔

۲۳) وأن الجهاد ماضٍ منذ بعث /(أ/١٦٨/١)الله [عزوجل] نبيه صلى الله عليه [وسلم] إلى قيام الساعة مع أولي الأمر من أئمة المسلمين ، لا يبطله شيء . جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو (نبی ورسول بنا کر) مبعوث فرمایا ہے، مسلمان حکمرانوں کے ساتھ مل کر (کافروں کے خلاف) جہاد جاری رہے گا۔ اسے کوئی چیز باطل نہیں کرے گی (یعنی جہاد ہمیشہ جاری رہے گا)

۲۴) والحج كذلك . اور یہی معاملہ حج کا (بھی) ہے۔

۲۵) ودفع الصدقات من السوائم إلى أولي الأمر من [أئمة] المسلمين .
مسلمان حکمرانوں کے پاس جانوروں (اور دیگر اموال) کے صدقات (زکوۃ، عشر) جمع کرائے جائیں گے۔

۲۶) والناس مؤمنون في أحكامهم وموار يثهم ، ولا يدرى ما هم عند الله [عزوجل] فمن قال : إنه مؤمن حقًا فهو مبتدع ومن قال : هو مؤمن عندالله فهو من/(ب٢/٢١٥)الكاذبين ومن قال : إني مؤمن بالله فهو مصيب .
لوگ اپنے احکام اور وراثت میں مومن ہیں، اور اللہ کے ہاں ان کا کیا مقام ہے معلوم نہیں، جو شخص اپنے بارے میں کہتا ہے کہ وہ یقیناً مومن ہے تو وہ شخص بدعتی ہے، اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں (بھی) مومن ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں سے ہے۔
اور جو یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کے ساتھ مومن (یعنی اللہ پر ایمان رکھتا) ہوں تو یہ شخص (صحیح) مصیب ہے۔

۲۷) والمرجئة مبتدعة ضلال . مرجئہ بدعتی گمراہ ہیں۔

۲۸) والقدرية مبتدعة ضلال ، ومن أنكر منهم أن اللّٰه [عزوجل] يعلم ما يكون قبل أن يكون فهو كافر .
قدریہ (تقدیر کا انکار کرنے والے) بدعتی گمراہ ہیں اور ان میں سے جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ، کسی کام کے ہونے سے پہلے اس کا علم نہیں رکھتا تو ایسا شخص کافر ہے۔

۲۹) وأن الجهمية كفار. جہمیہ کفار ہیں۔

۳۰) و[أن] الرافضة رفضوا الإسلام. رافضیوں نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔

۳۱) والخوارج مراق. خوارج (دین سے) نکلے ہوئے ہیں۔

۳۲) ومن زعم أن القرآن مخلوق فهو كافر [باللّٰه العظيم] كفرًا ينقل عن الملة ومن شك في كفره ممن يفهم فهو كافر . جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ کافر ہے، ملت (اسلامیہ) سے خارج ہے۔ اور جو شخص سوجھ بوجھ (اور اقامت حجت) کے باوجود اس شخص کے کفر میں شک کرے تو وہ (بھی) کافر ہے۔

۳۳) ومن شك في كلام اللّٰه [عزوجل] فوقف/ (ب۲۱۶/۱)شاكًا فيه يقول: لا أدرى مخلوق أو غير مخلوق فهو جهمي .
جو شخص اللہ کے کلام کے بارے میں شک کرتے ہوئے توقف کرے اور کہے کہ مجھے پتا نہیں کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق تو ایسا شخص جہمی ہے۔

۳۴) ومن وقف في القرآن جاهلاً علّم وبدّع ولم يكفّر .
جو جاہل شخص قرآن کے بارے میں توقف کرے تو اسے سمجھایا جائے گا، اُسے بدعتی سمجھا جائے گا اور اُس کی تکفیر نہیں کی جائی گی۔

۳۵) ومن قال / (۱۶۸/۲) لفظي بالقرآن مخلوق ، أو القرآن بلفظي مخلوق فهو جهمي .
جو شخص لفظی بالقرآن (میرے الفاظ جن سے میں قرآن پڑھتا ہوں) یا القرآن بلفظی مخلوق (قرآن میرے الفاظ کے ساتھ مخلوق) کہے تو وہ جہمی (گمراہ) ہے۔

[قال الشيخ أبو طالب :قال إبراهيم بن عمر :قال علي بن عبدالعزيز] قال أبو محمد :وسمعت أبي رضي الله عنه يقول :

۳٦) علامة أهل البدع :الوقيعة في أهل الأثر .

ابوحاتم الرازی نے فرمایا: اہل بدعت کی یہ علامت ہے کہ وہ اہل اثر (اہل حدیث) پر حملہ کرتے ہیں۔

۳۷) وعلامة الزنادقة :تسميتهم أهل/ الأثر حشوية ، يريدون إبطال الآثار . زنادقہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کو حشویہ (ظاہر پرست فرقہ) کہتے ہیں، اس سے ان کا مقصود احادیث کا انکار ہے۔

۳۸) وعلامة الجهمية :تسميتهم أهل السنة مشبهة .

جہمیہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مشبہہ [1] کہتے ہیں۔

۳۹) وعلامة القدرية :تسميتهم أهل السنة مجبرة .

قدریہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مجبرہ [2] کہتے ہیں۔

٤٠) وعلامة المرجئة :تسميتهم أهل السنة مخالفة ونقصانية .

مرجئہ کی (ایک) علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مخالفہ اور نقصانیہ کہتے ہیں۔

٤١) وعلامة الرافضة ، تسميتهم أهل السنة ثانية .

رافضہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو ثانیہ (نابتہ، ناصبیہ) کہتے ہیں۔

٤٢) [وظل هذا أمر عصبات معصيات] ، ولا يلحق أهل السنة إلا اسم واحد ويستحيل أن يجمعهم هذه الأسامي .

ان تمام (برے ناموں) کی بنیاد (بدعات) تعصب اور معصیت پر ہے، اہل سنت کا ایک ہی نام ہے اور یہ محال ہے کہ ان کے بہت سے (خودساختہ) نام اکٹھے ہو جائیں۔

....

(۱) ایک گمراہ فرقہ جو خالق کو مخلوق سے تشبیہ دیتا ہے۔ (۲) وہ گمراہ فرقہ جس کا نظریہ ہے کہ انسان سے جو فعل صادر ہوتا ہے وہ اختیاری نہیں بلکہ وہ اس کے کرنے پر مجبور ہے۔

٤٣) حدثنا أبو محمد ، قال :[و] سمعت أبي وأبا زرعة يهجران أهل الزيغ والبدع ، ويغلطان رأيهما أشد تغليط وينكران وضع الكتب بالرأى بغير آثار ، وينهيان عن مجالسة أهل الكلام وعن النظر في كتب المتكلمين ، ويقولان :لا يفلح صاحب كلامٍ أبدًا .

ابو حاتم اورابوزرعہ دونوں گمراہوں اور بدعتیوں سے ہجر (بائیکاٹ) کرتے تھے اوران کی (غلط) آراء کا شدید رد کرتے تھے۔احادیث کے بغیر رائے والی کتابیں لکھنے کی پُر زور تردید کرتے تھے۔اہل کلام (منطق وفلسفے والوں) کی مجلس اور متکلمین کی کتابیں دیکھنے سے منع کرتے تھے اور کہتے کہ صاحب کلام کبھی فلاح نہیں پاتا (اِلا یہ کہ مرنے سے پہلے توبہ کرلے۔)

[رسالہ ختم شد]

خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا غلط ہے

الحمد للّٰہ رب العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

دلائل ہمیشہ دو قسم کے ہوتے ہیں: خاص یا عام

• خاص دلیل عام کے مقابلے میں کسی خاص فرد یا چیز پر مشتمل ہوتی ہے، مثلاً سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا لہٰذا اس لحاظ سے آپ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک خاص مخلوق ہیں۔

محمد عمیم الاحسان نامی ایک شخص نے لکھا: ''هو كلّ لفظ وضع لمعنى معلوم على الانفراد جنسًا كإنس أو نوعًا كرجل أو عينًا كزيد ''

خاص ہر وہ لفظ ہے جسے انفراد کے طور پر معلوم معنی کے لئے وضع کیا جائے: بلحاظِ جنس ہو جیسے انسان، بلحاظِ نوع ہو جیسے مرد یا بلحاظِ عین ہو جیسے زید۔ (التعریفات الفقہیہ ص ۲۷۲، الخاء)

یہ لفظ تفرد سے عبارت ہے اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا۔ دیکھئے التعریفات للجرجانی (ص ۴۴) یہ عام کی ضد ہے۔ دیکھئے علمی اردو لغت (ص ۶۶۱)

عام دلیل خاص کے مقابلے میں عام افراد یا تمام چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے، مثلاً تمام انسان وغیرہ۔ عبید اللہ اسعدی نامی ایک تقلیدی شخص نے کہا: ''عام ... وہ لفظ جس کو ایک معنیٰ ومفہوم کے غیر محصور افراد کے لئے ایک ہی مرتبہ میں وضع کیا گیا ہو'' (اصول الفقہ ص ۱۰۶)

عام اور خاص کا مسئلہ سمجھانے کے لئے پانچ مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

مثال اول: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ پس مشرکوں کو قتل کرو۔ (التوبہ: ۵)

اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں سے جنگ کرنے والے کافروں کے بارے میں مجاہدین کو حکم دیا گیا ہے کہ مشرکین کو (حالتِ جنگ میں) جہاں بھی پاؤ قتل کر دو۔

جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے: ((ولا تقتلوا ولیدًا.)) اور بچے کو قتل نہ کرو۔

(صحیح مسلم:۱۷۳۱، دارالسلام:۴۵۲۲)

اس حدیث اور دیگر احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حالتِ جہاد میں نابالغ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو (جان بوجھ کر، بغیر شرعی دلیل کے) قتل کرنا ممنوع ہے۔

اول الذکر آیت عام ہے اور حدیث خاص ہے۔

مثال دوم: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ﴾

تم پر مردار حرام ہے۔ (المائدہ:۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ذبح کے بغیر خود بخود مر جانے والا ہر حلال جانور، اس حالت میں حرام ہے۔ جبکہ حدیث میں آیا ہے: ((الحل میتته .)) سمندر کا مُردار حلال ہے۔ (موطأ امام مالک روایۃ ابن القاسم بتحقیقی: ۲۷ وسندہ صحیح، سنن ابی داود: ۸۳، ت: ۶۹ وقال: ''حسن صحیح'' وصححہ ابن خزیمہ: ۱۱۱، وابن حبان، الموارد: ۱۱۹)

معلوم ہوا کہ ہر مُردار حرام ہے لیکن سمندر کا مُردار (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

مثال سوم: کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان بالغ عاقل مرد اور عورت پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ (یہ عام دلیل ہے)

حائضہ عورت پر حالتِ حیض میں نماز فرض نہیں بلکہ اس حالت میں اس کے لئے نماز پڑھنا حرام ہے۔ (یہ خاص دلیل ہے)

مثال چہارم: مَردوں کے لئے ریشمی لباس پہننا حرام ہے۔ (یہ عام دلیل ہے)

اگر کسی مرد کو خارش وغیرہ کی بیماری ہو اور اُسے شرعی ضرورت ہو تو ریشمی لباس پہننا جائز ہے۔ (یہ خاص دلیل ہے)

مثال پنجم: اگر کوئی شخص چوری کرے اور یہ چوری نصاب تک پہنچ جائے تو اسلامی عدالت میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ (یہ عام دلیل ہے)

اگر کوئی شخص پھل چُرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا لیکن تعزیر اور جرمانہ لگایا جاسکتا

ہے۔(یہ خاص دلیل ہے)

ان مثالوں سے ثابت ہوا کہ دلائل دو طرح کے ہوتے ہیں: خاص اور عام

اصولِ فقہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ خاص دلیل عام دلیل پر مقدم ہوتی ہے لہٰذا عام دلیل کو خاص دلیل کے مقابلے میں پیش کرنا غلط اور مردود ہے۔ مثلاً:

۱: حافظ ابن حجر العسقلانی نے ایک حدیث سے استنباط کر کے لکھا ہے:

"و أنّ الخاص یقضي علی العام" اور بے شک خاص عام پر قاضی (حاکم اور فیصلہ کن) ہے۔ (فتح الباری ۱/۸۹ ح ۳۲)

۲: شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا: "والدلیل الخاص مقدم علی العام" اور خاص دلیل عام پر مقدم ہے۔ (مجموع فتاویٰ ج ۳۱ ص ۱۴۱)

۳: شیخ ابوحیان محمد بن یوسف الاندلسی (متوفی ۷۴۵ھ) نے فرمایا:

"ولا شك أن الخاص مقدم علی العام"

اور اس میں شک نہیں کہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (تفسیر البحر المحیط ج ۳ ص ۱۶۸، سورۃ النساء: ۱۔۱۰)

۴: فخر الدین رازی نے لکھا: "ولا شك أن الخاص مقدم علی العام"

اور اس میں شک نہیں کہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (تفسیر رازی ج ۵ ص ۵۰، سورۃ البقرۃ: ۱۷۸)

۵: ابوشامہ نے کہا: "فإن الخاص مقدم علی العام"

پس بے شک عام پر خاص مقدم ہے۔ (الباعث علی انکار البدع ج ۱ ص ۶۵ بحوالہ المکتبۃ الشاملۃ)

۶: محمد بن علی الشوکانی الیمنی نے لکھا ہے: "لأن الخاص مقدّم علی العام" کیونکہ خاص عام پر مقدم ہے۔ (نیل الاوطار ۱/۴۸۵ باب بیان أن من أدرك بعض الصلوة فی الوقت فإنه یتمها ..)

۷: ابن الوزیر الیمانی (متوفی ۸۴۰ھ) نے کہا: "لأن الخاص مقدم علی العام" کیونکہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (ایثار الحق علی الخلق ص ۴۱۱)

۸: نواب صدیق حسن خان نے کہا:

"و قد تقرر أن الخاص مقدم علی العام" اور یہ مقرر ہو چکا ہے کہ عام پر خاص مقدم

ہے۔(الروضۃ الندیہ شرح الدرر البہیۃ ج ۲ ص ۱۹۶ باب الذبح)

۹: ابن عابدین شامی نے قلابازیوں کے باوجود علماء سے نقل کیا کہ" إذا قوبل الخاص بالعام یراد به ما عدا الخاص "اگر خاص کا عام کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو خاص کے علاوہ مراد ہوتا ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار لابن عابدین ۲/۲۹۷)

۱۰: انورشاہ کاشمیری دیوبندی نے کہا:" فإذا ورد خاص في موضع و شمله العام أیضًا و تعارض فی الحکمین لا یعتد بهذا العام أصلاً و یکون الحکم حکم الخاص "جب کسی خاص چیز کے بارے میں خاص دلیل وارد ہو اور عام بھی اُسے شامل ہو اور حکم میں دونوں کا تعارض ہو تو اس عام کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور خاص کا حکم (قابلِ اعتبار) ہوگا۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۵۹)

ان عبارات اور دیگر اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ عام پر خاص مقدم ہوتا ہے لہٰذا خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل کبھی پیش نہیں کرنی چاہئے بشرطیکہ دونوں دلیلیں صحیح ہوں۔

مسئلہ: قرآنِ مجید کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔

امام ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ الیشکری رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۵ھ) سے روایت ہے کہ میں ابوحنیفہ کے پاس حاضر تھا، ایک آدمی نے آپ کی طرف کچھ (سوالات کو) لکھ کر بھیجا تھا تو آپ (جواب میں) کہنے لگے: کاٹا جائے گا (ہاتھ) کاٹا جائے گا۔ حتیٰ کہ اُس شخص نے پوچھا: اگر کوئی شخص (باغ کی) کھجوروں میں سے کچھ چُرائے تو؟ انھوں نے فرمایا: (ہاتھ) کاٹا جائے گا۔ میں نے اس آدمی سے کہا: یہ بات ہرگز نہ لکھنا، یہ عالم کی غلطی ہے۔ ابوحنیفہ نے مجھ سے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((لا قطع في ثمر و لا کثر.)) پھل اور کھجور کا شگوفہ چُرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) نے فرمایا:" امح ذلك و اکتب : لا یقطع ، لا یقطع " (میری) اس بات کو (کاٹ کر) مٹا دو اور لکھو: نہیں کاٹا جائے گا نہیں کاٹا جائے گا۔

(کتاب السنۃ للامام عبداللہ بن احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۲۱ ح ۳۸۰ وسندہ صحیح، قلمی نسخہ ص ۲۱ ل)

امام ابوعوانہ نے ((لا قطع)) والی جو حدیث پیش کی تھی، موطأ امام مالک (نسخہ یحییٰ بن یحییٰ ۲/۸۳۹ ح ۱۶۲۸، بتحقیقی) وغیرہ میں موجود ہے۔

نیز دیکھئے تاریخ بغداد للخطیب البغدادی (ج ۱۳ص ۴۰۸ وسندہ صحیح الیٰ ابی عوانہ)

اسے امام حمیدی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

دیکھئے مسند الحمیدی (ح ۴۰۸ بتحقیقی وسندہ صحیح، نسخہ دیوبندیہ: ۴۰۷)

یہ حدیث سنن الترمذی (۱۴۴۹) وغیرہ کتبِ سنن میں بھی موجود ہے۔

امام ابوعوانہ نے تو اسے بطورِ جرح وتنقید بیان کیا تھا مگر اس سچے قصے سے سات مسئلے ثابت ہیں:

① خاص دلیل عام پر مقدم ہوتی ہے۔

② قرآن کی تخصیص خبرِ واحد صحیح کے ساتھ جائز ہے۔

③ جب خاص دلیل نہ ہو تو عام پر عمل کرنا جائز ہے۔

④ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فضیلت ہے کیونکہ انھوں نے حدیث معلوم ہونے کے بعد فوراً حدیث کی طرف رجوع کر لیا تھا اور یہی اہلِ ایمان کی نشانی ہے۔

⑤ اگرچہ عالم کتنا ہی بڑا ہو مگر اُس سے بعض دلائل مخفی رہ سکتے ہیں۔

⑥ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عالم تھے۔

⑦ **المجتهد يخطئ و يصيب**

یعنی مجتہد کو بعض اوقات غلطی بھی لگتی ہے اور بسا اوقات اس کی بات صحیح بھی ہوتی ہے۔

تنبیہ: حدیثِ مذکور کا تعلق درختوں سے لٹکے ہوئے پھلوں کے ساتھ ہے اور یاد رہے کہ پھلوں کے چور پر تعزیر لگ سکتی ہے اور جرمانہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ صحیح حدیث کے ساتھ قرآن مجید کی تخصیص کے قائل وفاعل تھے۔

عبدالحیٔ لکھنوی تقلیدی نے کہا: " **و أما بالخبر الواحد فقال بجوازه الأئمة**

الأربعة... ''اورائمہ اربعہ کے نزدیک خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص جائز ہے۔

(غیث الغمام حاشیۃ امام الکلام ص ۲۷۷)

عبدالحیٔ مذکور کی ولادت سے صدیوں پہلے فوت ہونے والے ابوعمرو عثمان بن عمرو بن ابی بکر المعروف: ابن الحاجب النحوی الاصولی المالکی (متوفی ۶۴۶ھ) نے لکھا:

''یجوز تخصیص القرآن بالسنة المتواترة باتفاق ، و أما خبر الواحد فالأئمة الأربعة علی الجواز '' إلخ سنتِ متواترہ کے ساتھ قرآن کی تخصیص بالاتفاق (بالاجماع) جائز ہے، رہی بات خبرِ واحد کی تو ائمہ اربعہ کے نزدیک خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص جائز ہے۔الخ (منتہی الاصول والامل فی علمی الاصول والجدل ص ۱۳۱)

ابوالعباس احمد بن ادریس القرافی (متوفی ۶۸۴ھ) نے کہا: '' و یجوز عندنا و عندالشافعي و أبي حنیفة تخصیص الکتاب بخبرالواحد .. ''
شافعی، ابوحنیفہ اور ہمارے نزدیک قرآن کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔

(شرح تنقیح الفصول فی اختصار المحصول فی الاصول ص ۲۰۸)

علی بن محمد الآمدی الشافعی (متوفی ۶۳۱ھ) نامی ایک شخص نے لکھا:

'' و أما إذا کانت السنة من أخبار الآحاد فمذهب الأئمة الأربعة جوازه ''
اور اگر سنت خبرِ واحد میں سے ہو تو ائمہ اربعہ کے نزدیک قرآن کی تخصیص جائز ہے۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ج ۲ ص ۳۴۷)

علی بن عبدالکافی السبکی نے کہا: '' و فیها بحثان: الأول في جواز تخصیص الکتاب بخبر الواحد و فیه مذاهب أحدها الجواز مطلقاً و هو المنقول عن الأئمة الأربعة و اختاره الإمام و أتباعه منهم المصنف '' اور اس میں دو بحثیں ہیں: اول قرآن کی خبرِ واحد کے ساتھ تخصیص کا جواز اور اس میں کئی مذاہب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے اور یہ ائمہ اربعہ سے منقول ہے اور اسے امام اور ان کے متبعین بشمول (اس کتاب کے) مصنف نے اختیار کیا ہے۔ (الابہاج فی شرح المنہاج علیٰ منہاج الوصول

الیٰ علم الاصول للبیضاوی، تصنیف السبکی ج ۲ ص ۱۷۱، الفصل الثالث بحوالہ المکتبۃ الشاملہ)

۱۱۸۲ھ میں فوت ہونے والے محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک قرآن کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔

دیکھئے اجابۃ السائل شرح بغیۃ الآمل (اصول الفقہ ص ۳۲۹)

ان حوالوں اور امام ابو حنیفہ کے سچے قصے سے ثابت ہوا کہ قرآن کی تخصیص صحیح حدیث کے ساتھ جائز ہے، چاہے خبرِ واحد ہی کیوں نہ ہو جبکہ عبدالعلی محمد بن نظام الدین الانصاری (تقلیدی) نے علانیہ لکھا ہے: ''لا یجوز عندالحنفیۃ تخصیص الکتاب بخبر الواحد '' حنفیہ کے نزدیک خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے۔

دیکھئے فواتح الرحموت بشرح مسلّم الثبوت (ج ۱ ص ۳۴۹)

ائمہ اربعہ کے خلاف چلنے والے ان تقلیدی حنفیوں نے یہ نظریہ کہاں سے لیا ہے؟ اس کا جواب ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (متوفی ۵۰۵ھ صاحبِ احیاء علوم الدین) کے قلم سے پیشِ خدمت ہے:

غزالی نے کہا: '' قالت المعتزلۃ : لا یخصص عموم القرآن بأخبار الآحاد فإن الخبر لا یقطع بأصلہ بخلاف القرآن ''معتزلہ نے کہا: قرآن کے عموم کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ نہیں کی جائے گی، کیونکہ قرآن کے برخلاف، خبر اصل کے لحاظ سے قطعی نہیں ہوتی۔ (المنخول من تعلیقات الاصول ص ۲۵۲)

معتزلہ کے اس قول کو غزالی نے رد کر دیا اور کہا: '' والمختار : أنہ یخصص ''اور مختار (جسے اختیار کیا گیا) یہ ہے کہ وہ (خبرِ واحد عمومِ قرآن کی) تخصیص کرتی ہے۔ (ایضاً ص ۲۵۳)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''و قد ذھب الجمھور إلی جواز تخصیص عموم القرآن بخبر الآحاد ''جمہور کا یہ مذہب ہے کہ عمومِ قرآن کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔ (فتح الباری ۹/۱۶۲ تحت ح ۵۱۰۸۔ ۵۱۱۰)

اب تیس (۳۰) مثالیں پیشِ خدمت ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحیح حدیث

(خبرِ واحد) کے ساتھ قرآنِ مجید کی تخصیص کرنا بالکل جائز، صحیح بلکہ ضروری ہے:

۱) قرآنِ مجید سے ثابت ہے کہ (حلال جانور اگر) مردار (ہو جائے تو) حرام ہے۔ جبکہ خبرِ واحد سے ثابت ہے کہ سمندر کا مُردار (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

دیکھئے یہی مضمون (شروع والا حصہ) مثال دوم۔

۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا﴾ اور جو کوئی چور ہو مرد یا عورت، تو کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ۔ (المائدہ: ۳۸، ترجمہ عبدالقادر دہلوی ص ۱۳۸)

اس آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دینا چاہئے لیکن صحیح حدیث میں ایک خاص نصاب مقرر کیا گیا ہے، جس سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ نیز دیکھئے یہی مضمون (شروع والا حصہ) مثال پنجم۔

۳) سیدنا یوسف علیہ السلام کو اُن کے بھائیوں نے (بطورِ تعظیم) سجدہ کیا تھا۔

(دیکھئے سورۂ یوسف: ۱۰۰)

اس آیت کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ بندے کو سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے جبکہ صحیح حدیث (خبرِ واحد) میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فإني لو أمرتُ أحدًا أن يسجد لغير الله لأمرتُ المرأة أن تسجد لزوجها.)) إلخ . پس اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرے تو عورت (بیوی) کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۳، وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۲۹۰، والحاکم ۴/۱۷۲، علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

معلوم ہوا کہ شریعتِ محمدیہ میں سجدۂ تعظیمی کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

٤) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾

اور حلال ہوئیں تم کو، جو ان کے سوا ہیں۔ (النساء: ۲۴ ترجمہ عبدالقادر ص ۱۰۰)

آیتِ مذکورہ کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مذکورہ حرام رشتوں کے علاوہ ہر عورت سے نکاح حلال ہے لیکن صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھوپھی اور بھتیجی سے (بیک وقت) نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور خالہ بھانجی سے (بھی بیک

وقت) نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۱۰۸) وصحیح مسلم (۱۴۰۸)

معلوم ہوا کہ اس خاص دلیل کی وجہ سے بیک وقت بیوی کی پھوپھی یا بیوی کی خالہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔

۵) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اللہ کہہ رکھتا ہے تم کو تمہاری اولاد میں، مرد کو حصہ برابر دو عورت کے۔'' (النساء:۱۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۹۶)

اس آیت کے عموم سے ظاہر ہے کہ کافر بیٹا اپنے مسلمان باپ کا وارث ہوسکتا ہے جبکہ حدیث میں آیا ہے کہ ((ولا یرث الکافر المسلم .)) اور مسلمان کا کافر وارث نہیں ہوتا۔ (صحیح بخاری:۶۷۶۴، صحیح مسلم:۱۶۱۴، ترقیم دارالسلام:۴۱۴۰ واللفظ لہ)

۶) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''کس نے منع کی ہے رونق اللہ کی، جو پیدا کی اُسنے اپنے بندوں کے واسطے، اور ستھری چیزیں کھانے کی؟'' (الاعراف:۳۲، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۸۶)

اس آیت کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ مَردوں کے لئے ریشمی لباس پہننا مطلقاً حلال ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ریشمی لباس عورتوں کے لئے حلال اور مَردوں کے لئے حرام ہے لہٰذا خاص کے مقابلے میں عام پیش کر کے مردوں کے لئے ریشم کو مطلقاً حلال قرار دینا غلط ہے۔

۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو کہہ، میں نہیں پاتا، جس حکم میں کہ مجھ کو پہنچا، کوئی چیز حرام، کھانے والے کو، مگر یہ کہ مردہ ہو یا لہو پھینک دینے کا، یا گوشت سؤر کا، کہ وہ ناپاک ہے، یا گناہ کی چیز، جس پر پُکارا اللہ کے سوا کسی کا نام۔'' (الانعام:۱۴۶، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۷۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف چار چیزیں حرام ہیں حالانکہ صحیح احادیث سے گدھوں، کتوں اور درندوں وغیرہ کا حرام ہونا ثابت ہے۔

۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ أَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴾ اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا۔ (النجم:۳۹، ترجمہ عبدالقادر ص ۶۲۴)

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو صرف اُس کے اپنے اعمال کا ہی اجر ملتا ہے

لیکن صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ بیٹا بیٹی اپنے والدین کی طرف سے حج کر سکتے ہیں۔
مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۱۸۵۲) وصحیح مسلم (۱۱۴۹، ترقیم دارالسلام: ۲۶۹۷)

۹) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو دونوں میں چھٹا حصہ جو چھوڑ مرا، اگر میت کی اولاد ہے۔'' (النساء: ۱۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۹۶)

آیتِ مذکورہ سے ثابت ہے کہ اگر مرنے والے کی اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو میت کی وراثت میں سے چھٹا حصہ ملتا ہے لیکن حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کا کافر وارث نہیں ہوتا۔ (دیکھئے فقرہ: ۵)

لہٰذا اس خاص حدیث کی رُو سے کافر والدین اپنے مسلم بیٹے کی وراثت سے محروم رہتے ہیں۔

۱۰) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! جب تم اُٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ، اور ہاتھ کہنیوں تک...'' الخ (المائدۃ: ۶، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۳۱)

آیتِ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنا چاہیے، حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں بشرطیکہ وضو ٹوٹ نہ جائے۔

۱۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے: ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ الخ (النسآء: ۱۱)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور وارث ہوا سلیمان داؤد کا'' (النمل: ۱۶، ترجمہ عبدالقادر ص ۴۵۵)

ان آیات کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اور رسول کی وراثت ہوتی ہے۔ جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا نورث ، ما ترکنا صدقة .)) ہماری وراثت نہیں ہوتی، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

(صحیح بخاری: ۴۰۳۴، صحیح مسلم: ۱۷۵۸، دارالسلام: ۴۵۷۹)

۱۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وہی ہے، جس نے بنایا تمھارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے۔'' (البقرۃ: ۲۹، ترجمہ عبدالقادر ص ۸)

اس آیت کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ مَردوں کے لئے سونا پہننا حلال ہے، جبکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مَردوں کے لئے سونا پہننا حرام اور عورتوں کے لئے حلال ہے۔

۱۳) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور اللہ نے حلال کیا سودا اور حرام کیا سود''

(البقرۃ:۲۷۵، ترجمہ عبدالقادر ص ۵۸)

اگر کوئی شخص اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے یہ کہے کہ ''ایک کلو گندم کے بدلے میں دو کلو گندم لینا جائز ہے'' تو ہم کہیں گے کہ تمھارا استدلال باطل ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے: ((**والبر بالبر ... إلا سواء بسواء عیناً بعین فمن زاد أو ازداد فقد أربی**)) گندم کے بدلے میں گندم... مگر برابر برابر، نقداً نقد پھر جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو اُس نے سودی کاروبار کیا۔ (صحیح مسلم:۱۵۸۶، دارالسلام:۴۰۶۱)

۱۴) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور جن کو طاقت ہے، تو بدلا چاہئے ایک فقیر کا کھانا''

(البقرہ:۱۸۴، ترجمہ عبدالقادر ص ۳۵)

اگر کوئی شخص اس آیت سے استدلال کرے کہ طاقت ور ہٹے کٹے آدمی کے لئے روزے کے بدلے میں کفارہ (ایک فقیر کو کھانا کھلانا) جائز ہے تو عرض ہے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس آیت کا عموم منسوخ ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۴۵۰۷)

لہٰذا اب شرعی عذر والے کے سوا ہر شخص پر روزہ فرض ہے۔

۱۵) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور جس جگہ تم ہوا کرو، پھیرو منہ اسی کی طرف''

(البقرہ:۱۴۴، ترجمہ عبدالقادر ص ۲۸)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہر وقت ہر حالت میں بیت اللہ کی طرف ہی اپنا رُخ رکھنا چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے: اس سے مراد حالتِ نماز میں بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۵۲۵، دارالسلام:۱۱۷۶) اور صحیح بخاری (۴۰)

۱۶) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''حرام ہوا تم پر، مُردہ'' (المائدہ:۳، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۳۰)

یعنی مُردار حرام ہے جبکہ حدیث سے ثابت ہے کہ مُردار کی کھال دباغت سے پاک

ہوجاتی ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۴۹۲) وصحیح مسلم (۳۶۳، دارالسلام: ۸۰۶)

لہٰذا مُردار (حلال جانور جو ذبح کئے بغیر مر جائے) کی کھال دباغت کے بعد استعمال کرنا جائز ہے۔

۱۷) زانیہ عورت اور زانی مرد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ (النور: ۲)

جبکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ شادی شدہ زانی مرد اور شادی شدہ زانی عورت، دونوں کو پتھر مار مار کر قتل (یعنی سنگسار) کیا جائے گا لہٰذا رجم کی خاص سزا کے مقابلے میں عمومِ قرآن سے استدلال باطل ہے۔

۱۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ'' (التوبہ: ۵، ترجمہ عبدالقادر ص ۲۲۷)

اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں سے جنگ کرنے والے مشرکوں کو ہر جگہ قتل کرنے کا حکم ہے جبکہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ ''اور نہ لڑو اُن سے مسجد الحرام (کے) پاس، جب تک وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ۔'' (البقرہ: ۱۹۱، ترجمہ عبدالقادر دہلوی ص ۳۷)

معلوم ہوا کہ خاص کے مقابلے میں عام سے استدلال کرنا غلط ہے۔

۱۹) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور نکاح میں نہ لاؤ شرک والی عورتیں، جب تک ایمان نہ لاویں'' (البقرہ: ۲۲۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۴۳)

اس آیت میں مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت ہے جبکہ دوسری آیت میں اہلِ کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے۔

دیکھئے سورۃ المائدہ (آیت: ۵)

حالانکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے والے پولسی مسیحی بہت بڑا شرک کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہودیوں کا ایک فرقہ سیدنا عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتا تھا۔!

۲۰) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور پوچھتے ہیں تم سے حکم حیض کا۔ تو کہہ، وہ گندی ہے، سو پرے رہو عورتوں سے حیض کے وقت، اور نزدیک نہ ہو اُن سے جب تک کہ پاک نہ

ہوویں۔'' (البقرہ:۲۲۲، ترجمہ عبدالقادر ص۴۴)

آیتِ مذکورہ میں حیض والی عورتوں سے دُور رہنے کا حکم ہے حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہاں دُور رہنے سے مراد جماع سے دور رہنا ہے، نہ یہ کہ مطلقاً اُن سے دُور رہا جائے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۳۰۹، دارالسلام:۶۹۴)

لٰہذا حیض والی عورتوں کے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا حلال ہے اور ان کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا جائز ہے۔

۲۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور طلاق والی عورتیں انتظار کروائیں اپنے تئیں تین حیض تک۔'' (البقرہ:۲۲۸، ترجمہ عبدالقادر ص۴۵)

معلوم ہوا کہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض تک یعنی تین مہینے ہے۔ حالانکہ دوسری آیت سے ثابت ہے کہ حمل والی مطلقہ عورت کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ یا بچی پیدا ہونے) کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ دیکھئے سورۃ طلاق (آیت:۴)

۲۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''پھر اگر اس کو طلاق دے، تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اسکے بعد جبتک نکاح نہ کرے، کسی خاوند سے اسکے سواء'' (البقرہ:۲۳۰، ترجمہ عبدالقادر ص۴۶)

اس آیت سے اگر کوئی شخص استدلال کرے کہ ''تین علیحدہ طلاقیں ملنے کے بعد اگر مطلقہ عورت بطورِ حلالہ کسی شخص سے نکاح کر کے طلاق لے لے تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔'' تو عرض ہے کہ یہ استدلال باطل ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

(مسند احمد ۲/۳۲۳ ح ۸۲۷۰ وسندہ حسن وصححہ ابن الجارود بروایتہ فی المنتقیٰ:۶۸۴)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حلالہ کے بارے میں فرمایا: رغبت کے بغیر کوئی نکاح نہیں، ہم اسے (حلالہ کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زنا سمجھتے تھے۔

(المستدرک للحاکم ۲/۱۹۹ ح ۲۸۰۶ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

۲۳) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَيُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ ﴾ پھر (وفات

دینے کے بعد) اللہ اُس روح کو روک لیتا ہے جس پر موت کا فیصلہ کرتا ہے۔ (الزمر: ۴۲)
جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "فیعاد روحه فی جسده" پھر اس (میت) کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۳۸۱ ح ۱۲۰۵۸، وسندہ حسن، سلیمان الاعمش صرح بالسماع عند احمد ۴/ ۲۸۸ وصححہ البیہقی وغیرہ وللحدیث شواہد وھو بہا صحیح)

معلوم ہوا کہ عمومِ قرآن سے دنیاوی اعادۂ روح کی نفی ثابت ہے اور حدیث سے برزخی اعادۂ روح کا اثبات ہے لہٰذا خاص کے مقابلے میں عام کو پیش کرنا غلط ہے۔ نیز دیکھئے محترم محمد ارشد کمال حفظہ اللہ کی کتاب "المسند فی عذاب القبر" (ص ۷۶۔۸۶، ۱۴۲۔۱۵۱)
تنبیہ: کتاب الصلوٰۃ امام احمد بن حنبل سے اور الفقہ الاکبر امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔ نیز دیکھئے کتاب: جعلی جزء کی کہانی (ص ۱۹۔۲۱)

۲۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾
بے شک مومنوں پر نماز، وقت پر فرض ہے۔ (النسآء: ۱۰۳)

اس آیت کے عموم سے ثابت ہے کہ پانچ نمازوں کو اُن کے اپنے اوقات میں پڑھنا فرض ہے لیکن صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ عرفات (حج والے دن) میں ظہر وعصر کی دونوں نمازیں جمع تقدیم کرکے پڑھنا سنت ہے۔
دیکھئے صحیح مسلم (ج ۴ ص ۱۴۱ ح ۱۲۱۸، ترقیم دار السلام: ۲۹۵۰ ص ۵۱۵ ب)

عرفات سے واپسی کے بعد مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی جمع تاخیر مسنون ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۱۶۸۲) وصحیح مسلم (۱۲۸۹)
مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۵۲ ص ۱۷۔۲۵)

۲۵) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ تو نہیں سُنا سکتا مُردوں کو۔
(النمل: ۸۰، ترجمہ شاہ عبدالقادر ص ۴۶۲)

جبکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مُردہ، دفن ہو جانے کے بعد، اپنے پاس سے واپس جانے والے لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۱۳۳۸، ۱۳۷۴) اور صحیح مسلم (۲۸۷۰، ترقیم دارالسلام: ۷۲۱۶)
تنبیہ: اگر کوئی کہے کہ اس کی سند میں عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ راوی ضعیف ہے، تو اس کے دو جواب ہیں:

اول: عبدالاعلیٰ ثقہ وصدوق راوی تھے، جمہور محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے لہٰذا بعض محدثین کی جرح جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

دوم: عبدالاعلیٰ اس روایت میں منفرد نہیں تھے بلکہ اُن کے علاوہ یہی حدیث یزید بن زریع اور عبدالوہاب بن عطاء دونوں نے سعید بن ابی عروبہ سے بیان کی ہے۔ سعید بن ابی عروبہ کے علاوہ یہی حدیث شیبان بن عبدالرحمٰن نے مفسرِ قرآن قتادہ رحمہ اللہ سے بیان کی اور قتادہ کے سماع کی تصریح صحیح مسلم میں موجود ہے لہٰذا اس حدیث پر منکرینِ حدیث کی ہر قسم کی جرح مردود ہے۔ والحمد للہ

۲۶) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''حلال ہوئے تم کو چوپائے مویشی، سوا اسکے جو تم کو سُنا دیں گے'' (المآئدہ: ۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۲۹)

یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ گدھا ایک چوپایہ مویشی ہے لیکن گدھے کا حرام ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے لہٰذا اس آیت کے عموم سے گدھے خارج ہیں۔

۲۷) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ پس جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے، اُسے کھاؤ۔ (الانعام: ۱۱۸)

جبکہ اجماع ہے کہ مجوسی کا ذبیحہ حرام ہے۔ دیکھئے مغنی ابن قدامہ (ج ۹ ص ۳۱۳ مسئلہ: ۷۷۵۲)
معلوم ہوا کہ آیتِ مذکورہ کے عموم سے استدلال کر کے مجوسی کے مذبوحہ جانور کو حلال قرار دینا غلط ہے۔

تنبیہ: جب اجماع سے عام کی تخصیص جائز ہے تو صحیح حدیث سے بدرجۂ اولیٰ عمومِ قرآن کی تخصیص جائز ہے۔

۲۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: جس نے برائی کمائی اور اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا تو یہ

لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ دیکھئے سورۃ البقرۃ (آیت:۸۱)

اگر کوئی خارجی اس آیت سے استدلال کر کے یہ کہے کہ تمام دوزخی (چاہے کافر تھے یا مسلمان) ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے تو ہم کہیں گے کہ تمھارا استدلال باطل ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان دوزخیوں کو شفاعت وغیرہ کے ذریعے سے اور آخر کار دوزخ سے نکالا جائے گا۔

تنبیہ: آیتِ مذکورہ میں سیئہ اور خطیئہ کے عموم کو اگر شرک وکفر سے خاص کر لیا جائے تو پھر عرض ہے کہ کفار ومشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

۲۹) اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم اور جس کی تم عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں...سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
دیکھئے سورۃ الانبیاء (آیت:۹۸، ۹۹)

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ کفار ومشرکین کے معبود جہنم میں جائیں گے اور دوسری آیتوں سے ثابت ہے کہ نیک لوگ جہنم سے دُور اور محفوظ رہیں گے۔
دیکھئے سورۃ الانبیاء (آیت:۱۰۱، ۱۰۲)

ثابت ہوا کہ خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا باطل ومردود ہے۔

۳۰) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط﴾ پس قرآن میں سے جو آسان ہو (نماز میں) پڑھو۔ (المزمل:۲۰)

آیتِ مذکورہ کے عموم سے ثابت ہوا کہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ دیکھئے صحیح بخاری (۷۵۶)

اس خاص دلیل سے معلوم ہوا کہ مطلق قراءت سے مراد سورۂ فاتحہ کی فرضیت ہے اور دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت فرض یا واجب نہیں ہے۔

اسی طرح خاص وعام کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں مثلاً فرشتوں کا اہلِ زمین (اہلِ ایمان) کے لئے استغفار مانگنا (دیکھئے سورۃ الشوریٰ:۵، اور سورۃ المؤمن آیت:۷)

حنفیت کی طرف منسوب فرقے بھی ان بہت سی تخصیصات کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض جگہ بغیر کسی شرعی دلیل کے خود تخصیص بھی بنا لیتے ہیں مثلاً:

۱: ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ مشرکین نجس ہیں لہٰذا اس سال کے بعد مسجد حرام (بیت اللہ) کے قریب بھی نہ آئیں۔ دیکھئے سورۃ التوبہ (۲۸)

اس کے مقابلے میں حنفیہ کے نزدیک مسجدِ حرام میں ذمی کافر کا داخلہ جائز ہے۔

دیکھئے الہدایہ (اخیرین ص ۴۷۴ کتاب الکراہیۃ) درمختار (۲۷۴/۵) شرح السیر الکبیر (۹۴/۱) الاشباہ والنظائر لابن نجیم (۱۷۶/۲) احکام القرآن للجصاص (۸۸/۳) بحوالہ الفقہ الاسلامی وأدلتہ (۵۸۲/۳)

۲: قرآن مجید میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے مگر حنفیہ کے نزدیک دارالحرب میں مسلمان کے لئے سود کھانا جائز ہے۔ دیکھئے الہدایہ (اخیرین ص ۸۶ باب الربوا)

۳: قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ قاتل کو قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے گا لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی بالغ یا نابالغ کو پانی میں ڈبو کر قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ دیکھئے الہدایہ (اخیرین ص ۵۶۶، باب مایوجب القصاص ومالا یوجبہ)

۴: قرآن سے ثابت ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی جگہ نقب لگا کر داخل ہو اور سارا مال لے کر اپنے ساتھی کے حوالے کر دے جو مکان سے باہر تھا، تو دونوں کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ (دیکھئے الہدایہ اولین ص ۵۴۵ باب مایقطع فیہ ومالا یقطع)

اگر یہ لوگ خود اپنے باطل قیاسات کی بنیاد پر عمومِ قرآن کی تخصیص کر دیں تو ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی شخص صحیح خبرِ واحد سے قرآن کی تخصیص کر دے تو بڑا گناہ بن جاتا ہے۔ سبحان اللہ! کیسا انصاف ہے!

اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی تخصیص صحیح حدیث (خبرِ واحد) کے ساتھ جائز ہے اور خاص دلیل عام دلیل پر مقدم ہوتی ہے لہٰذا خاص کے مقابلے میں عام دلیل کبھی پیش نہیں کرنی چاہئے۔

ظہورِ امام مہدی: ایک ناقابلِ تردید حقیقت

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

صحیح اور حسن احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے، مسلمانوں کا ایک خلیفہ ہوگا جس کے دور میں اللہ تعالیٰ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ اس خلیفہ کا لقب امام مہدی ہے اور انھی کے دور میں (بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے) سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے۔ امام مہدی کے ظہور کے بارے میں بعض صحیح و حسن احادیث باحوالہ وتصحیح درج ذیل ہیں:

① سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((کیف أنتم إذا نزل ابن مریم فیکم و إمامکم منکم ؟))

تمھارا اُس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم تمھارے درمیان نازل ہوں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہوگا؟ (صحیح بخاری: ۳۴۴۹، صحیح مسلم: ۱۵۵، ترقیم دارالسلام: ۳۹۲)

اس حدیث میں امام سے مراد (ایک قول میں) امام مہدی آخر الزمان ہیں۔

دیکھئے ''اکمال اکمال المعلم'' لمحمد بن خلیفہ الوشتانی الأبی (شرح أبی علیٰ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۰، کتاب الایمان حدیث: ۲۴۴)

حافظ ابن حبان نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نزولِ عیسیٰ بن مریم تک اُمت میں امامت (خلافت وحکومت) رہے گی۔

دیکھئے الاحسان (۱۵/۲۱۳ ح ۶۸۰۲، دوسرا نسخہ: ۶۷۶۴)

تنبیہ: بعض روایات میں ''فأمّکم'' کا لفظ آیا ہے، جس کی تشریح میں امام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۸ھ) نے فرمایا: ''فأمّکم بکتاب ربکم عزوجل و سنۃ نبیّکم صلی اللہ علیہ وسلم '' پھر وہ (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) تمھاری امامت

(حکومت) کریں گے: تمھارے رب عزوجل کی کتاب اور تمھارے نبی ﷺ کی سنت کے ساتھ۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۲۴۶، ترقیم دارالسلام: ۳۹۴)

② سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ((لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة)) قال: ((فينزل عيسى بن مريم عليه السلام فيقول أميرهم: تعال صلّ لنا، فيقول: لا ، إن بعضكم على بعض أمراء ، تكرمة الله هذه الأمة.))

میری امت کا ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ حق پر قتال کرتے ہوئے غالب رہے گا، پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو اُن (مسلمانوں) کا امیر کہے گا: آئیں! ہمیں نماز پڑھائیں تو وہ فرمائیں گے: نہیں، تم ایک دوسرے پر امراء ہو، اللہ نے اس اُمت کو فضیلت بخشی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۵۶، دارالسلام: ۳۹۵)

حدیثِ مذکور میں امیر سے مراد مہدی ہیں۔

دیکھئے مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح لملا علی القاری (۹/ ۳۴۱ ح ۵۵۰۷)

③ سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يكون في آخر أمتي خليفة يحثي المال حثيًا ولا يعدّه عدًّا.))

میری اُمت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو (لوگوں میں) گنے بغیر مال اُڑائے گا یعنی تقسیم کرے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۹۱۳، دارالسلام: ۷۳۱۵، شرح السنۃ للبغوی ۱۵/ ۸۶، ۸۷ ح ۴۲۸۱ باب المهدی وقال: "هذا حديث صحيح" الخ)

اس حدیث میں خلیفہ سے مراد امام مہدی ہیں۔

④ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يخرج في آخر أمتي المهدي ، يسقيه الله الغيث و تخرج الأرض نباتها و يعطي المال صحاحًا و تكثر الماشية و تعظم الأمة ، يعيش سبعًا أو ثمانيًا يعني حججًا.)) میری اُمت کے آخر میں مہدی آئے گا جس کے لئے اللہ بارشیں نازل

فرمائے گا اور زمین اپنی نباتات اُگل دے گی، عدل وانصاف سے مال تقسیم کرے گا، مویشی زیادہ ہو جائیں گے اور اُمت کا غلبہ ہوگا، وہ (اپنے ظہور کے بعد) سات یا آٹھ سال زندہ رہے گا۔ (المستدرک ۴/ ۵۵۷، ۵۵۸ ح ۸۶۷۳، وسندہ صحیح)

اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

نیز دیکھئے صحیح مسلم (۲۹۱۳، دارالسلام: ۷۳۱۵)

⑤ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((المهدي منا أهل البيت ، يصلحه الله في ليلة .))

مہدی ہمارے اہلِ بیت میں سے ہے، اللہ اُسے ایک رات میں درست کر دے گا۔

(مسند احمد ۱/ ۸۴ ح ۶۴۵ وسندہ حسن، سنن ابن ماجہ: ۴۰۸۵)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔ یاسین العجلی الکوفی اور ابراہیم بن محمد بن الحنفیہ دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے اور اُن پر جرح مردود ہے۔ نیز دیکھئے سنن ابی داود (۴۲۸۳ وسندہ حسن) اور یہی مضمون فقرہ: ۸

⑥ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((المهدي من عترتي من ولد فاطمة .)) مہدی میرے اہل بیت میں سے: فاطمہ کی اولاد میں سے ہو گا۔ (سنن ابی داود: ۴۲۸۴ وسندہ حسن، سنن ابن ماجہ: ۴۰۸۶)

⑦ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((لا تذهب الدنيا۔ أو لا تنقضي الدنيا۔ حتى يملك العرب رجل من أهل بيتي ، يواطئ اسمه اسمي .)) دنیا اُس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک عربوں کا بادشاہ (حاکم) میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی نہ بن جائے جس کا نام میرے نام جیسا (یعنی محمد) ہو گا۔ (مسند احمد ۱/ ۳۷۶ ح ۳۵۷۳، ص ۴۳۰ ح ۴۰۹۸ وسندہ حسن، سنن ابی داود: ۴۲۸۲، سنن الترمذی: ۲۲۳۰ وقال: ''حسن صحیح'' وصححہ الذہبی فی تلخیص المستدرک ۴/ ۴۴۲)

اس حدیث کے راوی قاری عاصم بن ابی النجود الکوفی رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک موثق

ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے لہٰذا اُن پر جرح مردود ہے اور باقی سند صحیح لذاتہ ہے۔

فائدہ: فطر بن خلیفہ (صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور) وغیرہ کی روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((و اسم أبیہ اسم أبي .)) اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ محمد عوامہ التقلیدی ۲۱/۲۹۲ ح ۳۸۸۰۲ وسندہ حسن، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰/۱۶۳ ح ۱۰۲۱۳)

نیز دیکھئے صحیح ابن حبان (الاحسان: ۶۷۸۵، دوسرا نسخہ: ۶۸۲۴، موارد الظمآن: ۱۸۷۸)

یعنی امام مہدی کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا۔

⑧ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لو لم یبق من الدھر إلا یوم لبعث اللّٰہ عزوجل رجلاً من أھل بیتي یملؤھا عدلاً کما ملئت جورًا .)) اگر دنیا میں سے صرف ایک دن باقی رہ گیا تو بھی اللہ تعالیٰ میرے اہلِ بیت میں سے ایک آدمی مبعوث فرمائے گا جو دنیا کو عدل و انصاف سے (اس طرح) بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی۔

(سنن ابی داود: ۴۲۸۳ وسندہ حسن، فطر بن خلیفہ حسن الحدیث وباقی السند صحیح)

⑨ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((العجب إن ناسًا من أمتي یؤمون البیت برجل من قریش قد لجأ بالبیت حتی إذا کانوا بالبیداء خسف بھم .)) تعجب ہے کہ میری اُمت میں سے بعض لوگ قریش کے ایک آدمی پر حملہ کرنے کے لئے بیت اللہ کا رُخ کریں گے جس نے بیت اللہ میں پناہ لے رکھی ہوگی پھر جب وہ بیداء (مقام) پر پہنچیں گے تو زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۸۴، دارالسلام: ۷۲۴۴)

⑩ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یعوذ عائذ بالبیت فیبعث إلیہ بعث فإذا کانوا ببیداء من الأرض خسف بھم .)) ایک پناہ لینے والا بیت اللہ میں پناہ لے گا پھر اس پر ایک لشکر حملہ کرے گا، جب وہ

بیداءِ زمین (مقام) پر پہنچیں گے تو انھیں دھنسا دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۸۸۲، دارالسلام: ۷۲۴۰)

ان احادیثِ مرفوعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت سے پہلے امام مہدی کا ظہور متواتر احادیث سے ثابت ہے اور یہ ایسا سچ ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔

بہت سے علمائے کرام نے ظہورِ مہدی والی احادیث کو متواتر قرار دیا ہے مثلاً:

۱: حافظ ابوالحسین محمد بن الحسین الآبری السجزی

(فتح الباری ۶/ ۴۹۳، ۴۹۴ ح ۳۴۴۹، المنار المنیف لابن القیم ص ۱۴۱۔۱۴۲)

۲: محمد بن جعفر بن ادریس الکتانی (نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ص ۲۳۶ ح ۲۸۹)

تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر عبدالعلیم بن عبدالعظیم البستوی کی کتاب ''المهدي المنتظر في ضوء الأحاديث والآثار الصحيحة'' (ص ۴۰۔۴۳)

اب امام مہدی کے بارے میں بعض آثار پیشِ خدمت ہیں:

۱: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فتنہ ہوگا، اس میں لوگ اس طرح تپیں گے جس طرح سونا بھٹی میں تپتا ہے لہٰذا اہلِ شام کو بُرا نہ کہو کیونکہ اُن میں ابدال ہیں اور شامی ظالموں کو بُرا کہو... پھر لوگ قتال کریں گے اور انھیں شکست ہوگی پھر ہاشمی ظاہر ہوگا تو اللہ تعالیٰ انھیں دوبارہ باہم شیر وشکر بنا دے گا اور اپنی نعمتوں کی فراوانی فرما دے گا پھر لوگ اسی حالت پر ہوں گے کہ دجال کا خروج ہوگا۔ (المستدرک للحاکم ۴/ ۵۵۳ ح ۸۶۵۸ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

۲: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اُمید ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ ہم: اہلِ بیت میں سے ایک نوجوان لڑکا ظاہر ہوگا، اُس پر فتنے آئیں گے لیکن وہ فتنوں سے بچا رہے گا، وہ اس اُمت کا معاملہ سیدھا کر دے گا۔ الخ (السنن الواردۃ فی الفتن وغوائلہا والساعۃ وأشراطہا للدانی ج ۵ ص ۱۰۴۳ ح ۵۵۹ وسندہ حسن، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ ۱۹۶ ح ۳۷۶۲۰)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''منا ثلاثة: منا السفاح و منا المنصور و منا المهدي'' ہم میں سے تین ہیں: خون بہانے والا، جس کی مدد کی جائے گی اور مہدی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ ۱۹۷ ح ۳۷۶۳۱ وسندہ حسن)

۳: ایک صحابی سے روایت ہے کہ اس وقت تک مہدی ظاہر نہیں ہوں گے جب تک نفسِ زکیہ قتل نہ ہو جائے... الخ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/۱۹۹ ح ۳۷۶۴۲ وسندہ حسن)

۴: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کے بارے میں فرمایا:

"فإنهم أسعد الناس بالمهدي" کوفہ والے مہدی کے ساتھ خوش بخت ہوں گے۔

(الفتن للدانی ۵/۱۰۵۸، ۱۰۵۹ ح ۵۷۸ وسندہ حسن)

ان احادیث اور آثار کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت سے پہلے محمد بن عبداللہ الفاطمی الہاشمی نام کے ایک خلیفہ ہوں گے جنھیں امام مہدی کہتے ہیں، اُن کے زمانے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور رُوئے زمین پر دینِ اسلام کا غلبہ ہوگا۔

متعدد علمائے کرام نے ظہورِ امام مہدی کی احادیث کو صحیح و ثابت قرار دیا ہے مثلاً امام ترمذی، حافظ ابن حبان، حاکم، عقیلی اور ذہبی وغیرہم۔ دیکھئے مولانا محمد منیر قمر نواب الدین حفظہ اللہ کی کتاب: "ظہورِ امام مہدی ایک اٹل حقیقت"

تنبیہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ولا المهدي إلا عيسى بن مريم" اور عیسیٰ بن مریم کے علاوہ مہدی نہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۹)

یہ روایت چار وجہ سے ضعیف یعنی مردود ہے:

۱: حسن بصری رحمہ اللہ مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

۲: محمد بن خالد الجندی مجہول راوی ہے اور اُس کی توثیق امام ابن معین سے ثابت نہیں ہے۔

۳: ابان بن صالح نے حسن بصری سے یہ حدیث نہیں سنی۔

۴: محدثینِ کرام میں سے کسی نے بھی اس روایت کو صحیح نہیں کہا بلکہ بیہقی، حاکم اور ذہبی وغیرہم نے اسے "منکر" یعنی ضعیف و مردود قرار دیا ہے۔

دیکھئے میری کتاب: تخریج النہایۃ فی الفتن والملاحم (مخطوط ص ۷۱، ۷۲ ح ۱۰۷)

(۱۶/ فروری ۲۰۰۹ء)

بدشگونی اور نحوست کچھ بھی نہیں ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا طيرة.)) کوئی بدشگونی نہیں ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۷۵۴، صحیح مسلم: ۲۲۲۳، ترقیم دارالسلام: ۵۷۹۸)

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ((لا شؤم)) کوئی بدشگونی اور نحوست نہیں ہے۔ (سنن الترمذی: ۲۸۲۴ وسندہ حسن، سلیمان بن سلیم الشامی ثقہ واسماعیل بن عیاش حسن الحدیث عن الشامیین وھو بری من التدلیس)

معلوم ہوا کہ دینِ اسلام میں بدشگونی اور نحوست کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بعض ناسمجھ اور جاہل لوگوں کی مت ماری ہوئی ہے جو اپنے دل و دماغ میں بدشگونیوں اور نحوست کے جال بچھائے بیٹھے ہیں۔ توہمات کی دنیا میں رہنے والے کبھی یہ سمجھتے ہیں کہ آج فلاں منحوس آدمی ہمارے سامنے آگیا تھا لہٰذا آج کا دن بہت خراب رہے گا، کبھی یہ کہتے ہیں کہ اگر منگل یا بدھ کے دن کوئی سفر یا کام شروع کیا تو بہت نقصان ہوگا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ صفر کے مہینے میں بڑی نحوست اور ''تیرہ تیزی'' ہوتی ہے جس کی وجہ سے چیزیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ دو عیدوں کے درمیان شادی کرنا غلط ہے۔ ان وہمی لوگوں کی یہ ساری باتیں فضول ہیں اور قرآن و حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''تزوجني رسول الله ﷺ في شوال و بنى بي في شوال .'' رسول اللہ ﷺ نے شوال (کے مہینے) میں مجھ سے شادی کی اور شوال میں ہی میری رخصتی ہوئی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۳، النسائی ۶/ ۷۰ ح ۳۲۳۸ وسندہ صحیح)

شوال کا مہینہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیان ہے لہٰذا دو عیدوں کے درمیان شادی نکاح نہ کرنے کا تصور اس صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

جن روایتوں میں عورت وغیرہا کے بارے میں نحوست کا ذکر آیا ہے، ان سے یہ اصطلاحی نحوست مراد نہیں بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ دنیا میں عام قتل و فساد عورت، جائیداد اور گھڑسواروں (فوج) کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اصحاب الحدیث کون؟

ابو طاہر برکۃ الجوزی الواسطی نے کہا: میں نے مالک اور شافعی کی افضلیت کے بارے میں ابوالحسن (علی بن محمد بن محمد بن الطیب) المغازلی (متوفی ۴۸۳ھ) سے مناظرہ کیا، چونکہ میں شافعی المذہب تھا لہٰذا شافعی کو افضل قرار دیا اور وہ مالکی المذہب تھے لہٰذا انھوں نے مالک (بن انس) کو افضل قرار دیا، پھر ہم دونوں نے ابو مسلم (عمر بن علی بن احمد بن اللیث) اللیثی البخاری (متوفی ۴۶۶ھ یا ۴۶۸ھ) کو فیصلہ کرنے والا ثالث (جج) بنایا تو انھوں نے شافعی کو افضل قرار دیا، پس ابوالحسن غصے ہو گئے اور کہا: شاید تم اُس (امام شافعی) کے مذہب پر ہو؟ انھوں (امام ابو مسلم اللیثی البخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا: ''نحن أصحاب الحدیث. الناس علٰی مذاهبنا فلسنا علٰی مذهب أحد ولو کنا ننتسب إلٰی مذهب أحد لقیل: أنتم تضعون له الأحادیث'' ہم اصحاب الحدیث ہیں، لوگ ہمارے مذاہب پر ہیں، ہم کسی کے مذہب پر نہیں ہیں اور اگر ہم کسی ایک مذہب کی طرف منسوب ہوتے تو کہا جاتا کہ تم اس (مذہب) کے لیے حدیثیں بناتے ہو۔ (سوالات الحافظ السلفی لخمیس الحوزی ص ۱۱۸ ت ۱۱۳)

معلوم ہوا کہ اصحاب الحدیث (اہل الحدیث) کسی تقلیدی مذہب مثلاً شافعیت اور مالکیت کے مقلد نہیں تھے بلکہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے والے تھے۔ اس عظیم الشان حوالے کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اصحاب الحدیث شافعیت و مالکیت وغیرہما کی تقلید کرنے والے تھے (!) تو یہ شخص اپنا دماغی معائنہ کروالے۔

تنبیہ: امام ابو مسلم اللیثی ثقہ تھے۔ دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۵۸ ت ۳/۹۰) اور سیر اعلام النبلاء (۱۸/۴۰۸)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''صاحب الحدیث عندنا من یستعمل الحدیث'' ہمارے نزدیک صاحب الحدیث وہ شخص ہے جو حدیث پر عمل کرتا ہے۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب ۱/۱۴۴ ح ۱۸۳، وسندہ صحیح، مناقب الامام احمد لابن الجوزی ص ۲۰۸ وسندہ صحیح)

حق کی طرف رجوع

تبع تابعی امام سعید بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری رحمہ اللہ نے اپنے دادا سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے نام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط نکالا، جس میں لکھا ہوا تھا:

''**لا يمنعك قضاء قضيته بالأمس راجعت فيه نفسك وهديت فيه لرشدك أن تراجع الحق فإن الحق قديم و إن الحق لا يبطله شيُ و مراجعة الحق خير من التمادي في الباطل** ''تم نے کل جو فیصلہ کیا تھا اگر (آج) اس میں نظرِ ثانی کر لی اور صحیح کی طرف تمھاری راہنمائی ہوگئی تو حق کی طرف رجوع کرنے سے کبھی نہ رُکنا کیونکہ حق قدیم ہے، اسے کوئی چیز باطل نہیں کرتی اور باطل میں ضد جھگڑے سے حق کی طرف رجوع کرنے میں خیر ہے۔ (سنن الدارقطنی ۴؍۲۰۷ ح ۴۴۲۶، اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف بن حیان ۱؍۷۱، ۷۲)

اس سچے موتی اور فاروقی کلام کی سند سعید بن ابی بردہ تک صحیح ہے، ان کے شاگرد ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن الاودی ثقہ تھے۔ دیکھئے التقریب (۲۹۶)

سعید کے پاس وہ کتاب یعنی خط تھا جو سیدنا عمر نے سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہما کی طرف بھیجا تھا، جسے سعید نے (اپنے والد ابو بردہ رحمہ اللہ سے) حاصل کیا تھا اور کتاب سے روایت وجادہ ہونے کی وجہ سے صحیح وحجت ہے۔ دیکھئے مسند الفاروق لابن کثیر (۲؍۵۴۶، ۵۴۷)

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں: یہ کتاب جلیل الشان ہے، اسے علماء کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۷۷، فصل: النوع الرابع من أنواع الرأیٔ المحمود)

یہی وہ بنیادی منہج ہے جس پر ہم ہر وقت رواں دواں ہیں اور ماہنامہ الحدیث حضرو کے صفحات اس پر گواہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے بارے میں ملا مرغینانی نے بار بار لکھا ہے کہ فلاں مسئلے سے امام صاحب نے رجوع کر لیا تھا۔ مثلاً دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۶۱)

شیخ البانی رحمہ اللہ کے رجوع اور تراجعات والی کتاب ایک یا دو جلدوں میں چھپی ہوئی ہے۔ خوش نصیب ہے وہ جو اپنی غلطی معلوم ہو جانے کے بعد حق کی طرف لوٹ آئے۔

شعاراصحاب الحدیث

[شعاراصحاب الحدیث امام ابواحمد الحاکم الکبیر رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۸ھ) کی بہترین تصنیف ہے، جس کا ترجمہ وتحقیق پیشِ خدمت ہے۔ اس کتاب کی سند عربی متن کے شروع میں مذکور ہے اور صحیح ہے۔]

۱) **الحمد للّٰه ربّ العالمين وصلّى اللّٰه علىٰ محمد و آله أجمعين .**

سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

(سیدنا) محمد (ﷺ) اور آپ کی تمام آل پر درود (وسلام) ہو۔

۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مومنین صرف وہ لوگ ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو وہ ڈر جائیں اور جب اللہ کی آیتیں اُن کے سامنے پڑھی جائیں تو اُن کا ایمان زیادہ ہو جائے اور وہ اپنے رب پر توکل (بھروسا) کرتے ہیں۔ (الانفال:۲)

۳) اور فرمایا: اُسی نے مومنین کے دلوں میں سکون نازل کیا تاکہ اُن کا ایمان زیادہ ہو جائے۔ (الفتح:۴)

۴) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہوئے (تو) ہم نے اُن کی ہدایت زیادہ کر دی اور اُنھیں تقویٰ عطا فرمایا۔ (محمد:۱۷)

باب (۱) اس دلیل کا ذکر کہ ایمان دل میں ہوتا ہے

۵) عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں کوئی (بھی) ایسا شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر تکبر ہو اور (جہنم کی) آگ میں کوئی (بھی) ایسا شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو۔

....

(۵) صحیح مسلم (کتاب الأیمان، باب تحریم الکبر وبیانہ ح۹۱)

٦) عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے (ہی) روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنت میں کوئی (بھی) ایسا شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر تکبر ہو اور (جہنم کی) آگ میں کوئی (بھی) ایسا شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو۔

باب (۲) اس دلیل کا ذکر کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے

٧) عمیر بن حبیب (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے، کہا گیا کہ اس کی زیادتی اور کمی کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: جب ہم اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اس کی حمد و تسبیح بیان کرتے ہیں ___ یہ (ایمان کی زیادتی) ہے اور جب ہم غافل ہو جاتے ہیں تو (اُسے) بھول جاتے ہیں ___ یہ اس (ایمان) کی کمی ہے۔ (اس حدیث کے راوی) ابو نصر التمار (عبدالملک بن عبدالعزیز النسائی) نے فرمایا: ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

٨) (امام) احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) نے ایمان کی کمی و زیادتی کے بارے میں عمیر بن حبیب (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے۔ ان (سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ) سے کہا گیا کہ اس کی زیادتی اور نقصان (کمی) کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: جب ہم اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اس کی حمد و تسبیح بیان کرتے ہیں ___ یہ اس کی زیادتی ہے۔ جب ہم غافل ہو جاتے ہیں اور اُسے ضائع کر دیتے اور بھلا دیتے ہیں ___ یہ اس کا نقصان ہے۔

٩) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔

....

(٦) صحیح مسلم (کتاب الإیمان، باب تحریم الکبر و بیانہ ح۹۱)

(٧) حسن، اسے ابن ابی شیبہ (کتاب الإیمان: ۱۴) عبداللہ بن احمد بن حنبل (کتاب السنۃ: ۶۲۴، ۶۸۰) آجری (الشریعۃ ص۱۱۲) اور بیہقی (شعب الإیمان: ۵۶) نے حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے۔ یزید بن عمیر بن حبیب کی توثیق کے لئے دیکھئے مسائل محمد بن عثمان بن ابی شیبہ: ۲۵ تحقیقی

(٨) حسن، دیکھئے حدیث سابق: ۷

(٩) اسنادہ ضعیف جداً، اسے ابن ماجہ (المقدمہ، آخر: باب فی الایمان ح ۷۴) نے عبدالوہاب بن مجاہد سے روایت کیا ہے، یہ عبدالوہاب بالاجماع متروک ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ۶/۴۰۰) اسے سفیان ثوری وغیرہ نے کذاب قرار دیا ہے۔ (التقریب: ۴۲۶۳)

۱۰) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

۱۱) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

۱۲) عبدالرزاق (بن ہمام الصنعانی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ میں نے (امام) مالک (بن انس)، اوزاعی، ابن جریج، (سفیان) الثوری اور معمر (بن راشد) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایمان قول وعمل (کا نام) ہے، زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

۱۳) (امام) مالک (بن انس: صاحب الموطأ) سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾

تا کہ ان کے ایمان پر ایمان زیادہ ہو جائے۔ (الفتح: ۴)

اور ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا:

﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ﴾

---

(۱۰) ضعیف ہے۔ اسے عبداللہ بن احمد (السنۃ: ۶۲۲) آجری (الشریعۃ ص ۱۱۱) اور بیہقی (شعب الایمان: ۵۵) نے اسماعیل بن عیاش سے بیان کیا ہے۔ عبداللہ بن ربیعہ کی حافظ ابن حبان (الثقات ۵/ ۲۷) کے علاوہ کسی نے بھی توثیق نہیں کی لہٰذا وہ مجہول الحال ہے۔ واللہ اعلم

(۱۱) ضعیف ہے۔ اسے عبداللہ بن احمد (السنۃ: ۶۲۳) نے اسماعیل بن عیاش سے بیان کیا ہے، ابن ماجہ کے ہاں اس روایت کا ایک دوسرا رنگ ہے۔ (زوائد ابن القطان ح ۷۵) حارث سے مراد ابوحبیب بن حارث بن مخمر ہے (دیکھئے شعب الایمان: ۵۳، ۵۴) ابو حاتم نے یہ اشارہ کیا ہے کہ حارث بن مخمر نے ابوالدرداء سے (کچھ) نہیں سنا لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔

(۱۲) سند صحیح ہے، اسے آجری نے عبدالرزاق سے بیان کیا ہے۔ (الشریعۃ ص ۱۱۷)

(۱۳) اس کی سند ضعیف ہے۔

اسحاق بن محمد الفروی حافظے کی وجہ سے ضعیف ہے، اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اس کی روایات (جن کی کل تعداد تین ہے) صحیح بخاری میں متابعات میں ہیں۔ حاکم (۴/ ۹۰) نے اس کی روایات کو صحیح کہا ہے۔

اے میرے رب! مجھے دکھاؤ کہ تم کس طرح مُردوں کو زندہ کرتے ہو؟ کہا: کیا تجھے یقین نہیں؟
کہا: کیوں نہیں! (یقین) ہے لیکن میں اپنا دل مطمئن کرنا چاہتا ہوں۔ (البقرۃ:۲۶۰)
(مالک نے) فرمایا: پس اُن کے دل کا اطمینان، ایمان کی زیادتی ہے، اور راوی نے باقی حکایت (بیان) کی (جسے یہاں حذف کردیا گیا ہے۔)

۱۴) یحییٰ بن سُلیم (الطائفی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ ابن جریج، مالک، محمد بن مسلم (الطائفی)، محمد (بن عبداللہ) بن عمرو بن عثمان، مثنیٰ (بن معاذ) اور سفیان الثوری فرماتے تھے کہ ایمان قول و عمل (کا نام) ہے۔

باب (۳) اُس دلیل کا ذکر کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے

۱۵) (سفیان) بن عیینہ (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ
میں نے ستر سال سے، عمرو بن دینار سمیت اپنے (تمام) اساتذہ کو (یہی) فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

---

(۱۴) اس کی سند حسن ہے۔ اسے لالکائی نے اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ (۸۴۷/۲، ۸۴۸) میں حمیدی عن یحییٰ بن سلیم کی سند سے نقل کیا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: حمیدی نے یحییٰ بن سلیم سے جو روایت کیا ہے وہ صحیح ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ۱۹۹/۱۱)

(۱۵) اس کی سند حسن ہے۔ اسے بیہقی (الاسماء والصفات ص ۲۴۵ و نسخہ اخری ص ۳۱۵) نے اس کتاب کے مؤلف ابو احمد الحاکم سے روایت کیا ہے۔ حکم بن محمد الطبری کو ابن حبان نے ثقات (۱۹۵/۸) میں ذکر کیا اور بخاری نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ (دیکھئے التاریخ الکبیر ۳۳۸/۲ و خلق افعال العباد: ۱) لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں۔

باب نمبر (۴)

۱۶) (امام) احمد بن حنبل رحمہ اللہ) سے پوچھا گیا کہ آپ خلافت کے بارے میں کیا موقف رکھتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی (خلفائے راشدین ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین)

کہا گیا: گویا آپ سفینہ (رضی اللہ عنہ) والی حدیث کے قائل ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: میں سفینہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث اور ایک دوسری چیز کا قائل ہوں۔ میں نے (احادیث کی روشنی میں) دیکھا کہ ابوبکر اور عثمان (رضی اللہ عنہما) کے زمانے میں علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنے آپ کو امیر المومنین نہیں کہا اور نہ نمازوں اور حدود کے قیام کا اہتمام کیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد انھوں یہ کام کیئے تو مجھے علم ہو گیا کہ اس وقت وہ اس بات کے مستحق ہو گئے جس کے وہ پہلے نہیں تھے۔

۱۷) ابورجاء قتیبہ بن سعید (رحمہ اللہ) نے فرمایا:

(دین اسلام کے) اماموں کا (اہل) اسلام اور (اہل) سنت میں یہی قول مُسلّم ہے کہ اللہ کے فیصلے پر (مکمل) رضامندی، اس کے احکامات کی اطاعت اور حکمتوں پر صبر (کیا جائے)، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان، اللہ نے جس کا حکم دیا ہے اُس پر عمل اور جس سے منع کیا ہے اُس سے اجتناب، خلوص (اور صحیح نیت) کے ساتھ (صرف) اللہ کے لئے (نیک) عمل کرنا۔ دین میں جھگڑے، شک اور مجادلے ترک کر دینا: موزوں پر مسح کرنا اور ہر خلیفہ کے ساتھ مل کر کافروں سے جہاد کرنا۔ تجھے جہاد کا ثواب ملے گا اور اُس (خلیفہ) کی بُرائی اُس پر

---

(۱۶) اس کی سند حسن ہے۔

اسے بیہقی (کتاب الاعتقاد ص ۳۳۶) نے مؤلف کتاب ابواحمد الحاکم سے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ابوعروبہ الحرانی ثقہ تھے، ان سے تشیع کی بدعت ثابت نہیں ہے کجا یہ کہ غلو فی التشیع کا الزام؟!

(۱۷) اس کی سند صحیح ہے۔

(ہی) ہے۔ جمعہ وعیدین کی نماز باجماعت ہر نیک وبد کے پیچھے پڑھنا۔ اہل قبلہ میں سے جو شخص فوت ہو جائے اس کی نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہے۔ ایمان قول وعمل ہے اور ایمان کے درجات ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی جنت وجہنم کا (صراحتاً بالجزم) مستحق قرار نہیں دیتے۔ اور اہل توحید میں سے کسی شخص پر (جنتی یا جہنمی کی) قطعی گواہی نہیں دیتے اگر چہ وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو۔

ہم مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج نہیں کرتے اگر چہ وہ (باہم) لڑائیاں کریں، جو شخص امت پر خروج کا قائل ہے چاہے کوئی بھی ہو، ہم اُس سے بری ہیں۔

اس امت میں نبی (ﷺ) کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان (پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین) صحابہ کرام کی بُرائیاں بیان کرنے سے (مکمل) اجتناب کیا جائے۔ ہم اُن میں سے کسی ایک کا ذکر بھی بُرائی کے ساتھ نہیں کرتے اور نہ کسی کی تنقیص کرتے ہیں۔ (قیامت کے دن اللہ کی) رُویت (یعنی مومنین کا دیدار باری تعالیٰ) رُویت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جو (صحیح) احادیث پہنچی ہیں، انھیں برحق سمجھ کر تصدیق کرنا، رسول اللہ ﷺ کی ہر (صحیح وحسن) حدیث کی اتباع کرنا سوائے یہ کہ کسی حدیث کا منسوخ ہونا معلوم ہو جائے تو ناسخ پر عمل کیا جائے گا۔ عذابِ قبر حق ہے۔ (اعمال کا) میزان (میں تولا جانا) حق ہے۔ حوض (کوثر) حق ہے اور (امت کے گناہ گاروں کے لئے) شفاعت حق ہے۔ (جہنم کی) آگ سے ایک قوم کا نکلنا حق ہے۔ یہ سچ ہے کہ (قیامت سے پہلے) دجال نکلے گا، رجم حق ہے جب دیکھو کہ کوئی شخص درج ذیل علماء سے محبت کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ سیدھے راستے پر ہے:

سفیان الثوری، مالک بن انس، ایوب السختیانی، عبداللہ بن عون، یونس بن عبید، سلیمان التیمی، شریک القاضی، ابوالاحوص، الفضیل بن عیاض، سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد، (عبداللہ) بن المبارک، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن سعید (القطان)، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن یحییٰ (النیسابوری) احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ۔

اگر کسی آدمی کو دیکھو جو انھیں شکوک میں مبتلا سمجھتا ہے تو جان لو کہ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹکا ہوا ہے۔ اگر وہ انھیں مشبہہ کہے تو اس شخص سے بچ جاؤ، یہ جہمی ہے۔

اگر وہ انھیں مجبرہ کہے تو یہ تقدیر کا منکر ہے۔

ایمان کے (مختلف) درجات ہیں: ایمان قول، عمل اور نیت کا نام ہے۔ نماز ایمان میں سے ہے (اسی طرح) زکوۃ اور حج (بھی) ایمان میں سے ہیں۔ راستے سے تکلیف دہ اشیاء کا ہٹانا ایمان میں سے ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ لوگ ہمارے ہاں اقرار، حدود اور وراثت کے لحاظ سے مومنین ہیں۔ اللہ نے انھیں یہی نام دیا ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اللہ کے نزدیک بھی بلاشک مومن ہی ہیں۔ ہم "عند اللہ" کا دعویٰ نہیں کرتے اور ہم یہ (بھی) نہیں کہتے کہ (ہمارا ایمان) جبریل و میکائیل کے ایمان جیسا ہے کیونکہ ان دونوں کا ایمان تو مقبول ہے۔

ہم قدری (منکر تقدیر) رافضی اور جہمی (امام) کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

اور جس نے اس آیت: ﴿ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ﴾

بے شک میں اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی الٰہ نہیں پس میری عبادت کرو۔ [طٰہٰ:١٤] کو مخلوق کہا اُس نے یقیناً کفر کیا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کو مخلوق کی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا۔

(یہ) معلوم ہے کہ اللہ ساتویں آسمان پر، اپنے عرش پر ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ○ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ﴾

رحمٰن عرش پر مستوی ہوا، آسمانوں و زمین اور ان کے درمیان اور گہرائیوں میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ (طٰہٰ:٥)

جنت اور جہنم دونوں مخلوق ہیں۔ یہ (کبھی) فنا نہیں ہوں گی۔ نماز اللہ کی طرف سے تمام رکوعوں، سجدوں اور قراءت کے ساتھ فرض ہے۔

۱۸) نصر بن علی الجہضمی (رحمہ اللہ) نے فرمایا:

میں سفینہ (رضی اللہ عنہ) والی حدیث پر عمل کرتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے بعد ابو بکر، عمر، عثمان، اور علی (رضی اللہ عنہم) کی تقدیم (وفضیلت) کا قائل ہوں۔ (احمد) بن حنبل کا قول بھی یہی ہے اور انھوں نے حدیثِ سفینہ کو حجت سمجھا ہے۔

۱۹) یحییٰ بن معین (رحمہ اللہ) نے فرمایا:

قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے، اور بار بار فرمایا: اس اُمت میں نبی (ﷺ) کے بعد سب سے بہتر ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ یہی ہمارا قول ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

باب (۵) اس بات کی دلیل کہ عمل کے وقت نیت کے بغیر عمل کا کوئی اعتبار نہیں ہے

۲۰) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے پس جو اللہ اور رسول کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے (ہی) ہوتی ہے۔ اور جو شخص دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے گھر بار چھوڑتا ہے تو اس کی ہجرت اس کے لئے ہوتی ہے۔

---

(۱۸) اس کی سند صحیح ہے۔ ابو الحسن علی بن محمد (حمشاذ) بن سختویہ بن نصر النیسابوری اور محمد بن ایوب بن یحییٰ بن الضریس دونوں ثقہ تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۵/۳۹۸، ۱۳/۴۴۹)

(۱۹) اس کی سند صحیح ہے۔

(۲۰) متفق علیہ

اسے بخاری (کتاب الأیمان والنذور، باب النیة فی الأیمان ح۶۶۸۹) اور مسلم (کتاب الأمارة، باب استحباب طلب الشهادة في سبيل الله ح۱۹۰۷) نے عبدالوہاب الثقفی کی سند سے روایت کیا ہے۔

باب (۶) اس کی دلیل کہ نماز اور وضو ایمان میں سے ہیں

۲۱) ابو مالک الاشعری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو آدھا ایمان ہے۔ الحمد للہ میزان کو بھر دے گی۔ نماز نور ہے، صدقہ دلیل ہے اور صبر روشنی ہے۔ قرآن تیری دلیل ہے یا تجھ پر حجت ہے۔

باب (۷) اس کی دلیل کہ وضو کے بغیر اللہ نماز قبول نہیں کرتا اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ قبول کرتا ہے

۲۲) (عبداللہ) بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ، وضو کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ قبول کرتا ہے۔

باب (۸) جو شخص اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے اُس پر (اعضاء کا) دھونا (یعنی وضو) فرض ہے اور اس کا کتاب وسنت سے بیان کہ (یہاں) ہاتھ سے چھونا (مراد) ہے

۲۳) اللہ عزوجل نے فرمایا: اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب تجھ پر نازل کرتے تو یہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے۔ (الانعام:۷)

۲۴) پس ہمارے رب نے بتایا ہے کہ ہاتھ سے چھوا جاتا ہے۔

۲۵) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اے ایمان والو! جب تم نماز کے (ارادے کے) لئے کھڑے ہو جاؤ تو اپنے چہرے دھو لو ...... (سے لے کر) اور (اگر) تم عورتوں کو چھوؤ پھر پانی نہ پاؤ تو تیمّم کر لو۔ (المائدہ:۶)

---

(۲۱) اسے مسلم (کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء ح ۲۲۳) نے ابان بن یزید العطار سے روایت کیا ہے۔

(۲۲) اسے مسلم (کتاب الطھارۃ، باب وجوب الطھارۃ للصلوۃ ح ۲۲۴) نے سماک بن حرب سے روایت کیا ہے۔

۲۶) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ہر آدمی کو ضرور بالضرور زنا سے (کچھ) حصہ ملتا ہے، فرمایا: آنکھ کا زنا (فحاشی و بے حیائی کی طرف) نظر (کرنا) ہے۔ ہاتھ کا زنا چھونا ہے، دل خواہشات گھڑ کر اُن میں مگن رہتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے۔

۲۷) عبداللہ (بن عمر رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے: آدمی کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اُسے اپنے ہاتھ سے چھونا ملامست میں سے ہے۔ پس جو شخص اپنی بیوی کا بوسہ لے گا یا اپنے ہاتھ سے (بنظر شہوت) اسے چھوئے تو اسے وضو کرنا چاہئے۔

۲۸) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے:

بوسہ لینا ملامست (چھونے) سے ہے اور اس سے وضو (لازم) ہے ملامست جماع کے علاوہ ہے۔

....

(۲۶) اس کی سند صحیح ہے۔

یہ روایت صحیح ابن خزیمہ (۱/۲۰ ح ۳۰) میں ہے اور غالباً وہیں سے صاحبِ کتاب نے اسے نقل کیا ہے۔ اسے ابن حبان (الاحسان: ۴۴۰۵) نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

(۲۷) صحیح ہے۔

اسے امام مالک (الموطأ ۱/۴۳ ح ۶۴) وغیرہ نے امام زہری سے بیان کیا ہے اور دارقطنی (۱/۱۴۴) نے "صحیح" قرار دیا ہے۔

(۲۸) صحیح ہے۔

اسے عبدالرزاق (المصنف: ۴۹۹، ۵۰۰) ابن ابی شیبہ (المصنف ۱/۴۵) طبرانی (الکبیر ۹/ ۲۸۵) ابن جریر الطبری (التفسیر ۵/۶۷) دارقطنی (۱/۱۴۵) اور بیہقی (۱/۱۲۴) نے اعمش سے بیان کیا ہے۔ اسے دارقطنی نے صحیح کہا۔ بیہقی وغیرہ کے ہاں اس کا ایک صحیح شاہد بھی ہے۔

باب (۹) اس کا ذکر کہ اذان دو دو دفعہ ہے اور اقامت ایک ایک دفعہ ہے

۲۹) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے:
بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا گیا (تھا) کہ اذان دوہری کہیں اور اقامت اکہری کہیں۔

۳۰) انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا گیا (تھا) کہ اذان دوہری کہیں اور اقامت اکہری کہیں سوائے قد قامت الصلاۃ کے۔

۳۱) انس (رضی اللہ عنہ) سے (ہی) روایت ہے: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا تھا کہ وہ اذان دوہری کہیں اور اقامت اکہری کہیں۔

۳۲) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان دوہری ہوتی تھی اور اقامت اکہری ہوتی تھی۔

....

(۲۹) اسے مسلم (کتاب الصلوۃ، باب الأمر بشفع الأذان و ایتار الإقامۃ ح ۳۷۸) نے وہیب بن خالد کی سند سے روایت کیا ہے۔ نیز دیکھئے آنے والی حدیث: ۳۰

(۳۰) متفق علیہ

یہ روایت مسند الدارمی (۲۷۱/۱) میں ہے اور مصنف نے غالباً وہیں سے اسے نقل کیا ہے اور امام بخاری نے سلیمان بن حرب سے روایت کیا ہے۔ (کتاب الأذان، باب الأذان مثنی مثنی ح ۶۰۵)
نیز دیکھئے حدیث سابق: ۲۹

(۳۱) صحیح ہے۔

اسے نسائی (کتاب الأذان، باب تثنیۃ الأذان ح ۶۲۸) نے عبدالوہاب الثقفی سے روایت کیا ہے۔ اس کی اصل متفق علیہ ہے۔ دیکھئے ح ۲۹، ۳۰

(۳۲) اس کی سند صحیح ہے۔

اسے دارقطنی (۲۳۹/۱) نے عبدالکریم بن الہیثم وغیرہ سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے حدیث: ۳۳

۳۳) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اذان (کے کلمات) دو دو دفعہ اور اقامت (کے کلمات) ایک ایک دفعہ تھے۔ سوائے اقامت کے، اس کے کلمات (قد قامت الصلوٰۃ) دو دفعہ کہے جاتے تھے۔
ہم جب اقامت سنتے تو وضو کرتے اور نماز کے لئے چلے جاتے تھے۔

۳۴) ابو محذورہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں (درج ذیل) اذان سکھائی تھی:
" اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه ، أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه پھر وہ دوبارہ أشهد أن لا إله إلا اللّٰه اور أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه (دو دو دفعہ) کہتے تھے. پھر حي على الصلوة (دو دفعہ) اور حي على الفلاح (دو دفعہ) کہتے تھے۔ اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، لا إله إلا اللّٰه ."

۳۵) ابو محذورہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیس کے قریب آدمیوں کو حکم دیا کہ اذان کہیں، تو انھوں نے اذان کہی۔ آپ کو ابو محذورہ (رضی اللہ عنہ) کی اذان پسند آئی تو آپ نے انھیں یہ اذان سکھائی۔
اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، أشهد أن

....

(۳۳) اس کی سند حسن ہے۔
اسے ابوداود (۵۱۰، ۵۱۱) نے شعبہ سے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ (۳۷۴) ابن حبان (الاحسان: ۱۶۷۲، ۱۶۷۵) حاکم (۱/۱۹۸) اور ذہبی وغیرہم نے صحیح قرار دیا ہے۔
(۳۴) اسے مسلم (كتاب الصلوة باب صفة الأذان ح ۳۷۹) نے معاذ بن ہشام الدستوائی سے روایت کیا ہے۔
(۳۵) صحیح ہے۔ اسے ابوداود (كتاب الصلوة ، باب كيف الأذان ح ۵۰۲) ترمذی (۱۹۲) نسائی (۶۳۱) اور ابن ماجہ (۷۰۹) نے ہمام بن یحییٰ سے بیان کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: "حسن صحيح"

لا إله إلا اللّٰه، أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه ، اشهد أن محمدًا رسول اللّٰه أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه ، أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه، حي على الصلوة حي على الصلوة ، حي على الفلاح حي على الفلاح ، اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، لا إله إلا اللّٰه ، اور اقامت دوہری ہوتی تھی۔

باب (۱۰) اس کی دلیل کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (سورت توبہ کے علاوہ) ہر سورت کی آیت ہے اور اسے نماز میں پڑھنا واجب (فرض) ہے

۳۶) انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے:

رسول اللہ ﷺ پر (ایک دفعہ) غشی کی حالت چھا گئی، پھر آپ نے مسکراتے ہوئے سر اُٹھایا تو لوگوں نے اس مسکراہٹ کے بارے میں پوچھا؟

آپ نے فرمایا: محمد (ﷺ) پر ابھی ایک سورت اُتری ہے، پھر آپ نے (درج ذیل سورت) تلاوت فرمائی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ (الکوثر: ۱۔۳)

پھر آپ نے ہم سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟

ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

یہ جنت میں ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے، اس کا ایک حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری اُمت آئے گی۔ اس کے (پلانے والے) برتن ستاروں

---

(۳۶) اسے مسلم (الصلوۃ ، باب حجة من قال: البسملة آية من أول كل سورة سوى سورة البراءة ح ۴۰۰) نے مختار بن فلفل کی سند سے بیان کیا ہے۔

کی تعداد میں (یعنی بے شمار) ہیں۔ آدمی (یا آدمیوں) کو روک لیا جائے گا تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میری اُمت میں سے ہے؟ مجھے کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے، انھوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی بدعات ایجاد کر لی تھیں۔

۳۷) ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو (درج ذیل) قراءت فرماتے ہوئے سنا: **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للّٰہ رب العالمین ، الرحمٰن الرحیم ، مالك یوم الدین ،**

حتیٰ کہ آپ نے (عام) دیہاتیوں کی طرح سات آیات (ہاتھوں پر) گن لیں۔

۳۸) نعیم المجمر (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں نے ابوھریرہ (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی پھر سورۃ فاتحہ پڑھی۔ آپ جب ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے آمین کہی۔ لوگوں نے (بھی) آمین کہی۔ آپ جب سجدہ کرتے اور دو رکعتوں سے اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے۔ اور جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہوں۔

۳۹) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور عمر

....

(۳۷) **ضعیف** ہے۔

اسے ابن خزیمہ (۴۹۳) دارقطنی (۱/ ۳۰۷) حاکم (۱/ ۲۳۲) اور بیہقی (السنن الکبریٰ ۲/ ۴۴) نے عمر بن ہارون کی سند سے روایت کیا ہے۔ عمر مذکور مجروح ہے، اس پر بیہقی وغیرہ نے جرح کی ہے۔ اصل حدیث کو ابوداود (۴۰۰۱) اور ترمذی (۲۹۲۷) نے ابن جریج سے دوسرے متن کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(۳۸) اس کی سند **صحیح** ہے۔ اسے نسائی (الافتتاح، باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ح ۹۰۶) نے لیث بن سعد سے روایت کیا ہے۔ اسے ابن الجارود (۱۸۴) ابن خزیمہ (۴۹۹) ابن حبان (الموارد: ۴۵۰، الاحسان: ۱۷۹۸) حاکم (۱/ ۲۳۲) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔ سعید بن ابی ہلال پر اختلاط کی جرح مردود ہے۔

(۳۹) اس کی سند **ضعیف** ہے۔ اسے ابن خزیمہ (۴۹۸) نے سوید بن عبدالعزیز سے روایت کیا ہے۔ سوید مذکور جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (دیکھئے مجمع الزوائد ۳/ ۱۴۷، اور یہی صحیح ہے۔)

(رضی اللہ عنہما تینوں) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سراً پڑھتے تھے۔

٤٠) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کی ابتدا فرماتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے۔

٤١) بریدہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میں اس وقت تک مسجد سے نہیں نکلوں گا جب تک تمھیں ایک سورت کی ایک آیت نہ سکھا دوں جو مجھ سے پہلے، سوائے سلیمان بن داود (علیہ السلام) کے کسی پر نازل نہیں ہوئی۔ پھر نبی ﷺ (وہاں سے) نکل کر (مسجد کے) دروازے کی دہلیز پر پہنچے (تو) فرمایا: تم اپنی نماز اور قراءت کس سے شروع کرتے ہو؟
میں نے کہا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے،
انھوں نے فرمایا: وہ آیت یہی ہے۔ پھر آپ مسجد سے باہر نکل گئے۔

باب (۱۱) فرض نماز وغیرہ میں جو دعائے استفتاح پڑھی جاتی ہے اُس کا ذکر

٤٢) علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ
رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز کی ابتدا فرماتے تو (درج ذیل الفاظ) پڑھتے تھے:

....

(۴۰) اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اسے طبرانی (الاوسط: ۸۴۵) نے احمد بن یحییٰ الحلوانی سے نقل کیا ہے اور دارقطنی نے (سنن دارقطنی ۱/۳۰۵ میں) روایت کیا ہے۔ اس کے راوی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر العمری کے بارے میں ہیثمی نے کہا: ''ضعیف جداً'' (مجمع الزوائد ۲/۱۰۹) یہ راوی متروک ہے۔

(۴۱) اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے دارقطنی (۱/۳۱۰) بیہقی (۲/۶۲) اور طبرانی (الاوسط: ۶۲۹) نے سلمہ بن صالح سے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے کہا: ''إسناده ضعیف''
سلمہ اور عبدالکریم دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں اور یزید بن ابی خالد کے حالات مطلوب ہیں۔

(۴۲) صحیح ہے۔ اسے ابوعوانہ (۲/۱۰۲، ۱۰۳) اور ابن حبان (الاحسان: ۱۷۶۸) نے یوسف بن مسلم سے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ (۶۰۷) نے صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم (۷۷۱) سنن ابی داود (۷۶۱) سنن ترمذی (۳۴۲۳) اور سنن ابن ماجہ (۱۰۵۴) وغیرہ میں اس کی کئی سندیں ہیں۔

وجهت وجهي للذي فطر السمٰوات والأرض حنيفاً و ما أنا من المشركين، إن صلاتي و نسكي و محياي و مماتي للّٰه رب العالمين، لا شريك له و بذلك أمرت و أنا من المسلمين ، اللهم لك الحمد ، لا إلٰه إلا أنت سبحانك و بحمدك أنت ربي و أنا عبدك ظلمت نفسي و اعترفت بذنبي فاغفرلي ذنوبي جميعًا، لا يغفر الذنوب إلا أنت، اهدني لأحسن الأخلاق لا يهدي لأحسنها إلا أنت، واصرف عني سيئها لا يصرف عني سيئها إلا أنت ، لبيك و سعديك والخير في يديك، والمهدي من هديت و أنا بك و إليك، تبارك و تعاليت، استغفرك و أتوب اليك .

اور جب آپ فرض نماز میں سجدہ فرماتے تو (یہ الفاظ) پڑھتے تھے:

اللهم لك سجدت وبك آمنت ولك أسلمت ، أنت ربي ، سجد و جهي للذي خلقه و شق سمعه وبصره ، تبارك اللّٰه أحسن الخالقين .

جب آپ رکوع کرتے تو فرماتے:

اللهم لك ركعت وبك آمنت ولك أسلمت، أنت ربي .

جب آپ فرض نماز میں رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے: اللهم ربنا لك الحمد ملء السمٰوات وملء الأرض، وملء ماشئت من شيء بعد .

باب (۱۲) اس کی دلیل کہ نماز میں دو سکتے سنت ہیں اور نمازی تکبیر اور قراءت کے درمیان جو پڑھتا ہے اُس کا ذکر

٤٣) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب تکبیر کہتے تو تکبیر اور قراءت کے درمیان (تھوڑی دیر) سکتہ فرماتے۔

....

(۴۳) متفق علیہ ہے۔ اسے مسلم (کتاب المساجد ، باب مایقال بین تکبیرة الاحرام والقراءة ح ۵۹۸) نے محمد بن فضیل بن غزوان سے روایت کیا ہے۔ نیز دیکھئے ح: ۴۴

میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اس سکتے میں کیا پڑھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: میں (درج ذیل الفاظ) پڑھتا ہوں:

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنَ خَطَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ .

باب (۱۳) اس دلیل کا ذکر کہ پہلے تشہد کے بعد والی رکعت کے شروع میں سکتہ ضروری نہیں ہے

٤٤) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو (قراءت) الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے اور سکتہ نہیں کرتے تھے۔

باب (۱۴) اس دلیل کا ذکر کہ نماز کی کنجی وضو ہے۔ تکبیر تحریمہ سے (نماز) شروع ہوتی اور سلام سے ختم ہو جاتی ہے

٤٥) محمد بن حنفیہ کے والد (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کی کنجی وضو ہے۔ (نماز میں تمام امور کو) حرام کرنے والی تکبیر اور (انھیں) حلال کرنے والا اسلام (پھیر دینا) ہے۔

---

(۴۴) **متفق علیہ** ہے۔ اسے بخاری (کتاب الاذان ، باب مایقرأ بعد التکبیر ح ۷۴۴) اور مسلم (۵۹۸) نے عبدالواحد بن زیاد سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے حدیثِ سابق: ۴۳

(۴۵) **حسن** ہے۔ اسے ابوداود (کتاب الطھارۃ ، باب فرض الوضوء ح ۶۱ و ۶۱۸) ترمذی (۳) اور ابن ماجہ (۲۷۵) وغیرہم نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کے بہت سے شواہد ہیں جن کے ساتھ یہ حدیث حسن ہے۔

باب (۱۵) اس دلیل کا ذکر کہ رکوع وسجود اور ہر اونچ نیچ میں سیدھے اُٹھنا ضروری سنت (یعنی فرض) ہے۔(ان امور میں) اطمینان فرض ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی

۴۶) ایک بدری (صحابی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ

ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے اور اس آدمی کو پتا نہیں تھا۔ پس اُس نے دو رکعتیں پڑھیں پھر آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا تو آپ نے فرمایا: وعلیک السلام (اور تجھ پر بھی سلام ہو) جاؤ (دوبارہ) نماز پڑھو۔ تم نے نماز نہیں پڑھی (آپ نے اس طرح دو دفعہ کیا) تیسری دفعہ اس آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے (نماز کا طریقہ) سکھایئے۔ میں نے اپنی (پوری) کوشش کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا: جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اچھے طریقے سے وضو کرو۔ پھر قبلے کی طرف رُخ کر کے تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہو پھر (فاتحہ پڑھنے کے بعد) قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو۔ پھر جب رکوع کرو تو اطمینان سے رکوع کرو۔ پھر جب (رکوع سے) سر اُٹھاؤ تو اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر جب سجدہ کرو تو اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر سجدہ سے اُٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر (جلسہ استراحت کے بعد) اُٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمھاری نماز مکمل ہے اور اس سے جس چیز کو کم کیا تو تمھاری نماز کا نقصان ہے۔

---

(۴۶) **صحیح** ہے۔ اسے ابوداود (کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ح ۸۵۶) اور ابوعوانہ (۱۰۳/۲، ۱۰۴) نے انس بن عیاض سے روایت کیا ہے اور بخاری (۷۵۷، ۷۹۳) ومسلم (۳۹۷) وغیرہما نے عبداللہ بن عمر سے بیان کیا ہے لہٰذا یہ روایت اصلاً متفق علیہ ہے۔

باب (۱۶) اس دلیل کا ذکر کہ جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز جائز نہیں ہے

۴۷) عبادہ بن الصامت (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس شخص کی نماز نہیں ہے جو (اس میں) سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔

۴۸) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص ایسی نماز پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ (نماز) ناقص ہے ناقص ہے ناقص (فاسد) ہے، مکمل نہیں ہے۔

۴۹) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز جائز نہیں ہے۔

(راوی کہتا ہے کہ) میں نے (ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ) سے کہا: اگر میں امام کے پیچھے ہوں (تو کیا کروں)؟ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے فارسی! اپنے دل میں (یعنی سراً) پڑھ۔

---

(۴۷) متفق علیہ ہے۔ اسے بخاری (کتاب الأذان، باب وجوب القراءۃ للإمام والمأموم إلخ ح ۷۵۶) اور مسلم (کتاب الصلوۃ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ح ۳۹۴) نے سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہے۔ ابو داود (۸۲۲) نے منقطع سند کے ساتھ سفیان بن عیینہ سے اس روایت میں "لمن یصلی وحدہ" کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ چونکہ ابو داود کی سفیان سے ملاقات ثابت نہیں لہٰذا یہ روایت انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴۸) اسے مسلم (کتاب الصلوۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ في کل رکعۃ ح ۳۹۵) وغیرہ نے العلاء بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت ابو العباس محمد بن اسحاق الثقفی نے جزء من حدیثہ (مخطوط ص ۱۹۰ ا) میں بیان کی ہے اور مصنف نے غالباً وہیں سے نقل کی ہے۔

(۴۹) اس کی سند صحیح ہے۔

اسے ابن خزیمہ (۴۹۰) اور ابن حبان (موارد: ۴۵۷، الاحسان: ۱۷۸۶) نے محمد بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

باب (۱۷) اس دلیل کا ذکر کہ شروع نماز، رکوع اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرنا مصطفیٰ علیہ السلام کی سنت ہے

۵۰) عبداللہ (بن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے:

میں نے دیکھا، رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں کندھوں تک رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے (تو بھی رفع یدین کرتے) اور دونوں سجدوں کے درمیان یہ عمل نہیں کرتے تھے۔

۵۱) نوفل بن فرات (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ) سے نماز میں رفع یدین کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے؟ سالم نے اپنے باپ سے یاد (نہیں) رکھا، تمھارا کیا خیال ہے! اس کے والد (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) نے نبی ﷺ سے یاد نہیں رکھا؟

۵۲) محمد بن عمرو بن عطاء القرشی (تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

---

(۵۰) **متفق علیہ ہے۔** اسے مسلم (کتاب الصلوۃ، باب استحباب رفع الیدین ح ۳۹۰) نے سفیان بن عیینہ سے اور بخاری (کتاب الأذان، باب رفع الیدین إذا کبر وإذا رکع وإذا رفع ح ۷۳۶) نے ابن شہاب الزہری کی سند سے روایت کیا ہے۔

(۵۱) **حسن ہے۔** اسے باغندی نے مسند عمر بن عبدالعزیز (۱۰) میں عبداللہ بن محمد بن (ابی) اسامۃ (الحلبی) کی سند سے روایت کیا ہے۔ وہاں نوفل بن مساحق ہے جبکہ صحیح "نوفل بن فرات" ہے۔ نوفل کو ابن حبان (الثقات ۷/۵۴۱، ۵۴۰) نے "ثقہ" کہا ہے۔ ابن ابی اسامۃ الحلبی اور عبداللہ بن محمد بن اسامہ الاسامی دو علیحدہ شخصیتیں ہیں۔ جزء رفع الیدین للبخاری (ق ۶) اور تمہید (۲۱۹/۹) میں اس کا صحیح شاہد ہے۔

(۵۲) **صحیح ہے۔** اسے ابوداود (کتاب الصلوۃ، باب افتتاح الصلوۃ ح ۷۳۰) ترمذی (۳۰۴) نسائی (۱۱۸۲) اور ابن ماجہ (۱۰۶۱) نے عبدالحمید بن جعفر سے بیان کیا ہے۔ اسے ابن خزیمہ (۵۸۷) ترمذی، ابن الجارود (۱۹۲) وغیرہم نے صحیح کہا ہے۔

ﷺ کے دس صحابہ میں ابوحمید الساعدی (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو دیکھا انھوں نے انھیں کہا: کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں حدیث نہ سناؤں؟ انھوں نے کہا: تم نہ ہم سے پہلے آپ (ﷺ) کے قدیم صحابی ہو اور نہ (ہم سے) زیادہ آپ کی اتباع کی ہے، انھوں نے کہا: میں تمھیں بتاؤں، انھوں نے کہا: بتاؤ! انھوں نے فرمایا: میں نے دیکھا جب آپ (ﷺ) نماز کے شروع میں تکبیر کہتے (تو) رفع یدین کرتے اور جب رکوع (کا ارادہ) کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو رفع یدین کرتے، پھر تھوڑی دیر کھڑے رہتے حتیٰ کہ ہر عضو اپنی جگہ پر آ جاتا، پھر سجدہ کے لئے جھکتے اور تکبیر کہتے۔

۵۳) خباب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے:

ہم نے (ظہر کی نماز کے سلسلے میں) رسول اللہ ﷺ کے سامنے گرمی کی شکایت کی تو آپ نے ہماری شکایت قبول نہیں فرمائی۔

۵۴) خباب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہم نے اپنی پیشانیوں اور ہتھیلیوں کے بارے میں گرمی کی شدت کی شکایت کی تو آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا (یعنی گرمی میں ہی ظہر کی نماز پڑھتے رہے۔)

....

(۵۳) اسے مسلم (کتاب المساجد، باب استحباب تقدیم الظہر فی أول الوقت في غیر شدۃ الحر ح ۶۱۹) نے ابو اسحاق السبیعی سے روایت کیا ہے۔

(۵۴) **صحیح** ہے۔ دیکھئے حدیث سابق: ۵۳ ☆ اسے ابو العباس محمد بن اسحاق الثقفی السراج نے اپنی سند سے روایت کیا ہے (ق ۹۰ ب ح ۱۰۱۰) مولف نے غالباً اسے وہیں سے روایت کیا ہے۔

باب (۱۸) رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد نمازی کیا کہے اور نماز کی (مختلف) حالتوں کا ذکر

۵۵) ابومسعود (عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز میں رکوع اور سجدے سے (اُٹھتے وقت) اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

۵٦) ابوسعید (الخدری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد (درج ذیل الفاظ) فرماتے تھے:

"ربنا لك الحمد ملء السمٰوات وملء الأرض وملء ماشئت من شيء بعد ، أهل الثناء والمجد ، أحق ماقال العبد و كلنا لك عبد ، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذاالجد منك الجد"

۵۷) وائل بن حجر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا۔ آپ (جب) نماز میں داخل ہوئے تو آپ نے تکبیر کہی (اور رفع یدین کیا) ہمام (راویِ حدیث) نے کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اس حالت کو بیان کیا۔ (محمد بن یحییٰ الذہلی: راوی نے کہا: میں نے عفان (بن مسلم: راوی) سے پوچھا: کیا آپ نے پھر اپنے اوپر اپنی چادر لپیٹ لی؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، کہا: پھر اپنا دایاں ہاتھ بائیں (ہاتھ) پر رکھا۔ پھر جب رکوع کا ارادہ کیا تو چادر سے دونوں ہاتھ نکال کر رفع یدین کیا پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا۔ پھر جب سمع اللہ لمن

....

(۵۵) **صحیح** ہے۔ اسے ابوداود (کتاب الصلوة ، باب صلوة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود ح ۸۵۵) ترمذی (۲٦۵) نسائی (۱/٦۱ ح ۲٦۵) اور ابن ماجہ (۸۷۰) نے سلیمان الاعمش سے روایت کیا ہے۔ نیز اسے ترمذی، ابن خزیمہ (٦٦٦) اور ابن حبان (۱۸۸۹، ۱۸۹۰) نے صحیح کہا ہے۔

(۵٦) اسے مسلم (کتاب الصلوة ، باب ما يقول إذا رفع رأسه من الركوع ح ۴۷۷) نے امام دارمی سمرقندی سے بیان کیا ہے اور یہ روایت مسند الدارمی (۱/۳۰۱ ح ۱۳۱۹) میں بھی ہے۔

(۵۷) اسے مسلم (کتاب الصلوة ، باب وضع يده اليمنیٰ على اليسرى ح ۴۰۱) نے عفان سے بیان کیا ہے۔

حمدہ کہا تو رفع یدین کیا۔ پھر جب سجدہ کیا تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا۔

۵۸) براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تو سجدہ کرے تو (زمین پر) اپنی دونوں ہتھیلیاں رکھ اور اپنی کہنیوں کو بلند کر،

۵۹) عبداللہ بن مالک (المشہور) ابن بحینہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھوں کے درمیان (اتنی) کشادگی فرماتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔

۶۰) ابوالجوزاء (تابعی) سے روایت ہے کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ نماز تکبیر سے اور قراءت الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے، جب آپ رکوع کرتے تو نہ اپنا سر بہت جھکا لیتے اور نہ بلند رکھتے اور جب آپ رکوع سے سر اُٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے اور جب آپ سجدہ کرتے (پھر) سجدے سے سر اُٹھاتے تو سیدھے بیٹھنے کے سوا نہیں بیٹھتے تھے۔ شیطان کی طرح بیٹھنے سے آپ منع فرماتے تھے۔ آپ اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں کھڑا رکھتے تھے۔ (سجدے میں) کتے کی طرح بازو بچھانے کو آپ (سخت) ناپسند فرماتے تھے۔ آپ اپنی نماز سلام کے ساتھ ختم فرماتے اور فرمایا کرتے کہ ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے۔

....

(۵۸) اسے مسلم (کتاب الصلوۃ، باب الاعتدال فی السجود ح ۴۹۵) نے عبیداللہ بن إیاد سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ (۳۲۹/۱ ح ۶۵۶) میں موجود ہے۔

(۵۹) اسے بخاری (کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ ح ۳۵۶۴) و مسلم (کتاب الصلوۃ، باب مایجمع صفۃ الصلوۃ و مایفتتح بہ، ح ۴۹۵) نے قتیبۃ سے بیان کیا ہے اور یہ مسند السراج الثقفی (قلمی ۴۱ ل) میں اسی سند و متن سے موجود ہے۔

(۶۰) اسے مسلم (کتاب الصلوۃ، باب ما یجمع صفۃ الصلوۃ وما یفتتح بہ ح ۴۹۸) نے اسحاق بن راہویہ سے بیان کیا ہے اور یہ ابن راھویہ کی مسند (قلمی ۱۱۴/۴ ب) میں موجود ہے۔

باب (۱۹) تشہد اور اس کے بارے میں وارد شدہ مختلف الفاظ کا ذکر

٦١) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اپنا چہرہ کر کے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی نماز میں (تشہد کے لئے) بیٹھ جائے تو (یہ الفاظ) پڑھے:

((التحيات لله والصلوات والطيبات ، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته ، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين .))

کیونکہ وہ یہ (کلمات) کہہ دیتا ہے تو (ان کا ثواب) آسمان و زمین میں ہر نیک آدمی کو پہنچ جاتا ہے۔

((أشهد أن لااله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله .))

٦٢) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ تشہد کے فرض ہونے سے پہلے ہم نماز میں "**السلام على الله ، السلام على جبريل وميكائيل**" پڑھتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایسا نہ کہو کیونکہ بے شک اللہ ہی سلام ہے لیکن (یہ) پڑھو:

التحيات لله والصلوات والطيبات ، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته ، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين ، أشهد أن لاإله إلا الله ، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله .

....

(٦١) **صحیح** ہے۔ محمد بن سفیان المصیصی کا ذکر الانساب للسمعانی (۵/ ۳۱۷) میں بغیر کسی جرح و تعدیل کے موجود ہے تاہم یہ روایت صحیح بخاری (۸۳۱، ۶۲۳۰) و صحیح مسلم (۴۰۲) میں اعمش کی سند کے ساتھ اسی مفہوم میں موجود ہے۔

(٦٢) **حسن** ہے۔ اسے نسائی (کتاب السہو، باب ایجاب التشہد ح ۱۲۷۸) نے سفیان بن عیینہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ صحیح ابن حبان (الاحسان: ۱۹۴۶) میں اس کا ایک شاہد بھی ہے۔

٦٣) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے:

رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھاتے جس طرح قرآن سکھاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے:

((التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله ، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته ، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين ، أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله .))

٦٤) ابو مسعود عقبہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی آکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، ہم وہاں موجود تھے، اُس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر (نماز) میں سلام (پڑھنا) تو ہم نے جان لیا ہے (لیکن) جب ہم نماز پڑھیں تو آپ پر درود کس طرح پڑھیں؟ اللہ آپ پر درود بھیجے۔

آپ خاموش ہوگئے حتی کہ ہم نے چاہا کاش اس شخص نے سوال (ہی) نہ کیا ہوتا۔ پھر آپ نے فرمایا:

جب تم (نماز میں) مجھ پر درود پڑھو تو (یوں) پڑھو:

((اللهم صل على محمد النبي الأمي وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وآل إبراهيم إنك حميد مجيد .))

....

(٦٣) اسے مسلم (کتاب الصلوۃ، باب التشہد فی الصلوۃ ح ٤٠٣) نے لیث بن سعد سے روایت کیا ہے۔

(٦٤) اس کی سند حسن ہے۔ اسے ابو داود (ح ٩٨١) نے محمد بن اسحاق بن یسار سے بیان کیا ہے، اسے دارقطنی (١/٣٥٤، ٣٥٥) نے "إسناده حسن متصل" اور حاکم (١/٢٦٨) اور ذہبی نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ یہ روایت صحیح ابن خزیمہ (١/٣٥٢ ح ٧١١) میں بھی موجود ہے جبکہ اس کی اصل صحیح مسلم (٤٠٥) میں ہے۔

باب (۲۰) اس دلیل کا ذکر کہ (آخری) تشہد میں (محمد) مصطفیٰ ﷺ پر درود پڑھنا فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی

٦٥) فضالہ بن عبید الانصاری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے:
رسول اللہ ﷺ نے دیکھا، ایک شخص نے نماز پڑھی، اس نے نہ حمد و تمجید پڑھی اور نہ نبی ﷺ پر درود پڑھا اور نماز سے فارغ ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے (بڑی) جلدی کی۔ پھر اسے بلایا، اسے اور دوسرے (لوگوں) کو فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو حمد و ثناء سے اس کی ابتدا کرے اور نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر جو چاہے دعا مانگ لے۔

٦٦) جابر بن عبداللہ (الانصاری رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ اگر میں کوئی ایسی نماز پڑھوں جس میں نبی ﷺ پر درود نہ پڑھوں تو میں یہ نماز دوبارہ پڑھوں گا۔

٦٧) ابو مسعود (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ اس آدمی کی نماز مکمل نہیں ہوتی جو نبی ﷺ پر درود نہیں پڑھتا۔

....

(٦٥) اس کی سند صحیح ہے۔ اسے ابوداود (ح ۱۴۸۱) ترمذی (۳۴۷۶) اور نسائی (۱۲۸۵) نے ابو ہانی کی سند سے بیان کیا ہے اور ترمذی، حاکم (۲۳۰/۱) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔ یہ روایت مؤلف کے استاد امام ابن خزیمہ کی صحیح میں موجود ہے (۳۵۱/۱ ح ۷۱۰)

(٦٦) یہ سند موضوع ہے۔ جابر الجعفی ضعیف رافضی ہے۔ (تقریب التہذیب: ۸۷۸) اور عمرو بن شمر متروک الحدیث ہے۔ (میزان الاعتدال ۲۶۵/۳)، ابن حبان نے کہا: وہ رافضی تھا۔ صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو گالیاں دیتا تھا اور ثقہ راویوں سے موضوع (من گھڑت) حدیثیں بیان کرتا تھا۔

(٦٧) اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ شریک القاضی سے نیچے کے راوی کا تعین معلوم نہیں۔ عبدالعزیز بن محمد السدحان (نامی ایک شخص) کا خیال ہے کہ وہ محمد بن عبدالرحمٰن بن غزوان ہے جس کے بارے میں دارقطنی نے گواہی دی ہے کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو یہ سند موضوع ہے۔

باب (۲۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی کیفیت

۶۸) ابو حمید الساعدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر درود کس طرح پڑھیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑھو

((اللهم صل على محمد وأزواجه وذريته كما صليت على إبراهيم وبارك على محمد وأزواجه وذريته كما باركت على إبراهيم إنك حميد مجيد.))

باب (۲۲) نماز کی کیفیت

۶۹) محمد بن عمرو بن عطاء (تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو حمید الساعدی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو میں تم سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں، میں نے دیکھا، آپ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں کندھوں کے برابر اُٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر مضبوطی سے رکھتے، پھر پیٹھ کو جھکا لیتے، پھر جب سر اُٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے حتیٰ کہ ہڈی اپنی جگہ آجاتی، پھر جب سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو نہ (زیادہ) پھیلاتے اور نہ سکیڑ لیتے۔ آپ اپنے (پاؤں کی) انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف رکھتے۔ آپ جب دو رکعتوں میں بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں (پاؤں) آگے کر کے سرین پر بیٹھ جاتے (یعنی تورک کرتے تھے۔)

....

(۶۸) اسے بخاری (ح ۳۳۶۹ و ۶۳۶۰) مسلم (كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي ﷺ بعد التشهد ح ۴۰۷) نے امام مالک سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث الموطأ (۱/۱۶۵) میں بھی موجود ہے۔

(۶۹) اسے بخاری (كتاب الأذان، باب سنة الجلوس في التشهد ح ۸۲۸) نے لیث بن سعد سے بیان کیا ہے اور یہ روایت صحیح ابن خزیمہ (۱/۳۲۴ ح ۶۴۳) میں موجود ہے۔

۷۰) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک نبی ﷺ جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے تھے۔ آپ ترپن (۵۳) کا عدد بنا لیتے پھر دعا کرتے تھے۔

باب (۲۳) نماز میں سلام کی کیفیت کا ذکر

۷۱) سعد (بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دائیں طرف سلام پھیرتے تو آپ کے رُخسار کی سفیدی نظر آجاتی پھر بائیں طرف سلام پھیرتے تو آپ کے رخسار کی سفیدی (ہمیں) نظر آجاتی۔

۷۲) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب سلام پھیرتے تو (اس کے بعد) ((اللھم أنت السلام ومنك السلام، تبارکت یا ذاالجلال والإکرام .)) پڑھتے تھے۔

۷۳) مغیرہ (بن شعبہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سلام پھیرنے (کے بعد) فرماتے: ((لا إله إلا الله وحده لا شريك له ، له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شيء قدير، اللهم لامانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذاالجد منك الجد .))

---

(۷۰) اسے مسلم (کتاب المساجد، باب صفة الجلوس فی الصلوة ح ۵۸۰) نے حماد بن سلمہ کی سند سے بیان کیا ہے۔

(۷۱) اسے مسلم (کتاب المساجد، باب السلام للتحلیل من الصلوة عند فراغها و کیفیته ح ۵۸۲) نے عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمٰن بن المسور بن مخرمہ الزہری سے روایت کیا ہے۔

(۷۲) اسے مسلم (کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوة وبیان صفته ح ۵۹۲) نے عاصم الاحول سے بیان کیا ہے۔

(۷۳) اسے مسلم (کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوة ح ۵۹۳) نے ابوکریب سے اور بخاری (۸۴۴) نے منصور کی سند سے بیان کیا ہے۔

باب (۲۴) اس دعا کا ذکر جسے آدمی نماز کے آخر میں (سلام کے بعد) پڑھتا ہے

۷۴) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فقیر لوگوں نے آ کر کہا: اے اللہ کے رسول! امیر لوگ تو (اپنے) مالوں (کی خیرات) کی وجہ سے اعلیٰ درجات اور قائم و دائم نعمتوں کے مستحق بن گئے۔ جس طرح ہم نمازیں پڑھتے ہیں وہ (بھی) پڑھتے ہیں، جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں وہ (بھی) رکھتے ہیں (مگر) ان کے پاس وافر مال ہے جس سے وہ حج و عمرے کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور صدقے دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: کیا میں تمھیں وہ بات نہ بتاؤں؟ اگر تم اس پر عمل کرو تو سابقین کے درجوں کو پہنچ جاؤ اور تمھارے بعد کوئی بھی تمھارے مقام کو نہ پہنچ سکے، اور تم اپنے زمانے کے ہر شخص سے بہتر ہو جاؤ سوائے اس کے جو تمھارے جیسا عمل کرے، ہر نماز کے بعد تینتیس (۳۳) تینتیس (۳۳) دفعہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہو۔

(راوی نے) کہا ہمارے درمیان اختلاف ہو گیا تو بعض نے کہا کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ تینتیس (۳۳) تینتیس (۳۳) دفعہ کہیں گے اور اللہ اکبر چونتیس دفعہ کہیں گے۔

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے) کہا: میں آپ کے پاس گیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر، ہر ایک کو تینتیس (۳۳) تینتیس (۳۳) دفعہ کہو۔

۷۵) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ ہی) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۷۴) اسے بخاری (کتاب الأذان، باب الذکر بعد الصلوۃ ح ۸۴۳) و مسلم (کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ ح ۵۹۵) نے معتمر بن سلیمان التیمی سے بیان کیا ہے۔

(۷۵) **صحیح** ہے۔ اسے ابو عوانہ (۲/ ۲۴۷) اور ابن حبان (الاحسان: ۲۰۱۰) نے یحییٰ بن صالح سے بیان کیا ہے۔ دوسرے راویوں نے اسے امام مالک سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للنسائی (۹۹۷۰ و عمل الیوم واللیلۃ ح ۱۴۲) لیکن صحیح مسلم (۵۹۷) میں اس کا ایک شاہد بھی ہے۔ والحمد للہ

جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس (۳۳) تینتیس (۳۳) دفعہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہے اور (آخر میں) لا إله إلا الله وحده لا شريك له ، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير کہہ کر سو کا عدد پورا کر دے تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اگر یہ (گناہ) سمندر کی جھاگ کی طرح (بہت زیادہ) ہوں۔

باب (۲۵) اس کا ذکر کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت کیا کہنا چاہئے

۷۶) ابو اسید الساعدی یا ابو حمید (الساعدی رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو سلام کہے اور اللهم افتح لي أبواب رحمتك پڑھے اور جب نکلے تو کہے "اللهم إني أسئلك من فضلك"

باب (۲۶) نماز میں دو سجدوں کے درمیان، نمازی جو پڑھتا ہے اس کا ذکر

۷۷) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک نبی ﷺ دو سجدوں کے درمیان (یہ الفاظ) پڑھتے تھے:

((اللهم اغفرلي وارحمني واجبرني وعافني واهدني وارزقني.))

۷۸) ابن عباس (رضی اللہ عنہما ہی) سے روایت ہے کہ

میں (ایک رات) اپنی خالہ میمونہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں (گھر میں) سویا۔ پس نبی ﷺ اپنی نیند

---

(۷۶) اسے مسلم (کتاب صلوۃ المسافرین، باب مایقول إذا دخل المسجد ح ۷۱۳) نے بشر بن المفضل سے بیان کیا ہے۔

(۷۷) حسن ہے۔ اسے ابو داود (ح ۸۵۰) وترمذی (۲۸۴) نے زید بن الحباب سے بیان کیا ہے اور حاکم (۲۶۲/۱، ۲۷۱) وذہبی نے صحیح قرار دیا ہے، امام ترمذی اسے "غریب" کہتے ہیں۔ اس کی سند حبیب بن ابی ثابت کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن صحیح مسلم (۲۶۹۷) میں اس کا ایک معنوی شاہد ہے جس کی وجہ سے یہ روایت حسن ہے۔ دو سجدوں کے درمیان "رب اغفرلي رب اغفرلي" والی دعا صحیح ثابت ہے۔

دیکھئے المجتبیٰ للنسائی (۱۰۷۰، ۱۱۴۶) ومسند الطیالسی (۴۱۶)

(۷۸) حسن ہے۔ دیکھئے سابق حدیث: ۷۷

سے گھبرائے ہوئے اُٹھے پھر آپ نے مسواک کی (راوی نے) حدیث بیان کی اور اس میں کہا: اور جب آپ نے دو سجدوں سے سر اُٹھایا یا سجدوں کے درمیان تو یہ (دعا) پڑھی:

((رب اغفرلي وارحمني واجبرني وارفعني وارزقني واهدني))

پھر آپ نے سجدہ کیا۔

۷۹) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہاں (میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں) سویا۔ آپ نے صبح کی دو رکعتیں پڑھیں اور نماز کے لئے یہ فرماتے ہوئے تشریف لے گئے:

((اللهم اجعل في قلبي نورًا، و في بصري نورًا و في سمعي نورًا، و في لساني نورًا، و عن يميني نورًا، وعن يساري نورًا، اللهم واجعل من فوقي نورًا، ومن تحتي نورًا، واجعل أمامي نورًا، ومن خلفي نورًا، اللهم واعظم لي نورًا))

پھر بلال (رضی اللہ عنہ) نے اقامت کہی تو آپ نے نماز پڑھائی۔

باب (۲۸) نمازی نماز سے فارغ ہونے کے بعد کونسی دعا پڑھے

۸۰) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ فرماتے ہوئے سنا:

....

(۷۹) اسے مسلم (كتاب صلوة المسافرين، باب الدعاء في صلوة الليل وقيامه ح۷۶۳/۱۹۱) نے حصین بن عبدالرحمٰن سے بیان کیا ہے۔ بخاری (۶۳۱۶) اور مسلم کے ہاں اس کی بہت سی سندیں ہیں۔

(۸۰) ضعیف ہے۔ اسے ترمذی (ح۳۴۱۹) نے محمد بن عمران کی سند سے روایت کر کے "غریب" کہا ہے۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (فیض الباری ۳/۱۶۸)

المجروحین لابن حبان (۲۳۰/۱، ۲۳۱) میں اس کا ایک مردود متابع اور الاسماء والصفات للبیہقی (ص ۲۰۴ و فی نسخۃ أخری ص ۱۶۰) میں مردود شاہد ہے۔

((اللهم أسئلك رحمةً من عندك، تهدي بها قلبي و تجمع بها أمري، وتلم بها شعثي، و تصلح بها غائبي، و ترفع بها شاهدي، و تزكي بها عملي و تلهمني بها رشدي و ترد بها (أراه قال: الفتن عني) و تعصمني بها من كل سوء ، اللهم أعطني إيماناً صادقًا و يقيناً ليس بعده كفر، و رحمةً أنال بها شرف كرامتك في الدنيا و الآخرة ، اللهم إني أسألك الفوز في القضاء، و نُزُل الشهداء، و نصرًا على الأعداء، اللهم أنزل بك حاجتي و إن قصر رأيي و ضعف عملي ، افتقرت إلى رحمتك فأسألك يا قاضي الأمور و يا شافي الصدور كما تجير بين البحور أن تجيرني من عذاب السعير، و من دعوة السوء، و من فتنة القبور، اللهم ما قصر عنه رأيي ، ولم تبلغه نيتي ولم تبلغه مسألتي من خيرٍ و عدته أحدًا من خلقك، أو خير[اً] أنت تعطيه أحدًا من عبادك، فإني أرغب إليك فيه ، وأسألكه برحمتك يارب العالمين، اللهم ياذا الحبل الشديد والأمر الرشيد ، أسألك الأمن يوم الوعيد والجنة يوم الخلود مع المقربين الشهود، الركع السجود الموفين بالعهود، إنك رحيم ودود، إنك تفعل ما تريد ، اجعلنا هادين مهتدين غير ضالين ولا مضلين سلمًا لأوليائك و أعداءً ا لأعدائك ، نحب بحبك الناس ، و نعادي بعداوتك من خالفك، اللهم هذا الدعاء و عليك الإ ستجابة، و هذا الجهد و عليك التكلان ، اللهم اجعل لي نورًا في قبري، ونورًا في قلبي، و نورًا بين يدي، و نورًا من خلفي، و نورًا عن يميني، و نورًا عن شمالي، و نورًا من فوقي، و نورًا من تحتي، و نورًا في سمعي، و نورًا في بصري، و نورًا في شعري، و نورًا في بشري، و نورًا في لحمي، و نورًا في دمي، و نورًا في عظامي، اللهم اعظم لي نورًا و أعطني نورًا، واجعل لي نورًا، سبحان الذي تعطف العز وقال به ، سبحان الذي لبس المجد و تكرم به ، سبحان الذي

لا ينبغي التسبيح إلا له، سبحان ذی الفضل والنعم، سبحان ذی المجد والکرم، سبحان ذی الجلال والإکرام.))

باب (۲۸) (تشہد میں) دعا کی کیفیت

۸۱) عبداللہ بن الزبیر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں دعا (یعنی تشہد) کے لئے بیٹھتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور شہادت والی انگلی سے اشارہ کرتے اور انگوٹھے کو دائیں انگلی پر رکھتے اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھتے اور بائیں ہتھیلی سے بائیں ران کو پکڑ لیتے۔

باب (۲۹) قرآنی سجدوں میں آدمی کیا پڑھے؟

۸۲) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اپنے سجدے میں (درج ذیل) دعا پڑھی:

((سجد وجهي للذي خلقه وشق سمعه وبصره بحوله وقدرته))

۸۳) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رات (کی نماز) میں قرآن (کی تلاوت) کے سجدوں میں (یہ) دعاء پڑھتے تھے:

((سجد وجهي للذي خلقه وشق سمعه وبصره))

....

(۸۱) اسے مسلم (کتاب المساجد، باب صفة الجلوس في الصلوة ح۵۷۹) نے ابوخالد الاحمر سے روایت کیا ہے۔

(۸۲) **ضعیف** ہے۔ اسے ترمذی (کتاب الجمعة، باب ماجاء مایقول في سجود القرآن ح۵۸۰) ونسائی (۱۱۳۰) نے عبدالوہاب الثقفی سے بیان کیا ہے اور ترمذی، حاکم (۲۲۰/۱) وذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابوداود کی روایت (۱۴۱۴) کی وجہ سے سند معلول یعنی ضعیف ہے لیکن اس کی اصل، مطلق سجود کے ساتھ صحیح مسلم (۷۷۱) میں موجود ہے۔

(۸۳) **ضعیف** ہے۔ دیکھئے حدیث سابق: ۸۲

۸۴) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے ایسا (منظر) دیکھا ہے جیسے سونے والا نیند میں دیکھتا ہے۔ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں نے سجدے والی آیت پڑھ کر سجدہ کیا تو میرے ساتھ درخت نے بھی سجدہ کیا۔ میں نے اسے سجدے میں یہ دعا پڑھتے سنا: ((اللهم اكتب لي بها عندك أجرًا واجعلها لي عندك ذخرًا وضع عني بها وزرًا واقبلها كما قبلت من عبدك داود)) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میں نے دیکھا، نبی ﷺ کھڑے ہو گئے آپ نے سجدے والی آیت پڑھ کر سجدہ کیا اور آپ سجدے میں یہی دعا پڑھ رہے تھے جسے اس آدمی نے بیان کیا تھا۔

باب (۳۰) اس دلیل کا تذکرہ کہ نبی ﷺ پر تشہد میں درود فرض و لازمی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس وقت تک نماز قبول نہیں کرتا جب تک وہ اللہ کے نبی ﷺ پر درود نہ پڑھ لے۔

۸۵) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ وضو اور مجھ پر درود کے بغیر (والی) کوئی نماز قبول نہیں کرتا۔

....

(۸۴) حسن ہے۔ اسے ترمذی (کتاب الجمعة، باب ماجاء مايقول في سجود القرآن ح۵۷۹ و۳۴۲۴) اور ابن ماجہ (۱۰۵۳) وغیرہ نے محمد بن یزید سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے غریب کہا اور ابن خزیمہ (۲۸۲/۱، ۲۸۳) حاکم (۲۱۹/۱، ۲۲۰) و ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ راجح یہی ہے کہ یہ سند حسن ہے۔

(۸۵) اس کی سند موضوع ہے۔

عمرو بن شمر کا ذکر گزر چکا ہے۔ (ح ٦٦) اسے دار قطنی (۳۵۵/۱) نے عمرو بن شمر سے بیان کیا ہے۔

۸٦) علی (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ اس وقت تک دعا آسمان پر جانے سے رکی رہتی ہے جب تک محمد ﷺ پر درود نہ پڑھ لیا جائے۔ **آخر الجزء والحمد للّٰہ**

(۸٦) اس کی سند **سخت ضعیف** ہے۔
اسے شجری نے کتاب الامالی (۲۲۲/۱) میں عبید اللہ بن محمد بن عائشہ سے بیان کیا۔ اسماعیل البجلی اور عبد الکریم الخزاز دونوں ضعیف ہیں۔ دیکھئے لسان المیزان (۴۲۷/۱، ۶۴/۴)
حارث الاعور جمہور محدثین کے نزدیک مجروح اور قولِ راجح میں سخت ضعیف راوی تھا۔

ائمۂ اربعہ (اور دیگر علماء) نے تقلید سے منع فرمایا ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وأما أقوال بعض الأئمة كالفقهاء الأربعة وغيرهم فليس حجة لازمة ولا إجماعًا باتفاق المسلمين، بل قد ثبت عنهم - رضي الله عنهم - أنهم نهوا الناس عن تقليدهم ... ''

رہے بعض اماموں کے اقوال مثلاً فقہائے اربعہ وغیرہم تو مسلمانوں کے اتفاق سے یہ نہ لازمی دلیل ہیں اور نہ اجماع بلکہ ان (اماموں) سے اللہ راضی ہو، یہ ثابت ہے کہ انھوں نے لوگوں کو اپنی تقلید سے منع فرمایا تھا۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۰ ص ۱۰)

شیخ الاسلام کے اس قول کا مفہوم راقم الحروف نے ۲۰۰۰ء میں درج ذیل الفاظ میں بیان کیا تھا: ''یہ چاروں مجتہدین و دیگر علماء تمام مسلمانوں کو تقلید سے منع کرتے ہیں کما تقدم، (ص ۲۹ وفتاویٰ ابن تیمیہ ۲۰/۱۰، ۲۱۱) لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ دیوبندی حضرات ان چاروں مجتہدین کے مخالف ہیں۔'' (امین اوکاڑوی کا تعاقب، مطبوعہ مئی ۲۰۰۵ء ص ۳۸)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی مقلدین کے اماموں سے تقلید کا منع کرنا نقل کیا ہے۔ دیکھئے اعلام الموقعین (ج ۲ ص ۲۲۸، ۲۰۰، ۲۰۷، ۲۱۱) بلکہ حافظ ابن القیم نے فرمایا: ''وإنما حدثت هذه البدعة في القرن الرابع المذموم على لسان رسول الله ﷺ''

اور (تقلید کی) یہ بدعت تو چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے، جس کی ممانعت رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک زبان سے فرمائی ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۸ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

اگر کوئی کہے کہ حافظ ابن تیمیہ وغیرہ نے جھوٹ بولا ہے (!) تو عرض ہے کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''اکثر اہل بدعت حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کی رفیع شان میں بہت ہی گستاخی کیا کرتے ہیں مگر حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ ان کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں:

كانامن اكابر اهل السنة والجماعة ومن اولياء هذه الامة (جمع الوسائل ج ا ص ۲۰۸ طبع مصر)	کہ حافظ ابن تیمیہ ؒ اور حافظ ابن القیم دونوں اہلِ سنت والجماعت کے اکابر میں اور اس اُمت کے اولیاء میں تھے۔

اور حافظ ابن القیم کی تعریف کرتے کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطی التوفی ۹۱۱ھ پھولے نہیں سماتے (بقیۃ الوعاۃ)'' (المنہاج الواضح یعنی راہِ سنت ص ۱۸۷)

اگر کوئی کہے کہ فلاں امام مثلاً خطیب بغدادی وغیرہ نے تقلید کو جائز قرار دیا ہے۔ !

تو اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے لغوی تقلید (مثلاً جاہل کا عالم سے مسئلہ پوچھنا) جو کہ درحقیقت اصطلاحی تقلید نہیں ہے، کو جائز قرار دیا ہے جبکہ ائمہ اربعہ اور دیگر اماموں نے اصطلاحی تقلید (مثلاً آنکھیں بند کر کے، بغیر سوچے سمجھے اور بغیر دلیل کے ائمہ اربعہ میں سے صرف ایک امام کی تقلید) سے منع فرمایا ہے لہٰذا ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ایک دن قاضی ابو یوسف کو فرمایا: ''ويحك يا يعقوب! لا تكتب كل ما تسمع مني فإني قد أرى الرأي اليوم و أتركه غدًا و أرى الرأي غدًا وأتركه بعد غدٍ'' اے یعقوب (ابو یوسف) تیری خرابی ہو، میری ہر بات نہ لکھا کر، میری آج ایک رائے ہوتی ہے اور کل بدل جاتی ہے۔ کل دوسری رائے ہوتی ہے تو پھر پرسوں وہ بھی بدل جاتی ہے۔ (تاریخ یحییٰ بن معین ج ۲ ص ۶۰۷ ت ۲۴۶۱ وسندہ صحیح، وتاریخ بغداد ۴۲۴/۱۳)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''كل ماقلت ـ و كان عن النبي (ﷺ) خلاف قولي مما يصح فحديث النبي (ﷺ) أولى، ولا تقلدوني'' میری ہر بات جو نبی (ﷺ) کی صحیح حدیث کے خلاف ہو (چھوڑ دو) پس نبی (ﷺ) کی حدیث سب سے زیادہ بہتر ہے اور میری تقلید نہ کرو۔ (آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۵۱ وسندہ حسن)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لا تقلد دينك أحدًا من هؤلاء'' إلخ اپنے دین میں، ان میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کر.... الخ (مسائل ابی داود ص ۲۷۷)

(۲۴/ اکتوبر ۲۰۰۸ء)

دین میں غلو کرنا کبیرہ گناہ ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾
کہہ دو، اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ایسی قوم کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہوئے، انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا اور خود بھی سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ (المائدۃ:۷۷)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! دین میں غلو نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ یقیناً دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۰۲۹ وسندہ صحیح، وصححہ ابن خزیمہ: ۲۸۶۷ وابن حبان، الموارد: ۱۰۱۱، والحاکم ۱/ ۴۶۶ ووافقہ الذہبی) حافظ ابن حزم نے دین میں غلو کرنے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ (الکبائر للذہبی بتحقیق مشہور بن حسن ص ۵۰۱ ح ۴۵۷)

حد سے زیادتی اور تشدد کو غلو کہا جاتا ہے یعنی جو اُمور کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت نہیں، ان میں سلف صالحین اور علمائے حق کے فہم کو چھوڑتے ہوئے ایسا راستہ اختیار کرنا جو سراسر شریعت کے خلاف ہو مثلاً عیسائیوں کا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا، مُردہ یا زندہ بزرگوں کی محبت میں تجاوز کرتے ہوئے انھیں مقامِ اُلوہیت پر بٹھانا، دورانِ حج جمرات کو سات کنکریاں مارنا مسنون ہیں مگر سات کے بجائے آٹھ یا دس کنکریاں مارنا، ایسے مسئلے گھڑنا جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے مثلاً نماز پاک جوتوں کے ساتھ اور بغیر جوتوں کے دونوں طرح صحیح ہے مگر بعض لوگوں کا جوتوں کے ساتھ ہی نماز کو ضروری سمجھنا وغیرہ، یہ سب غلو کی قسمیں ہیں۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے غلو کو کبائر میں شمار کرتے ہوئے فرمایا: مخلوق کے بارے میں غلو کرنا حتیٰ کہ اس کے مقام سے تجاوز کیا جائے اور بعض اوقات یہ غلو گناہِ کبیرہ سے شرک کی طرف لے جاتا ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۴ ص ۴۰۷)

عقائد میں صحیح خبر واحد حجت ہے

بعض اہلِ کلام مثلاً معتزلہ وغیرہ اور (اُن کے متبعین) بعض اہلِ اُصولِ فقہ کے نزدیک (صحیح) خبرِ واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اُن کے خیال میں عقیدہ صرف دلیلِ قطعی یعنی قرآن یا حدیثِ متواتر سے ہی ثابت ہوتا ہے۔

دیکھئے الفرق بین الفرق (ص ۱۸۰) فتح الباری (۱۳/۲۳۳) رسالۃ التوحید لمحمد عبدہ (ص ۲۰۲) موقف المعتزلہ من السنۃ النبویۃ (ص ۹۲۔۹۳) شرح الکوکب المنیر فی اصول الفقہ (۲/۳۵۰۔۳۵۲) اور یوسف بن عبداللہ بن یوسف الوابل کی کتاب ''اشراط الساعۃ'' (ص ۴۱، ۴۲)

محمود شلتوت نامی ایک بدعتی اور ضال مضل نے دعویٰ کیا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خبرِ واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا اور نہ غیبی اُمور میں اس پر اعتماد صحیح ہے۔

(دیکھئے فتاویٰ شلتوت ص ۶۲، اشراط الساعۃ ص ۴۱، ۴۲) !

شیخ یوسف الوابل لکھتے ہیں:

اور یہ قول مردود ہے کیونکہ جب ثقہ راویوں کی روایت سے حدیث صحیح ثابت ہو جائے اور صحیح سند سے ہم تک پہنچ جائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا واجب (فرض) ہے، چاہے خبرِ متواتر ہو یا خبرِ واحد اور یہ علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور یہی ہمارے سلف صالحین کا مذہب ہے۔ (اشراط الساعۃ ص ۴۲)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ﴾ اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ جب کسی معاملے میں اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ فرما دیں تو پھر انھیں اس معاملے میں کوئی اختیار ہو۔ (الاحزاب: ۳۶)

یعنی اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی شخص کو اُس کے مخالف کوئی اختیار نہیں ہے۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج﴾ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ (آل عمران:۳۲)

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

خبرِ واحد پر کسی رد کے بغیر صحابہ و تابعین کے درمیان، وسیع پیمانے پر عمل جاری وساری تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خبرِ واحد کے مقبول ہونے پر متفق تھے۔ (فتح الباری ۲۳۴/۱۳)

ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ نے فرمایا:

خبرِ واحد کو عمل یا تصدیق کے لحاظ سے (ساری) اُمت کی تلقی بالقبول حاصل ہو تو جمہور اُمت کے نزدیک یہ یقینی علم کا فائدہ دیتی ہے اور یہ متواتر کی دو قسموں میں سے ایک ہے، سلف صالحین کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ (شرح العقیدۃ الطحاویہ ص ۳۹۹، ۴۰۰)

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب الرسالۃ میں ''الحجة في تثبيت خبر الواحد'' یعنی خبرِ واحد کے حجت ہونے کا باب باندھا ہے۔ (دیکھئے ص ۴۰۱ قبل فقرہ: ۱۱۰۱)

بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے:

جب میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث بیان کی جائے اور میں اسے نہ لوں تو گواہ رہو کہ میری عقل زائل ہو چکی ہے۔

(مناقب الشافعی ج ۱ ص ۴۷۴ وسندہ صحیح، تحقیقی مقالات جلد اول ص ۱۵۷)

معلوم ہوا کہ عقیدہ ہو یا عمل، جو شخص صحیح حدیث پر عمل نہ کرے تو امام شافعی اسے پاگل سمجھتے تھے اور آپ خبرِ واحد کو قبول کرنا فرض سمجھتے تھے۔ (دیکھئے جماع العلم للشافعی ص ۸ فقرہ: ۱)

آپ نے اپنے شاگرد (امام) ربیع بن سلیمان المرادی سے فرمایا: میں ایک بات ایسی بتاتا ہوں جو تجھے ان شاء اللہ بے نیاز کر دے گی، رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث کبھی نہ چھوڑنا اِلا یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے خلاف کوئی دوسری حدیث آجائے تو پھر اختلاف میں اسی طرح کرنا جس طرح میں نے تجھے بتایا ہے۔ (مناقب الشافعی للبیہقی ج ۱ ص ۴۷۲ وسندہ صحیح)

"رسول اللہ ﷺ کی حدیث" سے آپ کی صحیح وثابت حدیث مراد ہے کیونکہ ضعیف ومردود روایت تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہی نہیں ہے۔

امام ابوبکر الحمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں مصر میں تھا، پھر محمد بن ادریس الشافعی نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ اس حدیث کو لیتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: کیا تو نے مجھے (یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے) کنیسہ سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے یا مجھ پر زنار (ہندوؤں یا عیسائیوں کا خاص نشان) ہے؟ جب میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حدیث ثابت ہو جائے تو میں اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں اور وہی میرا قول ہے اور اسی کا میں دفاع کرتا ہوں، اور اگر میرے نزدیک حدیث ثابت نہ ہو تو میں اسے اپنا قول نہیں بناتا، کیا تو نے مجھ پر زنار دیکھا ہے کہ میں حدیث کے مطابق فتویٰ نہ دوں؟ (حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۰۶، وسندہ صحیح)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یوسف الوابل لکھتے ہیں:

امام شافعی نے خبرِ واحد اور خبرِ متواتر میں کوئی فرق نہیں کیا، اور اسی طرح آپ نے عمل اور عقیدے میں کوئی فرق نہیں کیا بلکہ سارا دارومدار تو حدیث کے صحیح ہونے پر ہے۔

(اشراط الساعۃ ص ۴۳)

امام شافعی رحمہ اللہ نے وفات سے پہلے اپنی آخری وصیت میں بھی کتاب وسنت کی اتباع اور قرآن وحدیث کے خلاف ہر بات کو متروک قرار دینے کا حکم فرمایا۔

دیکھئے مناقب الشافعی للبیہقی (۲/۲۸۸ وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کی تو وہ شخص ہلاکت کے کنارے پر ہے۔

(مناقب احمد لابن الجوزی ص ۱۸۲، وسندہ حسن)

حافظ ابن تیمیہ نے اعلان کیا: سنت اگر ثابت ہو جائے تو تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ اُس پر عمل واجب ہے۔ (مجموع فتاویٰ ۱۹/۸۵)

جولوگ خبرِ واحد کے حجت ہونے کا انکار کرتے ہیں، اُن کا رد کرتے ہوئے ابن القیم نے فرمایا: اور اسی میں سے صحابہ کا ایک دوسرے سے حدیثیں بیان کرنا ہے کیونکہ جب انھیں رسول اللہ ﷺ سے کوئی (صحابی) حدیث بیان کرتا تو ان میں سے کوئی بھی اسے یہ نہ کہتا کہ رسول اللہ ﷺ سے تمھاری خبر خبرِ واحد ہے، یہ جب تک متواتر نہیں ہوگی تو علم (یقینی) کا فائدہ نہیں دے گی۔!

ان صحابہ میں سے اگر کوئی دوسرے کے سامنے صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا تو وہ قطعاً اور یقیناً اس صفت کا عقیدہ رکھتا تھا جیسا کہ رُویتِ باری تعالیٰ، اللہ کا کلام کرنا، اس کا قیامت کے دن اپنے بندوں کو ایسی آواز کے ساتھ پکارنا جسے قریب اور دور والے سب سنیں گے، ہر رات اللہ کا آسمانِ دنیا پر نزول، ضحک فرمانا، خوش ہونا، آسمانوں کو اپنے ہاتھ کی انگلیوں میں سے ایک انگلی سے پکڑنا اور اس کے قدم کا اثبات۔

جس نے بھی اپنے ساتھی کو رسول اللہ ﷺ یا کسی صحابی سے یہ احادیث بیان کرتے ہوئے سنا تو صرف ثقہ عادل سے سننے کے ساتھ ہی اس کے ثبوت کا عقیدہ رکھ لیتا تھا اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں کرتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات انھوں نے احکام کی بعض احادیث میں شک کا اظہار کیا... لیکن کسی نے بھی احادیثِ صفات میں کسی قسم کی دلیل کا مطالبہ کبھی نہیں کیا بلکہ وہ راوی کی رسول اللہ ﷺ سے روایت سن کر سب سے جلدی انھیں قبول کرتے، تصدیق کرتے، اس کے مدلول کا جزم کرتے اور ان کے ساتھ صفات کا اثبات کرتے تھے۔ جس شخص کو سنت کے ساتھ ادنیٰ سا بھی تعلق اور نسبت ہے تو وہ جانتا ہے اور اگر یہ بات واضح نہ ہوتی تو ہم ایک سو (۱۰۰) سے زیادہ مثالیں پیش کرتے۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے علم حاصل ہونے کی نفی کرنے والوں نے جس (نام نہاد) اصول پر اعتماد کیا ہے، اُس سے انھوں نے یقینی طور پر معلوم شدہ اجماعِ صحابہ، اجماعِ تابعین اور ائمہ اسلام کے اجماع کی مخالفت کی ہے اور اس طرح انھوں نے معتزلہ، جہمیہ، روافض اور خوارج کی موافقت کی ہے جنھوں نے اس حرمت کو پامال کیا اور بعض (نام

نہاد) فقہاء اور اُصولیوں (اصولِ فقہ اور علمِ کلام والوں) نے ان (مبتدعین وضالین) کی اتباع کی ورنہ سلف صالحین میں سے کوئی بھی ان لوگوں کا موافق نہیں تھا بلکہ اماموں نے صاف طور پر ان کی مخالفت کی ہے۔ مالک، شافعی، اصحابِ ابی حنیفہ، داود بن علی اور اصحابِ داود مثلاً ابو محمد ابن حزم نے کہا کہ خبر واحد (یقینی) علم کا فائدہ دیتی ہے۔ (مختصر الصواعق المرسلہ ۲/۳۶۱، ۳۶۲)

خبرِ واحد کے حجت ہونے کا انکار کرنے والوں کو جو شبہ لگا ہے کہ خبرِ واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے اور اس سے وہ ظنِ راجح مراد لیتے ہیں جس میں غلطی، غفلت یا بھول کا ممکنہ جواز ہے اور (ان کے نزدیک) احکام میں بالاتفاق ظن راجح پر عمل کرنا واجب ہے لیکن اعتقادی مسائل میں جائز نہیں ہے۔ یہ لوگ بعض آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں اتباعِ ظن (ظن کی پیروی) سے منع کیا گیا ہے، مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا﴾ یہ لوگ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور بے شک حق کے مقابلے میں ظن کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ (النجم: ۲۸)

اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات سے استدلال مردود ہے کیونکہ یہاں ظن سے مراد ظنِ غالب نہیں ہے بلکہ یہاں ظن شک، جھوٹ، اٹکل پچو اور اندازے کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ ابن اثیر کی کتاب النہایہ فی غریب الحدیث والاثر (۳/۱۶۲۔۱۶۳) اور لسان العرب وغیرہما کتبِ لغت میں آیا ہے کہ ظن اُس شک کو کہتے ہیں جو آپ کے نزدیک کسی چیز کے بارے میں واقع ہو جائے لہٰذا اُس کی تحقیق کرو اور مضبوط رائے اختیار کرو۔

﴿وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ﴾ اور ان کے پاس اس کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ (النجم: ۲۸) کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے فرمایا: یعنی اُن کے پاس ایسا صحیح علم نہیں ہے جو ان کی باتوں کی تصدیق کرے بلکہ وہ جھوٹ، افتراء اور کفرِ شنیع ہے۔

﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا﴾ یہ لوگ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور بے شک حق کے مقابلے میں ظن کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ (النجم: ۲۸)

یعنی ظن کوئی فائدہ نہیں دیتا اور نہ کبھی حق کے قائم مقام ہوتا ہے۔

صحیح بخاری (۵۱۴۳) اور صحیح مسلم (۲۵۶۳) میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث.))

ظن سے بچو کیونکہ ظن سب سے جھوٹی بات ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۷/۳۴۴)

شک اور جھوٹ وہ ظن ہے جس کی مذمت اللہ نے فرمائی ہے اور مشرکین کو ذلیل و رسوا کیا ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ﴾ وہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور وہ صرف اٹکل پچو اندازوں پر گامزن ہیں۔ (الانعام:۱۱۶)

پس اللہ نے انھیں گمان اور اندازے پر چلنے والا قرار دیا جو کہ صرف اٹکل پچو اور اندازے کو کہتے ہیں۔ اگر اٹکل پچو جھوٹا اندازہ ہی ظن ہے تو پھر احکام میں بھی اس پر عمل جائز نہیں ہے کیونکہ احکام کی بنیاد شک اور جھوٹے اندازے پر نہیں ہے۔

راوی کی غفلت اور بھول جانے کا اعتراض بھی غلط ہے کیونکہ ثقہ ضابط راویوں (جو غفلت اور بھول سے بچنے والے تھے) کی صحیح روایت میں راوی کی خطا کا احتمال نہیں ہے اور یہ عادت جاری و ساری ہے کہ ثقہ ضابط راوی نہ غافل ہوتا ہے اور نہ جھوٹ بولتا ہے لہٰذا صرف عقلی احتمال کی وجہ سے اس کی روایت رد کر دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

خبرِ واحد قبول کرنے کے دلائل:

۱: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ﴾ یہ نہیں ہوسکتا کہ سارے مومنین (علم سیکھنے کے لئے) نکل پڑیں لہٰذا کیوں نہ ہر ہر گروہ میں سے (ایک آدمی یا) کچھ آدمی نکلیں تا کہ دین میں تفقہ سیکھیں اور واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں تا کہ وہ (نافرمانیوں اور غلطیوں سے) بچ جائیں۔ (التوبہ:۱۲۲)

یہ آیت مومنین کو دین میں تفقہ سیکھنے کی ترغیب دیتی ہے اور اس آیت میں طائفہ سے

مراد ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور زیادہ بھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ایک آدمی کو بھی طائفہ کہا جاسکتا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اگر مومنوں کے دو طائفے آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں صلح کراؤ۔ (الحجرات: ۹) پس اگر دو آدمی لڑ پڑیں تو وہ اس آیت کے مفہوم میں شامل ہیں۔ (صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۳/۲۳۱ قبل ح ۷۲۴۶ ملخصاً)

لہٰذا اگر ایک آدمی کی خبر پر دینی اُمور میں عمل کیا جائے تو یہ اُس کی دلیل ہے کہ اس کی بیان کردہ حدیث حجت ہے۔ دین میں تفقہ سیکھنے میں عقائد اور احکام دونوں شامل ہیں بلکہ احکام میں تفقہ سے عقیدے میں تفقہ زیادہ اہم ہے۔ (مثلاً دیکھئے العقیدہ فی اللہ ص ۵۱)

۲: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا ﴾ اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کے ساتھ آئے تو اس کی تحقیق کرلو۔ (الحجرات: ۶)

یہ آیت ثقہ (قابلِ اعتماد) راوی کی خبرِ واحد کے مقبول ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس کے لئے تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر اس کی روایت سے یقینی علم کا فائدہ نہ ہوتا تو فاسق وغیر فاسق ہر راوی کی خبر کی تحقیق کا حکم ہوتا۔

۳: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ پھر اگر تمھارا کسی چیز میں اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ (النساء: ۵۹)

حافظ ابن القیم نے فرمایا: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ رسول کی طرف لوٹانا آپ کی زندگی میں آپ کی طرف رجوع اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع ہے۔ اس پر ان کا اتفاق ہے کہ اس کی فرضیت آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہوئی لہٰذا اگر آپ کی متواتر احادیث اور خبرِ واحد والی احادیث سے علم و یقین کا فائدہ نہ ہوتا تو آپ کی طرف لوٹانے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ (مختصر الصواعق المرسلۃ علی الجہمیہ والمعطلہ ۲/۳۵۲)

حدیث اور خبر واحد

احادیثِ مبارکہ سے تو خبرِ واحد کے حجت ہونے کے بے شمار دلائل ہیں مثلاً:

① رسول اللہ ﷺ اپنے ایلچی، مبلغین اور امراء ایک ایک کر کے بھی بھیجتے تھے اور لوگ تمام احکام میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، چاہے یہ احکام عملی ہوں یا اعتقادی مثلاً رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ کو نجران کی طرف، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف اور سیدنا دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر بصریٰ (شام) کے عیسائی سربراہ کی طرف بھیجا تھا۔ دیکھئے صحیح البخاری (مع فتح الباری ۱۳/۲۳۲، ۲/۲۶۱، ۱۳/۲۴۱)

② سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ قُبا میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آنے والے شخص نے آکر انھیں بتایا: آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو کعبے کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سن کر وہ سارے لوگ نماز میں ہی کعبۃ اللہ کی طرف پھر گئے، حالانکہ اس سے پہلے اُن کا رخ (بالکل مخالف سمت) شام کی طرف تھا۔ (صحیح بخاری: ۷۲۵۱)

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس مسئلے کا تعلق عقیدے سے نہیں بلکہ احکام سے ہے کیونکہ نماز تو ایمان (یعنی عقیدے) میں سے ہے۔ دیکھئے سورۃ البقرۃ (۱۴۳)

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں اپنی باری میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتا تو واپس آکر اپنے ساتھی کو اس دن کی باتیں بتاتا تھا اور جب اس ساتھی (انصاری) کی باری ہوتی تو وہ مجھے بتاتے تھے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۷۲۵۶ ملخصاً مفہوماً)

صحابۂ کرام کا یہی طرزِ عمل تھا کہ وہ ایک دوسرے کی روایات پر اعتماد کرتے تھے چاہے ان کا تعلق عقائد سے ہوتا تھا یا احکام سے۔

④ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰی یُبَلِّغَهُ غَیْرَهُ)) إلخ

اللہ اُس شخص کے چہرے کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے یاد کر لیا

حتیٰ کہ دوسرے آدمی تک اسے پہنچا دے۔ الخ

(سنن الترمذی:۲۶۵۶ وقال: ''حدیث حسن'' وسندہ صحیح وصححہ ابن حبان، الموارد:۷۲، الاحسان:۶۷۹)

یہ حدیث عام ہے اور عقائد، اعمال اور فضائل وغیرہ تمام احادیث کے یاد کرنے اور آگے بیان کرنے کی اہم دلیل ہے۔ سلف صالحین مثلاً صحابہ، تابعین اور تبع تابعین وغیرہم میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ صحیح خبر واحد حجت نہیں ہے بلکہ خبرِ واحد کے حجت نہ سمجھنے کی بدعت فلسفۂ یونان کے اُن اُصولیوں کی ایجاد ہے جو بدعات میں سرتاپا غرق تھے۔
خبرِ واحد کی حجیت کے مفصل دلائل کے لئے دیکھئے: ۱۔ خبر الواحد وحجیتہ لأحمد محمود الشنقیطی
۲۔ الحدیث حجۃ بنفسہ فی العقائد والاحکام للالبانی ۳۔ وہ کتابیں جن میں منکرینِ حدیث کا رد ہے مثلاً: عظمتِ حدیث (تالیف مولانا عبدالغفار حسن رحمانی رحمہ اللہ)
اور انکارِ حدیث سے انکارِ قرآن تک (تالیف: مولانا ابوزکریا عبدالسلام الرستمی حفظہ اللہ)
تنبیہ: اس مضمون میں یوسف بن عبداللہ بن یوسف الوابل کی کتاب ''اشراط الساعۃ'' (ص ۴۱۔۵۲) سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ (۱۲/نومبر ۲۰۰۸ء)

بریلوی سوالات اور اہلِ سنت: اہلِ حدیث کے جوابات

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

عباس رضوی نامی ایک بریلوی نے اہلِ حدیث (اہلِ سنت) سے بارہ (۱۲) سوالات کئے ہیں۔ کل ایک آدمی حافظ ولید رانا نے ملتان سے یہ سوالات برائے جوابات بھیجے اور آج ان کے جوابات مع سوالات پیشِ خدمت ہیں:

بریلوی سوال نمبر۱: ''مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں صحیح، صریح، مرفوع، غیر محتمل احادیث درکار ہیں:

کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز وتر میں بعد از رکوع عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے یا آپ نے حکم دیا ہے؟''

الجواب: اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کے نزدیک قرآن مجید، احادیثِ صحیحہ اور ثابت شدہ اجماع شرعی حجت ہیں۔ احادیث سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے لہٰذا اہلِ حدیث کے نزدیک ہر سوال کا جواب ادلۂ ثلاثہ اور اجتہاد سے جائز ہے۔ اجتہاد کی کئی اقسام ہیں مثلاً: نص پر قیاس، عام دلیل سے استدلال، اولیٰ کو ترجیح، مصالح مرسلہ اور آثارِ سلف صالحین وغیرہ۔

اہلِ حدیث کے اس منہج کو ماہنامہ الحدیث حضرو میں بار بار واضح کر دیا گیا ہے مثلاً دیکھئے الحدیث نمبر ۱ ص ۴، ۵

اہلِ حدیث کے اس منہج کے مقابلے میں بریلویہ اور دیوبندیہ دونوں کے نزدیک آنکھیں بند کر کے اندھی اور بے دلیل تقلید حجت ہے۔ احمد رضا خان بریلوی نے ایک رسالہ لکھا ہے: ''اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقا علی قول الامام اس امر کی تحقیقِ عظیم کہ فتویٰ ہمیشہ قولِ امام پر ہے۔'' (دیکھئے فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۱ ص ۹۵ طبع قدیم ج ۱ ص ۳۸۱)

احمد یار خان نعیمی بدایونی لکھتے ہیں: ''اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔

کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت واحادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔" (جاء الحق طبع قدیم حصہ دوم ص ۹۱، آٹھواں باب)

معلوم ہوا کہ مسئلہ عقیدے کا ہو یا احکام وغیرہ کا، بریلویوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے باسند صحیح امام ابوحنیفہ کا قول پیش کریں اور بعد میں باسند صحیح بذریعہ امام ابوحنیفہ: ادلۂ اربعہ سے استدلال پیش کریں اور اگر نہ کر سکیں تو وہ اپنے دعویٔ تقلید میں کاذب ہیں۔

بذریعۂ امام ابوحنیفہ کا مطلب یہ ہے کہ جو حدیث بھی پیش کریں، وہ امام ابوحنیفہ کی سند سے ہو کیونکہ یہ لوگ یوسفی وشیبانی نہیں بلکہ صرف امام ابوحنیفہ کی تقلید کے دعویدار ہیں اور محدثینِ کرام سے حدیث لینا ان لوگوں کے نزدیک تقلید ہے۔!

اہلِ حدیث اپنے عقیدے اور منہج کے مطابق ادلۂ اربعہ سے بذریعہ محدثینِ کرام اور علمائے حق (سلف صالحین کے فہم کو مدِنظر رکھتے ہوئے) جواب دینے کے پابند ہیں۔

اب سوال کی مناسبت سے چند تنبیہات پیشِ خدمت ہیں:

① صحیح حدیث کی طرح حسن لذاتہ بھی حجت ہے۔

② ہر جواب کا صریح ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر مقابلے میں خاص دلیل نہ ہو تو عام دلیل سے بھی استدلال جائز ہے۔

③ مرفوع حدیث حجتِ دائمہ ہے لیکن موقوف آثار سے بھی استدلال جائز ہے بشرطیکہ مقابلے میں صریح دلیل نہ ہو۔

④ غیر محتمل والی شرط فضول ہے کیونکہ ہر فریق دوسرے کی دلیل میں احتمال ہی احتمال نکال لیتا ہے بلکہ بریلویت ودیوبندیت کی بنیاد ہی احتمالات، تاویلاتِ فاسدہ اور اکابر کی اندھی تقلید پر ہے۔

اس ضروری تمہید کے بعد پہلے سوال کا جواب اور پھر اہلِ حدیث کا جوابی سوال پیشِ خدمت ہے:

جب نبی کریم ﷺ کے ستر (۷۰) صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہید کئے گئے تو آپ نے ایک

مہینہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا تھا جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (کتاب المغازی باب ۲۹ ح ۴۰۹۰)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "فقد رأیت رسول اللہ ﷺ کلّما صلّی الغداۃ رفع یدیہ یدعو علیھم" "پس یقیناً میں نے دیکھا، رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے، دونوں ہاتھ اُٹھاتے، ان (کافروں) پر (ہلاکت وتباہی کی) دعا فرماتے۔

(صحیح ابی عوانہ ج ۵ ص ۴۱، دوسرا نسخہ ج ۴ ص ۲۷ ح ۵۹۱۳ وسندہ صحیح)

اس حدیث سے قنوت میں دعا کی طرح ہاتھ اُٹھانا ثابت ہے لہٰذا جو اہلِ حدیث قنوتِ وتر میں ہاتھ اُٹھاتے ہیں، اس حدیث اور آثار کی بنا پر اُٹھاتے ہیں۔

امام اہلِ سنت امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ دونوں قنوتِ وتر میں ہاتھ اُٹھانے کے قائل تھے۔ دیکھئے مسائل ابی داود (ص ۶۶) اور مسائل احمد واسحاق (روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ۱/۲۱۱ ت ۴۶۵)

اہلِ حدیث کا سوال نمبر۱: قنوتِ وتر کے بارے میں احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: "جو شخص قنوت بھول کر رکوع میں چلا جائے تو اُسے جائز نہیں کہ پھر قنوت کی طرف پلٹے بلکہ حکم ہے کہ نماز ختم کر کے اخیر میں سجدہ سہو کرے" الخ (فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۸ ص ۲۱۹)

یہ حکم کہ قنوت بھولنے والا سجدۂ سہو کرے گا، کس حدیث یا دلیل سے ثابت ہے؟

باسند صحیح بذریعہ امام ابوحنیفہ ثابت کریں۔!

تنبیہ: بریلویہ اور دیوبندیہ سے اہلِ حدیث کا اختلاف ایمان وعقائد میں ہے لیکن فی الحال پہلے سوال کے جواب میں ویسا ہی سوال پیشِ خدمت ہے جیسا سوال اہلِ حدیث سے کیا گیا ہے۔

بریلوی سوال نمبر۲: "کیا نبی اکرم ﷺ نمازِ جنازہ کی تمام تکبیرات میں رفع الیدین کرنے کا حکم فرماتے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نماز جنازہ کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین فرمایا ہے؟"

الجواب: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "أن النبي ﷺ کان إذا صلّٰی علٰی جنازۃ رفع یدیه في کلّ تکبیرۃ و إذا انصرف سلّم."

بے شک نبی ﷺ جب نماز جنازہ پڑھتے تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے اور جب پھرتے تو سلام کہتے تھے۔ (العلل للدارقطنی ج ۱۳ص ۲۲ مسئلہ: ۲۹۰۸ وسندہ صحیح وزیادۃ الثقۃ مقبولۃ)

اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (بھی) جنازے کی ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۹۶ح ۱۱۳۸۰، وسندہ صحیح)

اہلِ حدیث کا سوال نمبر ۲: ہماری ذکر کردہ مرفوع حدیث اور اثرِ صحابی کے مقابلے میں بریلوی و دیوبندی حضرات نمازِ جنازہ کی ساری تکبیرات پر رفع یدین نہیں کرتے۔ اس عمل کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ بذریعہ امام ابوحنیفہ پیش کریں۔!

بریلوی سوال نمبر ۳: "حضور اکرم ﷺ نے اپنے کس صحابی کی شہادت پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی تھی؟"

الجواب: سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "صلّٰی رسول اللّٰہ ﷺ علٰی قتلٰی أحد بعد ثماني سنین" إلخ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے اُحد پر آٹھ سال کے بعد نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد ح ۴۰۴۲)

اہلِ حدیث کا سوال نمبر ۳: محمد امجد علی بریلوی جنازے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اگر ایک ولی نے نماز پڑھا دی تو دوسرے اولیا اعادہ نہیں کر سکتے"

(بہارِ شریعت حصہ چہارم ص ۸۵)

معلوم ہوا کہ بریلویوں کے نزدیک اگر ولی نمازِ جنازہ پڑھ لے تو دوبارہ (نمازِ جنازہ) نہیں ہو سکتی۔ نیز دیکھئے فتاویٰ رضویہ (ج ۹ ص ۲۶۹)

احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: "جبکہ آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ نماز غائب و تکرارِ نمازِ جنازہ دونوں ہمارے مذہب میں ناجائز ہیں اور ہر ناجائز گناہ ہے اور گناہ میں کسی کا اتباع نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۳۶۷)

بذریعہ امام ابوحنیفہ وہ دلیل پیش کریں جس میں نبی کریم ﷺ نے دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کو ناجائز اور گناہ قرار دیا ہے یا نمازِ جنازہ کی تکرار سے منع فرمایا ہے۔

بریلوی سوال نمبر۴: ''ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کریں کہ نمازِ جنازہ میں امام دعائیں بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں؟''

الجواب: سیدنا عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ " سمعت النبي ﷺ۔ وصلّى على جنازة ۔ يقول :اللّٰهم اغفر له وارحمه " إلخ

میں نے نبی ﷺ کو جنازے پر نماز پڑھتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ .)) إلخ (صحیح مسلم:۸۵/۹۶۳، ترقیم دارالسلام:۲۲۳۴)

جو دعا بلند آواز سے پڑھی جائے وہی سنی جاتی ہے لہٰذا اس صحیح حدیث سے بلند آواز سے دعا پڑھنا ثابت ہوا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ (دعائے) قنوت پڑھتے تھے اور لوگ آپ کے پیچھے آمین کہتے تھے۔ (سنن ابی داود، الوتر باب القنوت فی الصلوٰۃ ح ۱۴۴۳، وسندہ حسن وصححہ ابن خزیمہ: ۶۱۸، والحاکم علیٰ شرط البخاری ۱/۲۲۵ ووافقہ الذہبی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر دعا جہری ہو تو مقتدی آمین کہیں گے۔

اہلِ حدیث کا سوال نمبر۴: بریلویوں اور دیوبندیوں کی معتبر کتاب فتاویٰ شامی میں لکھا ہوا ہے کہ ''من صلّى و في كمه جرو تجوز صلاته وقيده الفقيه أبو جعفر الهندواني بكونه مشدود الفم " جو شخص نماز پڑھے اور اس کی آستین میں (کُتے کا) پلاّ ہو، اس کی نماز جائز ہے اور فقیہ ابو جعفر الہندوانی نے یہ شرط لگائی ہے کہ اُس کا منہ بندھا ہوا ہونا چاہئے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۵۳ مطبوعہ: مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ، پاکستان)

بذریعہ امام ابوحنیفہ وہ دلیل پیش کریں جس سے کتا اُٹھا کر نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

نیز یہ کہ بریلوی فقہ کے اس مسئلے پر کیا عباس رضوی یا کسی بریلوی نے کبھی عمل کیا ہے؟

تنبیہ: اہلِ حدیث کے خلاف وحید الزمان، نورالحسن اور نواب صدیق حسن خان کے حوالے پیش کرنا غلط ہے کیونکہ ہم ان حوالوں سے بری ہیں اور یہ حوالے ہمارے مفتیٰ بہا نہیں ہیں۔ جب ہم آلِ تقلید کے خلاف صرف ان کے مفتیٰ بہا اقوال پیش کرنے کے پابند ہیں تو وہ ہمارے خلاف کیوں غیر مفتیٰ بہا اقوال پیش کرتے ہیں۔؟!

بریلوی سوال نمبر ۵: ''ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کریں کہ نمازِ وتر میں رکوع کے بعد امام بلند آواز سے دعائے قنوت پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں؟''

الجواب: رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نمازوں میں قنوت پڑھا تھا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے آمین آمین کہتے تھے۔

دیکھئے سنن ابی داود (ح ۱۴۴۳، وسندہ حسن) اور الجواب نمبر ۴

اس حدیث سے امام کا بلند آواز سے قنوت پڑھنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا، دونوں مسئلے ثابت ہیں۔ والحمد للہ

اہلِ حدیث کا سوال نمبر ۵: بریلویوں و دیوبندیوں کی تسلیم شدہ معتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ ''ولو ترک وضع الیدین والرکبتین جازت صلاته بالاجماع'' اور اگر (سجدے میں) دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے (زمین پر) نہ رکھے تو بالاجماع نماز جائز ہے۔ (ج ۱ص ۷۰)

اجماع کا دعویٰ تو باطل ہے تاہم عرض ہے کہ اس مسئلے کا ثبوت بذریعہ امام ابوحنیفہ اپنی تسلیم شدہ دلیل سے پیش کریں اور کیا اس مسئلے پر آپ لوگوں میں سے کسی نے کبھی عمل بھی کیا ہے؟

بریلوی سوال نمبر ۶: ''کیا نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں یا آپ ﷺ نے خود نماز میں سینے پر ہاتھ باندھے تھے؟''

الجواب: سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''کان الناس یؤمرون أن یضع الرجل یده الیمنیٰ علیٰ ذراعه الیسریٰ فی الصلوٰة'' لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ ہر شخص نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۱۰۲ ح ۷۴۰)

کہنی کے سرے سے لے کر درمیانی انگلی کے سرے تک کو ذراع کہتے ہیں۔
دیکھئے القاموس الوحید (ص ۵۶۸)

اگر دایاں ہاتھ پوری بائیں ذراع پر رکھا جائے تو خود بخود سینے پر آ جاتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا چاہئے۔ سیدنا ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''یضع هذه علٰی صدره '' آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶ وسندہ حسن)

اہلِ حدیث کا سوال نمبر ۶: احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے:
''مسجد میں اذان دینی مسجد و دربارِ الٰہی کی گستاخی و بے ادبی ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ طبع قدیم ج ۲ ص ۴۱۴، طبع جدید ج ۵ ص ۴۱۱)

اس بات کا ثبوت ادلۂ اربعہ میں سے بذریعہ امام ابوحنیفہ پیش کریں کہ مسجد میں اذان دینی دربارِ الٰہی اور مسجد دونوں کی گستاخی ہے اور یہ بھی بتائیں کہ دربارِ الٰہی اور مسجد کی گستاخی کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

یاد رہے کہ بریلویوں کی اکثریت مسجدوں میں اذان دیتی ہے اور اس طرح وہ احمد رضا خان کے نزدیک مسجد اور دربارِ الٰہی کی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بریلوی سوال نمبر ۷: ''کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کہنی پر رکھا تھا؟''

الجواب: سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''ثم وضع یده الیمنٰی علٰی ظهر کفه الیسری والرسغ والساعد '' پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت اور رسغ (کلائی) اور ساعد (کہنی سے ہتھیلی تک کا حصہ / القاموس الوحید ص ۷۶۹) پر رکھا تھا۔ (سنن ابی داود، الصلوٰۃ، باب رفع الیدین فی الصلوٰۃ ح ۷۲۷ وسندہ صحیح)

اہلِ حدیث کا سوال نمبر ۷: بریلویوں کی معتبر کتاب فتاویٰ شامی میں امامت کی شرطوں کے سلسلے میں لکھا ہوا ہے کہ ''ثم الأحسن زوجة '' پھر وہ (امام بنے) جس کی بیوی سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۱۲)

بذریعہ امام ابوحنیفہ وہ صحیح حدیث پیش کریں جس میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے۔

بریلوی سوال نمبر ۸: ''ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کریں کہ آپ ﷺ نے پورا سال تہجد کی آذان کا حکم فرمایا ہو؟ وہ آذان رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو بلکہ پورا سال تہجد پڑھنے کے لئے ہو۔''

الجواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**إنّ بلالاً یؤذن بلیل فکلوا و اشربوا حتی یؤذن ابن أم مکتوم .**)) بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں لہٰذا کھاؤ اور پیو حتیٰ کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان قبل الفجر ۶۲۲، ۶۲۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طلوعِ فجر سے پہلے رات کی اذان دینا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سارا سال رات کی اذان دے تو جائز ہے اور دوسرے دلائل کی رُو سے اگر یہ اذان نہ بھی دے اور صرف صبح کی اذان دے تو بھی جائز ہے۔

اہلِ حدیث کا سوال نمبر ۸: نماز کے سوالات سے ہٹ کر عرض ہے کہ احمد رضا خان نے کہا: ''غزوہ احزاب کا واقعہ ہے۔ رب عزوجل نے مدد فرمانی چاہی اپنے حبیب کی شمالی ہوا کو حکم ہوا جا اور کافروں کو نیست و نابود کردے۔ اس نے کہا **الحلائل لا یخرجن باللیل** بیبیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں **فأعقمها اللّٰہ تعالٰی** تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بانجھ کر دیا۔ اسی وجہ سے شمالی ہوا سے کبھی پانی نہیں برستا''

(ملفوظات حصہ ۴ ص ۴۱۹ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، ۳۸۔ اردو بازار لاہور)

ہوا کا اللہ کے حکم سے انکار کر دینا کون سی صحیح حدیث میں لکھا ہوا ہے؟

باحوالہ اور صحیح سند جواب دیں اور یہ مسئلہ بھی سمجھا دیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہَوا کو حکم دے تو ہَوا اُس پر عمل کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ کن فیکون کا کیا مطلب ہے؟

بریلوی سوال نمبر ۹: ''ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے نمازِ باجماعت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا حکم فرمایا ہو یا خود پڑھی ہو؟''

الجواب: نعیم المجمر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی پھر سورۂ فاتحہ پڑھی حتیٰ کہ جب آپ ﴿غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ﴾ پر پہنچے تو آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی اور آپ ہر سجدہ کرتے وقت اللہ اکبر کہتے اور دو رکعتوں کے تشہد سے اٹھتے وقت اللہ اکبر کہتے اور جب سلام پھیرتے تو فرماتے: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہوں۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۵۱ ح ۴۹۹ صحیح ابن حبان، الاحسان: ۱۷۹۴، وسندہ صحیح)

اس حدیث سے (کبھی کبھار) بسم اللہ، الخ بالجہر کا استحباب ثابت ہوا جیسا کہ حافظ ابن حبان نے صراحت کی ہے۔ دیکھئے صحیح ابن حبان (ج ۵ ص ۱۰۰)

یاد رہے کہ بسم اللہ نماز میں سراً بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے۔

دیکھئے میری کتاب مختصر صحیح نمازِ نبوی (ص ۱۱)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔

دیکھئے سنن الترمذی (۲/۹۶ ح ۲۶۷۶ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' وسندہ صحیح)

اور خلفائے راشدین میں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی ''فجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم '' تو انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھی۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۳۷، وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۲ ح ۴۷۵۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۴۸)

اہلِ حدیث کا سوال نمبر۹: بریلویوں کی معتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ

''ویجوز بیع لحوم السباع والحمر المذبوحۃ فی الروایۃ الصحیحۃ ''

اور صحیح روایت میں درندوں اور ذبح شدہ گدھوں کا گوشت بیچنا جائز ہے۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۱۵)

اپنے اس صحیح روایت والے فتوے کا ثبوت قرآن وحدیث و ادلۂ شرعیہ سے بذریعہ امام ابوحنیفہ پیش کریں اور کیا عباس رضوی نے اپنی اس صحیح روایت پر بذاتِ خود بھی کبھی عمل

کیا ہے؟

بریلوی سوال نمبر ۱۰: ”ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے وفات تک رفع الیدین عندالرکوع وبعدالرکوع کیا تھا؟“

الجواب: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔ مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (کتاب الاذان، باب رفع الیدین اذا کبرو اذارکع واذارفع ح ۷۳۶)

اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۷۳۹ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے رفع یدین کی حدیث کے راوی، ان کے جلیل القدر صاحبزادے امام سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (حدیث السراج ج ۲ ص ۳۴، ۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ رفع الیدین عندالرکوع وبعدالرکوع پر عمل عہدِ نبوت، عہدِ صحابہ اور عہدِ تابعین میں مسلسل رہا ہے لہٰذا رفع یدین کے منسوخ یا متروک ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین عندالرکوع وبعدالرکوع کا ترک یا منسوخ ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ وفات تک رفع یدین کرتے تھے۔ یہ مسئلہ سمجھانے کے لئے ایک مثال پیشِ خدمت ہے:

رسول اللہ ﷺ سے نماز میں ہاتھ باندھنا ثابت ہے اور ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا بالکل ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ وفات تک نماز میں ہاتھ باندھتے تھے۔

اہلِ حدیث کا سوال نمبر ۱۰: حدیث میں آیا ہے کہ (سیدنا) عقبہ بن عامر (رضی اللہ عنہ / صحابی) نے فرمایا: نماز میں جو شخص اشارہ کرتا ہے، اسے ہر اشارے کے بدلے ایک نیکی یا ایک درجہ ملتا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۷/ ۲۹۷ ح ۸۱۹ وسندہ حسن، وحسنہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ۲/ ۱۰۳)

اس اشارے سے مراد رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ہے۔
دیکھئے معرفۃ السنن والآثار للبیہقی (قلمی ج ۱ ص ۲۲۵ وسندہ صحیح الی الامام اسحاق بن راہویہ)

یاد رہے کہ یہ حدیث حکماً مرفوع ہے اور صراحتاً مرفوع بھی مروی ہے۔
دیکھئے السلسلۃ الصحیحہ للالبانی (۸۴۸/۷ ح ۳۶۸۶ بحوالہ الفوائد لابی عثمان البحیری ۲/۳۹)

کیا کسی حدیث میں رفع یدین نہ کرنے پر بھی کسی نیکی کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ صحیح یا حسن حدیث بذریعہ امام ابوحنیفہ پیش کریں۔!

بریلوی سوال نمبر ۱۱: ''ایک صحیح صریح مرفوع غیر محتمل حدیثِ مرفوع پیش کریں کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم حدیث میں ہو؟''

الجواب: اگر کپڑا ہو تو سر ڈھانپ کر نماز پڑھنی چاہئے اور یہی بہتر ہے۔ دیکھئے میری کتاب ہدیۃ المسلمین (حدیث نمبر: ۱۰) اور ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۱ ص ۵۱

اگر کپڑا نہ ہو تو مرد کی نماز ننگے سر جائز ہے۔ سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''أن النبي ﷺ صلّی في ثوب واحد، قد خالف بین طرفیه''

بے شک نبی ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی، آپ نے اس کے دونوں کناروں کو مخالف اطراف (کے کندھوں) پر ڈالا تھا۔ (صحیح بخاری: ۳۵۴)

تنبیہ: جواب میں صحیح بخاری پر اکتفا کرتے ہوئے صحیح مسلم کے حوالے کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

ننگے سر نماز کے بارے میں احمد رضا خان بریلوی نے کہا:

'' اگر بہ نیت عاجزی ننگے سر پڑھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں'' (احکام شریعت حصہ اول ص ۱۳۰)

اہلِ حدیث کا سوال نمبر ۱۱: احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: ''دلھن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے یہ پانی بھی قابلِ وضو رہنا چاہئے اگر دلھن باوضو یا نابالغہ تھی کہ یہ اس کا سابق از قبیل اعمال ہیں نہ از نوع عبادات اگرچہ نیت اتباع انہیں قربت کردے واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۵۹۵ فقرہ نمبر ۱۵۶)

قرآن وحدیث کی وہ دلیل بذریعہ امام ابوحنیفہ پیش کریں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ دلہن کو بیاہ کرلانے کے بعد اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑ کنے سے برکت ہوتی ہے اور یہ مستحب ہے۔

بریلوی سوال نمبر۱۲: ''ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز میں دو دو فٹ کھلے پاؤں کر کے کھڑے ہونے کا حکم ہو؟'' [سوالات ختم ہوئے۔]

الجواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**أقیموا صفوفکم و تراصّوا** .)) إلخ

اپنی صفیں قائم کرو اور ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہو جاؤ۔ الخ (صحیح بخاری:۷۱۹)

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے ساتھ نماز پڑھنے والے مقتدی کے کندھے اور قدم سے قدم ملانا چاہیے جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ملاتے تھے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۷۲۵)

الحمدللہ اس حدیث پر اہلِ حدیث کا عمل ہے اور رہی بات دو دو فٹ والی تو یہ بریلوی سائل کا مسخرا پن اور ٹھٹھا ہے، جس سے اہلِ حدیث بری ہیں۔

اہلِ حدیث کا سوال نمبر۱۲: بذریعہ امام ابوحنیفہ وہ صحیح یا حسن حدیث پیش کریں، جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ امام کے پیچھے، مقتدیوں کو ایک دوسرے کے قدم سے قدم اور کندھے سے کندھے نہیں ملانے چاہئیں۔

سوالات وجوابات اور جوابی سوالات کا سلسلہ اختتام پذیر ہوا۔ آخر میں عرض ہے کہ بریلویوں کے سوالات مکمل نقل کر کے اُن کے بمطابق سوالات جوابات لکھے گئے ہیں اور اس مضمون کا صرف وہی جواب قابلِ مسموع ہوگا جس میں سارے مضمون کو نقل کر کے اس کے ہر سوال کے مطابق جواب لکھا جائے۔

یاد رہے کہ راقم الحروف نے آلِ دیوبند کے سوالات کے جوابات مع جوابی سوالات لکھے تھے جن کا جواب آج تک نہیں آیا، دیوبندیوں کو تو سانپ سونگھ گیا ہے اور بریلویوں کے بارے میں معلوم نہیں انھیں کیا چیز سونگھے گی۔ واللہ اعلم

(۱۳/ رمضان ۱۴۲۹ھ بمطابق ۱۴ ستمبر ۲۰۰۸ء)

ماہنامہ الحدیث کے منہج کی وضاحتیں

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد :

ماہنامہ الحدیث حضرو کے منہج اور طرزِ استدلال کے بارے میں چند وضاحتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: نصوصِ شرعیہ (قرآنِ مجید، احادیث صحیحہ اور اجماع) سے حتمی استدلال کیا جاتا ہے اور صریح نصوصِ شرعیہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ اجتہاد کی کئی اقسام ہیں مثلاً:

☆ سلف صالحین کے غیر اختلافی آثار سے استدلال

☆ سلف صالحین کے اختلافی آثار میں سے راجح کو اختیار کرنا

☆ عام دلیل سے استدلال

☆ قیاسِ صحیح، مصالح مرسلہ اور اَولویت وغیرہ

۲: صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کی تمام متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔

۳: اصولِ حدیث و اصولِ محدثین سے جس خبر واحد کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے وہ قطعی، حتمی اور یقینی طور پر صحیح ہوتی ہے، اسے ظنی وغیرہ سمجھنا باطل و مردود ہے۔ اس صحیح روایت سے ایمان، عقیدہ، بیانِ قرآن، احکام اور اعمال ہر دینی مسئلے پر استدلال بالکل صحیح ہے۔

٤: ہر وہ راوی جس کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہو، اگر جمہور (مثلاً تین بمقابلہ دو) اس کی صریح یا اشارتاً توثیق کر دیں تو یہ راوی صدوق، حسن الحدیث ہوتا ہے اور اس کی بیان کردہ غیر معلول روایت فی نفسہ حسن لذاتہ اور حجت ہوتی ہے۔

تنبیہ: ماہنامہ الحدیث حضرو کے منہج میں حسن لغیرہ روایت کو حجت نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے ضعیف ہی کی ایک قسم سمجھا جاتا ہے۔

٥: جس راوی کو مجہول یا مستور کہا گیا ہے اگر اس کی صریح یا اشارتاً توثیق کسی ایک معتبر

محدث مثلاً دار قطنی وابن خزیمہ وغیر ہما سے ثابت ہو جائے تو یہ راوی صدوق، حسن الحدیث ہوتا ہے اور اسے مجہول و مستور کہنا غلط ہے اگرچہ ایک ہزار امام بھی اسے مجہول و مستور کہتے ہوں۔

تنبیہ: اشارتاً کا مطلب یہ ہے کہ کوئی محدث اس راوی کی حدیث کو صحیح یا حسن وغیرہ کہہ دے یا قرار دے۔

۶: اگر ایک راوی کو مجہول یا مستور وغیرہ کہا گیا ہے اور دو متساہل محدثین مثلاً حافظ ابن حبان وامام ترمذی اس کی توثیق صراحتاً یا اشارتاً کر دیں تو اس راوی کو حسن الحدیث ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔

۷: جس راوی کا مدلس ہونا اُن محدثین سے ثابت ہو جائے جو ارسال اور تدلیس کو ایک نہیں سمجھتے تو ایسے راوی کی عن والی روایت کو غیر صحیحین میں ضعیف سمجھا جاتا ہے۔

۸: ثقہ وصدوق راوی کی زیادت کو ہمیشہ ترجیح حاصل ہے مثلاً ایک ثقہ وصدوق راوی کسی سند یا متن میں کچھ اضافہ بیان کرتا ہے۔ فرض کریں یہ اضافہ ایک ہزار راوی بیان نہیں کرتے، تب بھی اسی اضافے کا اعتبار ہوگا اور اسے صحیح یا حسن سمجھا جائے گا۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ فلاں فلاں راوی نے یہ الفاظ بیان نہیں کئے، مخالفت کی ہے، مردود ہے۔

۹: جس شخص کا جو قول بھی پیش کیا جائے اس کا صحیح وثابت ہونا ضروری ہے۔ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ یہ فلاں کتاب مثلاً تہذیب الکمال، میزان الاعتدال یا تہذیب التہذیب وغیرہ میں لکھا ہوا ہے بلکہ اس کے ثبوت کے بعد ہی اسے بطورِ جزم پیش کرنا چاہئے۔

۱۰: عین ممکن ہے کہ ایک روایت کی سند بظاہر صحیح وحسن معلوم ہوتی ہو لیکن محدثینِ کرام نے بالاتفاق اسے ضعیف قرار دیا ہو تو یہ روایت معلول ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود سمجھی جاتی ہے۔

۱۱: کتاب وسنت کے مقابلے میں ہر قول اور ہر اجتہاد مردود ہے، مثلاً صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ متعۃ النکاح قیامت تک حرام ہے۔ اب اگر کسی عالم کا یہ قول مل جائے کہ

متعۃ النکاح جائز ہے تو اس قول کو ہمیشہ مردود سمجھا جائے گا۔

۱۲ : کتاب وسنت کا وہی مفہوم معتبر ومستند ہے جو سلف صالحین سے بلا اختلاف ثابت ہے۔اگر کسی بات میں ان کا اختلاف ہو تو راجح کو ترجیح دی جائے گی۔

۱۳ : اجتہادی اُمور اور اہلِ حق کے باہمی اختلاف میں وسعتِ نظر کے ساتھ علمی و باوقار اختلاف واستدلال جائز ہے اور مخالف کا احترام کرنا چاہئے۔

۱۴ : اپنی خطا سے علانیہ رجوع کرنا چاہئے۔

۱۵ : اہلِ بدعت کی کوئی عزت وتوقیر نہیں ہے بلکہ ان سے براءت ایمان کا مسئلہ ہے۔

۱۶ : ماہنامہ الحدیث میں ہر تحریر سے ادارے کا متفق ہونا ضروری ہے اور اختلاف کی صورت میں صراحتاً یا اشارتاً وضاحت کردی جاتی ہے۔یادر ہے کہ مضمون نگار اور اس کی دیگر تحریروں وغیرہ سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

۱۷ : عوام سے معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ ماہنامہ الحدیث ایک خالصتاً علمی وتحقیقی رسالہ ہے لہٰذا اس میں بعض ایسے مضامین بھی شائع ہوتے ہیں جنھیں عوام الناس کا سمجھنا مشکل کام ہوتا ہے تاہم کتاب وسنت کی دعوت اور تبلیغِ حق کی اشاعت کے لئے ایسے مضامین کا شائع کیا جانا ضروری ہے۔

۱۸ : ہر بات باحوالہ پیش کرنا ماہنامہ الحدیث کا امتیاز ہے۔

۱۹ : تکفیری ومرجی اور دیگر فرقِ ضالہ سے براءت کرتے ہوئے حدیث اور اہلِ حدیث (محدثین اور متبعینِ حدیث) کا دفاع کرنا ماہنامہ الحدیث کا نصب العین ہے۔

۲۰ : تمام پارٹیوں اور تنظیموں سے علیحدہ رہ کر اہلِ حق کو متحد کر کے ایک جماعت بنانا وہ عظیم مقصد ہے جس کے لئے ہم دن رات کوشاں ہیں۔

۲۱ : ماہنامہ الحدیث حضرو میں بعض اوقات اگر کسی تحریر سے اختلاف ظاہر کرنا مقصود ہو یا کسی غلطی کی طرف تنبیہ ہو تو عبارت کے اوپر ایک لکیر (—) کھینچ کر اشارہ کردیا جاتا ہے یا کبھی عبارت کو واوین (" ") میں لکھ دیا جاتا ہے۔وما علینا إلا البلاغ (۶/جنوری ۲۰۰۷ء)

اصول ومقاصد

اللہ تعالیٰ نے ''احسن الحدیث'' (قرآن مجید) نازل فرمایا ہے۔ (الزمر:۲۳)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((نضّر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه)) إلخ
اللہ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے یاد رکھا حتیٰ کہ آگے پہنچا دیا۔ الخ

(ابوداود: ۳۶۶۰ واسنادہ صحیح، الترمذی: ۲۶۵۶ وقال: ''حسن'' ابن ماجہ: ۴۱۰۵ وصححہ ابن حبان: ۷۲،۷۳)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے قول (وفعل اور تقریر) کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔
اسلام کی بنیاد انھی دو حدیثوں (قرآن اور حدیثِ رسول) پر ہے، قرآن و حدیث سے اجماع[1] کا حجت ہونا ثابت ہے۔
مثلاً دیکھئے سورۃ النساء (۱۱۵) والمستدرک للحاکم (۱/۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح)
شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۲۰ھ) نے ''مخالف اجماع مسلمین'' کا شدید رد فرمایا ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۱۷)
حافظ عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۷ھ) فرماتے ہیں:
'' واضح رہے کہ ہمارے مذہب کا اصل الاصول صرف اتباع کتاب وسنت ہے''
''اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل الحدیث کو اجماع امت وقیاس شرعی سے انکار ہے کیونکہ جب یہ دونوں کتاب وسنت سے ثابت ہیں تو کتاب وسنت کے ماننے میں ان کا ماننا بھی

....

(۱) جو مسئلہ یا بات سلف صالحین کی ایک جماعت سے ثابت ہو اور اس کے مقابلے میں اس کی مخالفت یا رد ثابت نہ ہو تو اسے اجماع سکوتی کہا جاتا ہے ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ اگر کوئی اختلاف ہوتا تو ہم تک ضرور پہنچتا۔ ہمارے کلام میں اجماع کے حجت ہونے سے مراد یہی اجماع ہے۔

آ گیا'' (ابراءاہل الحدیث والقرآن ص ۳۲)

اجماع کی حجیت کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) کی کتاب ''الرسالہ'' اور حافظ ابن حزم الاندلسی (متوفی ۴۵۶ھ) کی کتاب الاحکام پڑھیں۔

کتاب وسنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو سلف صالحین سے ثابت ہے۔ محدث حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۴ھ) کیا خوب فرماتے ہیں: '' خلاصہ یہ کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں: وہ یہ کہ سلف کا خلاف جائز نہیں'' (فتاویٰ اہلحدیث ج ۱ ص ۱۱۱)

حافظ عبداللہ روپڑی صاحب مزید فرماتے ہیں: ''خلاصہ یہ کہ ٹھیٹھ اسلام میں تین باتیں ہیں: ایک یہ کہ قرآن وحدیث کا صاف فیصلہ ہوتے ہوئے کسی کے قول یا فتویٰ کی رعایت نہ رکھے، دوسری یہ کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث سے فیصلہ نہ ملے تو وہاں پہلے لوگوں کے فیصلہ کو اپنی رائے پر مقدم کرے، تیسری بات یہ کہ اگر خود قرآن وحدیث سے واقف نہ ہو تو بغیر التزام تعیین مذہب کے کسی سے مسئلہ قرآن وحدیث کا پوچھ لے بس یہی ٹھیٹھ اسلام ہے، اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے تھے اور اسی پر صحابہ کو چھوڑ کر رخصت ہوئے اب جتنا کوئی...... اس روش سے ہٹے گا اتنا ہی حق سے دور ہوگا، اور جتنا اس سے نزدیک ہوگا اتنا ہی حق سے نزدیک ہوگا'' (فتاویٰ اہلحدیث ج ۱ ص ۶۹)

اجتہاد کرنا جائز ہے مگر یہ عارضی اور وقتی ہوتا ہے، اسے دائمی قانون صرف اسی صورت میں بنایا جاسکتا ہے جب اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو، ان اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم [ماہنامہ] ''الحدیث حضرو'' کا یہ سلسلہ جاری کر رہے ہیں جس میں درج ذیل اصول و مقاصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

① قرآن وحدیث اور اجماع کی برتری
② سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
③ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
④ صحیح وحسن روایات سے استدلال اور ضعیف ومردود روایات سے کلی اجتناب

⑤ اتباع کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت

⑥ علمی، تحقیقی ومعلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان

⑦ مخالفین کتاب وسنت اور اہل باطل پر علم ومتانت کے ساتھ بہترین وبادلائل رد

⑧ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث

⑨ دین اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع

⑩ قرآن وحدیث کے ذریعے سے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ''الحدیث حضرو'' کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ اور مفید مشورے کا قدر وتشکر کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔

اہلِ حدیث پر مخالفینِ حدیث کے حملے اور اُن کا جواب

سوال: بعض لوگوں نے اہلِ حدیث کے بارے میں درج ذیل عبارات لکھ کر اپنے دیوبندی تقلیدی ''مفتیوں'' سے مسئلہ پوچھا ہے کہ کیا اہلِ حدیث کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟

۱: وہ (یعنی اہلِ حدیث) امام (یعنی ابوحنیفہ کو) نہیں مانتے اور ہم مانتے ہیں۔

۲: وہ کہتے ہیں کہ جب نیند سے (آدمی) اُٹھ جائے اور پیشاب نہ آیا ہو تو نیند اور ہوا (خارج ہونے) سے وضو نہیں ٹوٹتا، نیند پر نقضِ وضوء نہیں ہوتا خواہ مضطجعاً ہو یا غیر مضطجعاً، خروجِ ریح پر وضوء نہیں ٹوٹتا۔

۳: اُن کے مذہب میں آٹھ رکعات تراویح ہیں اور حضرت عمرؓ کے بارے میں حد سے تجاوز کیا ہے۔ آٹھ رکعات تراویح کو صحیح مانتے ہیں اور باقی بارہ رکعات کے منکر ہیں۔ کیا یہ لوگ حضرت عمرؓ سے زیادہ احادیث کو جاننے والے ہیں؟

٤: وہ منی کو صاف (پاک) قرار دیتے ہیں۔

٥: وہ فاتحہ خلف الامام بھی پڑھتے ہیں۔

٦: جورابوں پر مسح کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک مسح علی الجوربین مطلقاً جائز ہے بدون احناف کے ہر گونہ شرائط سے۔

۷: امام ابوحنیفہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ کُتبِ فقہ ویسے ہی اُس کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

۸: وہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ تو کوئی عالم نہیں تھے اور کہتے ہیں کہ کیا ابوحنیفہ پر جبریل علیہ السلام نازل ہوتے تھے؟ اور کہتے ہیں: ہم ابوحنیفہ کو بالکل نہیں مانتے اور ائمہ ثلاثہ کو بھی نہیں مانتے۔

۹: یہ لوگ امام ابوحنیفہ کو گمراہ سمجھتے ہیں اور تقلید کو گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔

۱۰: اُن کے نزدیک امامت النساء جائز ہے حتیٰ کہ اقتداء الرجال خلف النساء بھی

درست ہے۔

۱۱: وہ کہتے ہیں کہ وضع الیدین تحت السرۃ کا ثبوت کسی (صحیح) حدیث سے نہیں ہے۔

۱۲: وہ کہتے ہیں کہ بدون رفع الیدین نماز درست نہیں ہے، اگر کسی نے پڑھی ہو تو اعادہ لازمی ہے۔

۱۳: اُن کے نزدیک صلوٰۃ مکتوبہ سے قبل و بعد کوئی سنت ثابت نہیں۔

۱٤: وہ کُتبِ حدیث میں صرف بخاری شریف (صحیح بخاری) کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام بخاری غیر مقلد تھے۔ باقی کتبِ حدیث کو وہ نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ان کے مصنفین مقلد تھے اور صحیح بخاری کے علاوہ جملہ کتب احادیث مفتریات وتصنعات ہیں۔

۱۵: جمع بین الصلوٰتین حقیقتاً کے بھی قائل ہیں۔

۱٦: ان لوگوں نے تبلیغی جماعت والے زکریا دیوبندی صاحب کے بارے میں حد سے تجاوز کیا ہے۔

۱۷: ان کے نزدیک جمعہ کے دن قبل از فرائض کوئی سنت نماز نہیں ہے۔

اس طرح کی عبارات پر بغیر کسی تحقیق، حوالے اور تصدیق کے دیوبندی مفتیوں نے فتویٰ دے دیا کہ ''مذکورہ بالا عقائد کے حامل کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے''

آپ ہمیں تحقیق سے اور قوی دلائل کے ساتھ جواب دیں کہ کیا مذکورہ تمام عبارات کا اہلِ حدیث کی طرف انتساب صحیح ہے؟ اور کیا ان دیوبندی تقلیدی مفتیوں کا فتویٰ صحیح ہے؟

بینوا توجروا، جزاکم اللہ خیراً   سائل

محمد جلال محمدی بن عبدالحنان

گاؤں جانس، ڈاکخانہ وتحصیل شرینگل

ضلع دیر بالا، صوبہ سرحد

(دستخط: محمد جلال محمدی)

(۲۴/نومبر ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ)

الجواب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا ﴾

اور جب بات کرو تو انصاف کرو۔ (سورۃ الانعام:۱۵۲)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا ﴾

اگر تمھارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کے ساتھ آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو۔ (الحجرات:٦)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن اللّٰه لا يقبض العلم انتزاعًا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلمآء حتى إذا لم يبق عالم اتخذ الناس رء وسًا جهّالاً فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلّوا و أضلّوا .))

بے شک اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے کھینچ کر نہیں اُٹھائے گا بلکہ وہ علماء کو فوت کر کے علم کو اُٹھائے گا، حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنے پیشوا بنالیں گے پھر اُن سے مسئلے پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰ ح ۱۰۰، واللفظ لہ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۰ ح ۲۶۷۳، ترقیم دارالسلام: ۶۷۹۶)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ مفتی کو درج ذیل باتوں کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے:

① سائل کے سوال کی تحقیق کر کے جواب دے، بالخصوص اس وقت تحقیق انتہائی ضروری ہے جب سائل کسی شخص یا گروہ پر الزامات لگا کر جواب یا فتویٰ طلب کرے۔

② بغیر علم کے فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔

③ ہمیشہ عدل وانصاف کی ترازو قائم کر کے غیر جانبداری کے ساتھ حق وانصاف والا جواب دینا چاہیے۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے والے صحیح العقیدہ مفتیوں سے مسئلے پوچھیں اور بے علم جاہلوں سے دُور رہیں۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کا مفصل اور جامع جواب پیشِ خدمت ہے:

۱: امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی الکوفی الکابلی رحمہ اللہ کو ماننے اور نہ ماننے کا مطلب کیا ہے؟ اگر ماننے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک عالم تھے جو دوسری صدی ہجری میں فوت ہوئے تو عرض ہے کہ تمام اہلِ حدیث اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے وجود کا ثبوت تو تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری (۸۱/۸ ت ۲۲۵۳) کتاب الکنیٰ للامام مسلم (مخطوط مصور ص ۱۰۷/۳۱) اور عام کتب اسماء الرجال.

امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

"ما رأیت أحدًا أکذب من جابر الجعفي و لا أفضل من عطاء بن أبي رباح"
میں نے جابر الجعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا اور عطاء بن ابی رباح سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (علل الترمذی مع شرح ابن رجب ج ۱ ص ۶۹)

اگر ماننے سے مراد امام ابوحنیفہ کی تقلید کرنا ہے تو عرض ہے کہ دیوبندی اور بریلوی بلکہ حنفی حضرات اپنے قول و عمل کے ساتھ ائمۂ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کی تقلید نہیں کرتے لہٰذا اگر تقلید نہ کرنا جرم ہے تو پھر یہ لوگ بھی اسی جرم کے مرتکب ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی تقلید کا دعویٰ کرنے والے تقلیدی حضرات بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کی بھی تقلید نہیں کرتے مثلاً:

مسئلہ ۱: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر میت مرد ہو تو نماز جنازہ پڑھانے والا امام اس کے سر کے قریب کھڑا ہوگا اور اگر میت عورت ہو تو اس کے درمیان (سامنے) کھڑا ہوگا۔

(دیکھئے الہدایہ ج ۱ ص ۱۸۱ کتاب الصلوۃ باب الجنائز)

امام صاحب کے پاس سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے مگر مروجہ تقلیدی فقہ اس فتویٰ کے خلاف ہے۔

مسئلہ ۲: امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمیندار کو اس شرط پر اپنی زمین دینا کہ وہ ایک تہائی یا ایک چوتھائی حصہ لے یا دے تو باطل ہے۔ (دیکھئے الہدایہ ۴۲۴/۲ کتاب المزارعۃ)

جبکہ مروجہ تقلیدی عمل و فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

مسئلہ۳: امام ابوحنیفہ کے نزدیک مفقود الخبر کی بیوی ایک سو بیس (۱۲۰) سال انتظار کرے۔

(دیکھئے الہدایہ ۱/۶۲۳ کتاب المفقود)

جبکہ قدیم وجدید تقلید کے دعویداروں کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

مسئلہ۴: امام ابوحنیفہ کے نزدیک انڈا بیچنا جائز نہیں ہے۔

(دیکھئے الہدایہ ۲/۵۴ کتاب البیوع باب البیع الفاسد)

جبکہ تقلیدی فتویٰ اس قول کے خلاف ہے۔

مسئلہ۵: امام صاحب اور پرانے حنفیوں کے نزدیک اذان، حج، امامت، تعلیم قرآن اور تعلیمِ فقہ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ (دیکھئے الہدایہ ۲/۳۰۳ کتاب الاجارۃ وغیرہ)

جبکہ ہمارے زمانے میں تمام آلِ تقلید اس فتویٰ کے خلاف ہیں۔

دیوبندیوں کے مفتی کفایت اللہ دہلوی سے کسی نے پوچھا:

''اہل حدیث جن کو ہم لوگ غیر مقلد بھی کہتے ہیں مسلمان ہیں یا نہیں؟ اور وہ اہل سنت والجماعۃ میں داخل ہیں یا نہیں۔ اور ان سے نکاح شادی کا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟''

کفایت اللہ دہلوی صاحب نے جواب دیا:

''ہاں اہل حدیث مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔ ان سے شادی بیاہ کا معاملہ کرنا درست ہے محض ترک تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا اور نہ اہل سنت والجماعۃ سے تارک تقلید باہر ہوتا ہے۔ فقط'' (کفایت المفتی ج ۱ ص ۳۲۵ جواب نمبر ۳۷۰)

امام شافعی رحمہ اللہ نے لوگوں کو اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا تھا۔

دیکھئے کتاب الام للمزنی (ص ۱) اور آداب الشافعی لابن ابی حاتم (ص ۵۱ وسندہ حسن)

امام احمد بن حنبل نے امام ابوداود سے فرمایا: اپنے دین میں ان میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کر... (مسائل ابی داود ص ۲۷۷، میری کتاب: دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۸)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اماموں نے مجتہدین کو تقلید سے منع کیا تھا نہ کہ عوام کو۔

عرض ہے کہ یہ بات کئی وجہ سے مردود ہے:

۱: مجتہد تو اُسے کہتے ہیں جو تقلید نہیں کرتا بلکہ اجتہاد کرتا ہے۔ ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے کہ ''اہل سنت کا اتفاق ہے کہ اجتہادی مسائل میں مجتہد پر اجتہاد واجب ہے...''

(تجلیات صفدر ج ۴ ص ۳۰۰)

جس پر تقلید حرام اور اجتہاد واجب ہے، اُسے تقلید سے منع کرنا تحصیلِ حاصل اور بے سود ہے۔

۲: اماموں سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں کہ عوام تو تقلید کریں اور صرف مجتہدین اجتہاد کریں۔

۳: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

بلکہ ان (اماموں) سے اللہ راضی ہو، یہ ثابت ہے کہ انھوں نے لوگوں کو اپنی تقلید سے منع فرمایا تھا... (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۰ ص ۱۰، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۵۵ ص ۲)

اس قول میں ''الناس'' یعنی لوگوں سے مراد عوام ہیں جیسا کہ ظاہر ہے، معلوم ہوا کہ سائل کا پہلا اعتراض اور اس پر تقلیدی مفتیوں کا جواب دونوں مردود ہیں۔

۲: اہلِ حدیث کا یہ موقف ہے کہ دُبر (یا قُبل) سے ہوا خارج ہونے کے ساتھ وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ راقم الحروف نے کئی سال پہلے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ

''ان احادیث سے معلوم ہوا کہ انسان کی ہوا نکلنے کے ساتھ اس کا وضوء فوراً ٹوٹ جاتا ہے چاہے یہ ہوا آواز سے نکلے یا بے آواز نکلے۔ چاہے بدبو آئے یا نہ آئے، چاہے معمولی پھسکی ہو یا بڑا پاد، چاہے دُبر سے نکلے یا قُبل سے، ان سب حالتوں میں یقیناً وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور یہی اہلِ حدیث کا مسلک ہے۔'' (ماہنامہ الحدیث: ۲ ص ۲۹، جولائی ۲۰۰۴ء)

معلوم ہوا کہ معترض سائل نے اہلِ حدیث پر جو الزام لگایا ہے وہ غلط ہے۔

اہلِ حدیث کے نزدیک نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ دیکھئے سنن الترمذی (۳۵۳۵ وقال: ''حسن صحیح'') اور میری کتاب ''مختصر صحیح نمازِ نبوی'' (طبع سوم ص ۸ فقرہ: ۱۳)

۳: آٹھ رکعات تراویح کے سنت ہونے کا اعتراف حنفی اور دیوبندی ''علماء'' نے بھی کر رکھا

ہے مثلاً ابن ہمام نے کہا:

اس سب کا حاصل یہ ہے کہ قیامِ رمضان گیارہ رکعات مع وتر جماعت کے ساتھ سنت ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۷، میری کتاب: تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۱۰۸)

ابن نجیم مصری نے ابن ہمام حنفی سے بطورِ اقرار نقل کیا کہ ''پس اس طرح ہمارے مشائخ کے اصول پر ان میں سے آٹھ (رکعتیں) مسنون اور بارہ مستحب ہو جاتی ہیں۔''

(البحر الرائق ج ۲ ص ۶۷)

طحطاوی نے کہا: کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۵)

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے اعلان کیا:

''اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو بالاتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے''

(براہین قاطعہ ص ۱۹۵)

تفصیل کے لئے دیکھئے تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان (ص ۱۰۷۔۱۱۱)

یہ کہنا کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حد سے تجاوز کیا ہے۔'' معترض سائل کا جھوٹ اور بہتان ہے جس کا حساب اسے اللہ تعالیٰ کے دربار میں دینا ہوگا۔ ان شاء اللہ

ہم اعلان کرتے ہیں کہ ''ہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو عدول اور اپنا محبوب مانتے ہیں۔ تمام صحابہ کو حزب اللہ اور اولیاء اللہ سمجھتے ہیں۔ ان کے ساتھ محبت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ جو ان سے بغض رکھتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔''

(دیکھئے میری کتاب: جنت کا راستہ ص ۴، مطبوعہ ۱۴۱۵ھ، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۷)

سیدنا عمر الفاروق خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ تو جلیل القدر صحابی اور قطعاً جنتی ہیں لہٰذا اُن سے محبت کرنا اور اُن کا احترام کرنا ہمارا جزوِ ایمان ہے۔ اے اللہ! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت پر ہمیں زندہ رکھ اور اسی عقیدے پر ہمارا خاتمہ فرما۔ آمین

یہ کہنا کہ ''آٹھ رکعات تراویح کو صحیح مانتے ہیں'' کوئی عیب والی بات نہیں ہے کیونکہ

آٹھ رکعات کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔

انور شاہ کشمیری دیوبندی نے کہا: اور اسے تسلیم کئے بغیر کوئی چھٹکارا نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام کی تراویح آٹھ رکعات تھی... الخ (العرف الشذی ج ۱ص ۱۶۶، تعدادِ رکعات ص ۱۱۰)

نیز دیکھئے صحیح بخاری (ج ۱ص ۲۶۹ ح ۲۰۱۳، عمدۃ القاری ج ۱۱ص ۱۲۸، تعدادِ رکعات ص ۱۵)

سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا اُبی بن کعب اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ الخ

(موطأ امام مالک ج ۱ص ۱۱۴، آثار السنن ص ۲۵۰ ح ۷۷۵ وقال: واسنادہ صحیح)

اس فاروقی حکم والی روایت کے بارے میں نیموی تقلیدی نے کہا: اور اس کی سند صحیح ہے۔

(آثار السنن دوسرا نسخہ ص ۳۹۲)

باقی بارہ یا اس سے زیادہ رکعات کے بارے میں عرض ہے کہ یہ رکعتیں نہ تو رسول اللہ ﷺ سے باسند صحیح ثابت ہیں اور نہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قولاً یا فعلاً ثابت ہیں لہٰذا ہم انھیں سنت نہیں مانتے۔ رہے نوافل تو عرض ہے کہ نوافل پر کوئی پابندی نہیں، جس کی مرضی ہو بیس پڑھے اور جس کی مرضی ہو چالیس پڑھے لیکن یاد رہے کہ سنت گیارہ رکعات ہی ہیں اور اسی پر اہلِ حدیث کا عمل ہے۔ والحمد للہ

سائل کا یہ کہنا کہ ''کیا یہ لوگ (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ احادیث کو جاننے والے ہیں؟''

تو عرض ہے کہ ہرگز نہیں، حاشا وکلا، ہمارا یہ دعویٰ ہرگز نہیں بلکہ ہم تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم اور آپ سے محبت جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔

اس کے برعکس حنفی حضرات باطل طریقے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بیس رکعتیں تراویح منسوب کرتے ہیں جو کہ بہتان ہے۔

۴: منی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حنفیوں کے چچازاد بھائی شوافع اسے پاک سمجھتے ہیں جیسا کہ محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا:

''منی کی نجاست وطہارت کے بارے میں اختلاف ہے، اس میں حضرات صحابہ کے دور

سے اختلاف چلا آ رہا ہے، صحابۂ کرام میں سے حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ اور ائمہ میں سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک منی طاہر ہے...'' (درسِ ترمذی ج ا ص ۳۴۶)

طاہر پاک کو کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہمارے نزدیک منی ناپاک ہے جیسا کہ میں نے کئی سال پہلے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا، یہ سوال و جواب درج ذیل ہیں:

سوال ایک مسئلہ جو بریلوی و دیوبندی حضرات بڑا اچھالتے ہیں کہ ''اہلحدیث کے نزدیک منی پاک ہے۔'' منی کے بارے میں مسلکِ اہلِ حدیث واضح فرمائیں اور دلائل بھی ذکر کریں؟ (ایک سائل)

جواب منی کے بارے میں...محمد رئیس ندوی لکھتے ہیں:

''ہم کہتے ہیں کہ فرقہ بریلویہ اور فرقہ دیوبندیہ کے پیران پیر شیخ عبدالقادرؒ جیلانی نے کہا:

''وهو (أي المني) طاهر في أشهر الروايتين'' یعنی ہمارے مذہب میں مشہور ترین روایت کے مطابق منی پاک ہے۔ (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۷۰)

اور حنبلی مذہب کی کتاب الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف میں صراحت ہے کہ

''ومني الآدمي طاهر هذا المذهب مطلقاً و عليه جماهير الأصحاب إلخ''

یعنی حنبلی مذہب میں مطلقاً آدمی کی منی طاہر ہے اور جمہور اصحاب کا یہی مذہب ہے

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف ۱/۳۴۰۔۳۴۱)

امام نووی نے کہا: ''وذهب كثير إلى أن المني طاهر روي ذلك عن علي بن أبي طالب وسعد بن أبي وقاص وابن عمر وعائشة وداود وأحمد في أصح الروايتين وهو مذهب الشافعي و أصحاب الحديث ...''

یعنی بہت سارے اہلِ علم منی کو طاہر کہتے ہیں حضرت علی مرتضٰی وسعد بن ابی وقاص وابن عمر وعائشہ جیسے صحابہ سے یہی مروی ہے اور امام داود ظاہری کا یہی مسلک ہے امام احمد کی صحیح ترین روایت یہی ہے کہ منی پاک ہے امام شافعی واہلِ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ منی پاک ہے (شرح مسلم للنووی باب حکم المنی ج ا ص ۱۴۰ و المجموع للنووی ابواب الطہارۃ)

بعض علمائے اہلِ حدیث طہارت منی کے قائل ہیں اوران کے اختیار کردہ موقف کی موافقت خلیفہ راشد علی مرتضیٰ اور متعدد صحابہ وتابعین وائمہ دین کئے ہوئے ہیں انھوں نے اپنی ذاتی تحقیق سے اسی موقف کو صحیح سمجھا ہے لیکن امام شوکانی ونواب صدیق اور متعدد محقق سلفی علماء نجاست منی ہی کے قائل ہیں

(نیل الاوطار ج۱ص ۶۷، وتحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج۱ص ۱۱۴۔۱۱۵ ومرعاۃ شرح مشکوۃ کتاب الطہارۃ ج۲ ص۱۹۶ وغایۃ المقصود ج۱)

دریں صورت فرقہ بریلویہ ودیوبندیہ کا علی الاطلاق اسے غیر مقلدوں کا مذہب قرار دینا محض تقلید پرستی والی تلبیس کاری وکذب بیانی ہے پھر جو مسئلہ صحابہ سے لے کر فرقہ دیوبندیہ وبریلویہ کی ولادت سے پہلے اہل علم کے یہاں مختلف فیہ رہا، اس میں اپنی تحقیق کے مطابق اسلاف کے کسی بھی موقف کو اختیار کرنے والوں کو نئے مذہب کی طرف دعوت دینے والا قرار دینا جبکہ اسے مذہب کی دعوت قرار دینے والے بذات خود چودھویں صدی میں پیدا ہوئے کون سا طریقہ ہے؟

ہم بھی اس مسئلہ میں امام شوکانی وعام محقق سلفی علماء سے متفق ہیں کہ منی ناپاک ونجس ہے۔'' (ضمیر کا بحران ص ۳۰۹، ۳۱۰)

میں بھی یہی کہتا ہوں کہ منی ناپاک اورنجس ہے۔ اسے پاک کہنا غلط ہے یاد رہے کہ جماہیر الاصحاب سے امام احمد کے شاگرد اور حنابلہ مراد ہیں۔ اور ندوی صاحب کی نقل کردہ عبارات میں مذکور صحابہ کرام میں سے کسی صحابی سے بھی طہارت منی کا قول ثابت نہیں ہے۔

یہ سوال وجواب آپ لوگوں کی خدمت میں دوبارہ پیش کر دیا گیا ہے لہٰذا جھوٹے پروپیگنڈے کر کے اہلِ حدیث کو بدنام کرنے کی کوشش نہ کریں۔

۵: سائل کا قول ''وہ فاتحہ خلف الامام بھی پڑھتے ہیں۔'' ہمارے خلاف نہیں بلکہ ہمارے عمل کی ترجمانی ہے جس پر ہم دلائل وبراہین اور بصیرت کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ والحمدللہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اور قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو۔ (سورۃ المزمل: ۲۰)

اس آیتِ کریمہ سے ابوبکر الجصاص اور ملا مرغینانی نے نماز میں قراءت کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ دیکھئے احکام القرآن (ج ۵ ص ۳۶۷) اور الہدایہ (اولین ج ا ص ۹۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ .))

اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔ (صحیح بخاری: ۷۵۶، صحیح مسلم: ۳۹۴)

تفصیل کے لئے دیکھئے امام بخاری کی کتاب جزء القراءۃ (بتحقیقی نصر الباری) اور میری کتاب: ''الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الصلوٰۃ الجہریہ'' والحمد للہ

ائمۂ کرام میں سے امام الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

کسی آدمی کی نماز جائز نہیں ہے جب تک وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھ لے۔ چاہے وہ امام ہو یا مقتدی، امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری، مقتدی پر لازم ہے کہ سری اور جہری (دونوں) نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔ (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۵۸/۲ ح ۹۲۸ وسندہ صحیح)

اس قول کے راوی امام ربیع بن سلیمان المرادی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یہ (امام) شافعی کا آخری قول ہے جو اُن سے سنا گیا'' (ایضاً ص ۵۸)

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

امام پر یہ حق ہے کہ وہ نماز شروع کرتے وقت تکبیرِ اولیٰ کے بعد سکتہ کرے اور سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بعد ایک سکتہ کرے تا کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے سورۂ فاتحہ پڑھ لیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ (مقتدی) اسی کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھے اور جلدی پڑھ کر ختم کرے، پھر کان لگا کر سنے۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۰۶ ح ۲۴۷ وسندہ صحیح، نصر الباری ص ۱۱۷)

اتنے دلائل اور عظیم الشان اماموں کے عمل اور اقوال کے باوجود اگر کوئی شخص فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں اہلِ حدیث کو مطعون قرار دیتا ہے تو وہ اپنے ایمان کی فکر کرے۔!

فاتحہ خلف الامام پر بحث کرنے سے پہلے میری دونوں کتابوں نصر الباری اور الکواکب الدریہ کا مکمل جواب ضروری ہے۔

٦: اہلِ حدیث کے نزدیک دو شرطوں کے ساتھ جرابوں پر مسح جائز ہے:

اول: ثخینین (جرابیں موٹی ہوں)

دوم: لا یشفان (ان جرابوں میں جسم نظر نہ آئے)

یہ شرائط قرآن وحدیث سے نہیں بلکہ بعض سلف صالحین سے ثابت ہیں اور ہم کتاب و سنت کو سلف صالحین کے فہم سے ہی سمجھتے ہیں لہٰذا ہمیں ان دونوں شرطوں کا اقرار ہے۔

یاد رہے کہ بعض دیوبندیوں کا یہ شرط لگانا کہ بغیر جوتی کے بارہ ہزار قدم چلنا ممکن ہو۔(!) اس قسم کی تمام شرائط بے دلیل اور بے ثبوت ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

فقہ حنفی کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ نے (جرابوں کے مسئلے میں) صاحبین کے قول پر رجوع کر لیا تھا (کہ جرابوں پر مسح جائز ہے) اور اسی پر فتویٰ ہے۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۶۱)

امام ابوحنیفہ کی ولادت سے پہلے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (دیکھئے امام ابن المنذر کی کتاب الاوسط ج ۱ ص ۴۶۲ وسندہ صحیح)

دیگر دلائل و آثار کے لئے دیکھئے میری کتاب ''ہدیۃ المسلمین'' (حدیث نمبر ۴)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: سفیان ثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد اور اسحاق (بن راہویہ) جرابوں پر مسح کے قائل تھے۔ بشرطیکہ وہ موٹی ہوں۔ دیکھئے سنن الترمذی (ح ۹۹)

جرابوں پر مسح درج ذیل صحابہ و تابعین سے ثابت ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ، سیدنا عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ۔ دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۳۷، ۳۸)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جرابوں پر مسح کرنے والے کے پیچھے اُس کی نماز نہیں ہوتی تو اُسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے۔ کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ اجمعین کے پیچھے بھی اس شخص کی نماز نہیں ہوتی؟!!

بعض مسائل واحکام میں تحقیقی اختلاف کی وجہ سے نماز نہ پڑھنے کا فتویٰ لگانا ہر لحاظ

سے باطل ہے۔

۷: اس وقت حنفیوں کی جو کتبِ فقہ ہیں مثلاً قدوری، ہدایہ، فتاویٰ شامی، البحر الرائق، منیۃ المصلی، نور الایضاح اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ، ان میں سے ایک کتاب بھی باسند صحیح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے لہٰذا اس پر ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟

محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی مروّجہ کتابیں بھی ابن فرقد سے باسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۵۵ ص ۳۶

اگر کوئی شخص ان مروّجہ کتابوں کو ثابت مانتا ہے تو اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کتابوں کی صحیح سند پیش کرے۔!

۸: عہدِ قدیم میں امام ابوحنیفہ کے بارے میں محدثین کرام کا آپس میں اختلاف تھا، جمہور ایک طرف تھے اور بعض دوسری طرف تھے لیکن ہمارے دور میں اہلِ حدیث تو امام ابوحنیفہ کو عالم سمجھتے اور مانتے ہیں مثلاً ہمارے استاذ مولانا ابومحمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ کو عزت واحترام کے ساتھ ''امام صاحبؒ '' لکھا ہے۔
دیکھئے تنقیدِ سدید بر رسالہ اجتہاد وتقلید (ص ۲۴)

اگر کوئی پوچھے کہ کیا امام ابوحنیفہ پر جبریل علیہ السلام نازل ہوتے تھے؟ تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ پر جبریل علیہ السلام نازل نہیں ہوتے تھے۔

ائمہ ثلاثہ کو ماننے یا نہ ماننے کے بارے میں فقرہ نمبر ا کا جواب دوبارہ پڑھ لیں۔

۹: سائل نے عہدِ حاضر کے اہلِ حدیث پر یہ الزام لگایا ہے کہ ''یہ لوگ امام ابوحنیفہ کو گمراہ سمجھتے ہیں'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الزام باطل ہے جس کا سائل نے کوئی حوالہ اور ثبوت پیش نہیں کیا۔

رہا تقلید کو گناہ کبیرہ سمجھنا تو عرض ہے کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی تقلیدی نے کہا:
''ان آیات کریمات میں جس تقلید کی تردید کی گئی ہے وہ ایسی تقلید ہے جو اللہ تعالےٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مدمقابل ہو ایسی تقلید کے حرام شرک،

مذموم اور قبیح ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اہل اسلام اور اہل علم میں کون ایسی تقلید کو جائز قرار دیتا ہے؟ اور ایسے مقلدوں کو کون مسلمان کہتا اور حق پر سمجھتا ہے...''

(الکلام المفید فی اثبات التقلید ص ۲۹۸ طبع ۱۴۱۳ھ)

سرفراز خان صفدر نے اپنے اشرفعلی تھانوی سے نقل کیا کہ ''بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطأ و مصیب وجوبا مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ الآیہ اور خلاف وصیت ائمہ مرحومین ہے'' (الکلام المفید ص ۳۰۵ بحوالہ فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۸۸)

سرفراز خان صفدر نے مزید کہا:

''کوئی بدبخت اور ضدّی مقلّد دِل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن وحدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ لا شك فيه...'' (الکلام المفید ص ۳۱۰)

بس یہی وہ تقلید ہے جسے اہلِ حدیث اپنی تحقیق کے مطابق گناہ کبیرہ (یعنی شرک) کہتے ہیں ایسی پھر اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟!

۱۰: امامت النساء للنساء کے سلسلے میں عرض ہے کہ ریطہ الحنفیہ رحمہا اللہ نے فرمایا: ہمیں عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرض نماز پڑھائی تو آپ عورتوں کے درمیان کھڑی ہوئیں۔

(سنن الدار قطنی ۱/۴۰۴ ح ۱۴۲۹، وسندہ حسن، آثار السنن: ۵۱۴ وقال النیموی: ''واسنادہ صحیح'')

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ام ورقہ (رضی اللہ عنہا) کو اس کی اجازت دی تھی کہ اُن کے لئے اذان اور اقامت کہی جائے اور وہ اپنی عورتوں کی امامت کریں۔ (سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۲۷۹ ح ۱۰۷۱، وسندہ حسن)

مشہور تابعی امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا: عورت عورتوں کو رمضان کی نماز پڑھائے (تو) وہ

اُن کے ساتھ صف میں کھڑی ہو جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۸۹/۲ ح ۴۹۵۵ وسندہ صحیح، عنعنۃ ھشیم عن حصین محمولۃ علی السماع، انظر شرح علل الترمذی لابن رجب ۵۶۲/۲)

مشہور ثقہ تبع تابعی ابن جریج رحمہ اللہ نے کہا: عورت جب عورتوں کی امامت کرائے گی تو وہ آگے کھڑی نہیں ہوگی بلکہ اُن کے برابر (صف میں ہی) کھڑی ہو کر فرض اور نفل پڑھائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۴۰/۳ ح ۵۰۸۰ وسندہ صحیح)

امام معمر بن راشد رحمہ اللہ نے فرمایا: عورت عورتوں کو رمضان میں نماز پڑھائے اور وہ اُن کے ساتھ صف میں کھڑی ہو۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۴۰/۳ ح ۵۰۸۵ وسندہ صحیح)

ان احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ عورت عورتوں کی امامت کر سکتی ہے۔

یاد رہے کہ عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

دیکھئے میری کتاب "تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات" (ج ۱ ص ۲۴۷)

معترض کا یہ کہنا: "حتیٰ کہ اقتداء الرجال خلف النساء بھی درست ہے" اہلِ حدیث پر بہتان ہے جس سے اہلِ حدیث بری ہیں۔

۱۱: یہ بات بالکل سچ اور حق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح حدیث میں "وضع الیدین تحت السرۃ" یعنی نماز میں ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا ثابت نہیں ہے۔

دیکھئے میری کتاب "نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام"

بلکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں اسے (یعنی ہاتھ کو) سینے پر رکھا تھا۔ دیکھئے مسند الامام احمد (ج ۵ ص ۲۲۶ ح ۲۲۳۱۳ وسندہ حسن محفوظ)

امام سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز میں ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔

(امالی عبدالرزاق / الفوائد لابن مندہ ۲۳۴/۲ ح ۱۸۹۹، وسندہ صحیح)

محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا: "امام شافعیؒ کے نزدیک ایک روایت میں تحت الصدر اور دوسری روایت میں علی الصدر ہاتھ باندھنا مسنون ہے" (درس ترمذی ج ۲ ص ۱۹)

۱۲: نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد اُٹھتے وقت رفع یدین کرنا رسول اللہ ﷺ

سے ثابت ہے، یہ سنتِ متواترہ غیر منسوخہ اور غیر متروکہ ہے۔ تفصیلی دلائل کے لئے میری مشہور کتاب ''نور العینین فی مسئلۃ رفع الیدین'' کا مطالعہ کریں۔

فی الحال مسئلہ سمجھانے کے لئے چند دلائل پیشِ خدمت ہیں:

اول: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (جلیل القدر صحابی اور نیک مرد) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھاتے تھے اور رکوع کی تکبیر کے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے تھے لیکن سجدہ میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۲ ح ۷۳۶)

دوم: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی امام سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ (فقیہ تابعی) فرماتے ہیں کہ میرے ابا بھی ایسا ہی کرتے تھے یعنی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ شروع نماز، رکوع کے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

(دیکھئے حدیث السراج ج ۲ ص ۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح ولہ شاہد صحیح عند البخاری فی صحیحہ: ۷۳۹ وسندہ صحیح مرفوع)

سوم: سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے اس حدیث کے ایک راوی امام سلیمان (بن ابی سلیمان) الشیبانی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے دیکھا، سالم بن عبداللہ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے، جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔ (حدیث السراج ۲/۳۴، ۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح)

چہارم: سالم بن عبداللہ تابعی کے علاوہ امام محمد بن سیرین، ابوقلابہ، وہب بن منبہ، قاسم بن محمد، عطاء، مکحول، نعمان بن ابی عیاش، طاؤس اور حسن بصری (تابعین) بھی رفع یدین کرتے تھے۔ دیکھئے میری کتاب نور العینین (ص ۱۷۴)

ان آثار کی سندیں صحیح یا حسن لذاتہ ہیں۔

پنجم: تبع تابعین میں سے امام مالک (سنن الترمذی مع عارضۃ الاحوذی ۲/۵۷ ح ۲۵۶، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۵ ص ۱۳۴، وسندہ حسن) امام اوزاعی (الطبری بحوالہ التمہید

۲۲۶/۹ وسندالطبری صحیح) اور معتمر بن سلیمان التیمی (جزء رفع الیدین للبخاری:۱۲۱، وسندہ صحیح)
وغیرہم ایک جماعت سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ثابت ہے۔
ششم: تبع تابعین کے بعد امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن سعید القطان، امام عبدالرحمٰن بن مہدی اور اسماعیل بن علیہ وغیرہم رفع یدین قبل الرکوع و بعدہ پر عامل تھے۔
(دیکھئے جزء رفع الیدین للبخاری:۱۲۱، اور کتاب الام للشافعی ج ۱ ص ۱۰۳، ۱۰۴، من قولہ وأمرہ)

امام بخاری جیسے کبار علماء نے اس عظیم الشان مسئلے پر کتابیں لکھی ہیں۔

ثابت ہوا کہ رفع یدین کی سنتِ متواترہ پر عمل رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، صحابہ کرام کے زمانے میں، تابعین عظام کے زمانے میں، تبع تابعین کے دور میں اور تیسری صدی ہجری میں مسلسل جاری وساری رہا ہے لہٰذا اس پیارے عمل کو منسوخ اور متروک سمجھنا یا سرکش گھوڑوں کی دُموں سے تشبیہ دینا غلط ہے۔
رفع یدین کے اس مقدس عمل کی فضیلت میں ایک حدیث بھی مروی ہے:
سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ صحابی نے فرمایا: نماز میں جو شخص اشارہ کرتا ہے، اسے ہر اشارے کے بدلے میں ایک انگلی پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے۔
(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۲۹۷ ح ۸۱۹ وسندہ حسن، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۲ ص ۱۰۳، وقال: "واسنادہ حسن")

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ مشہور ثقہ فقیہ نے اس موقوف حدیث سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین مراد لیا ہے۔
دیکھئے معرفۃ السنن والآثار للبیہقی (قلمی ج ۱ ص ۲۲۵، مطبوع ج ۱ ص ۵۶۲ ح ۷۹۲ب)

ان دلائلِ صحیحہ اور حججِ قاہرہ کی وجہ سے اگر کسی اہلِ حدیث نے یہ کہہ دیا ہے کہ رفع یدین کے بغیر نماز سنت کے مطابق نہیں ہے لہٰذا درست نہیں ہے اور رفع یدین کے بغیر والی نماز کا اعادہ کر لینا چاہئے تو اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟
مشہور متبعِ سنت صحابی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو دیکھتے کہ رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین نہیں کرتا تو اسے کنکریوں سے مارتے تھے۔ (دیکھئے جزء رفع الیدین:۱۵، وسندہ صحیح)

۱۳: معترض سائل کا یہ اعتراض تو اہلِ حدیث پر بہتان ہے۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((من صلّى اثنتي عشرة ركعة في يوم وليلة بني له بهن بيت في الجنة .))

جس شخص نے دن رات میں بارہ (نفل) رکعتیں پڑھیں، اُس کے لئے جنت میں گھر بنا دیا گیا۔

سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ سے اسے سنا ہے، ان رکعتوں کو کبھی نہیں چھوڑا۔

عنبسہ بن ابی سفیان رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا: میں نے جب سے اُم حبیبہ سے اسے سنا ہے، ان رکعتوں کو کبھی نہیں چھوڑا۔

عمرو بن اوس رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے جب سے عنبسہ سے اسے سنا ہے، ان رکعتوں کو کبھی نہیں چھوڑا۔

نعمان بن سالم رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے جب سے عمرو بن اوس سے اسے سنا ہے، ان رکعتوں کو کبھی نہیں چھوڑا۔

(صحیح مسلم: ۷۲۸، ترقیم دارالسلام: ۱۶۹۴، باب فضل السنن الراتبۃ قبل الفرائض وبعدھن وبیان عددھن)

اتنی عظیم الشان فضیلت اور مسلسل عمل والی روایت کو کوئی سچا اہلِ حدیث ترک نہیں کر سکتا اِلا یہ کہ بعض اوقات کسی شرعی عذر سے انھیں چھوڑ دے، مثلاً سفر میں سنتیں نہ پڑھنا وغیرہ

عصرِ حاضر میں نماز کے موضوع پر اہلِ حدیث کی ایک مشہور کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' میں حکیم صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''رات اور دِن کی موکدہ سنتیں بارہ ہیں'' دیکھئے صلوٰۃ الرسول (مطبوعہ نعمانی کتب خانہ ص ۲۸۲ تخریج والانسخہ القول المقبول ص ۵۶۱)

اس صراحت کے باوجود یہ پروپیگنڈا کرنا کہ اہلِ حدیث کے نزدیک ...کوئی سنت ثابت نہیں۔'' صریح جھوٹ اور بہتان ہے۔

۱۴: اہلِ حدیث کے نزدیک صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام مرفوع مسند متصل احادیث صحیح

ہیں اوران کے علاوہ تمام معتبر کتبِ حدیث مثلاً صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن الجارود، المستدرک للحاکم، المختارہ للمقدسی، سنن الترمذی، سنن ابی داود، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ، موطأ امام مالک، کتاب الام للشافعی، مسند الامام احمد، سنن دارقطنی، السنن الکبریٰ للبیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق وغیرہ کی وہ تمام احادیثِ مرفوعہ حجت ہیں جن کی سندیں اُصولِ حدیث کی رُو سے صحیح یا حسن (لذاتہ) ہیں۔ والحمد للہ

یہ کہنا کہ اہلِ حدیث صرف صحیح بخاری کو مانتے ہیں، بالکل جھوٹ اور افتراء ہے۔

نیز دیکھئے میری کتاب ''علمی مقالات'' (ج ۱ ص ۱۷۶، ۱۷۷)

اہلِ حدیث یہ نہیں کہتے کہ امام بخاری غیر مقلد تھے بلکہ اہلِ حدیث تو یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے، اہلِ حدیث تھے بلکہ اہلِ حدیث کے اماموں میں سے ایک بڑے امام تھے۔ امام بخاری کی تعریف اور دفاع کے لئے دیکھئے میری کتاب ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' (ص ۱۰، ۱۱) اور مجموع فتاویٰ لابن تیمیہ (ج ۲۰ ص ۴۰)

باقی معتبر کتبِ حدیث کی صحیح اور حسن روایات کو ہم بسر وچشم قبول کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ ان کتابوں کے مصنفین میں سے ایک بھی مقلد نہیں تھا۔

دیکھئے میری کتاب ''دین میں تقلید کا مسئلہ'' (ص ۵۰، ۵۱) اور الکلام المفید فی اثبات التقلید (!!) تصنیف سرفراز خان صفدر دیوبندی (ص ۱۲۷، طبع ۱۴۱۳ھ)

کذاب ومفتری سائل کا یہ کہنا کہ ''اہلِ حدیث کے نزدیک صحیح بخاری کے علاوہ جملہ کتب احادیث مفتریات وتصنعات ہیں'' بالکل جھوٹ اور افتراء ہے جس سے تمام اہلِ حدیث بری ہیں۔

۱۵: اہلِ حدیث کے نزدیک قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ اگر شرعی عذر مثلاً سفر، حج (یوم عرفہ) اور بارش وغیرہ ہو تو جمع بین الصلوٰتین جائز ومسنون ہے بصورتِ دیگر نہیں ہے۔ میں نے کئی مہینے پہلے لکھا تھا: ''بعض لوگ شرعی عذر کے بغیر حضر (اپنے گھر، گاؤں اور شہر) میں دو نمازیں جمع کرتے رہتے ہیں، یہ عمل کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے بلکہ سراسر

مخالف ہے لہٰذا ایسے امور سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے..... وما علینا إلا البلاغ
(۱۰/ مئی ۲۰۰۸ء) " (ماہنامہ الحدیث: ۵۲ ص ۲۵)

اس اعلان کے باوجود جو شخص ہمارے خلاف پروپیگنڈا کرتا ہے، وہ قیامت کے دن کے لئے اپنا جواب سوچ لے۔

۱۶: دیوبندی تبلیغی جماعت والے زکریا دیوبندی صاحب کی غلط عبارات پر تنقید کرنا حد سے تجاوز نہیں بلکہ امر بالمعروف اور النہی عن المنکر کے باب میں سے ہے۔

زکریا صاحب نہ تو نبی تھے اور نہ صحابی، تابعی، تبع تابعی یا امام تھے؟ بلکہ وہ ایک دیوبندی صوفی تھے جنھوں نے خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی کی صوفیانہ بیعت کر رکھی تھی۔
دیکھئے سوانح... محمد زکریا، تصنیف ابوالحسن علی ندوی صوفی دیوبندی (ص ۶۲)
ان زکریا صاحب نے بطورِ رضامندی واقرار بعض شرکیہ اشعار کا ترجمہ لکھا تھا:
"رسولِ خدا نگاہِ کرم فرمایئے اے ختم الرسلین رحم فرمایئے...
عاجزوں کی دستگیری، بیکسوں کی مدد فرمایئے اور مخلص عشاق کی دلجوئی و دلداری کیجئے"

(تبلیغی نصاب ص ۸۰۶، فضائل درود ص ۱۲۸)

اِن اشعار میں اللہ تعالیٰ کے بجائے رسول اللہ ﷺ کو مدد اور دستگیری کے لئے پکارا گیا ہے اور رحم کی درخواست کی گئی ہے، حالانکہ ایسے عقائد رکھنے والے بریلویوں کے بارے میں دیوبندی حضرات مشرک اور بدعتی کا فتویٰ لگانے سے کبھی نہیں چُوکتے۔

زکریا دیوبندی کے بارے میں تفصیلی تحقیق کے لئے میری کتاب اکاذیب آلِ دیوبند (مخطوط ص ۱۳۹۔۱۶۲) کا مطالعہ از حد مفید رہے گا۔ (ان شاء اللہ)

۱۷: اہلِ حدیث کا دعویٰ یہ ہے کہ نمازِ جمعہ سے پہلے، سنت کی کوئی متعین تعداد رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں تقلیدی حضرات جو شبہات پیش کرتے ہیں ان کا جواب درج ذیل ہے:
پہلی روایت: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ چار

رکعات جمعہ سے پہلے پڑھتے تھے اور چار جمعہ کے بعد اور سلام آخری (چوتھی) میں پھیرتے تھے۔" (معجم طبرانی اوسط بحوالہ نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۶، حدیث اور اہلحدیث ص ۸۲۳، ۸۲۴)

عرض ہے کہ اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

"حدثنا أحمد (ابن الحسين بن نصر الخراساني) قال: حدثنا شباب العصفري قال: حدثنا محمد بن عبدالرحمٰن السهمي قال: حدثنا حصين بن عبدالرحمٰن السلمي عن أبي إسحاق عن عاصم بن ضمرة عن علي" إلخ

(المعجم الاوسط للطبرانی ج ۲ ص ۳۶۸ ح ۱۶۴۰)

المعجم الاوسط کے علاوہ یہ روایت المعجم لابن الاعرابی (۸۷۴) اور الاثرم کی کتاب میں بھی محمد بن عبدالرحمٰن السہمی کی سند سے موجود ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ۴۲۶/۲ تحت حدیث ۹۳۷)

زیلعی حنفی نے اسے نصب الرایہ میں نقل کیا ہے مگر اس نقل میں زیلعی یا ناسخین سے نقل در نقل کی کئی غلطیاں ہوئی ہیں مثلاً (۱) ابواسحاق السبیعی کا واسطہ گر گیا ہے۔ (۲) شباب العصفری کے بجائے سفیان العصفری چھپ گیا ہے۔ (۳) محمد بن عبدالرحمٰن السہمی کے بجائے محمد بن عبدالرحمٰن التیمی لکھا گیا ہے۔

روایتِ مذکورہ کئی وجہ سے ضعیف ہے:

اول: ابواسحاق السبیعی طبقہ ثالثہ کے مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین (بتحقیقی الفتح المبین ۹۱/۳، ص ۵۸) اور یہ روایت عن سے ہے۔ اُصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

مثلاً دیکھئے مقدمۂ نووی ص ۱۸، فتح المغیث ص ۷۷، اور تدریب الراوی ص ۱۴۴، بحوالہ خزائن السنن تصنیف سرفراز خان صفدر دیوبندی (ج ۱ ص ۱)

دوم: محمد بن عبدالرحمٰن السہمی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس سہمی کے بارے میں فرمایا: امام بخاری وغیرہ کے نزدیک سہمی ضعیف ہے اور اثرم نے کہا: یہ کمزور حدیث ہے۔ (فتح الباری ۴۲۶/۲)

میری مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے ماہنامہ شہادت اسلام آباد (جولائی ۲۰۰۱ء)

سوم: ابو اسحاق آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور یہ روایت اختلاط سے پہلے کی نہیں ہے۔

دوسری روایت: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعات جمعہ سے پہلے پڑھتے تھے اور چار رکعات جمعہ کے بعد...

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۵، بحوالہ حدیث اور اہلحدیث ص ۸۲۴)

عرض ہے کہ اسے حافظ ہیثمی نے "رواه الطبراني في الكبير" کہہ کر امام طبرانی کی کتاب المعجم الکبیر سے نقل کیا ہے۔

المعجم الکبیر للطبرانی (۱۲/۱۲۹ ح ۱۲۶۷۴) میں یہ روایت "بقية بن الوليد عن مبشر بن عبيد عن الحجاج بن أرطاة عن عطية العوفي عن ابن عباس" کی سند سے موجود ہے اور اسی سند کے ساتھ یہ روایت سنن ابن ماجہ (۱۱۲۹) میں ہے۔ بوصیری نے کہا:

"هذا إسناد مسلسل بالضعفاء، عطية متفق علٰى ضعفه و حجاج مدلس و مبشر بن عبيد كذاب و بقية هو ابن الوليد يدلس تدليس الشيوخ"

یہ سند ضعیف راویوں کے ساتھ مسلسل ہے، عطیہ (العوفی) کے ضعیف ہونے پر (بوصیری کے نزدیک) اتفاق ہے، حجاج (بن ارطاۃ) مدلس ہے اور مبشر بن عبید کذاب (جھوٹا) ہے اور بقیہ بن الولید تدلیسِ شیوخ (یعنی تدلیسِ تسویہ) کرتے تھے۔ (زوائد ابن ماجہ ص ۱۷۵ ح ۳۷۳)

معلوم ہوا کہ یہ روایت مبشر بن عبید کذاب کی وجہ سے موضوع ہے۔

لطیفہ: ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے ہیثمی کے کلام پر ضرب تقسیم کرتے ہوئے یہ جھوٹا دعویٰ کر دیا ہے کہ طبرانی کی سند میں حجاج بن ارطاۃ اور عطیہ العوفی کے علاوہ دوسرا کوئی متکلم فیہ راوی نہیں ہے۔ دیکھئے اعلاء السنن (ج ۷ ص ۱۴ ح ۱۷۶۳)

دیوبندی تقلیدی بیچارے کیا کریں؟ ان کے پاس اہلِ حدیث کے خلاف صرف موضوع اور مردود روایتوں کے علاوہ اور کیا ہے؟!

تیسری روایت: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جمعہ کے دن جو نماز پڑھے وہ چار رکعات جمعہ سے پہلے پڑھے اور چار رکعات جمعہ کے بعد'' (النجار بحوالہ کنز العمال ج ۷ ص ۴۹، حدیث اور اہلحدیث ص ۸۲۴)

یہ روایت بالکل بے سند ہے لہٰذا مردود ہے۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے ایک روایت کے بارے میں کہا: ''اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔'' (احسن الکلام ج ۱ ص ۳۲۷، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۰۳)

اگر بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی تو تقلیدی حضرات ابن النجار کی طرف منسوب یہ بے سند روایت کیوں پیش کر رہے ہیں؟ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا محمد داود ارشد حفظہ اللہ کی کتاب: حدیث اور اہلِ تقلید (ج ۲ ص ۶۰۱، ۶۰۲)

معلوم ہوا کہ تقلیدیوں کے پاس نبی کریم ﷺ کی ایسی کوئی صحیح یا حسن حدیث نہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ جمعہ کے فرضوں سے پہلے چار سنتیں موکدہ ہیں۔ اس کے برعکس عام صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے دن حالتِ خطبہ میں آنے والا دو رکعتیں پڑھے اور خطبے سے پہلے آنے والے کو اختیار ہے کہ جتنی رکعتیں چاہے پڑھے۔

یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ نام نہاد مفتی حضرات بغیر کسی تحقیق کے فتوے لگانا شروع کر دیں کہ اہلِ حدیث کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔!!

کیا ان لوگوں نے اپنے عقائد و بدعات پر کبھی غور کیا ہے؟ اُمتِ مسلمہ کو تصوفی دین میں پھنسانے والے، رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا سمجھنے والے، خالق و مخلوق میں فرق مٹا دینے والے وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے اور قرآن و حدیث کی بے شمار مخالفتیں کرنے والے کس منہ سے یہ کہتے ہیں کہ اہلِ حدیث کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؟! تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم''

کیا انھیں اس دن کا خوف نہیں ہے جب ساری مخلوق قیامت کے دن رب العالمین کے دربار میں سر جھکائے کھڑی ہوگی؟ اس دن ہر آدمی اپنے سارے اعمال اپنے سامنے حاضر

پائے گا۔ اب اختصار کے ساتھ دیوبندیوں کے خطرناک عقائد اور قرآن و حدیث کے مخالف نظریات میں سے چار حوالے پیشِ خدمت ہیں:

ا: گنگوہی، نانوتوی اور تھانوی کے پیر حاجی امداد اللہ نے لکھا ہے:

"اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے" (کلیاتِ امدادیہ ص ۳۶)

یہ کہنا کہ بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید کی کس آیت، نبی کریم ﷺ کی کس صحیح حدیث یا امام ابوحنیفہ کے کس ثابت شدہ قول میں لکھا ہوا ہے؟ حوالہ پیش کریں۔

۲: محمد قاسم نانوتوی نے رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لئے پکارتے ہوئے کہا:

"مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار"

(قصائد قاسمی، قصیدہ بہاریہ در نعت رسول اللہ ﷺ ص ۸)

رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لئے پکارنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کے سوا نانوتوی بیکس (بے یار و مددگار، محتاج) کا کوئی بھی حامی کار نہیں تھا۔ کس آیت، حدیث یا قولِ امامِ ابوحنیفہ سے ثابت ہے؟

۳: رشید احمد گنگوہی نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے لکھا:

"اور جو میں ہوں وہ تُو ہے اور میں اور تُو خود شرک در شرک ہے۔"

(فضائل صدقات حصہ دوم ص ۵۵۶، مکاتیب رشیدیہ ص ۱۰)

یہ کہنا کہ وہ جو تُو (اللہ) ہے وہ میں (رشید احمد گنگوہی) ہوں۔!

کس آیت، حدیث یا قولِ امام سے ثابت ہے؟

۴: اشرف علی تھانوی دیوبندی نے رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لئے پکارتے ہوئے کہا:

"دستگیری کیجئے میرے نبی کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی"

(نشر الطیب ص ۱۹۴)

یہ سمجھنا کہ کشمکش اور مصیبتوں میں نبی ﷺ ہی دستگیری فرماتے ہیں اور اسی طرح مدد کے لئے آپ کو پکارنا کس آیت، حدیث یا قولِ امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے؟

دیوبندیوں نے کبھی اپنے گریبانوں میں جھانک کر اپنا جائزہ بھی لیا ہے یا بس دوسروں پر فتوے ہی فتوے لگا رہے ہیں؟!

خلاصة التحقيق: دیوبندی تقلیدی مفتیوں (محمد ابراہیم حقانی، غلام قادر نعمانی، گل جمالی، انور شاہ، عبدالحفیظ اور اصغر علی ربانی وغیرہم) کا اہلِ حدیث کے خلاف کذاب و مفتری سائلین کی جھوٹی سچی عبارتوں پر فتویٰ لگانا کہ اہلِ حدیث کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، بالکل باطل اور مردود ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۹/ ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ بمطابق ۲۸/نومبر ۲۰۰۸ء)

حافظ زبیر علیزئی

مدرسہ اہل الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک

نماز کے بعض مسائل اور اذکار

پگڑی (عمامہ) پر مسح کرنا، جائز ہے

اس مختصر و جامع مضمون میں وہ احادیثِ صحیحہ اور آثارِ ثابتہ پیشِ خدمت ہیں جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وضو کرتے وقت پگڑی (عمامہ) پر مسح کرنا صحیح اور جائز ہے:

۱: سیدنا عمرو بن اُمیہ الضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''رأیت النبي ﷺ یمسح علی عمامته و خفیه'' میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ اپنے عمامہ اور اپنے موزوں پر مسح کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳ ح ۲۰۵)

۲: رسول اللہ ﷺ کے مؤذن بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''أن رسول اللہ ﷺ مسح علی الخفین و الخمار''

بے شک رسول اللہ ﷺ نے موزوں اور عمامہ پر مسح کیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۴ ح ۲۷۵)

محمد زکریا اقبال دیوبندی نے اس حدیث کا ترجمہ درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

''کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں اور عمامہ پر مسح کیا'' (تفہیم المسلم ج ۱ ص ۴۷۵ ح ۵۳۵)

نیز دیکھئے القاموس الوحید (ص ۴۷۴)

۳: سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''فمسح بناصیته و علی العمامة و علی الخفین'' پھر آپ (ﷺ) نے اپنی پیشانی، عمامہ اور موزوں پر مسح کیا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۴ ح ۲۷۴)

۴: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جہادی دستہ بھیجا تو انھیں حکم دیا کہ وہ عصائب (پگڑیوں) اور تساخین (موزوں) پر مسح کریں۔ (سنن ابی داود مترجم مطبوعہ دارالسلام ج ۱ ص ۱۸۷ ح ۱۴۶، مسائل الامام احمد، روایۃ عبداللہ بن احمد ۱/۱۲۵، فقرہ: ۱۶۱)

[امام احمد نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا: ''وبه أقول'' اور میں اسی کا قائل ہوں۔]

اس حدیث کی سند صحیح ہے، اسے حاکم (۱/۱۶۹) اور ذہبی دونوں نے صحیح قرار دیا ہے اور اس

روایت پر جرح صحیح نہیں ہے۔ نیز دیکھئے نصب الرایہ (۱۶۵/۱)

ان احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوا کہ صرف عمامہ پر (بشرطیکہ وضو کے بعد باندھا ہو) مسح کرنا صحیح اور سنت ہے جبکہ پیشانی اور پگڑی دونوں پر مسح کرنا بھی صحیح اور جائز ہے۔

۵: عاصم الاحول رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) کو موزوں اور عمامہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۲/۱ ح ۲۲۴ وسندہ صحیح)

۶: ابو غالب رحمہ اللہ (تابعی، صدوق وثقہ الجمہور) سے روایت ہے کہ میں نے ابو امامہ (صدی بن عجلان رضی اللہ عنہ) کو عمامہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۲/۱ ح ۲۲۲ وسندہ حسن)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے تھے۔

دیکھئے الاوسط لابن المنذر (۴۶۸/۱ وسندہ حسن)

۷: طارق بن عبدالرحمٰن البجلی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے حکیم بن جابر (رحمہ اللہ) کو عمامہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۲/۱ ح ۲۲۷ وسندہ حسن)

۸: اشعث بن اسلم العجلی کے والد سے روایت ہے کہ (سیدنا) ابو موسیٰ (الاشعری رضی اللہ عنہ) قضائے حاجت سے باہر آئے تو (وضو کرتے وقت) آپ نے اپنی ٹوپی (قلنسوہ) پر مسح کیا۔ (التاریخ الکبیر للبخاری ۴۲۸/۱ وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ ۲۲/۱ ح ۲۲۱، الاوسط لابن المنذر ۴۶۸/۱، کتاب العلل للامام احمد ۵۰۷/۱ ح ۱۱۸۴، دوسرا نسخہ ۲۰۲/۱ ح ۱۱۰۲)

9: سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**إن شئت فامسح علی العمامة و إن شئت فانزعها**'' اگر تم چاہو تو عمامہ پر مسح کرو اور اگر چاہو تو (مسح نہ کرو) اسے اُتار دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲۲/۱ ح ۲۲۵ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن سعید القطان کی سفیان ثوری سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے یعنی یہ اس کی دلیل ہے کہ سفیان نے اپنے استاذ سے یہ حدیث سنی تھی۔ والحمدللہ

۱۰: امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا: عمامہ پر مسح کرنا چاہیے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں! پوچھا گیا: اگر سر کے کسی حصے پر کوئی مسح نہ ہو یعنی صرف عمامہ پر ہی مسح ہو؟ انھوں نے فرمایا.

جی ہاں! اور جب اس عمامہ کو اُتارے گا تو دوبارہ وضو کرے گا جیسے کہ موزے اتارنے والا دوبارہ وضو کرتا ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: بالکل اسی طرح بات ہے جیسا کہ انھوں نے (امام احمد) نے فرمایا ہے۔ (مسائل احمد واسحاق، روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ۵۷/۱ فقرہ: ۲۴)

امام احمد سے پوچھا گیا: عمامہ پر کس طرح مسح کرنا چاہئے؟ انھوں نے فرمایا: جس طرح موزے پر مسح کیا جاتا ہے، بالکل یہی بات ہے۔ (مسائل احمد روایۃ ابی داود ص ۸)

۱۱: امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ بھی عمامہ پر مسح کے قائل تھے۔ دیکھئے فقرہ سابقہ: ۱۰

۱۲: امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر عمامہ پر مسح کیا جائے تو اثر (حدیث وآثار) کی رُو سے جائز ہے۔ (سنن الترمذی: ۱۰۰، وسندہ صحیح)

ان احادیث وآثار کے مقابلے میں دیوبندی فرقے والے کہتے ہیں کہ ''صرف پگڑی پر مسح صحیح نہیں'' دیکھئے نعیم الدین دیوبندی عرف انوار خورشید کی کتاب ''حدیث اوراہلحدیث'' (ص ۱۷۱)

تنبیہ: موزوں کی طرح وضو کرنے کے بعد باندھے ہوئے عمامہ پر اُس وقت تک مسح جائز ہے جب تک اسے کھول نہ دیا جائے۔ یہ مسح جائز ہے، فرض یا واجب نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص عمامہ پر مسح نہ کرے تو بھی جائز ہے لیکن عمامہ پر مسح کرنے والے کو منع کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ انور شاہ کاشمیری دیوبندی نے اعلان کیا:

''والحق عندي أن المسح علی العمامة ثابت في الأحادیث ... '' إلخ

میرے نزدیک حق یہ ہے کہ عمامہ (پگڑی) پر مسح کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ الخ

(فیض الباری ج ۱ ص ۳۰۴، مولانا ابوصہیب محمد داود ارشد حفظہ اللہ کی کتاب ''حدیث اوراہلِ تقلید'' ج ۱ ص ۲۲۰)

دیوبندیوں کے بعض شبہات کے مختصر اور جامع جوابات درج ذیل ہیں:

۱/۱: بعض الناس نے کہا: اللہ نے فرمایا: اور اپنے سر پر مسح کرو۔ (المائدہ: ۶)

عرض ہے کہ جب سر ننگا ہو تو (پورے) سر پر مسح کرنا چاہئے اور اگر عمامہ ہو تو اس کے ذکر سے یہ آیتِ کریمہ ساکت ہے لہٰذا صحیح حدیث کے ذریعے سے جو مسئلہ ثابت ہو، اُس کے

خلاف یہ آیت پیش نہیں کی جا سکتی۔ اس آیت میں یہ قطعاً نہیں کہ اگر سر پر عمامہ ہو تو اُس پر مسح صحیح نہیں لہٰذا اس آیت سے محرّفانہ استدلال کرتے ہوئے اسے یہاں پیش کرنا غلط ہے۔

۲/ا: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پگڑی کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا اور پگڑی کو نہ کھولا۔ (سنن ابی داود ج ا ص ۱۹)

عرض ہے کہ یہ روایت ابو معقل نامی مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن القطان وغیرہ نے اس راوی کے بارے میں کہا: مجہول (دیکھئے بذل المجہود ج ا ص ۳۶۱ ح ۱۴۷)

۲: عطاء بن ابی رباح تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو پگڑی کو سر سے ہٹایا اور سر کے اگلے حصے یا پیشانی پر پانی سے مسح فرمایا۔ (کتاب الام للشافعی ج ا ص ۲۶)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے: ① مرسل یعنی منقطع ہے۔

② مسلم بن خالد الزنجی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی تھا۔

نیز دیکھئے سنن ابی داود بتحقیقی (۱۵۰، ۳، نیل المقصود)

۳: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب سر پر مسح فرماتے تو سر سے ٹوپی اُٹھا لیتے اور سر کے اگلے حصے پر مسح فرماتے۔ (سنن الدارقطنی ۱/ ۱۰۷ ح ۳۷۱ وسندہ حسن)

اس موقوف روایت (اثر) سے نہ تو عمامہ پر مسح کا عدمِ جواز ثابت ہوتا ہے اور نہ یہ مسئلہ ہی اخذ ہوتا ہے کہ ٹوپی پر مسح جائز نہیں ہے، بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ٹوپی (یا پگڑی) پر مسح کرنا فرض، واجب یا ضروری نہیں لہٰذا ٹوپی اُتار کر سر پر مسح کرنا بھی جائز ہے۔

یاد رہے کہ سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ ٹوپی پر مسح کرتے تھے۔

دیکھئے جواز کی احادیث میں سے فقرہ نمبر: ۸

۴: امام مالک کو یہ بات پہنچی تھی کہ (سیدنا) جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے عمامہ پر مسح کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: نہیں! جب تک پانی سے بالوں کا مسح نہ کرے۔ (موطأ امام مالک ص ۲۳)

یہ روایت بلا سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور کسی جگہ ''لا'' [نہیں] کے لفظ کے

ساتھ نہیں ملی۔ نیز دیکھئے سنن الترمذی (۱۰۲) اور الاستذکار (ج ۱ ص ۲۱۰ تحت ح ۶۰)

۵: عروہ بن الزبیر تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ سر سے پگڑی ہٹا کر پانی سے سر کا مسح کرتے تھے۔ (الموطأ للامام مالک ۱/۳۵ ح ۶۸ وسندہ صحیح)

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پگڑی پر مسح جائز نہیں ہے بلکہ یہ صرف پگڑی پر مسح کے واجب ہونے کا رد ہے یعنی عمامہ پر مسح جائز تو ہے لیکن واجب نہیں۔

یاد رہے کہ تابعی حکیم بن جابر اور صحابی سیدنا انس رضی اللہ عنہ وغیرہما پگڑی پر مسح کرتے تھے، جیسا کہ احادیثِ جواز (۷، ۵) میں گزر چکا ہے۔

۶: صفیہ بنت ابی عبید رحمہا اللہ (یا رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ انھوں نے دوپٹا ہٹا کر پانی سے سر کا مسح کیا۔ (الموطأ ۱/۳۵ ح ۶۹ وسندہ صحیح)

عرض ہے کہ اس کا عمامہ پر مسح یا عدمِ مسح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کے بعد بعض الناس نے لکھا ہے کہ امام مالک سے پگڑی اور دوپٹے پر مسح کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: مرد اور عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ پگڑی اور دوپٹے پر مسح کریں، انھیں چاہئے کہ سر پر مسح کریں۔ (الموطأ ۱/۳۵)

عرض ہے کہ امام مالک کے اس قول کے مقابلے میں سیدنا انس بن مالک، سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہما اور امام احمد بن حنبل وغیرہ پگڑی پر مسح کے قائل و فاعل تھے لہٰذا اختلاف کی صورت میں یا تو کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا یا پھر امام مالک کے قول کو اولیٰ اور غیر اولیٰ پر محمول کر کے جواز المسح علی العمامہ کا فتویٰ دیا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ امام ابوحنیفہ کی تقلید کا دعویٰ کرنے والے کب سے مالکی ہو گئے ہیں؟!

امام ابوحنیفہ کا قول باسند صحیح پیش کریں اور اگر نہ کر سکیں تو.....

تفصیلی دلائل کے لئے مولانا ابوصہیب محمد داود ارشد حفظہ اللہ الواحد الصمد کی بہترین اور مفید کتاب ''حدیث اور اہلِ تقلید'' (ج ۱ ص ۲۱۸ تا ۲۲۴) کا مطالعہ کریں۔

وما علینا إلا البلاغ (۱۵/ نومبر ۲۰۰۸ء)

دہری اذان اور اکہری اقامت

اذان کے دو طریقے نبی ﷺ سے ثابت ہیں:

① الله أكبر الله أكبر ، الله أكبر الله أكبر ، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمّدًا رسول الله ، أشهد أن محمّدًا رسول الله، حي على الصلوٰة حي على الصلوٰة ، حي على الفلاح حي على الفلاح ، الله أكبر الله أكبر ، لا إله إلا الله . (دیکھئے سنن ابی داود [۴۹۹]، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ [۷۰۶] بحوالہ آثار السنن ص ۱۰۸ ح ۲۲۹، و اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۰۹)

اس حدیث کو امام ترمذی، امام ابن خزیمہ اور امام بخاری نے صحیح قرار دیا ہے اور اسے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان بھی کہا جاتا ہے۔

② الله أكبر الله أكبر ،الله أكبر الله أكبر ،أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله،أشهد أن محمّدًا رسول الله ، أشهد أن محمّدًا رسول الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله،أشهد أن محمّدًا رسول الله ، أشهد أن محمّدًا رسول الله،حي على الصلوٰة حي على الصلوٰة ، حي على الفلاح حي على الفلاح ، الله أكبر الله أكبر ، لا إله إلا الله .

(دیکھئے سنن ابی داود [۵۰۳] وغیرہ بحوالہ آثار السنن ص ۱۰۵ ح ۲۲۶ وقال: واسنادہ صحیح)

اسے سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان بھی کہا جاتا ہے۔

اول الذکر اذان (اذانِ بلال) میں اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک دفعہ ہیں، سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے۔

(دیکھئے صحیح بخاری [۶۰۳، ۶۰۵] و صحیح مسلم [۳۷۸] بحوالہ آثار السنن ص ۱۰۹ ح ۲۳۰)

[اقامت کے الفاظ:] الله أكبر الله أكبر ،أشهد أن لا إله إلا الله،أشهد أن

محمّدًا رسول الله ، حي علی الصلٰوة ، حي علی الفلاح ، قد قامت الصلوة قد قامت الصلوة ، اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، لا إلٰه إلا اللّٰه .

(ابوداود ج ۱ ص ۷۶، نسخہ مجتبائیہ حدیث: ۵۱۰)

ثانی الذکر اذان میں اقامت کے کلمات دو دو دفعہ ہیں:

[اقامت کے الفاظ:] اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ،اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه،أشهد أن محمّدًا رسول اللّٰه أشهد أن محمّدًا رسول اللّٰه،أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه،أشهد أن محمّدًا رسول اللّٰه أشهد أن محمّدًا رسول اللّٰه،حي علی الصلٰوة حي علی الصلٰوة ، حي علی الفلاح حي علی الفلاح ، قد قامت الصلوة قد قامت الصلوة، اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، لا إلٰه إلا اللّٰه .

(ابوداود وغیرہ بحوالہ آثار السنن ص ۱۱۲، ح ۲۳۸ وقال: واسنادہ صحیح)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں اقامت اکہری ہے اور سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان میں اقامت دہری ہے۔ اذان اور اقامت کے یہ دونوں طریقے صحیح ہیں۔ بعض لوگ اذان تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ والی حدیث سے لیتے ہیں مگر اقامت کا طریقہ سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے اخذ کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اذانِ بلال رضی اللہ عنہ کا دوسرا حصہ اور اذانِ ابی محذورہ رضی اللہ عنہ کا پہلا حصہ (ترجیع والا) رد کر دیتے ہیں۔ صاحبِ آثار السنن (جو کہ مشہور تقلیدی عالم گزرے ہیں) نے اپنے اس مسلک کو مدلل کرنے کے لئے بہت کوشش کے بعد تیرہ (۱۳) روایتیں جمع کر لی ہیں۔

(دیکھئے آثار السنن ص ۱۵۲۔ ۱۵۸ ح ۲۳۳۔ ۲۴۵)

اس مختصر مضمون میں ان روایات کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

۱۔ (ح ۲۳۳) اس میں سلیمان بن مہران الاعمش ہیں جو کہ مشہور مدلس تھے۔

(دیکھئے اسماء المدلسین للسیوطی ص ۹۸، کتاب المدلسین للعراقی ص ۵۵ وقال: مشہور بالتدلیس)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب تحقیقی و علمی مقالات جلد اول (ص ۲۶۷۔۲۷۲)
بعض جدید خوارج نے فنِ تدلیس کا بالکلیہ انکار کر دیا ہے۔ (مثلاً مسعود احمد بی ایس سی اینڈ پارٹی) جس کا مسکت جواب راقم الحروف نے ''القنابل الذریہ فی ابطال اصول الفرقۃ المسعودیۃ'' میں دیا ہے۔ (ص ۴تا ۸، قلمی)

ہمارے استاذ امام ابوالقاسم محب اللہ شاہ راشدی السندھی رحمہ اللہ کو اعمش کی ابوصالح، ابووائل اور ابراہیم (نخعی) سے معنعن روایت میں میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۲۲۴) کی ایک عبارت کی وجہ سے اشکال تھا۔ جس کا جواب التأسیس اور نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داود وغیرہ میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ نیموی صاحب کی پیش کردہ اس روایت میں اعمش کے استاذ ان تینوں میں سے کوئی بھی نہیں تھے۔

مدلس کے عنعنہ کے ناقابلِ حجت ہونے پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ مثلاً دیکھئے (الرسالہ للشافعی ص ۸۷) خزائن السنن (تصنیف سرفراز خان صفدر ص ا بعد ص ع) دَ پیغمبر خدا مونځ (ص ۳۲۳) اور فتاویٰ رضویہ (ج ۵ ص ۲۴۵۔۲۶۶) وغیرہ

خلاصہ یہ کہ یہ سند ضعیف ہے۔

۲۔ (ح ۲۳۴) اس میں اعمش کا عنعنہ ہے لہٰذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔

۳۔ (ح ۲۳۵)........

اس روایت میں عبداللہ بن محمد (بن عبداللہ) بن زید مستور ہے۔ اس کی معتبر توثیق ثابت نہیں ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب (۳۵۸۶ قال: ''مقبول'' یعنی مجہول الحال)

۴۔ (ح ۲۳۶) یہ روایت صاحبِ آثار السنن (نیموی) کے اعتراف کے ساتھ منقطع (یعنی ضعیف) ہے۔

۵۔ (ح ۲۳۷) اور نمبر: ۶ (ح ۲۳۸) یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں لیکن نیموی صاحب کا ان سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ ان میں ترجیع والی اذان کا ذکر بھی موجود ہے۔

۷۔ (ح۲۳۹) اور نمبر:۹ (ح۲۴۱) میں شریک قاضی ہیں جو کہ مدلس تھے۔
(اسماء من عرف بالتدلیس للسیوطی نمبر۳۱) اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔
لہٰذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔
۸۔ (ح۲۴۰) اس میں حماد بن ابی سلیمان مختلط تھے۔حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا:
"ولا يقبل من حديث حماد إلا ما رواه عنه القدماء: شعبة و سفيان الثوري والدستوائي، ومن عدا هؤلاء رووا عنه بعد الاختلاط"
اور حماد کی حدیث میں سے صرف وہی مقبول ہے جسے قدماء (قدیم راویوں) نے ان سے روایت کیا ہے۔شعبہ، سفیان ثوری اور (ہشام) دستوائی رحمہم اللہ نے، ان کے علاوہ سب لوگوں نے ان سے اختلاط کے بعد والی روایات بیان کی ہیں۔(مجمع الزوائد ج۱ ص۱۱۹، ۱۲۰)
۱۰۔ (ح۲۴۲) اس روایت کا کمزور ہونا خود نیموی صاحب کو بھی تسلیم ہے۔
نیموی نے کہا: "و في إسناده لِين" اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔
۱۱۔ (ح۲۴۳) اس میں عدمِ ترجیع کا ذکر نہیں ہے۔دوسرے اس میں محمد بن سعدان ہے جس کی توثیق حافظ ابن حبان کے علاوہ اور کسی نے بھی نہیں کی ہے لہٰذا یہ راوی مستور (مجہول الحال) ہے۔
۱۲۔ (ح۲۴۴) اس کے منقطع ہونے کا اعتراف خود نیموی صاحب نے بھی کر رکھا ہے۔
۱۳۔ (ح۲۴۵۔آخری) اس میں عدمِ ترجیع کا ذکر نہیں ہے، دوسرے یہ کہ یہ مجاہد تابعی کا قول ہے جو کہ نبی ﷺ سے ثابت شدہ صحیح احادیث کے مقابلے میں قابلِ سماعت نہیں ہے۔احادیثِ مرفوعہ کے مقابلے میں تابعین وغیرہم کے اقوال پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔
اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حنفی اور دیوبندی اور بریلوی حضرات کے پاس ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس سے اذانِ بلال میں دوہری اقامت کا ثبوت ملتا ہو۔و الحق أحق أن يتبع
بعد میں "عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفة" کے مطالعہ سے مسند حصکفی (ص۴۷) کی ایک روایت (اس سلسلے میں) معلوم ہوئی۔

(عقود ص ۵۳ بحوالہ الطبرانی فی الاوسط)

الاوسط (ج ۳ ص ۲۷ ح ۲۰۴۱) میں یہ روایت انتہائی مختصر ہے جو کہ حنفیہ کو مفید نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس کے متعدد راوی مجہول الحال ہیں مثلاً الحکم بن ایوب وغیرہ۔

مسند حصکفی (متوفی ۶۵۰ ھ) نامی کتاب بذاتِ خود بلا سند ہے (غالباً ابو محمد البخاری الکذاب کی کتاب کا اختصار ہے) جامع المسانید للخوارزمی (ج ۱ ص ۳۰۰، ۳۰۱) میں اس کی اسانید کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے:

① أخرجه أبو محمد البخاري .. إلخ یہ شخص مشہور کذاب و وضاع ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال ترجمہ عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری۔

اس کے کذاب ہونے کا اعتراف خود دیوبندی علماء نے بھی کیا ہے۔ مثلاً دیکھئے محمد حسین نیلوی کی ''شفاء الصدور فی تحقیق عدم سماع من فی القبور'' (ص ۱۵۷)

② الحافظ طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد، معتزلی تھا، امام ازہری رحمہ اللہ نے کہا:
''ضعيف في روايته و في مذهبه'' یہ اپنی روایت اور مذہب میں ضعیف تھا۔

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۵۱)

بلکہ یہ مذہب اعتزال کا داعیہ (دعوت دینے والا) تھا۔

اس کا استاد صالح بن احمد: متروک، کذاب دجال تھا۔ (لسان المیزان ج ۳ ص ۲۰۱)

اس کی دوسری سند میں ابن عقدہ بد مذہب، غیر موثق، اس کا استاد نا معلوم اور باقی سند میں بھی نظر ہے۔

③ ابو عبداللہ الحسین بن محمد بن خسرو البلخی، معتزلی، بد مذہب تھا۔ ابن ناصر نے کہا:
'' كان فيه لين و كان حاطب ليل و يذهب إلى الإعتزال . ''
اس میں کمزوری تھی، وہ حاطبِ لیل تھا اور معتزلی مذہب رکھتا تھا۔

(لسان المیزان ج ۲ ص ۳۸۰، ۳۸۱)

اس کا دوسرا راوی الحسین بن الحسن بن عطیہ ضعیف ہے۔ (لسان المیزان ج ۲ ص ۳۴۱، ۳۴۲)

اور باقی سند میں بھی نظر ہے۔

قاضی ابو یوسف کی طرف منسوب ایک مسند مجہول (کتاب الآثار) میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ (دیکھئے ص ۱۷۔۱۸ ح ۸۵)

حالانکہ نیچے کی سند کے علاوہ اس کا بنیادی راوی یوسف بن ابی یوسف مجہول ہے۔

(دیکھئے ذیل اللآلی المصنوعہ للسیوطی ص ۱۳۹)

مختصر یہ کہ یہ روایت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ثابت نہیں ہے۔

ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ اس قسم کی ضعیف و مردود روایات کو چھوڑ کر صحیح و محفوظ احادیث پر ہی عمل کرے۔ وما علینا إلا البلاغ

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ص ۱۲۔۱۴، ۲۷)

نابالغ قاریٔ قرآن کی امامت

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

اگر کسی صحیح العقیدہ نابالغ بچے کو قرآنِ مجید یاد ہو اور وہاں دوسرے لوگوں کو اُتنا قرآن یاد نہ ہو تو یہ جائز ہے کہ وہ صحیح العقیدہ بچہ اُن لوگوں کو فرض نمازیں اور نمازِ تراویح پڑھائے۔

اس مسئلے کے بعض دلائل درج ذیل ہیں:

① سیدنا سلِمہ بن قیس الجرمی رضی اللہ عنہ (صحابی کبیر) کے بیٹے سیدنا عمرو بن سلِمہ الجرمی رضی اللہ عنہ (صحابی صغیر/تقریب التہذیب: ۵۰۴۲) سے روایت ہے کہ جب میرے والد اپنے وفد کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس سے واپس آئے تو کہا: ''اللہ کی قسم! میں سچے نبی کے پاس سے آیا ہوں، آپ نے فرمایا ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور امامت وہ کرائے جو سب سے زیادہ قرآن جانتا ہے۔'' پھر انھوں (صحابہ) نے مجھے امام بنالیا اور میری عمر چھ یا سات سال تھی کیونکہ مجھ سے زیادہ کوئی بھی قرآن کا حافظ نہیں تھا۔ الخ

(صحیح بخاری: ۴۳۰۲، فتح الباری ۸/۲۳)

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ نابالغ حافظِ قرآن نماز کی امامت کرا سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس صحابی کی تو شرمگاہ حالتِ نماز میں ننگی ہو جاتی تھی۔!

تو اس کے چار جوابات ہیں:

اول: یہ واقعہ جان بوجھ کر نہیں، بلکہ بعض اوقات مجبوری اور حالتِ اضطرار میں ہو جاتا تھا۔ یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ مجبوری اور حالتِ اضطرار کی وجہ سے اعتراض کرنا غلط ہے۔

دوم: بعد میں سیدنا عمرو الجرمی رضی اللہ عنہ کو جب چادر مل گئی تو شرمگاہ کے، لاعلمی و اضطراری حالت میں ننگا ہو جانے والا مسئلہ بھی ختم ہو گیا۔

سوم: جان بوجھ کر حالتِ نماز میں شرمگاہ ننگی کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

چہارم: لاعلمی اور اضطراری حالت کے علاوہ اگر شرمگاہ کے ننگا کرنے کا جواز کوئی تقلیدی "فقیہ" کہیں سے ڈھونڈ بھی نکالے تو عرض ہے کہ صحیح بخاری (۳۶۷) کی حدیث: "نھی رسول اللّٰہ ﷺ عن اشتمال الصماء و أن یحتبي الرجل في ثوب واحد لیس علٰی فرجه منه شئ " کی رُو سے یہ عمل منسوخ ہے۔

② سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا کانوا ثلاثة فلیؤمهم أحدهم و أحقهم بالإمامة أقرأهم .))

اگر تین آدمی ہوں تو ایک انھیں امامت کرائے اور ان میں امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو اُن میں سب سے بڑا قاری (حافظ) ہے۔ (صحیح مسلم: ۶۷۲، ترقیم دارالسلام: ۱۵۲۹)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جسے سب سے زیادہ قرآن یاد ہو، وہ امامت کرائے چاہے وہ دوسروں کے مقابلے میں ایک بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

③ سیدنا ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یؤم القوم أقرؤهم لکتاب اللّٰه .)) لوگوں کی امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کا اُن میں سب سے بڑا قاری ہو۔ (صحیح مسلم: ۶۷۳، دارالسلام: ۱۵۳۲)

④ امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر نابالغ قاری جو نماز جانتا ہے، بالغوں کو نماز پڑھا دے تو جائز ہے اور (بہتر یہ ہے کہ) بالغ کی امامت کو اختیار کرنا چاہئے۔ الخ (کتاب الام ج ۱ ص ۱۶۶، باب: امامۃ الصبی لم یبلغ)

⑤ امام ابن خزیمہ النیسابوری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۱۱ھ) نے سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث پر باب باندھا:

"باب إباحة إمامةِ غیرِ المدرکِ البالغینَ إذا کان غیر المدرك أکثر جمعًا للقرآن من البالغین ." (صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۶ قبل ح ۱۵۱۲)

معلوم ہوا کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نابالغ حافظِ قرآن کی امامت کو جائز سمجھتے تھے۔

⑥ امام بیہقی نے سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے "باب إمامة الصبي الذي

لم یبلغ'' لکھ کرنابالغ قاری کی امامت کا جواز ثابت کیا۔
دیکھئے السنن الکبریٰ (۹۱/۳) اور معرفۃ السنن والآثار (۳۷۳/۲)
⑦ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کو امامت کے لئے آگے کیا تھا۔
دیکھئے الاوسط لابن المنذر (۱۵۱/۴ ث ۱۹۳۵، وسندہ صحیح)

اس اثر اور دیگر آثار سے صاف ثابت ہے کہ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو منسوخ سمجھنا یا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ ابتداءِ اسلام کا واقعہ تھا، غلط اور مردود ہے۔

⑧ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر بچہ نو سال سے زیادہ یا دس سال کا ہو تو اس کی امامت جائز ہے۔ دیکھئے مسائل الامام احمد واسحاق (روایۃ الکوسج ۱۵۱/۱، فقرہ: ۲۴۳) اور مختصر قیام اللیل (تصنیف محمد بن نصر المروزی، اختصار المقریزی ص ۲۲۳)

⑨ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری نے کہا: نابالغ کی امامت جائز ہے، اگر وہ نماز جانتا ہے اور نماز قائم کر سکتا ہے۔ (الاوسط ۱۵۲/۴)

⑩ عاصم الاحول (تابعی) رحمہ اللہ نے سیدنا عمرو بن سلمہ الجرمی رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کر کے کہا: '' **فلم یزل إمام قومه فی الصلوٰة وعلٰی جنائزهم** ''
پھر وہ نماز اور جنازوں میں مسلسل اپنی قوم کے امام رہے۔

(مختصر قیام اللیل ص ۲۲۱ وسندہ صحیح)

چونکہ امام عاصم الاحول نے اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اپنے اس قول سے اس کی تائید کی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ بھی نابالغ قاری وحافظ کی امامت کے جواز کے قائل تھے۔

ان تمام احادیث وآثار کے مقابلے میں بعض آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ ''نابالغ کی امامت جائز نہیں'' دیکھئے نعیم الدین دیوبندی عرف انوار خورشید کی کتاب ''حدیث اور اہلحدیث'' (ص ۴۹۰)

ان لوگوں کے شبہات اور غلط استدلالات کے مختصر اور جامع جوابات درج ذیل ہیں:

۱: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بچہ (نابالغ) امامت نہ کرائے، جب تک اس پر حدود واجب نہ ہو جائیں۔

(نیل الاوطار ۳/۱۶۵، بحوالہ سنن الاثرم، اعلاء السنن للتھانوی ۴/۲۹۸ ح ۱۲۶۷)

یہ روایت بے سند ہے۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے ایک روایت کے بارے میں کہا:

''اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔'' (احسن الکلام طبع دوم ج۱ ص ۳۲۷، دوسرا نسخہ طبع جون ۲۰۰۶ ص ۴۰۳ ج۱)

۲: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''امامت نہ کرائے لڑکا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔''

(نیل الاوطار مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۲/۴۲۴ بحوالہ اثرم فی سننہ، اعلاء السنن ۴/۲۹۹ ح ۱۲۶۸)

یہ روایت بے سند ہے لہٰذا مردود اور ناقابلِ حجت ہے۔ کوئی سکوت کرے یا نہ کرے، بے سند روایتیں مردود ہوتی ہیں۔

مصنف عبدالرزاق (۲/۳۹۸ ح ۳۸۴۷) میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی (کذاب متروک) کی سند سے موجود ہے اور بلحاظِ سند موضوع و مردود ہے۔ اس میں ایک اور علتِ قادحہ بھی موجود ہے۔ اس طرح کی ایک اور ضعیف روایت الاوسط لابن المنذر (۴/۱۵۲) میں موجود ہے۔

۳: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ نابالغ ہماری امامت کرائے۔

(ابن ابی داود بحوالہ کنز العمال ۸/۲۶۳ ح ۲۲۸۳۷، اعلاء السنن ۴/۲۹۹ ح ۱۲۶۹)

یہ روایت امام ابوبکر ابن ابی داود رحمہ اللہ کی کتاب المصاحف (ص ۲۱۷) میں نہشل بن سعید کی سند سے موجود ہے۔ (المصاحف نسخہ محققہ ج۲ ص ۶۵۱ ح ۷۷۲)

یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے کیونکہ اس کا راوی نہشل بن سعید بن وردان کذاب و متروک تھا۔ مثلاً دیکھئے تقریب التہذیب (۷۱۹۸)

اس کی باقی سند بھی مردود ہے۔

۴: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نابالغ امامت نہ کرائے، ابن وہب نے

کہا: عطاء بن ابی رباح اور یحییٰ بن سعید کا یہی قول ہے۔

(المدونہ ج ۱ص ۸۶، اعلاء السنن ج ۴ص ۳۰۰ ح ۱۲۷۱)

یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: ابن وہب مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات ابن سعد (۵۱۸/۷) اور الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۲۵)

دوم: ابن جریج بھی مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (۸۳/۳، ص ۵۵، ۵۶) اور یہ روایت عن سے ہے۔

سوم: مدونہ کتاب بذاتِ خود بے سند، غیر مستند اور غیر معتبر ہے۔

دیکھئے میری کتاب ''القول المتین فی الجہر بالتأمین'' (ص ۸۷)

چہارم: امام عطاء اور امام یحییٰ کی طرف منسوب قول بلا سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۵: ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ لوگ اس کو مکروہ جانتے تھے کہ بچہ بالغ ہونے سے پہلے امامت کرائے۔ (المدونۃ الکبریٰ ۸۵/۱، اعلاء السنن ۲۹۹/۴ ح ۱۲۷۰)

یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: ابن وہب مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

دوم: علی بن زیاد غیر متعین ہے۔

سوم: سفیان ثوری مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

چہارم: مغیرہ بن مقسم مدلس تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۶۸۵۱) اور یہ روایت عن سے ہے۔

۶: ابراہیم نخعی اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ لڑکا امامت کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ۳۹۸/۲ ح ۳۸۴۶)

یہ روایت تین وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ مدلس تھے۔ دیکھئے الضعفاء للعقیلی (۱۱۰/۳، ۱۱۱، وسندہ

صحیح) اور میری کتاب الفتح المبین (ص ۴۵) یہ روایت عن سے ہے۔

دوم: سفیان ثوری مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

سوم: مغیرہ بن مقسم مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

تنبیہ: ہم نے اپنے استدلال میں کئی ایسی روایتوں کو چھوڑ دیا ہے جن میں مدلس راوی اپنے عن عن کے ساتھ موجود تھے مثلاً:

روایت نمبر۱: ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ نابالغ بچہ رمضان میں امامت کرا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۴۹ ح ۳۵۰۳)

اس میں ہشیم بن بشیر، یونس بن عبید اور حسن بصری تینوں مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔

روایت نمبر۲: حسن بصری سے روایت ہے کہ نابالغ بچے کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۴۹ ح ۳۵۰۴)

اس میں ہشام بن حسان مدلس تھے اور باقی سند حسن ہے۔

۷: عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ لڑکا جو نابالغ ہو وہ امامت نہ کرائے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۳۹۸ ح ۳۸۴۵)

اس روایت کے راوی امام عبدالرزاق (مدلس) نے سماع کی تصریح نہیں کی لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

۸: شعبی سے روایت ہے کہ لڑکا امامت نہ کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۹ ح ۳۵۰۵)

اس میں عبدالعزیز راوی غیر متعین ہے، اگر اس سے مراد عبدالعزیز بن عبیداللہ بن حمزہ بن صہیب ہے تو یہ ضعیف راوی تھا۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۴۱۱۱)

لہٰذا یہ سند مردود ہے۔

۹: مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ لڑکا امامت نہ کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۴۹ ح ۳۵۰۶)

اس روایت کے راوی رواد بن الجراح ابو عصام پر جمہور محدثین نے جرح کی ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔ حافظ ابن حجر کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی متروک قرار دیا گیا تھا۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۹۵۸)

۱۰: عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ محمد بن ابی سوید (؟) نے انھیں (عبدالعزیز بن عمر کو) امامت کے لئے کھڑا کیا اور وہ نابالغ بچے تھے پھر عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ) ناراض ہوئے اور انھیں لکھا: تمھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم لوگوں کی امامت کے لئے ایسے لڑکے کو آگے کرو جس پر ابھی حدود واجب نہیں ہوئیں۔

(مصنف عبدالرزاق ۲/۳۹۸ ح ۳۸۴۸)

اس روایت کی سند عبدالرزاق (مدلس) کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ان تمام غیر ثابت اور مردود حوالوں کی بنیاد پر انوار خورشید دیوبندی نے یہ بلند و بالا دعویٰ کر رکھا ہے: ''نابالغ کی امامت جائز نہیں'' (دیکھئے حدیث اور اہلحدیث ص ۴۹۰)!!

۱۱: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
پہلی صف میں اعرابی، عجمی اور نابالغ لڑکا آگے نہ بڑھیں۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۸۱ ح ۱۰۷۶، اعلاء السنن ۴/۳۰۰ ح ۱۲۷۲)

یہ روایت کئی وجہ سے مردود اور باطل ہے:

اول: لیث بن ابی سلیم مدلس تھا۔ (دیکھئے مجمع الزوائد ۱/۸۳) اور یہ سند عن سے ہے۔

دوم: لیث بن ابی سلیم کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا۔
دیکھئے زوائد ابن ماجہ للبوصیری (۲۳۰)

سوم: عبیداللہ بن سعید غیر متعین اور نامعلوم ہے۔
نیز دیکھئے العلل المتناہیہ لابن الجوزی (۱/۴۲۸ ح ۷۲۳)

چہارم: عباس بن سلیم مجہول ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (۳/۳۰۲) اور بیان الوہم والا یہام لابن القطان (۳/۱۵۲ ح ۸۶۱)

لہٰذا اس ضعیف و مردود روایت کو بعض فرقہ پرست آلِ تقلید کا حسن کہنا یا حسن لغیرہ قرار دینا مردود ہے۔

ملا علی قاری حنفی تقلیدی نے ایک عجیب ترین بات لکھی ہے:

''مخالفین حضرات پر تعجب ہے کہ بچہ صحابی (حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ) کے فعل سے جس فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا نہیں (یعنی سند اجازت بھی حاصل نہیں) اس سے تو استدلال کرتے ہیں اس کو تو حجت تسلیم کرتے ہیں لیکن جلیل القدر صحابہ کرام حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم کبار صحابہ کرام کے اقوال کو (جن میں بچہ کو امام بنانے سے منع کیا گیا ہے) انکو حجت تسلیم نہیں کرتے جبکہ ان حضرات کے اقوال کو مرفوع صحیح حدیث ''الإمام ضامن'' اور پہلی صف میں بچہ کے قیام کی ممانعت والی جیسی احادیث سے تائید بھی حاصل ہے۔''

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۸۹ بحوالہ فتوی حفیظ اللہ ڈیروی تقلیدی دیوبندی، دارالافتاء دارالعلوم کبیر والا، ۲۷/ رمضان ۱۴۲۹ھ ص ۳)

عرض ہے کہ سیدنا ابو بکر الصدیق، سیدنا عمر الفاروق، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا عبداللہ بن عباس وغیرہم کبارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے باسند صحیح یا حسن قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ انھوں نے قرآن کے حافظ نابالغ بچے کو امام بنانے سے منع کیا تھا، لہٰذا ملا علی قاری کا ان جلیل القدر صحابہ کے نام لے کر رعب جمانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اہلِ حدیث کے موقف کی تائید میں سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، سیدنا ابو سعید الخدری اور سیدنا ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہما کی احادیث، سیدنا سلمہ الجرمی رضی اللہ عنہ، سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کے آثار اور امام عاصم الاحول، امام شافعی، امام ابن خزیمہ، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابن المنذر اور امام بیہقی وغیرہم کے اقوال صحیح و ثابت ہیں اور کسی صحیح صریح حدیث کے مخالف نہیں۔ والحمد للہ

پہلی صف میں بچے کے قیام کی ممانعت والی ضعیف روایات کا یہ مطلب ہے کہ غیر حافظ اور غیر قاری بچوں کو پچھلی صفوں میں کھڑا کرنا بہتر اور افضل ہے۔

الامام ضامن کا یہ مطلب کہاں سے آگیا کہ قرآن کا حافظ سمجھدار بچہ، جو مسائلِ نماز سے بخوبی واقف ہو، امامت نہیں کرواسکتا؟!

سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ صحابی کی حدیث کے مقابلے میں عینی، امام احمد اور ابن حزم وغیرہ کے اقوال کی کیا حیثیت ہے؟ کچھ تو غور کریں۔!

خلاصۃ التحقیق: ضرورت اور اضطرار کی حالت میں یہ جائز ہے کہ صحیح العقیدہ حافظ قرآن یا دوسرے لوگوں سے زیادہ قرآن جاننے والا بچہ امامت کرائے اور اس کی ممانعت، منسوخیت یا کراہت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ والحمد للہ رب العالمین

(۱۷/نومبر ۲۰۰۸ء)

تکبیراتِ عیدین میں رفع الیدین کا ثبوت

امام اہل سنت، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

"حدثنا يعقوب: حدثنا ابن أخي ابن شهاب عن عمه : حدثني سالم بن عبد الله أن عبدالله قال :كان رسول الله ﷺ إذا قام إلى الصلوة يرفع يديه ، حتى إذا كا نتا حذو منكبيه كبّر ، ثم إذا أرادأن يركع رفعهما حتى يكونا حذو منكبيه ، كبر وهما كذلك ، ركع ، ثم إذا أراد أن يرفع صلبه رفعهما حتى يكوناحذو منكبيه ، ثم قال : سمع الله لمن حمده ،ثم يسجد ، ولا يرفع في السـ: رفعهما في كل ركعة وتكبيرة كبّرهاقبل الركوع،حتى تنقضي صلاته"

رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ آپ کے کندھوں کے برابر ہو جاتے، آپ (ﷺ) تکبیر کہتے، پھر جب آپ رکوع کا ارادہ کرتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہوتے۔ آپ تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اسی طرح ہوتے۔ آپ ﷺ رکوع کرتے، پھر جب آپ اپنی پیٹھ اُٹھانے کا ارادہ کرتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ کندھوں کے برابر ہوتے۔ پھر آپ (ﷺ) فرماتے: سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ پھر آپ سجدہ کرتے اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے۔ آپ ہر رکعت میں اور رکوع سے پہلے ہر تکبیر میں رفع یدین کرتے، یہاں تک کہ آپ کی نماز پوری ہو جاتی۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۳، ۱۳۴ ح ۶۱۷۵ والموسوعۃ الحدیثیہ ج ۱۰ ص ۳۱۵)

یہ سند حسن لذاتہ، صحیح لغیرہ ہے۔ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ اس حدیث کے

بارے میں فرماتے ہیں: "هذا سند صحيح على شرط الشيخين"
یہ سند بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (ارواء الغلیل ج ۳ ص ۱۱۳ ح ۶۴۰)

اسے امام عبداللہ بن علی بن الجارود النیسا بوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۷ھ) نے اپنی کتاب "المنتقیٰ" میں یعقوب بن ابراہیم بن سعد کی سند سے روایت کیا ہے۔ (ح ۱۷۸)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: "كتاب المنتقى فى السنن مجلد واحد فى الأحكام، لا ينزل فيه عن رتبة الحسن أبدًا إلا فى النادرفى أحاديث يختلف فيها اجتهاد النقاد" کتاب المنتقیٰ فی السنن، احکام میں ایک مجلد ہے، اس کی حدیثیں حسن کے درجے سے کبھی نہیں گرتیں، سوائے نادر احادیث کے جن میں ناقدین کی کوشش میں اختلاف ہوتا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۳۹)

اشرفعلی تھانوی دیوبندی صاحب ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:
"وأورد هذا الحديث ابن الجارود في المنتقى فهو صحيح عنده فإنه لا يأتي إلا بالصحيح كما صرح به السيوطي في ديباجة جمع الجوامع"
(ترجمہ از ناقل: ابن الجارود نے یہ حدیث منتقیٰ میں درج کی ہے۔ پس یہ ان کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ وہ صرف صحیح روایتیں ہی لاتے ہیں جیسا کہ سیوطی نے جمع الجوامع کے دیباچہ میں لکھا ہے) دیکھئے بوادر النوادر (ص ۱۳۵)

یعقوب بن ابراہیم کی سند سے یہی روایت امام دارقطنی (متوفی ۳۸۵ھ) نے بیان کی ہے۔
(سنن الدارقطنی ۱/۲۸۹ ح ۱۱۰۴)

اب اس حدیث کے راویوں کی توثیق پیش خدمت ہے:

۱: یعقوب بن ابراہیم بن سعد: "ثقة فاضل / من رجال الستة."
(تقریب التہذیب: ۷۸۱۱)

۲: محمد بن عبداللہ بن مسلم، ابن اخی الزہری: "صدوق حسن الحديث، وثقه الجمهور / من رجال الستة"

ابن اخی الزہری کے بارے میں جرح وتعدیل کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے:

جارحین اور ان کی جرح: ابن اخی الزہری پر درج ذیل محدثین کی جرح منقول ہے:

(۱) یحییٰ بن معین [ضعيف]

(۲) ابوحاتم الرازی [ليس بقوي يكتب حديثه]

(۳) العقیلی [ذكره في الضعفاء]

(۴) ابن حبان [رديئ الحفظ، كثير الوهم، يخطئ عن عمه في الروايات إلخ]

(۵) الدارقطنی [ضعيف]

(۶) النسائی [ليس بذلك القوي، عنده غير ما حديث منكر عن الزهري] (؟)

ملخصاً من تہذیب التہذیب (دار الفکر ۹/ ۲۴۸، ۲۴۹) وغیرہ۔

ابن اخی الزہری کی توثیق درج ذیل محدثین سے منقول ہے:

(۱) ابن عدی [ولم أر بحديثه بأساً إذا روى عنه ثقة] (الکامل ۷/ ۳۶۳)

(۲) البخاری [احتج به في صحيحه]

(۳) مسلم [احتج به في صحيحه، صحيح مسلم: ۱۴۴۹، وترقيم دار السلام: ۳۵۸۹]

(۴) الساجی [صدوق، تفرد عن عمه بأحاديث لم يتابع عليها]

(تہذیب التہذیب ۹/ ۲۴۹)

(۵) الذہبی [صدوق صالح الحديث وقد انفرد عن عمه بثلاثة أحاديث] (میزان الاعتدال: ۷۷۴۳)

(۶) ابن حجر [صدوق له أوهام] (تقریب التہذیب: ۶۰۴۹)

(۷) الترمذی [صحح له] (سنن الترمذی: ۱۱۸۰)

(۸) البوصیری	[صحح له]	(زوائد ابن ماجہ: ۱۳۹۷)
(۹) ابن الجارود	[روی له فی المنتقی]	(المنتقی: ۱۷۸)
(۱۰) ابونعیم الاصبہانی	[روی له فی صحیحه/المستخرج]	(المستخرج ۱۲۰/۳ ح ۲۳۵۶)
(۱۱) ابوعوانہ	[روی له فی صحیحه]	(المستخرج ۳۳۱/۲)
(۱۲) الضیاء المقدسی	[روی له فی المختارة]	(المختارة ۲۴۲/۶ ح ۲۲۵۸)
(۱۳) البغوی	[صحح له]	(شرح السنۃ ۸۸/۱۱ ح ۲۷۱۵)
(-) ابوداود	[ثقة]	(اس کا راوی ابوعبید الآجری مجہول ہے)
(-) احمد بن حنبل	[يثني عليه]	(اس کا راوی ابوعبید الآجری مجہول ہے)
(-) یحییٰ بن معین	[يثني عليه]	(اس کا راوی ابوعبید الآجری مجہول ہے)

ملخصاً من تہذیب التہذیب (۲۷۹/۹، ۲۸۰) وغیرہ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمہور محدثین کے نزدیک ابن اخی الزہری ثقہ وصدوق، صحیح الحدیث وحسن الحدیث ہیں۔ یاد رہے کہ ثقہ وصدوق راوی کی جن روایات میں وہم وخطاء بذریعہ محدثین ثابت ہو جائے تو وہ روایتیں مستثنیٰ ہو کر ضعیف ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ابن اخی الزہری کی "فانتھی الناس عن القراءة معه" والی روایت کی سند میں غلطی اور وہم ہے۔ دیکھئے مسند احمد (۳۴۵/۵ ح ۲۲۹۲۲ الموسوعۃ الحدیثیہ مع التخریج) وکتاب القراءت للبیہقی (۳۲۵، ۳۲۶)

فائدہ: ابن اخی الزہری کی عن الزہری عن سالم عن ابیہ والی سند صحیح بخاری (۵۵۷۴) وصحیح مسلم (۱۴۷۱/۴) میں موجود ہے۔

تنبیہ (۱): ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین والی روایت مذکورہ میں ابن اخی الزہری کی متابعت محمد بن الولید الزبیدی نے کر رکھی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۳: محمد بن مسلم الزہری = متفق علی جلالته و اتقانه / من رجال الستة

(التقریب: ۶۲۹۶)

امام زہری نے سماع کی تصریح کردی ہے لہٰذا اس روایت میں تدلیس کا الزام مردود ہے۔

۴: سالم بن عبداللہ بن عمر: أحد الفقهاء السبعة وكان ثبتًا عابدًا فاضلاً/من رجال الستة (التقریب:۲۱۷۶)

۵: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ: صحابی مشهور/من رجال الستة (التقریب:۳۴۹۰)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت ابن اخی الزہری کی وجہ سے حسن لذاتہ (یعنی حجت ومقبول) ہے۔

ابن اخی الزہری کی متابعت

ابن اخی الزہری رحمہ اللہ رفع یدین والی اس روایت میں تنہا راوی نہیں ہیں بلکہ (محمد بن الولید) الزبیدی (ثقة ثبت من كبار أصحاب الزهري / من رجال البخاري ومسلم وأبي داود والنسائي وابن ماجه /التقریب:۶۳۷۲) نے ان کی متابعت تامہ کر رکھی ہے لہٰذا ابن اخی الزہری پر اس روایت میں اعتراض سرے سے فضول ہے۔ والحمدللہ

الزبیدی کی متابعت والی روایت سنن ابی داود (۷۲۲) سنن الدارقطنی (۲۸۸/۱ ح ۱۰۹۸) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۲۹۲/۲، ۲۹۳) میں موجود ہے۔الزبیدی سے یہ روایت بقیہ بن الولید ؒ نے بیان کی ہے اور بقیہ سے ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے۔

ابن الترکمانی نے مخالفت برائے مخالفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بقیہ بن ولید پر ابن حبان، ابومسہر اور سفیان بن عیینہ کی جرح نقل کی ہے (الجوہر النقی ۲۹۲/۲، ۲۹۳) جس کا جواب کچھ تفصیل سے عرض ہے۔

بقیہ بن الولید الحمصی رحمہ اللہ (التحقيقات النقية في توثيق بقية)

اس مضمون میں راوی حدیث بقیہ بن الولید رحمہ اللہ کے بارے میں محدثین کرام کی جرح وتعدیل کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے:

بقیہ کے بارے میں مروی جرح درج ذیل ہے:

(۱) سفیان بن عیینہ [لا تسمعوا من بقية ....إلخ]

(۲) العقیلی [ذكره في الضعفاء]

(۳) ابوحاتم الرازی [لا يحتج به]

(۴) ابومسہر الغسانی [بقية ،أحاديثه ليست نقية فكن منها على تقية]

(۵) ابن خزیمہ [لا أحتج ببقية]

(۶) الجوزجانی [وبقية ضعيف الحديث ، لايحتج بحديثه]

(۷) عبدالحق الاشبیلی [لا يحتج به]

(۸) ابن القطان الفاسی ....

(۹) الذہبی ....

(۱۰) ابن حزم [ضعيف]

(۱۱) البیہقی [أجمعوا على أن بقية ليس بحجة]

(-) الساجی [فيه اختلاف]

(-) الخلیلی [اختلفوا فيه]

ملخصاً من تہذیب التہذیب (۱/۴۷۴۔۴۷۸) وغیرہ

الساجی اور الخلیلی کا کلام تو جرح ہی نہیں ہے۔[امام بیہقی وغیرہ جارحین کی جرح کا تعلق بقیہ کی صرف ان روایات سے ہے جن میں انھوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔]

بعض دوسرے علماء سے بھی بقیہ کی مُدلّس (عن والی) روایات اور مجہولین وضعفاء سے روایات پر جرح منقول ہے،اس جرح کا کوئی تعلق بقیہ کی عدالت اور ضبط (حافظے) سے نہیں ہے۔بقیہ کی توثیق درج ذیل ہے:

(۱) ابواسحاق الفزاری [خذوا عن بقية ماحدثكم عن الثقات]

(سنن الترمذی:۲۸۵۹)

(۲) عبداللہ بن مبارک [صدوق اللسان] (صحیح مسلم:۴۳ ترقیم دارالسلام)

(۳) ابوزرعہ الرازی [وإذاحدث عن الثقات فهو ثقة] (الجرح والتعدیل ۴۳۵/۲)

(۴) یحییٰ بن معین [ثقة] (تاریخ عثمان الدارمی:۱۹۰)

(۵) العجلی [ثقة ما روی عن المعروفين] (تاریخ العجلی:۱۶۰)

(۶) مسلم [أخرج له فی صحیحه] (صحیح مسلم:۱۴۲۹/۱۰۱ فواد عبدالباقی)

(۷) یعقوب بن شیبہ [صدوق ثقة ماروی عن المعروفين]

(تاریخ بغداد ۱۲۶/۷)

(۸) الخطیب البغدادی [وكان صدوقًا] (تاریخ بغداد ۱۲۳/۷)

(۹) محمد بن سعد [وكان ثقة فی روايته عن الثقات] (الطبقات ۴۶۹/۷)

(۱۰) الترمذی [صحح له فی سننه] (سنن الترمذی:۱۶۳۵، ۱۶۶۳)

(۱۱) ابن عدی [إذا روی عن الشامين فهو ثبت] (الکامل ۲۷۶/۲)

(۱۲) ابن شاہین [ذكره فی الثقات] (الثقات:۱۳۹)

(۱۳) احمد بن حنبل [وإذا حدث بقية عن المعروفين مثل بحير بن سعد قبل]

(الضعفاء للعقیلی ۱۶۲/۱)

(۱۴) ابن حبان [فرأيته ثقة مأمونًا ولكنه كان مدلسًا) (المجروحین ۲۰۰/۱)

(۱۵) ابن حجر [صدوق كثير التدليس عن الضعفاء] (التقریب:۷۳۴)

(۱۶) الہیثمی [وهو ثقة مدلس] (مجمع الزوائد ۱۹۰/۱)

(۱۷) العراقی [قال فی حديث :وإسناده جيد]

(تخریج الاحیاء ۱۵۴/۲، الصحیحۃ:۱۶۹۱)

(۱۸) المنذری [وثقه] (الترغیب والترہیب ۱۲۵/۳ و الصحیحۃ:۳۵۳)

(۱۹) الحاکم [مأمون مقبول]

(المستدرک ۲۷۳/۱ ح ۱۰۰۸ نیز دیکھئے ۲۸۹/۱ ح ۱۰۶۴)

(۲۰) الذہبی [وقال فی حدیثه :علٰی شرط مسلم]

(تلخیص المستدرک ۲/۶۱۶)

(۲۱) البخاری [استشهد به فی صحیحه] (صحیح بخاری:۷۰۷)

(۲۲) ابواحمدالحاکم [ثقة فی حدیثه إذاحدث عن الثقات بما یعرف]

(تہذیب التہذیب ۱/۴۷۷ مصحجاً)

(۲۳) شعبہ [روی عنه] (شعبۃ لایروی إلاعن ثقۃ عندہ: تہذیب التہذیب ۱/۴،۵)

(۲۴) ابن خلفون [ذکره فی الثقات] (حاشیہ تہذیب الکمال ۱/۳۶۹)

(۲۵) الزیلعی [وکان صدوقًا] (نصب الرایہ ۱/۴۸)

(۲۶) الدارقطنی [ثقة] (کتاب الضعفاء والمتروکین:۶۳۰)

(۲۷) الجوزجانی [فإذا أخذت حدیثه عن الثقات فهو ثقة]

(احوال الرجال:۳۱۲)

(۲۸) یعقوب بن سفیان [فهو ثقة إلخ] (المعرفۃ والتاریخ ۲/۴۲۴ وتاریخ دمشق ۱۰/۲۷۰)

(-) علی بن المدینی [صالح فیما روی عن أهل الشام]

(تاریخ بغداد ۷/۱۲۵ وسندہ ضعیف)

(-) النسائی [إذا قال حدثنا وأخبر نا فهو ثقة]

(تہذیب التہذیب ۱/۴۷۵ وسندہ ضعیف)

(-) ابن الترکمانی!! [هو صدوق وقد صرح بالتحدیث] (الجوہر النقی ۱/۱۴۷)

نیز دیکھئے توضیح الکلام (۱/۳۱۷ - ۳۲۱)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ جمہور محدثین کے نزدیک بقیہ بن الولید ثقہ وصدوق ہیں۔ جب وہ ثقہ راویوں سے سماع کی تصریح کے ساتھ روایت بیان کریں تو ان کی روایت صحیح یا حسن ہوتی ہے۔ حافظ المنذری فرماتے ہیں:

"ثقة عند الجمهور لکنه مدلس" وہ جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں لیکن مدلس تھے۔

(الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۵۶۸)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''وثقه الجمهور فيما سمعه من الثقات'' جمہور نے انھیں ان روایات میں ثقہ قرار دیا ہے جو انھوں نے ثقہ راویوں سے سنی ہیں۔

(الکاشف ۱/۱۰۶، ۱۰۷، ت ۶۲۶)

جن علماء نے بقیہ پر جرح کی ہے وہ صرف اور صرف دو ہی باتوں پر مبنی ہے:

(۱) تدلیس (یعنی بقیہ کی عن والی اور غیر مصرح بالسماع روایات ضعیف ہیں)

(۲) مجہولین وضعفاء سے روایت (یعنی بقیہ کی وہ تمام روایتیں ضعیف ومردود ہیں جو اس نے مجہول اور ضعیف راویوں سے بیان کی ہیں)

میرے علم کے مطابق کسی جلیل القدر امام نے بقیہ کی مصرح بالسماع روایت پر کوئی جرح نہیں کی، بقیہ پر تمام جروح کا تعلق ان کی غیر مصرح بالسماع یا اہل حمص وغیرہ کی اوہام والی روایتوں اور ضعیف ومجہول راویوں کی روایات پر ہے۔

خلاصۃ التحقیق: بقیہ بن الولید صدوق مدلس، صحیح الحدیث یا حسن الحدیث راوی ہیں بشرطیکہ سماع کی تصریح کریں۔

تنبیہ(۱): بقیہ اگر بحیر بن سعد سے روایت کریں تو یہ روایت سماع پر محمول ہوتی ہے، چاہے بقیہ سماع کی تصریح کریں یا نہ کریں۔

دیکھئے تعلیقۃ علی العلل لابن ابی حاتم رتصنیف ابن عبدالہادی (ص ۱۲۴ ح ۳۵/ ۱۲۳)

تنبیہ(۲): بقیہ کی (محمد بن الولید) الزبیدی سے روایت صحیح مسلم میں موجود ہے۔

(۱۰۱/ ۱۴۲۹)

تنبیہ(۳): امام ابو احمد الحاکم (صاحب الکنیٰ) بقیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ثقة فی حديثه إذا حدث عن الثقات بما يعرف لكنه ربماروى عن أقوام مثل الأوزاعي والزبيدي وعبيد الله العمري أحاديث شبيهة بالموضوعة أخذها عن محمد بن عبدالرحمن ويوسف بن السفر وغيرهما من الضعفاء

ویسقطھم من الوسط ویرویھا عن من حدثوہ بھا عنھم"

جب وہ ثقہ راویوں سے معروف (یعنی مصرح بالسماع) روایتیں بیان کریں تو ثقہ ہیں کیونکہ بعض اوقات وہ لوگوں مثلاً اوزاعی، زبیدی اور عبیداللہ العمری سے موضوعات کے مشابہ وہ احادیث بیان کرتے ہیں جو انھوں نے محمد بن عبدالرحمٰن اور یوسف بن السفر وغیرہما ضعیف راویوں سے حاصل کی تھیں۔ وہ انھیں درمیان سے گرا کر ان سے حدیثیں بیان کرتے تھے جن سے انھوں نے اسے احادیث سنائی تھیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۷۷)

اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ بقیہ مدلس راوی ہیں لہٰذا اگر وہ سماع کی تصریح کر کے ثقہ راویوں سے حدیث بیان کریں تو اس میں وہ ثقہ ہیں اور اگر اوزاعی، زبیدی اور عبیداللہ بن عمر العمری سے بغیر تصریح سماع کے، تدلیس کرتے ہوئے عن والی روایات بیان کریں تو یہ روایتیں ضعیف، مردود اور موضوع ہوتی ہیں۔ اس جرح کا تعلق صرف تدلیس سے ہے جیسا کہ سیاق کلام سے ظاہر ہے۔ بعض الناس نے پندرہویں صدی ہجری میں اس جرح کو مطلق قرار دینے کی کوشش کی ہے جس کا باطل ہونا واضح ہے۔

تنبیہ (۴): بعض علماء کے نزدیک بقیہ تدلیس التسویہ کے الزام سے بری ہیں۔

دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (۴/۱۱۷) والضعیفۃ للشیخ الألبانی رحمہ اللہ (۱۲/۱۰۵۔۱۱۲ ح ۵۵۵۷) وعجالۃ الراغب المتمنی للشیخ سلیم الھلالی (۲/۶۷۸ ح ۷۶۳)

جدید محققین مثلاً شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے بقیہ کی مصرح بالسماع والی روایتوں کو حسن قرار دیا ہے۔ جناب عبدالرؤف بن عبدالمنان بن حکیم محمد اشرف سندھو صاحب ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اس کی سند بقیہ بن الولید کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔ حاکم، ذہبی اور بوصیری نے مصباح الزجاجہ (۴۶۶) میں اس کو صحیح کہا ہے''

(القول المقبول ص ۶۲۰ ح ۵۶۸) نیز دیکھئے القول المقبول (ص ۱۹۴ ح ۱۰۸)

اگر کوئی کہے کہ محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں بقیہ واقع ہیں اور یہ مدلس وضعیف ہیں

اور باوجود ضعیف ہونے کے اس جملہ کے ساتھ یہ متفرد ہیں ان کے سوا کوئی اور اس جملہ کو روایت نہیں کرتا ہے...'' (القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید ص ۱۷)

تو عرض ہے کہ یہ کلام تین وجہ سے مردود ہے:

اول: یہ جمہور محدثین کی تحقیق کے خلاف ہے۔

دوم: خود محدث مبارکپوری رحمہ اللہ نے بقیہ کا ذکر کیا ہے یا سنن الترمذی میں بقیہ کا ذکر آیا ہے مگر انھوں نے بذات خود اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

دیکھئے تحفۃ الاحوذی (ج ۱ ص ۹۷ ح ۹۴، ج ۳ ص ۵ ح ۱۶۳۵، ۳/ ۱۷ ح ۱۶۶۳، ۳/ ۳۷۷، ۳۷۸ ح ۲۶۷۶، ۴/ ۳۶ ح ۲۸۵۹، ۴/ ۵۶ ح ۲۹۲۱)

لہٰذا معلوم ہوا کہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی جرح ان کی کتاب تحفۃ الاحوذی کی رُو سے منسوخ ہے۔

سوم: مبارکپوری رحمہ اللہ کا قول ''اس جملے کے ساتھ یہ متفرد ہیں'' قطعاً غلط ہے کیونکہ ابن اخی الزہری نے بھی یہی جملہ بیان کر رکھا ہے۔

پاکستان کے مشہور محقق اور اہلِ حدیث کے نامور عالم مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے بقیہ بن الولید کا زبردست دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ اس بات کا قوی ثبوت ہے کہ جمہور کے نزدیک وہ ثقہ ہے جب سماع کی صراحت کرے تو قابل حجت ہے۔ بالخصوص جب کہ شامی شیوخ سے روایت کرے'' (توضیح الکلام ج ۱ ص ۳۱۹ باب: بقیہ بن الولید پر جرح کا جواب)

تنبیہ (۵): اگر کوئی یہ کہے کہ امام زہری کے دوسرے شاگرد یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان نہیں کرتے ہیں۔ تو عرض ہے کہ الزبیدی (ثقہ) اور ابن اخی الزہری (صدوق) کا یہ روایت بیان کرنا حجت ہونے کے لئے کافی ہے۔ اگر ایک ثقہ وصدوق، راوی ایک روایت سند و متن میں زیادت کے ساتھ بیان کرے، جب کہ دوسرے بہت سے ثقہ و صدوق راوی یہ زیادت بیان نہ کریں تو اسی زیادت کا اعتبار ہوتا ہے۔

(والزیادة من الثقة مقبولة)

مثال (۱): کفی بالمرء کذبًاأن یحدث بکل ماسمع ،والی حدیث کو (صرف)
ٔلی بن حفص المدائنی نے موصولاً بیان کیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۵/۵وترقیم دارالسلام: ۸، سنن ابی داود: ۴۹۹۲ تعلیقات الدارقطنی علی المجروحین لابن حبان ص ۴۱ والمعلق علیہ جاھل)

یادرہے کہ صحیح مسلم کے ایک نسخے کی سند میں تصحیف ہوگئی ہے جس کی وجہ سے شیخ البانی رحمہ اللہ کو بڑا وہم لگا ہے۔ دیکھئے الصحیحہ (۲۰۲۵) وصحیح مسلم (طبعہ ہندیہ ج ۱ص ۸، ۹)

مثال (۲): صحیح بخاری میں محمد بن عمرو بن حلحلہ عن محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنہ والی روایت میں صرف ایک رفع یدین کا ذکر ہے (البخاری: ۸۲۸) جبکہ سنن ابی داود (۷۳۰) وغیرہ میں عبدالحمید بن جعفر عن محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنہ والی روایت میں رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد اور دو رکعتیں پڑھ کر اُٹھتے وقت (کل چار مقامات پر) رفع یدین کا ثبوت ہے۔ یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ثقہ کی زیادت معتبر ومقبول ہے۔ بشرطیکہ ثقہ راویوں یا اوثق کے من کل الوجوہ (ہر وجہ سے) سراسر خلاف نہ ہو۔

متن کی بحث

ابن الترکمانی وبعض الناس نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس روایت میں عیدین کا طریقہ مذکور نہیں ہے بلکہ عام نماز کی طرح ہے۔

عرض ہے کہ اس روایت میں درج ذیل مقامات پر رفع یدین کی صراحت موجود ہے:

(۱) تکبیر تحریمہ
(۲) رکوع سے پہلے
(۳) رکوع کے بعد
(۴) ہر رکعت میں
(۵) رکوع سے پہلے ہر تکبیر میں (دیکھئے یہی مضمون، شروع)

حدیث صحیح کے الفاظ دوبارہ پیشِ خدمت ہیں:

"ویرفعهما فی کل رکعة وتکبیرة کبّرها قبل الرکوع حتی تنقضی صلاته" اور آپ (ﷺ) ہر رکعت میں اور رکوع سے پہلے ہر تکبیر میں رفع یدین کرتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی نماز پوری ہو جاتی۔ (مسند احمد ۲/۱۳۴)

اب سوال یہ ہے کہ عیدین کی تکبیرات رکوع سے پہلے ہوتی ہیں یا رکوع کے بعد ہوتی ہیں؟ اگر پہلے ہوتی ہیں تو ضرور بالضرور اس حدیث کے عموم میں شامل ہیں۔

امام بیہقی نے بقیہ بن الولید کی حدیث کو تکبیرات عید اور "باب السنة فی رفع الیدین کلما کبر للرکوع" دونوں جگہ ذکر کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ۳/۲۹۲، ۲/۸۳)

معلوم ہوا کہ امام بیہقی کے نزدیک اس حدیث سے رفع یدین عند الرکوع اور رفع یدین فی العیدین دونوں جگہوں پر ثابت ہے۔ والحمدللہ

ایک اہم بات

ہم بحمد اللہ اہلِ حدیث یعنی سلفی اہلِ حدیث ہیں۔ قرآن وحدیث واجماع کو حجت سمجھتے ہیں۔ قرآن وحدیث کا وہی مفہوم معتبر سمجھتے ہیں جو سلف صالحین سے ثابت ہے۔ آثار سلف صالحین سے استدلال اور اجتہاد کو جائز سمجھتے ہیں۔

حدیث مذکور سے درج ذیل سلف صالحین نے تکبیرات عیدین پر استدلال کیا ہے:

(۱) امام بیہقی رحمہ اللہ (السنن الکبری ۳/۲۹۲، ۲۹۳ باب رفع الیدین فی تکبیر العید)

(۲) امام محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری (التلخیص الحبیر ۲/۸۶ ح ۶۹۲)

سلف صالحین میں سے کسی نے بھی اس استدلال کا رد نہیں کیا لہٰذا محدث مبارکپوری اور محدث البانی رحمہما اللہ کا نظریہ، سلف صالحین کے استدلال کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

مولوی محمد افضل اثری (صاحب مکتبۃ السنۃ کراچی) لکھتے ہیں:

''جیسا کہ امام بیہقی اور امام (ابن) منذر کا استدلال ذکر کرنے کے بعد شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانی ''تلخیص الحبیر 145 بحوالہ المرعاۃ 341/2'' لکھتے ہیں:

والأولى عندي ترك الرفع لعدم ورود نص صريح في ذلك، ولعدم ثبوته صريحاً بحديث مرفوع صحيح۔ یعنی میرے نزدیک اولی یہ ہے کہ رفع یدین در زوائد تکبیرات نہ کیا جائے کیونکہ اس سلسلہ میں صریح قسم کی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی صراحتاً مرفوع صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے۔ یہی بات علامہ شمس الحق عظیم آبادی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہم اللہ تعالیٰ، علامہ البانی حفظہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی صریح حدیث ثابت ووارد نہیں ہے'' (ضمیمہ ہدیۃ المسلمین ص ۹۷ طبعہ غیر شرعیہ)

اس بیان میں محمد افضل اثری صاحب نے غلط بیانی کرتے ہوئے حافظ ابن حجر العسقلانی کی طرف وہ قول منسوب کر دیا ہے جس سے حافظ ابن حجر بالکل بری ہیں۔ دیکھئے التلخیص الحبیر (ج ۲ ص ۸۶ ح ۶۹۲)

اس صریح غلط بیانی کا دوسرا نام کذب و افتراء ہے۔ صاحب مرعاۃ المفاتیح (الشیخ عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ) کے قول کو حافظ ابن حجر کا قول بنا دینا اگر کذب و افتراء نہیں تو پھر کیا ہے؟

یاد رہے کہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبیداللہ مبارکپوری اور شیخ البانی رحمہم اللہ کے اقوال و ''تحقیقات'' در تکبیراتِ عیدین، امام عطاء بن ابی رباح، امام اوزاعی، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ سلف صالحین کے مقابلے میں اور مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

خلاصۃ التحقیق: اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن اخی الزہری اور بقیہ والی روایت صحیح ہے۔ اور اس سے تکبیرات عیدین میں رفع یدین پر استدلال بالکل صحیح ہے۔ والحمد للہ

سلف صالحین کے آثار

اب تکبیرات عیدین میں رفع یدین کی مشروعیت پر سلف صالحین کے آثار پیشِ خدمت ہیں:

(۱) امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی الشامی رحمہ اللہ = ولید بن مسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ''**قلت للأوزاعي: فأرفع يدي كر فعي في تكبيرة الصلوة ؟قال: نعم ، ارفع يديك مع كلهن**'' میں نے اوزاعی سے کہا: کیا میں (عیدمیں) رفع یدین کروں، جیسے میں نماز میں رفع یدین کرتا ہوں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں تمام تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرو۔ (احکام العیدین للفریابی:۱۳۶ و إسنادہ صحیح)

(۲) امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ = ولید بن مسلم سے روایت ہے:

''**سألت مالك بن أنس عن ذلك فقال: نعم ،ارفع يديك مع كل تكبيرة ولم أسمع فيه شيئاً**'' میں نے مالک بن انس سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں، ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرو، اور میں نے اس میں کچھ بھی نہیں سنا۔

(احکام العیدین:۱۳۷، و إسنادہ صحیح)

تنبیہ(۱): امام مالک کا ''**ولم أسمع فيه شيئاً**'' دو باتوں پر ہی محمول ہے۔

اول: میں نے اس عمل کے بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔

دوم: میں نے اس عمل کے مخالف کوئی حدیث نہیں سنی۔

اول الذکر کے بارے میں عرض ہے کہ اگر امام مالک نے بقیہ بن الولید اور ابن اخی الزہری کی حدیث اور عطاء بن ابی رباح تابعی کا اثر نہیں سنا تو یہ بات ان دلائل کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

تنبیہ (۲): مجموع شرح المہذب للنووی (۲۶/۵) الاوسط لابن المنذر (۲۸۲/۴) اور غیر مستند کتاب المدونہ (۱۶۹/۱) وغیرہ میں اس اثر کے خلاف جو کچھ مروی ہے وہ بے سند و بے اصل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۳) امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ۔ دیکھئے کتاب الام (ج۱ ص ۲۳۷)

(۴) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔ دیکھئے مسائل الامام احمد، روایۃ ابی داود (ص ۶۰)
(۵) امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ۔ دیکھئے تاریخ ابن معین (روایۃ الدوری: ۲۲۸۴)

معلوم ہوا کہ مکہ، مدینہ اور شام وغیرہ میں سلف صالحین تکبیرات عیدین میں رفع یدین کے قائل وفاعل تھے۔ ان کے مقابلے میں محمد بن الحسن الشیبانی (مجروح عندالجمہور۔ نیز دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی ۴/۵۲ وسندہ صحیح ،الحدیث حضرو: ۷ص ۱۷) سے تکبیرات عیدین میں رفع یدین کی مخالفت مروی ہے۔
دیکھئے کتاب الاصل (۱/۳۷۴، ۳۷۵) والاوسط لابن المنذر (۴/۲۸۲)
سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے کہ وہ تکبیرات مذکورہ میں رفع یدین کے قائل نہیں تھے۔ (مجموع ۵/۲۶ والاوسط ۴/۲۸۲)
یہ قول بلا سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

بعض حنفیوں نے بغیر کسی سند متصل کے ابو یوسف قاضی سے تکبیراتِ عید میں رفع یدین نہ کرنا نقل کیا ہے۔ یہ نقل دو وجہ سے مردود ہے۔
(۱) بے سند ہے۔
(۲) قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم کے بارے میں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ''ألا تعجبون من یعقوب ،یقول علي مالا أقول '' کیا تم لوگ یعقوب (ابو یوسف) پر تعجب نہیں کرتے ، وہ میرے بارے میں ایسی باتیں کہتا ہے جو میں نہیں کہتا۔
(التاریخ الصغیر للبخاری ج ۲ص ۲۱۰ وفیات: عشر إلی تسعین ومائۃ ،و إسنادہ حسن ولہ شواہد 'فالخبر صحیح'' انظر تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء ص ۱۲۲ ت ۴۲۵)
معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اپنے شاگرد قاضی ابو یوسف کو کذاب سمجھتے تھے۔

تنبیہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ عطاء بن ابی رباح المکی رحمہ اللہ زوائد تکبیراتِ عید میں رفع یدین کے قائل تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۳/۲۹۷ ح ۵۶۹۹) اس روایت کے مرکزی راوی عبدالرزاق بن ہمام مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے۔ سفیان ثوری مدلس نے

عبدالرزاق کی متابعت کر رکھی ہے۔ (دیکھئے السنن الکبری للبیہقی ۲۹۳/۳)

یہ روایت ان دونوں سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

اختتام بحث: تکبیرات عیدین میں رفع یدین کرنا بالکل صحیح عمل ہے۔ محدث مبارکپوری، شیخ البانی رحمہما اللہ اور بعض الناس کا اس عمل کی مخالفت کرنا غلط اور مردود ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۷/صفر ۱۴۲۶ھ)

نماز کے بعض اختلافی مسائل

نماز کا پورا طریقہ، احادیثِ صحیحہ ومقبولہ سے بیان کرنے کے بعد ☆ اب ایک اختلافی مسئلہ پیشِ خدمت ہیں جس میں فقہاءِ کرام کا اختلاف ہے، اس مسئلے میں فریقین کے دلائل کا غیر جانب دارانہ جائزہ ۔ قرآن، حدیث، اجماع، اصولِ حدیث، اسماء الرجال اور اصول فقہ کی روشنی میں لکھا گیا ہے، اللہ تعالیٰ حق لکھنے پڑھنے، سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

رفع الیدین قبل الرکوع وبعدہ

تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کے سنت و (بلحاظِ لغت) مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔
رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والا رفع یدین درج ذیل احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے:

۱: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ جب نماز میں (تکبیر تحریمہ کے لئے) کھڑے ہوئے تو رفع یدین کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو گئے۔ آپ رکوع کے لئے تکبیر کہتے وقت ایسا ہی کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو ایسا ہی کرتے تھے اور فرماتے: سمع اللہ لمن حمدہ، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدوں میں (رفع یدین) نہیں کرتے تھے۔ (۱)

....

☆ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱ص ۶ ۔ ۱۹

(۱) صحیح البخاری: ۷۳۶ ولفظہ " رأیت رسول اللہ ﷺ إذا قام فی الصلوۃ رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه ، و کان یفعل ذلك حین یکبر للرکوع و یفعل ذلك إذا رفع رأسه من الرکوع و یقول: سمع اللہ لمن حمدہ ، ولا یفعل ذلك فی السجود "(صحیح مسلم: ۳۹۰ وترقیم دارالسلام: ۸۶۱ ۔ ۸۶۳)

۲: ابو قلابہ (مشہور تابعی) رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے (سیدنا) مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا: وہ جب نماز پڑھتے تکبیر (اللہ اکبر) کہتے تو پھر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور حدیث بیان کرتے تھے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ (۱)

۳: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ جب نماز میں داخل ہوئے تکبیر کہی اور (کانوں تک) رفع یدین کیا پھر اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور کپڑا لپیٹ لیا۔ پھر جب رکوع کا ارادہ کیا تو کپڑے سے ہاتھ باہر نکال کر رفع یدین کیا پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا۔ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہا (اور) رفع یدین کیا، پھر جب سجدہ کیا تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا۔ (۲)

۴: ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد اور دو رکعتوں سے اٹھ کر رفع یدین کرتے تھے۔ دوسرے صحابہ کرام نے اس حدیث کی تصدیق فرمائی، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۳)

نیز درج ذیل صحابہ کرام سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے:

۵: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۴)   ۶: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۵)

....

(۱) مسلم: ۳۹۱/۲۴ ولفظہ "أنه رأى مالك بن الحويرث إذا صلى كبر ثم رفع يديه وإذا أراد أن يركع رفع يديه وإذا رفع رأسه من الركوع رفع يديه وحدث أن رسول الله ﷺ كان يفعل هكذا" والبخاری: ۷۳۷

(۲) مسلم: ۴۰۱/۵۴   (۳) ابوداود: ۷۳۰ وسندہ صحیح،

(۴) جزء رفع الیدین للبخاری بتحقیقی: (۱) وسندہ حسن، ابوداود: ۷۴۴، ۷۶۱، الترمذی: ۳۴۲۳ وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح" ابن ماجہ: ۸۶۴ وصححہ ابن خزیمہ: ۵۸۴، واحمد بن حنبل (نصب الرایہ ۱/۴۱۲) اس کے راوی عبدالرحمٰن بن ابی الزناد: حسن الحدیث ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۸/۱۶۸، ۱۷۰)

(۵) ابن خزیمہ: ۶۹۴، ۶۹۵ وسندہ حسن

۷: ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ [۱] ۸: ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ [۲]

۹: جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ [۳] ۱۰: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ [۴]

معلوم ہوا کہ رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع یدین والی روایت متواتر ہے۔ نیز دیکھئے نظم المتناثر فی الحدیث المتواتر (ص ۳۱، ۳۲) اور میری تصنیف کردہ کتاب: نور العینین فی (اثبات) مسئلہ رفع الیدین (طبع اول ص ۸۹، ۹۰، طبع دسمبر ۲۰۰۷ء ص ۱۲۲، ۱۲۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد درج ذیل صحابہ کرام رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین پر (بغیر کسی انکار کے) عمل پیرا تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

۱: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ [۵] ۲: مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ [۶]

۳: ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ [۷] ۴: ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ [۸]

۵: عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما [۹] ۶: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما [۱۰]

۷: انس بن مالک رضی اللہ عنہ [۱۱] ۸: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ [۱۲]

---

(۱) الدارقطنی (۲۹۲/۱ ح ۱۱۱۱) وسندہ صحیح (۲) البیہقی فی السنن الکبریٰ ۷۳/۲ وقال: "رواتہ ثقات" وسندہ صحیح تفصیل کے لئے دیکھئے نور العینین (طبع اول ص ۸۷، ۸۸)

(۳) مسند السراج (قلمی ص ۵۲ ومطبوع: ح ۹۲، وسندہ حسن) ابن ماجہ (۸۶۸) ابوالزبیر المکی نے سماع کی تصریح کر دی ہے اور ابوحذیفہ حسن الحدیث راوی تھے۔

(۴) ابوداود: ۷۳۰ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے یہی صفحہ، فقرہ: ۴، حاشیہ: ۱

(۵) البخاری: ۷۳۹ وسندہ صحیح، وأخطأ من أعله وقال البغوي: هذا الحديث صحيح (شرح السنۃ ۲۱/۳)

(۶) البخاری: ۷۳۸ ومسلم: ۳۹۱ (۷) الدارقطنی ۲۹۲/۱ ح ۱۱۱۱ وسندہ صحیح

(۸) البیہقی ۷۳/۲ وسندہ صحیح (۹) البیہقی ۷۳/۲ وقال: "رواتہ ثقات" وسندہ صحیح

(۱۰) عبدالرزاق فی المصنف (۶۹/۲ ح ۲۵۲۳) ابن ابی شیبہ (۲۳۵/۱) وسندہ حسن

(۱۱) جزء رفع یدین: ۲۰ وسندہ صحیح (۱۲) مسند السراج (قلمی ص ۲۵) وسندہ حسن

۹: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۱)　　۱۰: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (۲)

مشہور تابعی، امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) شروع نماز میں، رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (۳)

صحابۂ کرام کے ان آثار کے مقابلے میں کسی صحابی سے باسند صحیح و حسن: ترکِ رفع الیدین قبل الرکوع وبعدہ ثابت نہیں ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی ایک صحابی سے بھی رفع یدین کا نہ کرنا ثابت نہیں ہے'' (۴)

لہٰذا معلوم ہوا کہ رفع یدین کے عمل پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

اگر رفع یدین متروک یا منسوخ ہوتا تو صحابہ کرام بالاتفاق اس پر عمل نہ کرتے، ان کا اتفاق و اجماع یہ ثابت کر رہا ہے کہ ترکِ رفع یدین یا منسوخیت کا دعویٰ، سرے سے ہی باطل ہے۔

مخالفین رفع یدین کے شبہات کا مدلل رد آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نماز میں آدمی جو (مسنون) اشارہ کرتا ہے تو اسے ہر اشارے کے بدلے (ہر انگلی پر) ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے۔ (۵)

....

(۱) جزء رفع الیدین: ۲۲ وسندہ صحیح　(۲) الخلافیات للبیہقی بحوالہ شرح الترمذی لابن سید الناس (قلمی ج ۲ ص ۲۱۷) وسندہ حسن۔ دیکھئے نور العینین (طبع دوم ص ۱۹۴۔۲۰۳) (۳) البیہقی فی السنن الکبریٰ ۲/ ۷۵ وسندہ صحیح (۴) جزء رفع الیدین: ۷۷ والمجموع شرح المہذب للنووی ۳/ ۴۰۵ (۵) الطبرانی فی المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۹۷ ح ۸۱۹ وسندہ حسن یہ اثر حکماً مرفوع ہے اور مرفوعاً بھی مروی ہے دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ ج ۷ ص ۸۴۸ ح ۳۲۸۶، عموم قرآن (سورۃ الانعام: ۱۶۱) بھی اس کا مؤید ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ، محدث فقیہ مشہور نے اس اثر سے یہ ثابت کیا ہے کہ رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین پر، ہر اشارے کے بعد دس نیکیاں ملتی ہیں۔ دیکھئے معرفۃ السنن والآثار للبیہقی، قلمی ج ۱ ص ۲۲۵ وسندہ صحیح، امام اہلِ سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اس اثر سے ''رفع الیدین فی الصلوۃ'' پر استدلال کرتے تھے۔ دیکھئے مسائل احمد روایۃ عبداللہ بن احمد ۱/ ۲۴۳ والتلخیص الحبیر ۱/ ۲۲۰

مخالفین رفع یدین کے شبہات کا مدلل رد

اب مخالفین رفع یدین، تارکین اور مدعیان نسخ کے شبہات کا مختصر اور جامع جائزہ پیشِ خدمت ہے:

ا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

کیا میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر انھوں نے نماز پڑھی اور رفع یدین نہیں کیا مگر صرف پہلی دفعہ [1]

اس روایت کی سند میں ایک راوی امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ ہیں جو کہ مدلس ہیں اور روایت عن سے کر رہے ہیں لہٰذا اصولِ حدیث کی رُو سے یہ سند ضعیف ہے۔

سفیان الثوری کے شاگرد ابو عاصم (الضحاک بن مخلد النبیل) المرتدہ والی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "نری أن سفیان الثوري إنما دلسه عن أبی حنیفة" ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سفیان ثوری نے اس روایت میں ابوحنیفہ سے تدلیس کی ہے۔

(سنن الدارقطنی ۳/۲۰۱ ح ۳۴۲۳ وسندہ صحیح)

حافظ ابن حبان البستی فرماتے ہیں: "وأما المدلسون الذین هم ثقات و عدول فإنا لا نحتج بأخبارهم إلا ما بینوا السماع فیما رووا مثل الثوري و الأعمش و أبي إسحاق و أضرابهم.."

اور مدلس جو ثقہ و عادل ہیں جیسے (سفیان) ثوری، اعمش اور ابواسحاق (السبیعی) وغیرہم

....

(۱) ابوداود: ۷۴۸ من طریق سفیان (الثوري) عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبد اللہ بن مسعود به وقال: "هذا حدیث مختصر من حدیث طویل و لیس هو بصحیح علی هذا اللفظ" الترمذی: ۲۵۷ وقال: "حدیث حسن" النسائی: ۱۰۲۷، ۱۰۵۹، یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔

تو ہم ان کی (بیان کردہ) احادیث سے حجت نہیں پکڑتے الا یہ کہ انھوں نے سماع کی تصریح کی ہو۔ (الاحسان، طبع مؤسسۃ الرسالۃ ۱۶۱/۱ قبل ح۱)

قسطلانی، عینی اور کرمانی فرماتے ہیں:

سفیان (ثوری) مدلس ہیں اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی الا یہ کہ دوسری سند سے (اس روایت میں) سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، للقسطلانی ج۱ ص۲۸۶، عمدۃ القاری للعینی ج۳ ص۱۱۲، شرح الکرمانی ج۳ ص۶۲)

ابن الترکمانی الحنفی نے کہا: "**الثوري مدلس و قد عنعن**" (الجوہر النقی ج۸ ص۲۶۲)

تفصیل کے لئے دیکھئے میرا رسالہ "**التأسیس فی مسألة التدلیس**" (ص۲۰-۳۲)

تنبیہ اول: سفیان ثوری کی اس معنعن والی روایت کی نہ کوئی متابعت ثابت ہے اور نہ کوئی شاہد، العلل للدارقطنی میں متابعت والا حوالہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تنبیہ ثانی: امام ابن المبارک، الشافعی، ابو داود، دارقطنی وغیرہ جمہور محدثین نے اس روایت کو غیر ثابت اور ضعیف قرار دیا ہے۔

۲: یزید بن ابی زیاد الکوفی نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (ثقہ تابعی) سے روایت کی ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کانوں تک رفع یدین کرتے تھے (اور) پھر دوبارہ (رفع یدین) نہیں کرتے تھے۔ (۱)

یہ روایت یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یزید کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے نور العینین (طبع اول ص۱۰۸، ۱۰۹ و طبع ثانی ص۱۳۵، ۱۳۶)

یزید بن ابی زیاد کی متابعت میں ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔

(ابوداود: ۷۵۲ وقال: ھذا الحدیث لیس بصحیح)

اس روایت میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

---

(۱) ابوداود: ۷۴۹ وسندہ ضعیف

دیکھئے فیض الباری لانور شاہ الکشمیری الدیوبندی (ج ۳ ص ۱۶۸)

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے یہ روایت یزید بن ابی زیاد سے لی ہے۔ (کتاب العلل لاحمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۴۳ رقم ۶۹۳ ومعرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۱ ص ۲۱۹ مخطوط) لہٰذا یہ متابعت مردود ہے۔

۳: باطل سند کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ وہ شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ (۱)

اس کا راوی محمد بن جابر جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۱)

نیز دیکھئے نور العینین (طبع اول ص ۱۱۷ طبع دوم ص ۱۴۳) امام احمد بن حنبل نے محمد بن جابر کی اس روایت کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث منکر ہے (۲)

حاکم نیسابوری نے کہا: هذا إسناد ضعيف (۳)

اس روایت میں دوسری علت یہ ہے کہ حماد بن ابی سلیمان مختلط ہیں۔ (۴)

۴: بعض لوگ حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کی تحقیق سے شائع شدہ مسند حمیدی سے ایک روایت " فلا يرفع " (ح ۶۱۴) پیش کرتے ہیں حالانکہ مسند حمیدی کے دو قدیم نسخوں اور حسین سلیم اسد الدارانی (الشامی) کی تحقیق سے شائع شدہ مسند حمیدی (۵) میں " فلا يرفع " کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ رفع یدین کا اثبات ہے۔

---

(۱) الدارقطنی ۱/۲۹۵ ح ۱۱۲۰، وقال: " تفرد به محمد بن جابر و كان ضعيفًا "

(۲) کتاب العلل ج ۱ ص ۱۴۴ رقم ۷۰۱

(۳) معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۱ ص ۲۲۰

(۴) دیکھئے مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۹، ۱۲۰ وقال: " ولا يقبل من حديث حماد بن أبي سليمان إلاما رواه عنه القدماء: شعبة و سفيان الثوري و الدستوائي و من عدا هؤلاء رووا عنه بعد الاختلاط "

(۵) مطبوعہ دار السقا، دمشق، داریا، ج ۱ ص ۵۱۵ ح ۶۲۶

حسین الدارانی کے نسخے میں حدیثِ مذکور کی سند و متن درج ذیل ہے:

”٦٢٦۔ حدثنا الحميدی قال: حدثنا سفيان قال: حدثنا الزهري قال: أخبرني سالم بن عبد الله عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه و إذا أراد أن يركع و بعد ما يرفع رأسه من الركوع و لا يرفع بين السجدتين“

ابونعیم الاصبہانی نے المستخرج علی صحیح مسلم میں یہ روایت حمیدی کی سند سے اسی سند و متن کے ساتھ نقل کی ہے۔[1]

۵: بعض لوگ مسند ابی عوانہ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جس میں ”لا یرفعھما“ سے پہلے ”و“ گر گئی ہے حالانکہ مسند ابی عوانہ کے دو قلمی نسخوں میں یہ ”و“ موجود ہے جس سے رفع یدین کا اثبات ہوتا ہے نفی نہیں ہوتی۔[2]

۶: بعض لوگ ایسی روایات پیش کرتے ہیں جن میں ترکِ رفع یدین کا ذکر نہیں ہوتا مثلاً المدونۃ الکبریٰ ☆ (ج ۱ ص ۷۱) کی روایت، وغیرہ، حالانکہ ایک روایت میں ذکر موجود ہونے کے بعد دوسری روایت میں عدمِ ذکر سے نفی ذکر لازم نہیں آتا۔[3]

۷: بعض لوگ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا ہے کہ میں تمہیں ہاتھ اٹھاتے ہوئے اس طرح دیکھتا ہوں جیسے شریر گھوڑوں کی دُمیں ہوتی ہیں۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔[4]

....

(۱) ج ۲ ص ۱۲ ح ۸۵۶

(۲) دیکھئے نور العینین طبع دوم ص ۲۶۹، ۲۷۱

☆ المدونۃ الکبریٰ ایک غیر مستند کتاب ہے۔ دیکھئے: القول المتین (ص ۷۲)

(۳) نیز دیکھئے الجوہر النقی لابن الترکمانی الحنفی ج ۲ ص ۷۱، الدرایہ مع الہدایہ ج ۱ ص ۷۷۱

(۴) مسلم: ۴۳۰ و ترقیم دارالسلام: ۹۶۸

یہ روایت مسند احمد (ج۵ص۹۳ ح۲۱۱۶۶) میں "وھم قعود" (اور بیٹھے ہوتے تھے) کے الفاظ کے ساتھ مختصراً موجود ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت قیام والے رفع یدین کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس میں قعدے (بیٹھنے، تشہد) والی حالت میں ہاتھ اٹھانے سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ شیعہ "حضرات" کرتے ہیں۔ جس کا مشاہدہ آج کل بھی کیا جا سکتا ہے۔

شیعہ کے رد والی حدیث کو اہلِ سنت کے رفع یدین کے خلاف پیش کرنا ظلمِ عظیم ہے۔

اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کرنے والے کو "لایعلم" (یعنی بے علم) قرار دیا ہے۔ (۱)

علامہ امام نووی اس استدلال کو بدترین جہالت کہتے ہیں۔ (۲)

محمود حسن دیوبندی "اسیر مالٹا" فرماتے ہیں کہ "باقی اذناب الخیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں، کیونکہ وہ سلام کے بارہ میں ہے صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم بوقتِ سلام نماز میں اشارہ بالید بھی کرتے تھے آپ ﷺ نے اس کو منع فرمادیا" (۳)

محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ "لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے" (۴)

معلوم ہوا کہ رفع یدین قبل الرکوع وبعدہ کے خلاف ایک روایت بھی ثابت نہیں ہے۔

تفصیل کے لئے امام بخاری کی کتاب "جزء رفع الیدین" بتحقیقی اور میری کتاب "نور العینین (۵) کا مطالعہ فرمائیں۔

....

(۱) جزء رفع الیدین بتحقیقی: ۳۷

(۲) المجموع شرح المہذب ج۳ص۴۰۳

(۳) الورد الشذی علی جامع الترمذی ص ۶۳، تقاریر شیخ الھند ص ۶۵

(۴) درس ترمذی ج۲ص ۳۶

(۵) طبع: مکتبہ اسلامیہ، بیرون امین پور بازار، بالمقابل شیل پٹرول پمپ فیصل آباد شہر، پاکستان

سفر میں دونمازیں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے ہر مکلّف انسان (وجن) پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں جیسا کہ مشہور ومتواتر احادیث اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: ((**إنك تقدم علٰی قوم من أهل الکتاب فلیکن أوّل ما تدعوهم إلٰی أن یوحّدوا اللّٰه تعالٰی، فإذا عرفوا ذلك فأخبرهم أن اللّٰه فرض علیهم خمس صلواتٍ في یومهم ولیلتهم ....**))

تم اہلِ کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو لہٰذا سب سے پہلے انھیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینا، جب وہ اسے سمجھ لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے اُن پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ (صحیح بخاری: ۷۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۹)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ بے شک نماز مومنوں پر اپنے مقررہ وقت پر فرض کی گئی ہے۔ (النساء: ۱۰۳)

اس عام حکم سے وہ نمازیں مستثنیٰ ہیں جن کا جمع کرنا یعنی ایک نماز کا دوسری نماز کے ساتھ اکٹھا کر کے پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً:

عرفات میں ظہر وعصر کی نمازیں جمع کرنا، مزدلفہ میں مغرب وعشاء کا جمع کرنا اور سفر میں دو نمازیں جمع کرنا۔ وغیرہ

اس مختصر اور جامع مضمون میں ان احادیث وآثار کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے جن سے سفر میں دونمازیں جمع کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

۱۔ سفر میں مطلق جمع بین الصلوٰتین کا ثبوت

① نافع سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کو جب

سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے۔

(موطأ امام مالک ۱/۱۴۴ ح ۳۲۷ وسندہ صحیح، روایۃ عبدالرحمٰن بن القاسم بتحقیقی: ۱۹۹، صحیح مسلم: ۴۲/۷۰۳)

اس مفہوم کی روایت سالم بن عبداللہ بن عمر عن ابیہ کی سند کے ساتھ بھی موجود ہے۔

(دیکھئے صحیح بخاری: ۱۱۰۶، صحیح مسلم: ۴۵/۷۰۳)

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے تو ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۱۱۰۷، صحیح مسلم: ۵۱/۷۰۵، ترقیم دارالسلام: ۱۶۳۰)

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سفر میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۱۰۸، صحیح مسلم: ۷۰۴، دارالسلام: ۱۶۲۵)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ جب سورج کے زوال سے پہلے سفر (شروع) کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کر کے دونوں نمازوں کو جمع کرتے تھے اور اگر آپ کے سفر سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر کی نماز پڑھ کر سوار ہو جاتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۱۱۱، صحیح مسلم: ۷۰۴)

④ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔

راوی نے اپنے استاذ سے پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: آپ کا ارادہ تھا کہ آپ کی اُمت کو حرج (تکلیف) نہ ہو۔

(صحیح مسلم: ۵۳/۷۰۶، دارالسلام: ۱۶۳۲، وسندہ صحیح)

⑤ عمر بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) جب سورج غروب ہونے اور اندھیرا چھا جانے کے وقت سفر کرتے تو (سواری سے) اتر کر مغرب کی نماز پڑھتے پھر شام کا کھانا کھاتے پھر عشاء کی نماز پڑھتے۔ اس کے بعد سفر کرتے اور فرماتے: رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

(سنن ابی داود: ۱۲۳۴، وسندہ صحیح، زوائد المسند ۱/۱۳۶ ح ۱۱۴۳)

⑥ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سفر میں ظہر مؤخر کر کے اور عصر جلدی پڑھتے تھے اور مغرب مؤخر کر کے اور عشاء جلدی پڑھتے تھے۔

(مسند احمد ۶/۱۳۵ ح ۲۵۰۳۹ وسندہ حسن، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۷ ح ۸۲۲۸، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۶۴، مغیرہ بن زیاد جمہور کے نزدیک موثق اور قولِ راجح میں حسن الحدیث ہیں۔)

۲۔ آثارِ صحابہ وتابعین

① جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو سفر میں جلدی ہوتی تو شفق غائب ہونے کے بعد مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۴۴/۷۰۳)

آپ کو جب (سفر میں) جلدی ہوتی تو مغرب کی تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے، پھر تھوڑی دیر کے بعد عشاء کی اقامت ہوتی تو دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے تھے۔ ان دو نمازوں کے درمیان اور عشاء کے بعد درمیانی شب تک کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۱۱۰۹)

نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) جب سفر کرتے تو ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے، ایک کو مؤخر کرتے اور دوسری کو معجّل (جلدی) کر کے پڑھ لیتے تھے۔ (الاوسط لابن المنذر ۲/۴۲۸ ث ۱۱۵۴، وسندہ صحیح)

② ابو عثمان عبدالرحمٰن بن مل النہدی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں اور (سیدنا) سعد بن مالک (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) اکٹھے جا رہے تھے، ہمیں حج کی جلدی تھی لہٰذا ہم ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر رہے تھے۔ ایک کو مقدم اور دوسری کو مؤخر کر دیتے تھے۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۶۶، وسندہ حسن)

③ عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں حج میں (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، آپ ظہر مؤخر کر کے اور عصر جلدی پڑھتے تھے، مغرب مؤخر کر کے اور عشاء جلدی پڑھتے تھے اور صبح کی نماز روشنی میں پڑھتے تھے۔

(شرح معانی الآثار ۱/۱۶۶، وسندہ حسن)

تنبیہ: مرفوع احادیث اور جمہور آثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھنی چاہئے اور یہی افضل ہے۔

④ سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سفر میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۷ ح ۸۲۳۵ وسندہ صحیح)

⑤ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور منزل سے دور ہو اور جلدی بھی ہو تو (دو نمازیں) جمع کر کے سفر شروع کرو۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۶۴، وسندہ صحیح، الاوسط لابن المنذر ۲/۴۲۳)

⑥ ابوالشعثاء جابر بن زید رحمہ اللہ سفر میں دو نمازیں جمع کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۷ ح ۸۲۳۷ وسندہ حسن)

⑦ عطاء بن ابی رباح کے نزدیک سفر میں ظہر اور مغرب کی نمازوں میں تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۸ ح ۸۲۴۲ وسندہ صحیح)

⑧ امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ سے سفر میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے..... (الموطأ ۱/۱۴۵ ح ۳۳۰ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۶۵)

⑨ زید بن اسلم، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، محمد بن المنکدر اور ابوالزناد رحمہم اللہ ظہر وعصر کی نمازیں (سفر میں) جمع کر لیتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۶۵، ۱۶۶، وسندہ حسن)

⑩ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جب جلدی ہوتی تو سفر میں دو نمازیں جمع کر لیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۸ ح ۸۲۴۱ وسندہ حسن)

روایتِ مذکورہ میں سعید بن ایاس الجریری کے شاگرد ابواسامہ حماد بن اسامہ کا ان سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ان کی روایت سے پتا چلتا ہے۔

دیکھئے الکواکب النیرات (ص ۱۸۶، ۱۸۵)

روایاتِ مذکورہ اور آثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت ہوا کہ سفر میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھنا

جائز ہے۔

۳۔ جمع تاخیر

جمع تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ نمازِ ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت میں پڑھا جائے اور اس کے فوراً بعد یا کچھ دیر بعد عصر کی نماز پڑھی جائے۔

① سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کر دیتے، پھر دونوں نمازیں جمع کر لیتے تھے.... الخ

(صحیح بخاری:۱۱۱۱، صحیح مسلم:۷۰۴)

② سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سفر میں شفق غائب ہونے سے ایک گھڑی بعد مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۶۰/۳، وسندہ صحیح)

شفق غائب ہونے کے بعد ستارے اچھی طرح نظر آنے لگے تھے۔

دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۶۰/۳، ۱۶۱، وسندہ صحیح، سنن ابی داود: ۱۲۱۷)

معلوم ہوا کہ جمع تاخیر جائز ہے۔

۴۔ جمع تقدیم

① امام قتیبہ بن سعید الثقفی بیان کرتے ہیں: ''حدثنا لیث عن یزید بن أبي حبیب عن أبی الطفیل عامر بن واثلة عن معاذ أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم کان في غزوة تبوك إذا ارتحل قبل زیغ الشمس أخّر الظهر حتی یجمعها إلی العصر یصلیها جمیعًا، و إذا ارتحل بعد زیغ الشمس صلّی الظهر و العصر جمیعًا ثم سار ...''

ہمیں لیث (بن سعد) نے حدیث بیان کی وہ یزید بن ابی حبیب سے وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ (رضی اللہ عنہ) سے وہ معاذ (بن جبل رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں زوالِ شمس سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ دونوں نمازیں جمع کرتے تھے اور اگر زوالِ شمس کے بعد سفر کرتے تو ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے سفر شروع

کردیتے تھے.... (مسند احمد ۲۴۱/۵، ۲۴۲ ح ۲۲۰۹۴ وسندہ صحیح، سنن ابی داود: ۱۲۲۰)

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں اور کوئی علتِ قادحہ موجود نہیں ہے۔

اسے درج ذیل علماء نے صحیح وحسن قرار دیا ہے:

۱: ترمذی (سنن الترمذی: ۵۵۳ وقال: ''حسن غریب'')

امام ترمذی یہ حدیث بیان کر کے فرماتے ہیں:

''و بهذا الحديث يقول الشافعي و أحمد و إسحاق يقولان: لا بأس أن يجمع بين الصلوٰتين فى السفر في وقت إحداهما'' اسی حدیث کے مطابق (امام) شافعی فتویٰ دیتے تھے، احمد (بن حنبل) اور اسحاق (بن راہویہ) دونوں کہتے تھے: سفر میں دونوں نمازوں کے اوقات میں سے کسی کے وقت میں (مثلاً ظہر کے وقت میں عصر اور عصر کے وقت میں ظہر) دو نمازیں جمع کرنا جائز ہے۔ (ص ۱۴۵ ح ۵۵۴)

۲: ابن حبان (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۱۴۵۶، دوسرا نسخہ: ۱۴۵۸)

۳: ابن القیم (اعلام الموقعین ۴۲۲/۲ وقال: ''وإسناده صحيح وعلته واهية'' دوسرا نسخہ ص ۵۹۵ مثال: ۷۲)

ان کے مقابلے میں ابوحاتم الرازی نے اسے معلول قرار دیا ہے۔

دیکھئے علل الحدیث (۹۱/۱ ح ۲۴۵)

ابوعبداللہ الحاکم نے معلول ہونے کا رد کرتے ہوئے اسے شاذ اور موضوع قرار دیا ہے۔

دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث (ص ۱۲۰ ح ۲۹۱، ۲۹۴)

موضوع کے حکم کی تائید کے لئے حاکم نے ابوالحسن محمد بن موسیٰ بن عمران الفقیہ سے نقل کیا ہے کہ ہمیں محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے حدیث بیان کی، انھوں نے فرمایا: میں نے صالح بن حفصویہ النیسابوری جو صاحبِ حدیث تھے، سے سنا، میں نے محمد بن اسماعیل البخاری سے سنا: میں نے قتیبہ بن سعید سے کہا: آپ نے یہ حدیث کس کے ساتھ مل کر لکھی ہے؟ انھوں نے کہا: خالد المدائنی کے ساتھ۔ بخاری نے کہا: خالد المدائنی محدثین کی کتابوں میں حدیثیں لکھ کر داخل کر دیتا تھا۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم نسخہ جدیدہ ص ۳۷۹)

اس تجریحی قصے کا پہلا راوی محمد بن موسیٰ بن عمران الفقیہ الصیدلانی فہم کے باوجود مغفل تھا۔ دیکھئے لسان المیزان (۴۰۲/۵، دوسرا نسخہ ۵۷۲/۶) اور تاریخ نیسابور طبقۃ شیوخ الحاکم، جمع وتحقیق مازن البیروتی (ص ۴۸۱)

اس قصے کا دوسرا راوی صالح بن حفصویہ نامعلوم ہے؟ لہٰذا یہ قصہ امام بخاری سے ثابت ہی نہیں ہے اور قتیبہ بن سعید جیسے ثقہ حافظ امام کے بارے میں یہ سمجھنا کہ خالد المدائنی (متروک) نے ان کی کتاب میں اضافہ کر دیا تھا اور انھیں پتا بھی نہ چلا، سرے سے مردود ہے۔ خلاصہ یہ کہ درج بالا حدیث صحیح ہے اور نیموی تقلیدی کا آثار السنن (ح ۸۵۴) میں اسے ''حدیث ضعیف جدًا'' کہنا غلط و باطل ہے۔

تنبیہ: روایتِ مذکورہ کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ دیکھئے کتب اسماء الرجال اور تقریب التہذیب وغیرہ۔ سنن ابی داود (۱۲۲۰) میں امام قتیبہ کی بیان کردہ روایت پر کوئی جرح مذکور نہیں بلکہ صرف یہ لکھا ہوا ہے کہ اس حدیث کو صرف قتیبہ اکیلے نے بیان کیا ہے۔ عرض ہے کہ قتیبہ ثقہ ثبت ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۵۵۲۲)

صحیحین میں ان کی روایتیں کثرت سے موجود ہیں لہٰذا ان کا تفرد چنداں مضر نہیں ہے۔

④ بارش میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جمع تقدیم بھی ثابت ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ (ان شاء اللہ) اسی پر قیاس کرتے ہوئے اور امام قتیبہ کی بیان کردہ حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے سفر میں جمع تقدیم بھی جائز ہے۔

۵۔ جمع صوری

ظہر کی نماز کو ظہر کے آخری وقت میں اور عصر کی نماز کو عصر کے اول وقت میں پڑھنا جمع صوری کہلاتا ہے۔ اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً و مرفوعاً دونوں طرح جمع صوری کا ثبوت ملتا ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۱۲۱۲، وسندہ صحیح)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ سفر میں جمع بین الصلوٰتین کی تینوں قسمیں: جمع تاخیر، جمع تقدیم اور جمع

صوری پر عمل کرنا جائز ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا سفر اور حضر میں دو نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں اور یہ کیسے جمع ہوں گی؟ انھوں نے فرمایا: ظہر کو مؤخر کیا جائے تاکہ عصر کا اول وقت داخل ہو جائے تو اُتر کر دونوں نمازیں جمع کر لی جائیں اور اسی طرح مغرب کو مؤخر کیا جائے گا۔ اگر جمع تقدیم کر لے تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: جس طرح (امام) احمد نے کہا ہے بات اسی طرح ہے سوائے: میرے خیال میں کے، یعنی یہی بات یقیناً صحیح ہے۔ دیکھئے مسائل احمد واسحاق روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج (۱۲۳/۱، فقرہ: ۱۶۴) اور سنن الترمذی (۵۵۴)

''تو اُتر کر'' کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ جمع بین الصلوٰتین کا تعلق حضر کے ساتھ نہیں بلکہ سفر کے ساتھ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ بھی سفر میں جمع بین الصلاتین کے قائل تھے۔

دیکھئے کتاب الام (۷۷/۱) اور سنن الترمذی (۵۵۴)

۶۔ بارش میں دو نمازوں کا جمع کرنا

① سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں، نہ خوف تھا اور نہ بارش تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے فرمایا: آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اُمت کو حرج نہ ہو۔ (صحیح مسلم: ۷۰۵، ترقیم دارالسلام: ۱۶۳۲)

اس حدیث کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ بارش اور حالتِ خوف میں دو نمازیں جمع کرنا جائز ہے ورنہ اس روایت میں ان کی نفی کی ضرورت کیا تھی؟

② صحیح بخاری کی ایک روایت کے راوی امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ ہوسکتا ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بارش میں جمع کی ہو۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۴۳)

③ جب بارش میں امراء مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرتے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان

کے ساتھ جمع کر لیتے تھے۔ (الموطأ للامام مالک ۱/۱۴۵ ح ۳۲۹، وسندہ صحیح)

نافع سے روایت ہے کہ ہمارے حکمران جب بارش والی رات مغرب کی نماز لیٹ کرتے اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے جلدی پڑھتے تو ابن عمر (رضی اللہ عنہ) ان کے ساتھ پڑھ لیتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، قاسم (بن محمد بن ابی بکر) اور سالم (بن عبداللہ بن عمر) کو میں نے دیکھا ہے وہ ایسی رات میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۳۴ ح ۶۲۶۶ وسندہ صحیح)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ بارش میں جمع تقدیم بھی جائز ہے کیونکہ شفق غائب ہونے سے پہلے نمازِ عشاء کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا۔

④ بارش والی رات میں سعید بن المسیب رحمہ اللہ حکمرانوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۳۴ ح ۶۲۶۷ وسندہ حسن)

⑤ ابان بن عثمان (بن عفان)، عروہ بن الزبیر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بارش والی رات مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے اور کوئی بھی اس (عمل) کا رد نہیں کرتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۳۴، ۲۳۵ ح ۶۲۶۸ وسندہ صحیح)

⑥ ابومودود عبدالعزیز بن ابی سلیمان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے بارش والی رات ابوبکر بن محمد کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۳۵، ۶۲۶۹، وسندہ حسن)

تنبیہ: بعض لوگ شرعی عذر کے بغیر حضر (اپنے گھر، گاؤں اور شہر) میں دو نمازیں جمع کرتے رہتے ہیں، یہ عمل کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے بلکہ سراسر مخالف ہے لہٰذا ایسے امور سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے اقوال ''آپ کا ارادہ تھا کہ امت کو حرج نہ ہو'' سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ حالتِ عذر میں رفعِ حرج کے لئے جمع بین الصلوٰتین جائز ہے ورنہ ہر نماز کو اس کے اپنے وقت پر پڑھنا ہی فرض ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۰/ مئی ۲۰۰۸ء)

تحفة الأَبرار في صحيح الأَذكار

صحیح دعائیں اوراذکار

ا۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعداذکار

① نیند سے بیدار ہوکر یہ دعا پڑھیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَا تَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔

سب حمد وثنا اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد (دوبارہ) زندہ کیا اور اسی کی طرف (سب نے) اٹھ کر جانا ہے۔ (صحیح البخاری:۶۳۲۴)

② جو شخص رات کو (اچانک) بیدار ہو جائے تو یہ دعا پڑھے:

لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ۔

ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد وثنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ حمد وثنا اللہ کے لئے ہے اور اللہ پاک ہے، اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ تبدیلی اور طاقت صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ اے اللہ مجھے بخش دے۔ (صحیح بخاری:۱۱۵۴)

اس کے بعد جو دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے اور اگر وضو کر کے نماز پڑھی جائے تو یہ نماز مقبول ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری:۱۱۵۴)

③ آپ ﷺ رات کو (نیند سے بیدار ہوتے وقت) کافی دیر تک فرماتے:

((سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ)) پاک ہے اللہ (جو) جہانوں کا رب ہے۔

پھر فرماتے:((سُبْحَانَ رَبِّيْ وَبِحَمْدِهٖ)) پاک ہے میرا رب اور اپنی حمد وثنا کے ساتھ۔
(صحیح ابی عوانہ ج ۲ ص ۳۰۳ وسندہ صحیح سنن النسائی ۳/۲۰۹ ح ۱۶۱۹، وسنن ابن ماجہ: ۳۸۷۹)

④ نبی ﷺ رات کو (نیند سے) بیدار ہوتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:
((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ))

کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں سوائے ایک اللہ کے جو سب پر غالب ہے۔ وہ آسمانوں زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اُن (سب) کا رب ہے۔ وہی زبردست اور معاف فرمانے والا ہے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی ۴/۴۰۰ ح ۷۶۸۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۷۶۴۱، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۵۵۰۵ دوسرا نسخہ: ۵۵۳۰، المستدرک للحاکم ۱/۵۴۰ ح ۱۹۸۰ وصححہ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی!)

تنبیہ: اس سلسلے میں اور بھی صحیح روایات ذخیرۂ حدیث میں موجود ہیں۔ جو بھی صحیح وثابت ذکر، ایمان واخلاص کی حالت میں کیا جائے موجبِ اجر وثواب ہے۔ ان دعاؤں کو متفرق بھی پڑھا جا سکتا ہے اور جمع بھی کیا جا سکتا ہے۔

⑤ رات کے آخری حصے میں دعا قبول ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:
''ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو، جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا قبول کرلوں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے دے دوں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اسے بخش دوں؟ (صحیح بخاری: ۱۱۴۵ وصحیح مسلم: ۷۵۸)

⑥ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جب تم میں سے کوئی شخص سوتا ہے تو اس کے سر کے پچھلے حصے پر شیطان تین گرہیں لگا دیتا ہے (اور) ہر گرہ کے مقام پر (پھونک) مارتا ہے کہ رات لمبی ہے سوئے رہو۔ پھر جب وہ نیند سے بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر وہ جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے۔ یہ شخص صبح

کو پاک نفس کے ساتھ خوش باش ہوتا ہے۔ جب کہ دوسرا شخص (یہ کام نہ کرنے والا اور سویا رہنے والا) صبح کو خبیث نفس کے ساتھ سست ہوتا ہے۔'' (صحیح بخاری:۱۱۴۲ وصحیح مسلم:۷۷۶)

⑦ نیند سے بیدار ہونے کے بعد (تہجد پڑھنے سے پہلے) سب سے پہلے، خوب مسواک کریں۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۲۴۵ وصحیح مسلم:۲۵۵)

⑧ قضائے حاجت کی اگر ضرورت ہو تو اس سے فارغ ہو کر استنجا کرنے کے بعد، مسنون وضو کریں۔

مسنون وضو کا طریقہ درج ذیل ہے:

۱: وضو کے شروع میں ''بسم اللہ'' پڑھیں۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''**لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللّٰہ علیه**'' جو شخص وضو (کے شروع) میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضو نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ:۳۹۷ وسندہ حسن لذاتہ)

نبی ﷺ نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ ''وضو کرو، بسم اللہ''

(سنن النسائی ۱/۶۱ ح ۷۸ وسندہ صحیح، صحیح ابن خزیمہ ۱/۷۴ ح ۱۴۴ وصحیح ابن حبان، الاحسان:۶۵۱۰، دوسرا نسخہ:۶۵۴۴)

۲: وضو (پاک) پانی سے کریں۔ (دیکھئے سورۃ النساء:۴۳ وسورۃ المآئدۃ:۶)

تنبیہ: نبیذ، شربت، دودھ یا ان جیسے مشروبات سے وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ پانی کے حکم میں نہیں ہیں اور نہ ان سے وضو کرنا ثابت ہے۔

۳: ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر مجھے میری امت کے لوگوں کی مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔'' (بخاری:۸۸۷ ومسلم:۲۵۲)

رسول اللہ ﷺ نے رات کو اٹھ کر مسواک کی اور وضو کیا۔ (مسلم:۲۵۶)

۴: پہلے اپنی ہتھیلیاں تین دفعہ دھوئیں۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۱۵۹ وصحیح مسلم:۲۲۶)

۵: پھر تین دفعہ کلی کریں اور ناک میں پانی ڈالیں۔ (البخاری:۱۵۹ ومسلم:۲۲۶)

تنبیہ: بہتر یہی ہے کہ ایک ہی چلو سے کلی کریں اور ناک میں پانی ڈالیں جیسا کہ صحیح بخاری

(۱۹۱) وصحیح مسلم (۲۳۵) سے ثابت ہے۔ لیکن اگر کلی علیحدہ اور ناک میں پانی علیحدہ ڈالیں تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ محدث ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ کی کتاب ''التاریخ الکبیر'' سے ثابت ہے۔
(ص ۵۸۸ ح ۱۴۱۰، وسندہ حسن لذاتہ)

۶: پھر تین دفعہ اپنا چہرہ دھوئیں۔ (البخاری: ۱۵۹ و مسلم: ۲۲۶)

۷: پھر تین دفعہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک (کہنیوں سمیت) دھوئیں۔

۸: پھر (پورے) سر کا مسح کریں۔ (البخاری: ۱۵۹ و مسلم: ۲۲۶)

اپنے دونوں ہاتھوں سے مسح کریں۔ سر کے شروع سے ابتدا کر کے گردن کے پچھلے حصے تک لے جائیں اور وہاں سے واپس شروع والے حصے تک لے آئیں۔ (البخاری: ۱۸۵ و مسلم: ۲۳۵)
سر کا مسح ایک بار کریں۔ (سنن ابی داود: ۱۱۱ وسندہ صحیح)
تنبیہ: بعض روایات میں تین دفعہ سر کے مسح کا بھی ذکر آیا ہے۔
(دیکھئے سنن ابی داود: ۱۰۷ وسندہ حسن، ۱۱۰ وسندہ حسن)

لہٰذا دونوں طرح عمل جائز ہے۔

۹: پھر اپنے دونوں کانوں (کے اندر باہر) کا مسح ایک دفعہ کریں۔

(النسائی ۱/ ۷۳ ح ۱۰۱ وسندہ حسن، سنن ابی داود: ۱۲۱ وسندہ حسن، ۱۳۷ وسندہ حسن، ابن خزیمہ: ۱۵۱، ۱۶۷ وسندہ حسن والزیادۃ منہ، عامر بن شقیق حسن الحدیث وثقہ الجمہور، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸ ح ۱۷۶ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۶۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما کانوں کے اندر اور باہر کا مسح کرتے تھے۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۶۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تو اپنی شہادت کی انگلیاں کانوں میں داخل کر کے ان کے ساتھ کانوں کے اندرونی حصے کا مسح کرتے اور انگوٹھوں سے بیرونی حصے کا مسح کرتے تھے۔
(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸ ح ۱۷۳ وسندہ صحیح)

۱۰: پھر اپنے دونوں پاؤں، ٹخنوں تک تین تین بار دھوئیں۔ (البخاری: ۱۵۹ و مسلم: ۲۲۶)

تنبیہ: اعضائے وضو کو تین تین بار دھونا چاہئے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن انھیں

دو دو بار اور ایک ایک بار دھونا بھی جائز ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۵۷، ۱۵۸)

۱۱: وضو کے دوران میں (ہاتھوں اور پاؤں کی) انگلیوں کا خلال کرنا چاہئے۔

[ابوداود: ۱۴۲ وسندہ حسن (الترمذی: ۳۹ وقال: "ھٰذا حدیث حسن غریب")]

۱۲: داڑھی کا خلال بھی کرنا چاہئے۔ (الترمذی: ۳۱ وقال: "ھٰذا حدیث حسن صحیح" راس کی سند حسن ہے)

۱۳: وضو کے بعد شرمگاہ پر پانی چھڑکنا چاہئے۔ (سنن ابی داود: ۱۶۸ عن رسول اللہ ﷺ وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۶۷ ح ۱۷۷۵ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو مٹھی بھر پانی لے کر اپنی شرمگاہ پر چھڑک لے۔ اس کے بعد اگر اسے (وسوسے کی وجہ سے) کچھ (تری) محسوس ہو تو یہ سمجھے کہ یہ اسی پانی سے ہے (جو میں نے چھڑکا ہے۔)

(مسند مسدد بحوالہ المطالب العالیۃ: ۱۱۷ وسندہ صحیح، وقال ابن حجر: "صحیح موقوف" / مختصر المطالب العالیۃ: ۱۱۷

تنبیہ: وضو کے بعد رومالی پر پانی چھڑکنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

۱۴: وضو کرنے کے دوران میں کسی دعا کا پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

بعض لوگ وضو کے دوران میں "اللهم اغفرلي ذنبي ووسع لي في داري وبارك لي في رزقي" والی دعا بحوالہ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (۲۸) وغیرہ پیش کرتے ہیں لیکن یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ ابومجلز کی سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے نتائج الافکار لابن حجر (ج ۱ ص ۲۶۳ مجلس: ۵۳) وتمام المنۃ للالبانی (ص ۹۵)

اس کے برعکس سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ یہ دعا "اللهم اغفرلي ذنبي و يسّرلي في أمري وبارك لي في رزقي" نماز کے بعد پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۹۷ ح ۳۰۳۳ وسندہ صحیح، یونس بن ابی اسحاق بریٔ من التدلیس)

۱۵: وضو (اور غسل) کے بعد (کپڑے کے ساتھ) جسم پونچھیں یا نہ پونچھیں، دونوں طرح

جائز ہے۔ نبی ﷺ نے غسل کے بعد (جسم پونچھنے کے لیے) تولیا نہیں لیا۔

(صحیح بخاری:۲۷۶ و صحیح مسلم:۳۱۷)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ وضو کے بعد، تولئے کے ساتھ اپنا چہرہ پونچھتے تھے۔

(الاوسط لابن المنذر ار۴۱۵ ث ۴۲۲ وسندہ حسن)

سیدنا بشیر بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ (صحابی بلحاظ رؤیت) تولئے سے پونچھتے تھے۔

(الاوسط ار۴۱۵ ث ۴۲۴ وسندہ صحیح)

۱۶: درج ذیل کاموں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے:

پیشاب کرنا، پاخانہ کرنا، ہوا کا (دبر یا قبل سے) خارج ہونا، سو جانا، بیوی کو (شہوت سے) چھونا، شرمگاہ کو ہاتھ لگانا، مذی یا منی کا خارج ہونا، جماع کرنا، شرمگاہ کا شرمگاہ سے مل جانا اور اونٹ کا گوشت کھانا۔

۱۷: وضو کے بعد درج ذیل دعائیں پڑھیں:

☆ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ (معبود برحق) نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد (ﷺ) اس (اللہ) کے بندے اور رسول ہیں۔ (مسلم: ب ۱۷ر۲۳۴ و ترقیم دار السلام: ۵۵۴)

جو شخص پورا (مسنون) وضو کرکے یہ دعا پڑھتا ہے (پھر دو رکعتیں پڑھتا ہے) اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جس میں سے چاہے گا وہ داخل ہوگا۔ (مسلم:۲۳۴)

تنبیہ: سنن الترمذی (۵۵) کی ضعیف روایت میں ''اللھم اجعلني من التوابین واجعلني من المتطھرین'' کا اضافہ موجود ہے لیکن یہ روایت، سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابو ادریس الخولانی اور ابو عثمان (سعید بن ہانی/ مسند الفاروق لابن کثیر

۱/۱۱۱) دونوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا، نیز دیکھئے میری کتاب "انوار الصحیفة فی الاحادیث الضعیفة" (ت:۵۵)

☆ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

اے اللہ! تو پاک ہے اور حمد وثنا تیری (ہی) ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، تجھی سے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور میں نے تیری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ (النسائی فی الکبریٰ: ۹۹۰۹ وسندہ صحیح، عمل الیوم واللیلۃ: ۸۱ وقال النسائی: "ھٰذا خطأ والصواب موقوف" والموقوف رواہ النسائی فی الکبریٰ: ۹۹۱۰ وسندہ صحیح، والموقوف والمرفوع صحیحان والحمد للہ)

تنبیہ: وضو کے بعد، آسمان کی طرف نظر اٹھا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دعائے وضو کا پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ سنن ابی داود (۱۷۰) کی جس روایت میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کا ذکر آیا ہے اس کی سند ابن عم زہرہ (مجہول) کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن عم زہرہ کو حافظ منذری نے مجہول کہا ہے۔

(دیکھئے عون المعبود ۱/۶۶ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

۱۸: اس کے بعد دو دو رکعت کر کے رات کی نماز پڑھیں اور ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیں۔ (صحیح مسلم: ۷۳۶)

۱۹: صبح کی اذان سے پہلے، رات کی آخری نماز، ایک رکعت وتر پڑھیں۔

(صحیح بخاری: ۹۹۰ و صحیح مسلم: ۷۴۹)

۲۔ فجر کی نماز سے پہلے اذکار

① جب مؤذن (فجر کی) اذان کہے تو وہی الفاظ (سراً یا درمیانی آواز میں) پڑھیں جو مؤذن کہتا ہے سوائے درج ذیل دو کلموں کے:

☆ مؤذن جب "حي علی الصلوٰة" کہے تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہیں۔

(مسلم: ۳۸۵)

☆ مؤذن جب ”حي على الفلاح“ کہے تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھیں۔

(مسلم:۳۸۵)

جو شخص (مذکورہ طریقے کے مطابق) یہ دعا صدقِ دل سے (ہمیشہ) پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اذان مکمل ہونے کے بعد درج ذیل دعا پڑھیں:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کے رب ہونے، محمد (ﷺ) کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔

(مسلم:۳۸۶) جو شخص یہ دعا پڑھتا ہے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

پھر نبی ﷺ پر مسنون درود پڑھیں۔ دیکھئے مختصر صحیح نمازِ نبوی:۴۲

پھر یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ ،اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ .

اے میرے اللہ! اس مکمل ندا اور قائم و دائم نماز کے رب! محمد (ﷺ) کو وسیلہ (جنت کا اعلیٰ ترین مقام) اور فضیلت عطا فرما، اور جس مقامِ محمود کا تو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے انھیں عطا فرما۔ (صحیح بخاری:۶۱۴)

جو شخص یہ دعا (ہمیشہ) پڑھے گا تو نبی کریم ﷺ قیامت کے دن اس کی شفاعت فرمائیں گے۔

بیہقی کی روایت میں ان الفاظ کے بعد یہ اضافہ ہے:

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

(السنن الکبریٰ ۱/۴۱۰ وسندہ صحیح، السنن الصغیر للبیہقی ۱/۱۰۳ ح ۲۷۰ وسندہ صحیح)

② پھر فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) پڑھے۔ پہلی رکعت میں ﴿قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾

[والی سورت] اور دوسری رکعت میں ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ [والی سورت] پڑھیں۔
(دیکھئے صحیح مسلم:۷۲۶)

ان کے علاوہ دوسری قراءت بھی کی جا سکتی ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم:۷۲۷)

③ اگر فجر کی دو رکعتیں (گھر میں) پڑھیں تو ان کے بعد دائیں کروٹ لیٹ جانا مسنون ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۶۲۶ وصحیح مسلم:۷۳۶)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ان دو رکعتوں کے بعد نہیں لیٹتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۴۸ ح ۶۳۸۵ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دو رکعتوں کے بعد لیٹا ہوا ہے تو فرمایا: ''احصبوہ'' اسے کنکریاں مارو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۴۸ ح ۶۳۸۷ وسندہ قوی، سعید بن المسیب کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھنا ثابت ہے لہٰذا یہ سند متصل ہے۔)

لہٰذا دو رکعتوں کے بعد نہ لیٹنا بھی جائز ہے۔

④ پھر (فرض نماز پڑھنے کے لئے) مسجد جائیں۔ نماز کے لئے جاتے وقت درج ذیل دعا پڑھنا ثابت ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا ، وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا ، وَّاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا، وَّاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا، وَّاجْعَلْ مِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا، وَّمِنْ اَمَامِيْ نُوْرًا، وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا، وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا۔

اے اللہ میرے دل میں نور (روشنی) پیدا فرما، میری زبان، کان اور نظر میں نور بنا۔ میرے پیچھے آگے اوپر نیچے نور بنا، اے اللہ مجھے نور عطا فرما۔ (صحیح مسلم:۱۹۱/۷۶۳ وترقیم دار السلام:۱۷۹۹)

⑤ مسجد میں داخل ہوتے وقت، پہلے دایاں پاؤں رکھیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ تمام امور دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے۔
(دیکھئے صحیح بخاری:۴۲۶ وصحیح مسلم:۲۶۸)

⑥ مسجد میں داخل ہوتے وقت نبی ﷺ پر سلام پڑھیں۔ (سنن ابی داود:۴۶۵ واسنادہ صحیح)

یعنی "اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ" [رسول اللہ پر سلام ہو] کہیں۔
پھر "اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، پڑھیں۔ (صحیح مسلم:۷۱۳)

اور یہ دعا پڑھیں:
اَعُوْذُ بِا للّٰہِ الْعَظِیْمِ ، وَبِوَجْھِهِ الْکَرِیْمِ ، وَسُلْطَانِهِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔
میں پناہ مانگتا ہوں اللہ عظیم کی اور اس کے کریم چہرے اور قدیم سلطنت کے ذریعے سے کہ وہ مجھے شیطان رجیم سے محفوظ رکھے۔ (ابوداود:۴۶۶ وسندہ صحیح)
جو شخص یہ دعا پڑھے گا تو سارا دن شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔
⑦ مسجد سے جب نکلیں تو نبی ﷺ پر سلام پڑھیں۔
(ابن ماجہ:۷۷۳ وسندہ حسن وصححہ ابن خزیمہ:۴۵۲ وابن حبان، الموارد:۳۲۱ والحاکم ۲۰۱/۱ والذہبی)
اور یہ پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
اے اللہ! مجھے شیطان رجیم سے محفوظ رکھ۔ (ابن ماجہ:۷۷۳ وسندہ حسن)
یا یہ دعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
اے اللہ! مجھے شیطان رجیم سے اپنی پناہ میں رکھ۔ (صحیح ابن خزیمہ:۴۵۲ وسندہ حسن)
(پھر) یہ دعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ
اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔ (صحیح مسلم:۷۱۳)

۳۔ فجر کی نماز کے بعد: اذکار

① سلام پھیرتے ہی اونچی آواز سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ (اللہ بہت بڑا ہے) کہیں۔
(دیکھئے صحیح بخاری:۸۴۲ وصحیح مسلم:۵۸۳)

یہ ذکر ہر فرض نماز کے بعد ہے۔
② تین دفعہ استغفار کریں: اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہیں اور یہ دعا

پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ ، وَمِنْکَ السَّلَامُ ، تبَارَکْتَ ذَاالجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

اے اللہ تو سلام ہے، تجھی سے سلامتی ہے۔تو برکتوں والا ہے اے جلالت واکرام والے۔

(صحیح مسلم:۵۹۱)

یہ ذکر بھی ہر نماز کے بعد ہے۔

③ صبح اور شام کی (فرض) نمازوں کے بعد درج ذیل دعا سات دفعہ پڑھیں: -

اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ اے میرے اللہ! مجھے آگ سے اپنی پناہ میں رکھ۔

(ابوداود:۵۰۷۹ وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الموارد:۲۳۴۶)

تنبیہ: اس حدیث کے راوی حارث بن مسلم کو ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور بعض علماء نے اسے صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ ایسے راوی کی حدیث حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔

[نیز دیکھئے التلخیص الحبیر (ج ا ص ۴۷ ح ۷۰ جدۃ رباح)]

حافظ ابن حجر نے اس روایت کو ''حسن'' کہا ہے۔ (نتائج الافکار ج ۲ ص ۳۲۶ مجلس:۱۹۱)

منذری نے اس کے حسن ہونے کی طرف اشارہ کیا۔(الترغیب والترہیب ۱/۳۰۳، ۳۰۴)

اور ہیثمی نے حارث بن مسلم کو ثقہ قرار دیا۔(مجمع الزوائد ۹۹/۸)

احکام ومسائل

قربانی کے احکام ومسائل

الحمد رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسوله الأمین ، أما بعد :

عیدالاضحیٰ کے موقع پر جو قربانی کی جاتی ہے، اس کے بعض احکام ومسائل پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((**إذا رأیتم هلال ذی الحجة و أراد أحدکم أن یضحّی فلیمسك عن شعره و أظفاره .**)) جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اسے بال اور ناخن تراشنے سے رُک جانا چاہئے۔ (صحیح مسلم:۱۹۷۷، ترقیم دارالسلام:۵۱۱۹)

اس حدیث میں ''ارادہ کرے'' سے ظاہر ہے کہ قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔
دیکھئے المحلّی لابن حزم (۳۵۵/۷ مسئلہ:۹۷۳)

درج بالا حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قربانی کا ارادہ رکھنے والے کے لئے ناخن تراشنا اور بال مونڈنا منڈوانا، تراشنا ترشوانا جائز نہیں ہے۔

سیدنا ابوسریحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) ابوبکر (الصدیق) اور (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں میرے پڑوسی تھے اور دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۱۹۸/۷ ح ۵۶۳۳ وسندہ حسن، وحسنہ النووی فی المجموع شرح المہذب ۳۸۳/۸، وقال ابن کثیر فی مسند الفاروق ۳۳۲/۱: ''وھذا اسناد صحیح'')

سیدنا ابومسعود عقبہ بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے یہ ارادہ کیا کہ قربانی کو چھوڑ دوں، اگرچہ میں تمھارے مقابلے میں (مالی) آسانی رکھتا ہوں، اس خوف کی وجہ سے کہ کوئی آدمی اسے واجب نہ سمجھ لے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۶۵/۹ وسندہ قوی)

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی سنت ہے، واجب نہیں ہے اور جو شخص اس کی استطاعت رکھے تو میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اسے ترک کردے۔ (الموطأ ۴۸۷/۲ تحت ح ۱۰۷۳)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی کرنا سنت ہے، میں اسے ترک کرنا پسند نہیں کرتا۔

(کتاب الام ج ۲ ص ۲۲۱)

نیز دیکھئے المغنی لابن قدامہ (۹/۳۴۵ مسئلہ: ۷۸۵۱)

امام بخاری نے فرمایا: "باب سنة الأضحية" (صحیح بخاری قبل ح ۵۵۴۵)

۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من كان له سعة ولم يضحّ فلا يقربنّ مصلانا .))

جس آدمی کے پاس طاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۳ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم ۴/۲۳۲ ووافقہ الذہبی ورواہ احمد ۲/۳۲۱)

اس روایت میں عبداللہ بن عیاش المصری مختلف فیہ راوی ہیں جن پر کبار علماء وغیرہم نے جرح کی اور جمہور نے توثیق کی، تقریباً پانچ اور چھ کا مقابلہ ہے۔!

روایتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قربانی کا استخفاف وتوہین کرتے ہوئے استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے تو اسے مسلمانوں کی عیدگاہ سے دور رہنا چاہئے یعنی یہ روایت قربانی کے استحباب وسُنیت پر محمول اور منکرینِ حدیث کا رد ہے۔

۳) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے کہا: آپ کا کیا خیال ہے، اگر مجھے صرف مادہ قربانی (دودھ دینے والا جانور) ملے تو کیا میں اس کی قربانی کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن تم ناخن اور بال کاٹ لو، مونچھیں تراشو اور شرمگاہ کے بال مونڈ لو تو اللہ کے ہاں تمھاری یہ پوری قربانی ہے۔

(سنن ابی داود: ۲۷۸۹ وسندہ حسن، وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۰۴۳، والحاکم ۴/۲۲۳ والذہبی)

اس حدیث کے راوی عیسیٰ بن ہلال الصدفی صدوق ہیں۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۵۳۴۷)

انھیں یعقوب بن سفیان الفارسی (المعرفة والتاريخ ۲/۵۱۵، ۴۸۷) اور ابن حبان وغیرہما نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ایسے راوی کی روایت حسن کے درجے سے کبھی نہیں گرتی۔

عیاش بن عباس القتبانی ثقہ تھے۔ دیکھئے التقریب (۵۲۶۹) باقی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، وہ اگر ذوالحجہ کے چاند سے لے کر نمازِ عید سے فارغ ہونے تک بال نہ کٹوائے اور ناخن نہ تراشے تو اسے قربانی کا ثواب ملتا ہے۔

٤) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن .))

دو دانتوں والے (دوندے) جانور کے علاوہ ذبح نہ کرو اِلا یہ کہ تم پر تنگی ہو جائے تو دُنبے کا جذعہ ذبح کر دو۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶۳، ترقیم دارالسلام: ۵۰۸۲)

بکری (یا بھیڑ) کے اس بچے کو جذعہ کہتے ہیں جو آٹھ یا نو ماہ کا ہو گیا ہو۔

دیکھئے القاموس الوحید (ص ۲۴۳)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: جمہور کے نزدیک بھیڑ (دُنبے) کا جذعہ اسے کہتے ہیں جس نے ایک سال پورا کر لیا ہو۔ (فتح الباری ۱۰/۵ تحت ح ۵۵۴۷)

بہتر یہی ہے کہ ایک سال کا جذعہ بھیڑ میں سے ہو، ورنہ آٹھ نو ماہ کا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ بلیغ: صحیح مسلم کی اس حدیث پر عصرِ حاضر کے شیخ البانی رحمہ اللہ کی جرح (دیکھئے الضعیفۃ: ۶۵، ارواء الغلیل: ۱۱۴۵) مردود ہے۔

مستدرک الحاکم (۲۲۶/۴ ح ۷۵۳۸ وسندہ صحیح) کی حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسنہ نہ ہونے کی حالت میں جذعہ کی قربانی کافی ہے۔

۵) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أربع لا تجوز في الأضاحي: العوراء بيّن عورها والمريضة بيّن مرضها والعرجاء بيّن ظلعها والكسير التي لا تنقي.)) چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے: ایسا کانا جس کا کانا پن واضح ہو، ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن واضح ہو اور بہت زیادہ کمزور جانور جو کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو۔

(اس حدیث کے راوی عبید بن فیروز تابعی نے) کہا: مجھے ایسا جانور بھی ناپسند ہے جس کے دانت میں نقص ہو؟ تو (سیدنا) براء (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: تمھیں جو چیز بُری لگے اُسے چھوڑ دو اور دوسروں پر اُسے حرام نہ کرو۔ (سنن ابی داود: ۲۸۰۲)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اسے ترمذی (۱۴۹۷) ابن خزیمہ (۲۹۱۲) ابن حبان (۱۰۴۶، ۱۰۴۷) ابن الجارود (۴۸۱، ۹۰۷) حاکم (۱/ ۴۶۷، ۴۶۸) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ جس چیز کے بارے میں دل میں شبہ ہو اور اسی طرح مشکوک چیزوں سے بچنا جائز ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ کٹے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔

مشہور تابعی امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: ایسا جانور جس کا آدھا سینگ یا اس سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہو۔ (سنن النسائی ۷/ ۲۱۷، ۲۱۸ ح ۴۳۸۲ وسندہ حسن وصحہ الترمذی: ۱۵۰۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں آیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ (قربانی کے جانور میں) آنکھ اور کان دیکھیں۔ (سنن النسائی ۷/ ۲۱۷ ح ۴۳۸۱ وسندہ حسن وصحہ الترمذی: ۱۵۰۳، وابن خزیمہ: ۲۹۱۴ وابن حبان، الاحسان: ۵۸۹۰ والحاکم ۴/ ۲۲۵ والذہبی)

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کانے، لنگڑے، واضح بیمار، بہت زیادہ کمزور، سینگ (ٹوٹے یا) کٹے اور کان کٹے جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

علامہ خطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے فرمایا: اس (سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ) حدیث میں دلیل ہے کہ قربانی میں معمولی نقص معاف ہے الخ (معالم السنن ۲/ ۱۹۹ تحت ح ۶۸۳)

معلوم ہوا کہ اگر سینگ میں معمولی نقص ہو یا تھوڑا سا کٹا یا ٹوٹا ہوا ہو تو اس جانور کی قربانی جائز ہے۔

نووی نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

(المجموع شرح المہذب ۸/ ۴۰۴)

۶) رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قربانی کا گوشت، کھالیں اور جھولیں لوگوں میں تقسیم کر دیں اور قصاب کو اُس میں سے (بطورِ اجرت) کچھ بھی نہ دیں۔
دیکھئے صحیح بخاری (۱۷۱۷) وصحیح مسلم (۱۳۱۷) اور یہی مضمون فقرہ نمبر ۲۷

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو جانور اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے (مثلاً قربانی اور عقیقہ) اس کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ دیکھئے شرح السنۃ للبغوی (۱۸۸/۷ ح 1951)

۷) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو سفید و سیاہ اور سینگوں والے مینڈھے اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے، آپ نے تسمیہ و تکبیر (بسم اللہ واللہ اکبر) کہی اور اپنا پاؤں اُن کی گردنوں پر رکھا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، ترقیم دارالسلام: ۵۰۸۷، صحیح بخاری: ۵۵۶۴)

آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ چُھری کو پتھر سے تیز کرو۔ پھر آپ نے مینڈھے کو لٹا کر ذبح کیا اور فرمایا: بسم اللہ، اے میرے اللہ! محمد، آلِ محمد اور امتِ محمد (ﷺ) کی طرف سے قبول فرما۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶۷، دارالسلام: ۵۰۹۱)

۸) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ والے سال سات (آدمیوں) کی طرف سے (ایک) اونٹ اور سات کی طرف سے (ایک) گائے ذبح کی۔

(صحیح مسلم: ۱۳۱۸، ترقیم دارالسلام: ۳۱۸۵)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ اضحیٰ (عید قربان) آ گئی تو ہم نے (ایک) گائے میں سات (آدمی) اور (ایک) اونٹ میں دس (آدمی) شریک کئے۔ (سنن الترمذی: ۱۵۰۱، وقال: ''حسن غریب'' الخ وسندہ حسن)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اونٹ میں سات یا دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور گائے میں صرف سات حصہ دار ہوتے ہیں۔ بکری اور مینڈھے میں اتفاق ہے کہ صرف ایک آدمی کی طرف سے ہی کافی ہے۔

حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سفر میں قربانی کرنا جائز ہے۔

۹) نمازِ عید کے بعد قربانی کرنی چاہئے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۵۴۵) و صحیح مسلم (۱۹۶۱)
عید کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۲۴

۱۰) سیدنا ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: مسلمانوں میں سے کوئی (مدینہ میں) اپنی قربانی خریدتا تو اسے (کھلا پلا کر) موٹا کرتا پھر اضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (!) میں اسے ذبح کرتا تھا۔

(المستخرج لابی نعیم بحوالہ تغلیق التعلیق ۶/۵ وسندہ صحیح، وقال احمد: "ھذا الحدیث عجب" صحیح البخاری قبل ح ۵۵۵۳ تعلیقاً)

تنبیہ: "مدینہ میں" والے الفاظ صحیح بخاری میں ہیں۔

۱۱) میت کی طرف سے قربانی کا ذکر جس حدیث میں آیا ہے وہ شریک القاضی اور حکم بن عتیبہ دو مدلسین کی تدلیس (عن سے روایت کرنے) اور ابو الحسناء مجہول کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۲۷۹۰ بتحقیقی) سنن الترمذی (۱۴۹۵) اور اضواء المصابیح (۱۴۶۲)

تاہم صدقے کے طور پر میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے لہٰذا اس قربانی کا سارا گوشت اور کھال وغیرہ مسکین یا مساکین کو صدقے میں دینا ضروری ہے۔

تنبیہ: عام قربانی (جو صدقہ نہ ہو) کی کھال خود استعمال میں لائیں یا کسی دوست کو تحفہ دے دیں، یا کسی مسکین کو صدقہ کر دیں لیکن یاد رہے کہ زکوٰۃ کی آٹھ اقسام میں قربانی کی کھالیں تقسیم کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

۱۲) سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے، آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے (ایک بکری قربان کرتا تھا) پھر بعد میں لوگوں نے ایک دوسرے پر فخر (اور ریس) کرنا شروع کر دیا۔

(موطأ امام مالک ج ۲ ص ۴۸۶ ح ۱۰۶۹، وسندہ صحیح، النسخۃ الباکستانیۃ ص ۴۹۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۶۸، سنن الترمذی: ۱۵۰۵، وقال: "حسن صحیح" سنن ابن ماجہ: ۳۱۴۷ وصححہ النووی فی المجموع شرح المہذب ۸/۳۸۴)

سنن ابن ماجہ وغیرہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کا یہ

عمل رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ (وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ اگر گھر کا سربراہ یا کوئی آدمی ایک قربانی کر دے تو وہ سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہے۔

۱۳) عیدگاہ میں قربانی کرنا جائز ہے اور عیدگاہ کے باہر اپنے گھر وغیرہ میں قربانی کرنا بھی جائز ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۵۵۲، ۵۵۵۱)

۱۴) قربانی کا جانور خود ذبح کرنا سنت ہے اور دوسرے سے ذبح کروانا بھی جائز ہے۔ دیکھئے الموطأ (روایۃ ابن القاسم: ۱۴۵، بتحقیقی وسندہ صحیح، السنن الصغریٰ للنسائی ۷/۲۳۱ ح۴۴۲۴، مسند احمد ۳/۳۸۸)

۱۵) رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائیں ذبح کی تھیں۔

(صحیح بخاری: ۵۵۵۹، صحیح مسلم: ۱۲۱۱)

تنبیہ: جن روایات میں آیا ہے کہ گائے کے گوشت میں بیماری ہے، اُن میں سے ایک بھی صحیح ثابت نہیں ہے۔

۱۶) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنو تغلب والے عیسائیوں کے ذبیحے نہ کھاؤ کیونکہ وہ اپنے دین میں سے سوائے شراب نوشی کے کسی پر بھی قائم نہیں ہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۸۴ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ مرتدین اور ملحدین کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

۱۷) قربانی کا گوشت خود کھانا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۱۹

۱۸) ایک دفعہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں قربانی کی اور سر منڈوایا، آپ فرماتے تھے: جو شخص حج نہ کرے اور قربانی کرے تو اُس پر سر منڈوانا واجب نہیں ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۸۸ وسندہ صحیح، الموطأ ۲/۴۸۳ ح۱۰۶۲)

۱۹) قربانی کا گوشت خود کھانا، دوستوں رشتہ داروں کو کھلانا اور غریبوں کو تحفتاً دینا تینوں طرح جائز ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۃ الحج (آیت نمبر ۲۸، ۳۶، اور فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۶/۳۰۹ وغیرہ)

۲۰) سیدنا عبداللہ بن عمر فرماتے تھے: جو شخص قربانی کے جانور (بیت اللہ کی طرف) روانہ کرے پھر وہ گم ہو جائیں، اگر نذر تھی تو اسے دوبارہ بھیجنے پڑیں گے اور اگر نفلی قربانی تھی تو اس کی مرضی ہے دوبارہ قربانی کرے یا نہ کرے۔ (السنن الکبریٰ ۲۸۹/۹ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۵۲ ص ۱۲، ۱۳

۲۱) سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے قربانی کے جانوروں میں ایک کانی اونٹنی دیکھی تو فرمایا: اگر یہ خریدنے کے بعد کانی ہوئی ہے تو اس کی قربانی کرلو اور اگر خریدنے سے پہلے یہ کانی تھی تو اسے بدل کر دوسری اونٹنی کی قربانی کرو۔ (السنن الکبریٰ ۲۸۹/۹ وسندہ صحیح)

۲۲) قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت اس کا چہرہ قبلہ رخ ہونا چاہئے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اس ذبیحے کا گوشت کھانا مکروہ سمجھتے تھے جسے قبلہ رخ کئے بغیر ذبح کیا جاتا تھا۔

(مصنف عبدالرزاق ۴/۴۸۹ ح ۸۵۸۵ وسندہ صحیح)

۲۳) منکرینِ حدیث قربانی کی سنیت کے منکر ہیں حالانکہ متواتر احادیث و آثار سے قربانی کا سنت ہونا ثابت ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر جاندار میں ثواب ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۲۳۶۳) و صحیح مسلم (۲۲۴۴)

۲۴) عید کی نماز میں دیر نہیں کرنی چاہئے بلکہ اسے جلدی پڑھنا سنت ہے۔

ایک دفعہ ایک امام نے عید کی نماز میں دیر کی تو عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا اور فرمایا: ہم تو اس وقت (جب چاشت کی نماز پڑھی جاتی ہے) اس نماز سے فارغ ہو جاتے تھے۔ (سنن ابی داود: ۱۱۳۵، وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم علیٰ شرط البخاری ۱/۲۹۵ ووافقہ الذہبی) نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۹

۲۵) اگر قربانی کا ارادہ رکھنے والا کوئی شخص ناخن یا بال کٹوادے اور پھر قربانی کرے تو اس کی قربانی ہو جائے گی لیکن وہ گناہگار رہوگا۔ (الشرح الممتع علیٰ زاد المستقنع لابن عثیمین ۳/۴۲۰)

۲۶) قربانی ذبح کرنے والا اور شرکت کرنے والے حصہ دار سب صحیح العقیدہ ہونے چاہئیں۔

۲۷) اگر کسی کی طرف سے قربانی کی جائے تو ذبح کے وقت اس کا نام لیتے ہوئے یہ کہنا

چاہئے کہ یہ قربانی اس (فلاں) کی طرف سے ہے۔

۲۸) قولِ راجح میں قربانی کے تین دن ہیں۔ دیکھئے الحدیث: ۴۴ص ۶ تا ۱۱

آخر میں قربانی کے بارے میں امام ابن المنذر النیسابوری کی مشہور کتاب الاجماع سے اجماعی مسائل پیشِ خدمت ہیں:

''۲۱۷- اجماع ہے کہ قربانی کے دن طلوع فجر (صبح صادق) سے پہلے قربانی جائز نہیں۔

۲۱۸- اجماع ہے کہ قربانی کا گوشت مسلمان فقیروں کو کھلانا مباح ہے۔

۲۱۹- اجماع ہے کہ اگر جائز آلہ سے قربانی کرے، بسم اللہ پڑھے، حلق اور دونوں رگیں کاٹ دے اور خون بہادے، تو ایسے قربان شدہ جانور کا کھانا مباح ہے۔

۲۲۰- اجماع ہے کہ گونگے کا ذبیحہ جائز ہے۔

۲۲۱- اجماع ہے کہ ذبیحہ کے پیٹ سے بچہ مردہ برآمد ہو تو اسکی ماں کی قربانی اس کے لئے کافی ہوگی۔

۲۲۲- اجماع ہے کہ عورتوں اور بچوں کا ذبیحہ مباح ہے اگر صحیح طریقہ سے ذبح کر سکیں۔

۲۲۳- اجماع ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اگر بسم اللہ پڑھکر ذبح کریں۔

۲۲۴- اجماع ہے کہ دار الحرب میں مقیم (اہل کتاب) کا ذبیحہ حلال ہے۔

۲۲۵- اجماع ہے کہ مجوس کا ذبیحہ حرام ہے، کھایا نہیں جائے گا۔

۲۲۶- اجماع ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں اور بچوں کا ذبیحہ حلال ہے (بسم اللہ کی شرط کے ساتھ)

۲۲۷- اجماع ہے کہ کتے شکاری جانور ہیں، اگر کسی مسلمان نے انھیں شکار کرنا سکھایا، اور بسم اللہ کے بعد شکار پر چھوڑا، اور اس نے اس شخص کے لئے شکار پکڑ لیا تو ایسا شکار کھانا جائز ہے، بشرطیکہ کالا کتا نہ ہو۔

۲۲۸- اجماع ہے کہ دریائی شکار، یا اس کی خرید وفروخت، یا خورد ونوش حالتِ احرام وغیرہ میں بھی جائز ہے۔'' (کتاب الاجماع ص ۵۲، ۵۳، مترجم ابو القاسم عبد العظیم)

اصولِ حدیث اور تحقیقِ روایات

امام زہری کی امام عروہ سے روایت اور سماع

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد :

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''أدركت من قريش أربعة بحور : سعيد بن المسيب وعروة بن الزبير و أبا سلمة بن عبدالرحمٰن و عبيد الله ابن عبدالله '' میں نے قریش میں سے چار (علم کے) سمندروں کو پایا ہے: سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عبیداللہ بن عبداللہ ۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد ج ۱ ص ۶۳ فقرہ: ۱۴۴، دوسرا نسخہ: ۱۴۹، وسندہ صحیح)

امام زہری نے فرمایا: '' ولقيت أربعة من قريش كلهم بحور: عروة بن الزبير و سعيد بن المسيب و أبو سلمة و عبيدالله ''

اور میں نے قریش میں چار سے ملاقات کی ہے: عروہ بن زبیر، سعید بن المسیب، ابوسلمہ اور عبیداللہ، یہ سب (علم کے) سمندر تھے۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۹۴۵ وسندہ حسن)

اس مفہوم کی ایک روایت یعقوب بن سفیان الفارسی کی کتاب المعرفۃ والتاریخ (۴۷۹/۱) میں بھی ہے۔

امام زہری نے بہت سی روایتوں میں فرمایا ہے: ''حدثني عروة (بن الزبير) '' دیکھئے صحیح بخاری (۶۲۶، ۱۱۲۳) وصحیح مسلم (۲۷۱/۸۱۸، ۱۷۹۵) ومسند احمد (۸۸/۶ ح ۲۴۵۷۳) ومسند الحمیدی (تحقیقی: ۱۶۰، والنسخۃ الدیوبندیہ: ۱۵۹) ومسند الدارمی (۲۷۷/۱ ح ۱۲۱۹) ومشکل الآثار للطحاوی (تحفۃ الاخیار ۱۰۹/۴ ح ۲۳۸۰) ومعانی الآثار (۱۵۴/۴) والمستدرک للحاکم (۳۴/۱ ح ۹۶) اور التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ (ص ۳۱۹ ح ۸۷۷ وسندہ صحیح)

بعض روایتوں میں امام زہری فرماتے ہیں: ''حدثنا عروۃ '' دیکھئے صحیح بخاری (۳۸۷۲) وصحیح مسلم (۶۰۹ وترقیم دارالسلام: ۱۳۷۵)

بعض جگہ ''أخبرني عروۃ '' کہتے ہیں۔ دیکھئے مسند احمد (۲۰۱/۶ ح ۲۵۶۵۰) ومسند الحمیدی (۳۰۸، ۵۴۳، ۵۵۳ بتحقیقی) ومسند الشافعی (ص ۳۰۷) والأم للشافعی (۲۸/۵) وموطأ امام مالک (۶۰۵/۲ ح ۱۳۲۵) ومسند ابی داود الطیالسی (۳۹) ومسند ابن المبارک (۱۵۹) ومصنف عبدالرزاق (۴۶۰/۷ ح ۱۳۸۸۷، وسندہ صحیح، ۳۲۰/۵ ح ۹۷۱۹ وسندہ صحیح) ومصنف ابن ابی شیبہ (۲۵۲/۱۰ ح ۲۹۳۰۷) وصحیح ابن خزیمہ (۳۰۴، ۳۳۲، ۱۰۳۶، ۲۱۵۰) وصحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۳) والمستدرک للحاکم (۳۴۳/۱ ح ۱۲۴۰، وقال: ''صحیح علیٰ شرط الشیخین '' ووافقہ الذہبی) وصحیح ابن الجارود (المنتقیٰ: ۷۰۰، ۷۲۵، ۷۳۸) ومشکل الآثار للطحاوی (۵۳/۴ ح ۲۲۹۳) ومسند اسحاق بن راہویہ (المکتبۃ الشاملہ ۲۵۲/۲ ح ۷۳۱، ۲۴۲/۲ ح ۷۲۱، ۱۸۶/۲ ح ۶۶۵)

اور کہیں ''سمعت عروۃ '' فرمایا ہے۔ مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۲۸۷۹، ۳۳۹۲، ۴۰۰۷) وصحیح مسلم (۱۶۰/۲۵۴ دارالسلام: ۴۰۵، ۲۱۴/ ۱۳۴ دارالسلام: ۳۴۶) ومسند احمد (۲۲۳/۶ ح ۲۵۸۶۵) ومسند الدارمی (۱۶۲/۲ ح ۲۲۷۲) والمستدرک للحاکم (۱۶۸/۲ ح ۲۷۰۶ وقال: ''صحیح علیٰ شرط الشیخین '') والسنن الکبریٰ للبیہقی (۴۴۱/۱، ۱۳۸/۷) والمعجم الکبیر للطبرانی (۵۶/۲۳ ح ۱۳۴) وغیرہ۔

اس طرح کے اور بھی بے شمار حوالے ہیں جن سے صاف اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امام زہری امام عروہ کے شاگرد ہیں اور ان کی روایت عروہ سے (صحیحین کے علاوہ سماع کی تصریح کے بعد) متصل ہوتی ہے۔ امام ابن شہاب الزہری بذاتِ خود فرماتے ہیں کہ ''كان إذا حدثني عروة ثم حدثتني عمرة صدق عندي حديث عمرة حديث عروة فلما استخبرتهما إذا عروة بحر لا ينزف'' جب مجھے عروہ حدیث بیان کرتے پھر عمرہ حدیث بیان کرتیں تو میرے نزدیک عمرہ کی حدیث عروہ کی حدیث کی تصدیق کرتی پھر جب

میں نے دونوں کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ عروہ ایسا سمندر ہیں جس میں کمی نہیں آتی۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ۷/۳۲ وسندہ صحیح)

ان نصوصِ متواترہ کے مقابلے میں ایک جدید تحقیق ظہور پذیر ہوئی ہے۔!

ایک شخص نے مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد و لاہور کی شائع کردہ کتاب ''جعلی جزء کی کہانی اور.... الجزء المفقود یا الجزء المصنوع'' کا ''علمی محاسبہ'' کے نام سے جواب دینے کی کوشش کی ہے جسے علمی محاسبے کے بجائے ''گالی نامہ'' یا مجموعۂ مغالطات وغیرہ کا نام دینا زیادہ مناسب ہو گا۔ یہ کتاب میلاد پبلکیشنز لاہور سے مارچ ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے مصنف نے لکھا ہے: ''قارئین کرام! بخاری شریف کے ان چھ مقامات پر امام زہری حضرت عروہ بن زبیر سے اخبرنی یا حدثنی سے سماع کی تصریح کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کی ملاقات حضرت عروہ بن زبیر سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔ جلیل القدر محدث جرح و تعدیل کے بہت بڑے امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

۱۔ **ولكن لا يثبت له السماع من عروة و إن كان قد سمع ممن هو أكبر منه غير أن أهل الحديث قد اتفقوا علىٰ ذلك و اتفاقهم على الشيء يكون حجة .**

(تہذیب التہذیب ج9 صفحہ 450 طبع حیدر آباد دکن)

لیکن امام زہری کا حضرت عروہ بن زبیر سے سماع ثابت نہیں ہے اور اگرچہ امام زہری نے عروہ بن زبیر سے بڑے راویوں سے سماع کیا ہے لیکن محدثین عظام نے اس پر اتفاق کیا ہے (کہ امام زہری کا عروہ بن زبیر سے سماع ثابت نہیں ہے) اور محدثین کرام کا کسی چیز پر اتفاق حجت ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ امام زہری کے عروہ بن زبیر سے سماع ثابت نہ ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔''

(علمی محاسبہ ص ۷۱، ۷۲)

الجواب: تہذیب التہذیب کی عبارت مذکورہ اپنے سابقہ متن کے ساتھ درج ذیل ہے:

''**الزهري لم يسمع من أبان شيئاً لأنه لم يدركه قد أدركه و أدرك من**

هو أكبر منه ولكن لا يثبت له السماع من عروة و إن كان قد سمع ممن هو أكبر منه غير أن أهل الحديث قد اتفقوا على ذلك و اتفاقهم على الشيّ يكون حجة '' (طبع حیدر آباد دکن ج ۶ ص ۱۵۰ وطبع دار الفکر ج ۹ ص ۳۹۸)

قارئین کرام! حیدر آباد کے مطبوعہ نسخے میں خالی جگہ سے صاف ظاہر ہے کہ تہذیب التہذیب سے کچھ عبارت رہ گئی ہے۔ دار الفکر بیروت کے نسخے میں خالی جگہ نقطے .... لگا دیئے گئے ہیں۔

حافظ ابن حجر کی مذکورہ عبارت اصل میں ابن ابی حاتم کی کتاب المراسیل سے منقول ہے۔
کتاب المراسیل کی مکمل عبارت درج ذیل ہے:

''الزهري لم يسمع من أبان بن عثمان شيئًا لا أنه لم يدركه، قد أدركه و أدرك من هو أكبر منه ولكن لا يثبت له السماع منه كما أن حبيب بن أبي ثابت لا يثبت له السماع من عروة بن الزبير وهو قد سمع ممن هو أكبر منه غير أن أهل الحديث قد اتفقوا علىٰ ذلك و اتفاق أهل الحديث علىٰ شيً يكون حجة''

زہری نے ابان بن عثمان سے کچھ بھی نہیں سنا، یہ نہیں کہ انھوں نے ابان کو نہیں پایا، انھیں پایا ہے اور ان سے بڑی عمر والوں کو (بھی) پایا ہے لیکن ان کا ابان سے سماع ثابت نہیں ہے جیسا کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع عروہ بن زبیر سے ثابت نہیں ہے اور انھوں نے عروہ سے بڑی عمر والوں سے سنا ہے لیکن اہلِ حدیث (محدثین) کا اس پر اتفاق ہے اور کسی چیز پر اہلِ حدیث کا اتفاق ہو تو وہ حجت ہوتا ہے۔ (المراسیل لابن ابی حاتم ص ۱۹۲)

یہ روایت بعض اختصار کے ساتھ حافظ ابن حجر کے استاد صلاح الدین العلائی کی کتاب جامع التحصیل (ص ۲۶۹) میں بھی موجود ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع عروہ سے ثابت نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر (امام ابو حاتم رازی سے) یہ نقل فرما رہے ہیں کہ حبیب بن ابی ثابت کا عروہ بن زبیر سے سماع ثابت نہیں ہے جب کہ کاتب یا کمپوزر کی غلطی سے حبیب

بن ابی ثابت کا نام اس عبارت سے گر گیا ہے اور ''گالی نامہ'' کے مصنف نے اس ناقص عبارت کی بنیاد پر اتنا بڑا دعویٰ کر دیا ہے کہ ''امام زہری کے عروہ بن زبیر سے سماع ثابت نہ ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔'' سبحان اللہ!

امام زہری تو یہ فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ سے سنا ہے اور بخاری، مسلم، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی وغیرہ محدثین زہری کی عروہ سے روایات کو صحیح قرار دیتے ہیں پھر بھی ''گالی نامہ'' کے مصنف یہ دعویٰ کر کے بغلیں بجا رہے ہیں کہ زہری کی عروہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔!

کتابت اور کمپوزنگ کی غلطیوں پر تحقیق کی بنیاد وہی شخص رکھتا ہے جس کا مقصد علم و تحقیق نہیں بلکہ دھوکا اور مغالطہ ہوتا ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری بریلوی پر تعجب ہے کہ انھوں نے اتنی فاش غلطیوں والی کتاب پر کس طرح تقریظ لکھ دی ہے؟ کیا انصاف دنیا سے رخصت ہو گیا ہے؟ کیا بریلویوں میں ایسا کوئی نہیں جو انھیں سمجھائے کہ یہ کیا لکھ رہے ہو؟

ایک یقینی و قطعی بات کا انکار ایک ناقص عبارت سے کر دینا اہلِ تحقیق کو کبھی زیب نہیں دیتا۔

تنبیہ: گالی نامے کے مصنف نے تہذیب التہذیب کی جو عبارت نقل کر کے یہ اعلان کیا ہے ''حالانکہ ان کی ملاقات حضرت عروہ بن زبیر سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔''

اسی طرح مشہور منکرِ حدیث تمنا عمادی نے اپنی کتاب ''امام زہری و امام طبری، تصویر کا دوسرا رخ'' میں تہذیب کی مذکورہ عبارت کا ایک حصہ نقل کر کے یہ اعلان کیا ہے:

''مگر باوجود اس کے خود حافظ ابن حجرؒ ہی لکھتے ہیں اور یقین کے ساتھ لکھتے ہیں کہ زہری کا سماع احادیث عروہ سے ثابت نہیں ہے۔'' (ص ۱۳۵، نیز دیکھئے ص ۱۳۲)

معلوم ہوا کہ اہلِ سنت ہونے کے بعض دعویدار اصل میں تمنا عمادی اور منکرینِ سنت کے قدموں کے نشانات پر اندھا دھند گامزن ہیں۔

سنن ترمذی کی ایک سند کا ذکر کر کے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"فإن كان محفوظًا احتمل أن يكون الزهري سمعه من عروة مختصرًا و سمعه عنه مطولاً و إلا فالقول ما قال ابن المبارك" اگر (ترمذی کی یہ عبارت) محفوظ ہے تو اس کا احتمال ہے کہ زہری نے اسے عروہ سے مختصراً سنا ہے اور ان (عبداللہ بن ابی بکر) سے مطولاً سنا ہے ورنہ وہی قول (راجح) ہے جو ابن المبارک نے فرمایا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۲۷، ۴۲۸ تحت ح ۵۹۹۵ کتاب الادب باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ)

حافظ ابن حجر کے اس قول سے معلوم ہوا کہ حافظ صاحب بھی اس کے قائل ہیں کہ زہری نے عروہ سے سنا ہے۔ اس تحقیق کے بعد تہذیب التہذیب کا وہ نسخہ دیکھنے کا اتفاق ہوا جسے ابراہیم الزیبق اور عادل مرشد کی تحقیق کے ساتھ مؤسسۃ الرسالۃ سے شائع کیا گیا ہے۔ اس نسخے میں لکھا ہوا ہے کہ "الزهري لم يسمع من أبان شيئًا لا أنه لم يدركه، قد أدركه و أدرك من هو أكبر منه ولكن لا يثبت له السماع منه، كما أن حبيب بن أبي ثابت لا يثبت له السماع من عروة، و إن كان قد سمع ممن هو أكبر منه، غير أنّ أهل الحديث قد اتفقوا على ذلك، و اتفاقهم على الشيئ يكون حجة." (تہذیب التہذیب ۶۹۸/۳)

تہذیب التہذیب کا یہ نسخہ مکتبہ قادسیہ لاہور اور ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد میں موجود ہے۔

تنبیہ: عروہ بن الزبیر المدنی رحمہ اللہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں پیدا ہوئے اور ۹۴ ہجری میں وفات پائی۔ (تقریب التہذیب: ۴۵۶۱)

جبکہ امام ابن شہاب الزہری المدنی ۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۲۱۸، ۳۵۶)

یعنی عروہ کی وفات کے وقت زہری کی عمر ۴۳ سال تھی۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری بریلوی سے مطالبہ ہے کہ وہ ذخیرۂ حدیث سے امام زہری کی عروہ بن الزبیر سے ایک ثابت شدہ مصرح بالسماع روایت پیش کریں جس پر محدثین یا کسی ایک مستند محدث نے یہ حکم لگایا ہو کہ یہ روایت منقطع ہے۔! (۲۹/ اپریل ۲۰۰۷ء)

صحیح مسلم کی ایک حدیث کا دفاع اور ثقہ راوی کی زیادت

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد :

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**و إذا قرأ الإمام فانصتوا.**)) اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

(مسند احمد ۴/۴۱۵ ح ۱۹۷۲۳، صحیح مسلم: ۴۰۴، ترقیم دار السلام: ۹۰۵، صحیح ابی عوانہ ۲/۱۳۳)

اس حدیث کو درج ذیل محدثین اور علماء نے صحیح قرار دیا ہے:

۱۔ امام مسلم رحمہ اللہ

امام مسلم کا اس حدیث کو اپنی کتاب صحیح مسلم میں درج کرنا اور جرح نہ کرنا، اُن کے نزدیک اِس کی تصحیح ہے۔ قال ابواسحاق الخ والی زیادت کے بارے میں محمد بن خلیفہ الابی لکھتے ہیں: "**وهي تدل علىٰ تصحيح مسلم لتلك الزيادة**" اور یہ اس (بات) پر دلالت کرتی ہے کہ مسلم اس زیادت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۲۸۷)

قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں: "**وقد ذكر ابن سفيان عن مسلم في رواية الجلودي بإثر هذا الحديث ما يدل علىٰ تصحيح مسلم لهذه الزيادة ...**"

اور (ابواسحاق ابراہیم بن محمد) بن سفیان نے (محمد بن عیسیٰ بن عمرویہ) الجلودی کی روایت میں (امام) مسلم سے اس حدیث کے بعد وہ (کلام) ذکر کیا جو مسلم کے نزدیک اس زیادت کی تصحیح پر دلالت کرتا ہے۔ (اکمال المعلم ۲/۳۰۰)

ابوالعباس (احمد بن عمر بن ابراہیم) القرطبی لکھتے ہیں: "**فهذا تصريح بصحتها...**" إلخ

پس یہ (امام مسلم کے نزدیک) اس کے صحیح ہونے کی تصریح ہے۔ (المفہم ۲/۳۹)

حافظ ابن تیمیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "**صححه أحمد و إسحاق و مسلم بن الحجاج وغيرهم**" اسے احمد (بن حنبل)، اسحاق (بن راہویہ) اور مسلم بن

الحجاج وغیرہم نے صحیح کہا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۲/۳۴۰)

ان کے علاوہ کئی علماء نے یہ فرمایا ہے کہ امام مسلم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

خبیب صاحب کے استاذِ محترم مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ حافظ ابومسعود الدمشقی کا اعتراض:

''امام مسلم کا مقصد تیمی کی حدیث ذکر کرنے سے یہ ہے کہ حدیث میں جو اختلاف ہے اسے بیان کیا جائے اس لئے نہیں (کہ) وہ اسے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔'' نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''مگر من وجہ اس پر کلام ہے کیونکہ امام مسلم کے نزدیک یہ زیادت صحیح ہے۔ لیکن چونکہ اس روایت کو امام بخاری، امام دارقطنی بلکہ امام احمد نے بھی معلول قرار دیا ہے۔ اس لئے ان کی بات امام مسلم سے مقدم ہے۔'' توضیح الکلام طبع قدیم ج ۲ ص ۲۴۸، طبع جدید ص ۶۶۴ حاشیہ)

ان محدثین کرام اور علماء بلکہ اپنے ہی استاذِ محترم کے خلاف خبیب صاحب لکھتے ہیں:

''امام مسلم نے یہاں سلیمان تیمی کی حدیث کو جس انداز سے ذکر کیا ہے اور سلیمان کی دیگر ثقات کی مخالفت پر تنبیہ کی ہے ان دونوں باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم بھی اس زیادت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ محض انھوں نے سلیمان تیمی اور قتادہ کے بقیہ شاگردوں کے مابین اختلاف ذکر کر کے اس کی علت کی جانب اشارہ کیا ہے جس کے درج ذیل قرائن ہیں:

یہ زیادت امام مسلم کے ہاں بھی شاذ ہے....''

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ج ۶۰ شمارہ: ۳۵ ص ۱۹) سبحان اللہ!

خبیب صاحب کو چاہئے کہ وہ ادارہ علوم اثریہ کی لائبریری میں اپنے واجب الاحترام استاذ سے گفتگو کر کے یہ مسئلہ طے کر لیں کہ استاذ صاحب کی بات صحیح ہے یا خبیب صاحب نے غلط سمجھا ہے؟

خبیب صاحب اپنے مضمون کے آخر میں اپنے خاص انداز میں اپنے ظن وگمان کو قوی یقین قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ہمیں بھی قوی یقین ہے کہ اگر محترم حافظ زبیر حفظہ اللہ توضیح الکلام میں اس حدیث کے بارے میں مکمل بحث پڑھ لیتے یا طائرانہ نگاہوں سے اس بحث کی شہ سرخیوں کو دیکھ لیتے تو وہ عجلت میں بھی ایسی تغلیط کے مرتکب نہ ہوتے۔ اس لیے

ان کا اس کلام پر اعتراض کرنا عدمِ تدبر کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلہ میں استاذ اثری حفظہ اللہ نے جو فرمایا، ان کا فرمان مسلک محدثین کا آئینہ دار ہے۔"

(الاعتصام لاہور ج ۶۰ شمارہ: ۳۶ ص ۲۴، ستمبر ۲۰۰۸ء)

اپنے استاذ محترم کی کتاب توضیح الکلام کو تدبر سے پڑھنے کا کیا یہ مطلب ہے کہ آپ کے استاذ محترم جو بات علانیہ اپنی کتاب میں کہہ رہے ہیں، آپ اُٹھ کر اُس کی علانیہ مخالفت شروع کر دیں؟ سبحان اللہ!

خبیب صاحب نے ایک بھی ایسی صریح دلیل پیش نہیں کی جس میں یہ آیا ہو کہ امام مسلم نے بذاتِ خود اپنی اس بیان کردہ حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا اُن کا "امام نووی کی توضیح بھی محل نظر ہے" (الاعتصام ۶۰/ ۳۵، ص ۲۰) لکھ کر علامہ نووی پر ردمحلِ نظر بلکہ نا قابلِ مسموع ہے۔ کیونکہ اثری صاحب بھی اسی بات کے معترف ہیں جس کی وجہ سے نووی پر اعتراض کیا گیا ہے۔

عجلت اور عدم تدبر تو یہ ہے کہ اثری صاحب کے کلام: "امام مسلم نے اگرچہ (مسلم ص ۱۷۴ جلد ۱) اس کی تصحیح کی مگر امام بخاری..." (توضیح الکلام ۲/ ۲۴۶ واللفظ لہ، طبع جدید ص ۶۶۳) پر غور و تدبر کئے بغیر یہ دعویٰ کر دیا گیا ہے کہ "یہ زیادت امام مسلم کے ہاں بھی شاذ ہے"

خبیب صاحب نے صحیح مسلم کی حدیثِ مذکور کے مضعفین (ضعیف کہنے والوں) میں سب سے پہلے امام مسلم کا نام لکھا ہے۔ (الاعتصام لاہور ۶۰/ ۳۶ ص ۲۳)

إنا لله و إنا إليه راجعون .

مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں حافظ المنذری سے نقل فرماتے ہیں: "فقد صحح مسلم هذه الزيادة من حديث أبي موسى الأشعري ومن حديث أبي هريرة رضي الله عنه ." "پس مسلم نے ابو موسیٰ الاشعری (رضی اللہ عنہ) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (دونوں) کی حدیث سے اس زیادت کو صحیح قرار دیا ہے۔

(عون المعبود ۱/ ۲۳۵ تحت ح ۶۰۴)

۲۔ ابوعوانہ الاسفرائنی رحمہ اللہ

حافظ ابوعوانہ کا اسے المستخرج علیٰ صحیح مسلم (۱۳۳/۲) میں جرح کے بغیر روایت کرنا اُن کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔ جن محدثین نے اپنی کتابوں میں صحت کا التزام کیا ہے وہ اگر ان کتابوں میں جرح کے بغیر کوئی روایت بیان کریں تو یہ ان کی طرف سے اُس روایت کی تصحیح ہوتی ہے، مثلاً صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ایسی روایاتِ مرویہ کو علمائے کرام صححہ ابن خزیمہ (ابن خزیمہ نے صحیح کہا) اور صححہ ابن حبان (ابن حبان نے صحیح کہا) کہتے اور لکھتے ہیں جیسا کہ حدیث کے عام طالب علموں پر بھی یہ مخفی نہیں ہے۔

روایت کی تصحیح اُس کے راویوں کی توثیق ہوتی ہے اِلا یہ کہ کوئی قرینۂ صارفہ اس کی تخصیص کردے۔ مثلاً دیکھئے نصب الرایہ (۱۴۹/۱) اور بیان الوہم والایہام (۳۹۴/۵)

۳۔ ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (المستخرج علیٰ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸ ح ۸۹۸)

۴۔ ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (جامع البیان ۱۱۲/۹)

۵۔ المنذری (عون المعبود ۲۳۵/۱ [مختصر سنن ابی داود ۳۱۲/۱])

۶۔ حافظ ابن تیمیہ (مجموع فتاویٰ ۲۹۵/۲۲)

۷۔ حافظ ابن کثیر (التفسیر ۳۶۹/۱ بحوالہ خبیب صاحب)

۸۔ حافظ ابن حجر (فتح الباری ۲۴۱/۲ تحت ح ۷۵۸)

۹۔ معاصرین میں سے شیخ البانی (ارواء الغلیل ۲۸/۲ ح ۳۳۲)

۱۰۔ حافظ ابن عبدالبر (التمہید ۳۴/۱۱)

۱۱۔ معاصرین میں سے شیخ سلیم الہلالی السّلفی (بحوالہ خبیب صاحب)

نمبر ۴ سے لے کر نمبر ۱۱ تک یہ وہ حوالے ہیں جو محترم خبیب صاحب نے تسلیم کئے ہیں۔ دیکھئے الاعتصام لاہور (۳۶/۶۰ ص ۲۴)

۱۲۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

(العلل للخلال بحوالہ الجوہر النقی ۱۵۵/۲، التمہید ۳۴/۱۱، مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۴۰/۲۲)

اس کے مقابلے میں خبیب صاحب نے شرح علل الترمذی لابن رجب الحنبلی (۷۹۰/۲) سے نقل کیا ہے کہ ''احمد..... سے امام اثرم نے اضطراب ثابت کیا ہے۔''

(الاعتصام ۶۰/۳۶ص ۲۳)

خاص اس حدیث کے بارے میں نقل دعویٰ اضطراب میں نظر ہے۔

خبیب صاحب لکھتے ہیں: ''ممکن ہے کہ امام احمد نے پہلے اس کی تصحیح فرمائی ہو بعد میں اصل حقیقت منکشف ہونے پر اس سے رجوع کرتے ہوئے اس پر اضطراب کا حکم لگایا ہو۔ واللہ اعلم''

(ایضاً ص ۲۳)

عرض ہے کہ اگر امام احمد سے حدیثِ مذکور پر اضطراب کا حکم ثابت ہو جائے تو ممکن ہے کہ انھوں نے پہلے اس پر اضطراب کا حکم لگایا ہو اور بعد میں تحقیق کرنے پر اسے صحیح قرار دیا ہو۔ کیا خیال ہے!؟

۱۳۔ محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۲۱/۱، نیز دیکھئے الاوسط لابن المنذر ۱۰۶/۳، ۱۰۷)

۱۴۔ قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی

(احکام القرآن ۸۲۸/۲، تحت آیۃ: ۲۰۴ من سورۃ الاعراف)

۱۵۔ ابواسحاق الاسفرائنی (متوفی ۴۱۸ھ)

وہ تمام علمائے کرام جو صحیح مسلم کو صحیح سمجھتے ہیں اور اُن سے اس خاص حدیث پر کوئی جرح ثابت نہیں وہ بھی اس حدیث کے مصححین میں سے ہیں۔

ابواسحاق الاسفرائنی نے صحیحین کی احادیث کو قطعی الصحت قرار دیا ہے۔

دیکھئے النکت علیٰ مقدمۃ ابن الصلاح للزرکشی (ص ۹۰)

۱۶۔ ابن الصلاح الشہرزوری الشافعی (مقدمہ ابن الصلاح ص ۴۲، دوسرا نسخہ ص ۹۲)

۱۷۔ ابن القیسرانی [ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی]

(صفۃ التصوف ورقہ ۸۷، ۸۸ بحوالہ احادیث الصحیحین بین الظن والیقین للشیخ حافظ ثناء اللہ الزاہدی ص ۲۰)

حافظ عراقی نے محمد بن طاہر المقدسی سے نقل کیا ہے کہ وہ صحیحین کی احادیث کو قطعی الصحت سمجھتے تھے۔ دیکھئے التقیید والایضاح (ص ۴۱)

۱۸۔ امام محمد بن مسلم بن عثمان بن عبداللہ الرازی المعروف بابن وارہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۰ھ)

امام مسلم نے جب امام محمد بن مسلم بن وارہ کے سامنے اپنی کتاب صحیح مسلم کی احادیث کو صحیح کہا اور اپنا عذر بیان کیا تو انھوں نے امام مسلم کا عذر قبول کر لیا۔

دیکھئے سوالات البرذعی لابی زرعہ الرازی (ص ۶۷۶، ۶۷۷)

امام ابن وارہ کا امام مسلم کا عذر قبول کرنا اور صحیح مسلم کی احادیث پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے بھی صحیح مسلم کا صحیح ہونا قبول کر لیا تھا۔

تنبیہ: ائمہ وعلماء کے ان اقوالِ مذکورہ میں تقدم وافضلیت کو مدنظر نہیں رکھا گیا بلکہ محترم خبیب صاحب کی تقسیم کی متابعت کی گئی ہے۔

۱۹۔ ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی

حافظ عراقی فرماتے ہیں: ''واقطع بصحة لما أسندا'' اور جسے یہ دونوں (بخاری ومسلم) سند سے بیان کریں تو اسے قطعی الصحت سمجھو۔

(الفیۃ العراقی مع تعلیقات الشیخ الصالح محمد رفیق الاثری حفظہ اللہ ص ۲۰، شعر: ۴۰، فتح المغیث للسخاوی ۱/۵۰)

۲۰۔ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)

(الجامع الصغیر ۱/۱۵۷ ح ۷۹۳ وقال: صح، فیض القدیر للمناوی ۱/۵۳۳)

ان کے علاوہ اور بھی محدثین وعلمائے کرام ہیں جو صحیح مسلم کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس روایت پر اُن سے جرح ثابت نہیں ہے۔

وہ تمام محدثین اور علماء جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث: ((وإذا قرأ فانصتوا)) کو صحیح وثابت سمجھتے ہیں اور صحیح مسلم کی اس خاص حدیث پر جرح نہیں کرتے وہ بھی صحیح مسلم کی حدیثِ مذکور کے مصححین (صحیح کہنے والوں) میں شامل ہیں۔

۲۱۔ ابن حزم اندلسی

انھوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے المحلی ۳/ ۲۴۰، مسئلہ: ۳۶۰)

۲۲۔ حسین بن مسعود البغوی

انھوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو احادیث حسان میں ذکر کیا ہے اور کوئی جرح نہیں کی۔ دیکھئے مصابیح السنۃ (۱/ ۳۳۳ ح ۶۰۹)

۲۳۔ خطیب بغدادی

جو محدثین کرام سنن النسائی (المجتبیٰ) کو صحیح سمجھتے تھے (اگرچہ اُن کا قول مرجوح ہے لیکن) اُن کے نزدیک بھی صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث صحیح ہے بشرطیکہ اُن سے خاص صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث پر جرح ثابت ہو جائے کیونکہ امام نسائی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کر کے اُس پر کوئی جرح نہیں کی۔ (دیکھئے المجتبیٰ/ سنن النسائی ۲/ ۱۴۱، ۱۴۲ ح ۹۲۲)

حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں: ''وقد أطلق علیه ـ أیضًا ـ اسم الصحة أبو علي النیسابوري و أبو أحمد بن عدي و أبو الحسن الدارقطني و ابن مندة و عبدالغني ابن سعید و أبو یعلی الخلیلي وغیرهم . و أطلق الحاکم اسم الصحة علیه وعلی کتابي أبي داود والترمذي کما سبق '' اور اس (سنن النسائی) پر صحیح ہونے کا اطلاق ابو علی النیسابوری، ابو احمد ابن عدی، ابو الحسن الدارقطنی، ابن مندہ، عبدالغنی بن سعید اور ابو یعلیٰ الخلیلی وغیرہم نے کیا ہے، اور حاکم نے اس (سنن النسائی) پر اور ابو داود و ترمذی کی کتابوں پر صحیح ہونے کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ (النکت علی ابن الصلاح ۱/ ۴۸۱)

تنبیہ نمبر ۱: ان کبار علماء کا قول مرجوح ہے اور صحیح یہ ہے کہ سنن اربعہ میں صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ ضعیف روایات بھی موجود ہیں۔

تنبیہ نمبر ۲: امام دارقطنی کا قول صحیح سند کے ساتھ تاریخ بغداد (۱۱/ ۳۹۷ ت ۶۲۷۶ ترجمہ علی بن الحسین بن حرب بن عیسیٰ) میں مذکور ہے۔

تنبیہ نمبر۳: قاضی ابویعلیٰ الخلیلی کا قول الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث (۲/۶۸۷ ترجمہ عبداللہ بن زاذان ابومحمد) میں مذکور ہے۔

تنبیہ نمبر۴: امام دارقطنی اور امام ابوعلی النیسابوری سے چونکہ حدیثِ مسلم پر کلام مذکور ہے لہٰذا انھیں اس حدیث کے مصححین میں شمار نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس روایت کی تخصیص کر دی جائے گی اور باقی احادیث پر اُن کا قول مذکورہ شرط کے ساتھ جاری رہے گا یا پھر اُن کی جرح اور تصحیح کو باہم متعارض و متناقض قرار دے کر ساقط کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم

۲۴۔ قاضی ابویعلیٰ الخلیلی (متوفی ۴۴۶ھ) (دیکھئے مصححین کا حوالہ نمبر۲۳)

۲۵۔ ابن عدی

۲۶۔ ابن مندہ

۲۷۔ عبدالغنی بن سعید (دیکھئے مصححین کا حوالہ نمبر۲۳)

۲۸۔ حاکم نیشاپوری

۲۹۔ اسحاق (غالباً ان سے مراد امام اسحاق بن راہویہ ہیں۔ واللہ اعلم)

حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ اس (صحیح مسلم والی) حدیث کو اسحاق نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے مجموع فتاویٰ (۲۲/۳۴۰) اور مصححین کا حوالہ نمبر۱

۳۰۔ ابن عبدالہادی (دیکھئے نصب الرایہ ج۱ ص۲۳۷)

ان کے علاوہ اور بھی حوالے تلاش کئے جاسکتے ہیں، دورِ حاضر میں شعیب ارناووط وغیرہ جیسے کئی مخرجین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ صحیح مسلم کی اس حدیث کو جمہور علماء و محدثین صحیح و ثابت سمجھتے ہیں۔

جمہور کی اس تحقیق کے خلاف مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے شاگرد جناب خبیب صاحب نے عجیب و غریب دعویٰ کر دیا ہے کہ ''اس لئے اس زیادت کے شذوذ اور ضعیف ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔'' (الاعتصام لاہور ۶۰/۳۵ ص۲۴) سبحان اللہ!

مضعفینِ حدیث: اس تفصیل کے بعد خبیب صاحب کی اس فہرست کا جائزہ پیشِ خدمت

ہے، جس میں انھوں نے صحیح مسلم کی روایتِ مذکورہ کے مضعفین کی تعداد کو معاصرین کے ساتھ چوبیس (۲۴) کے عدد تک پہنچایا ہے۔

۱۔ امام مسلم

اس پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے اور صحیح مسلم میں صاف طور پر ثابت ہے کہ امام مسلم نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث کو ''صحیح '' کہا ہے اور سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا وہی متن ہے جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ہے۔ کبار علماء نے بلکہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا ہے۔ یہ بات بیحد افسوسناک ہے کہ خبیب صاحب نے بغیر کسی صریح حوالے کے محض اپنے ظن وتخمین پر عمل کرتے ہوئے اور اپنے استاذ محترم کی مخالفت کرتے ہوئے امام مسلم سے یہ منسوب کر دیا ہے کہ انھوں نے اپنی بیان کردہ حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سبحان اللہ!

۲۔ امام بخاری

۳۔ امام محمد بن یحییٰ الذہلی

خبیب صاحب نے بطورِ حوالہ مرعاۃ المفاتیح (۱۲۸/۳) کو پیش کیا ہے حالانکہ مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس کا کوئی معتبر حوالہ پیش نہیں کیا۔

اسی صفحے پر مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ صحیح مسلم کی حدیثِ مذکور کے بارے میں لکھتے ہیں: ''وصححه أحمد و مسلم '' اور اسے احمد (بن حنبل) اور مسلم نے صحیح کہا ہے۔

(مرعاۃ المفاتیح ۱۲۸/۳)

جبکہ اس بات میں خبیب صاحب ان کے سراسر مخالف ہیں۔

۴۔ حافظ ابوعلی النیسابوری

حافظ ابوعلی کا ایک حوالہ اقوالِ مصححین (نمبر ۲۳) میں گزر چکا ہے کہ وہ سنن النسائی کو صحیح سمجھتے تھے اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سنن النسائی میں بغیر جرح کے موجود ہے لہٰذا کیا خیال ہے کہ ان دونوں اقوال کو متعارض قرار دے کر ساقط قرار دیا جائے یا انھیں

مضعفین کی فہرست میں شامل رکھا جائے!؟

۵۔ ابن خزیمہ

٦۔ ابوبکر الاثرم (اس حوالے میں نظر ہے)

۷۔ احمد بن حنبل (اس حوالے میں نظر ہے) نیز دیکھئے اقوالِ مصححین نمبر:۱۲

۹۔ ابوحاتم الرازی

۱۰۔ دارقطنی

امام دارقطنی کے قول کے تعارض کے لئے دیکھئے مصححین کا حوالہ نمبر:۲۳

۱۱۔ بیہقی

۱۲۔ نوونی

۱۳۔ ابوالفضل بن عمار الشہید

۱۴۔ ابوداود

۱۵۔ حافظ ابومسعود الدمشقی

۱٦۔ محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ [دورِ قریب کے سلفی عالم]

۱۷۔ محدث عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ [دورِ قریب کے سلفی عالم]

۱۸۔ شیخ مقبل بن ہادی الیمنی [معاصر]

۱۹۔ شیخ ربیع بن ہادی المدخلی [معاصر]

۲۰۔ ابراہیم بن علی (؟ مجہول) [معاصر]

۲۱۔ حمزہ الملیباری (فیہ نظر و تکلموا فیہ) [معاصر]

۲۲۔ بزار (البحر الزخار ۸/٦٦ ح ۳۰۵۹)

بزار کو مضعفین میں شامل کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ کہنا: اسے سلیمان التیمی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا، محدث بزار کے نزدیک اس حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہے اِلا یہ کہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ سلیمان بن طرخان التیمی کو ضعیف سمجھتے تھے۔

۲۳۔ حافظ مزی رحمہ اللہ (بحوالہ تحفۃ الاشراف ۶/ ۴۱۰)

حافظ مزی کا یہ کہنا کہ اس لفظ کو سلیمان التیمی کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا، اُن کے نزدیک اس حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہے لہٰذا اس فہرست میں اُن کا شامل کیا جانا بھی محلِ نظر ہے۔

۲۴۔ برادر محترم مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ [معاصر]

یہ ہے جناب خبیب صاحب کی کل فہرست جس میں پانچ معاصرین اور دو قریبی دور کے علماء کو نکالنے کے بعد باقی کل سترہ (۱۷) بچے جن میں سے بعض کے حوالے محلِ نظر ہیں۔ ان سترہ کے مقابلے میں بیس سے زیادہ علماء ومحدثین کا صحیح مسلم کی حدیث کو صحیح کہنا یا صحیح قرار دینا اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ حدیث جمہور کے نزدیک صحیح وثابت ہے۔ والحمد للہ

شواہد ومتابعات کی بحث

روایتِ مذکورہ میں کسی شاہد یا متابعت کا ہونا ضروری نہیں ہے اور ثقہ کی زیادت پر بحث وتحقیق آگے آرہی ہے (ان شاء اللہ) تاہم فی الحال امام سلیمان التیمی رحمہ اللہ کی بیان کردہ حدیث کی دو متابعات اور ایک شاہد پیشِ خدمت ہے:

① محدث بزار فرماتے ہیں: ''حدثنا محمد بن یحیی القطعي قال :أخبرنا سالم ابن نوح عن عمر بن عامر عن قتادة ''إلخ (البحر الزخار ۸/ ۶۶ ح ۳۰۶۰)

☆ محمد بن یحییٰ بن ابی حزم القطعی ثقہ ہیں۔

دیکھئے تحریر تقریب التہذیب (۳/ ۳۳۱ ت ۶۳۸۲)

☆ صحیح مسلم کے راوی سالم بن نوح بن ابی عطاء البصری العطار: صدوق حسن الحدیث ہیں۔ دیکھئے تحریر تقریب التہذیب (۲/ ۸ ت ۲۱۸۵)

انھیں امام مسلم، ابوزرعہ الرازی، ترمذی (تحسین حدیثہ: ۶۷۴)، ابن خزیمہ (۸۹۸، ۱۲۲۹، بتصحیح حدیثہ ۱/ ۳۲۹ ح ۱۲۲۹) اور ابن حبان وغیرہم (جمہور) نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔

☆ عمر بن عامر السلمی: صحیح مسلم کے راوی اور ''صدوق حسن الحدیث'' ہیں۔
دیکھئے تحریر تقریب التہذیب (۳/۷۷ت ۴۹۲۵)
انھیں مسلم، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، عجلی، ابن شاہین، ابوعوانہ (۴/۲۸۳ ح ۶۸۷۹ بتصحیح حدیثہ) اور حاکم (المستدرک ۴/۳۴۱ ح ۷۹۸۷ بتصحیح حدیثہ) وغیرہم (جمہور) نے ثقہ و صدوق قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سند حسن لذاتہ ہے۔

④ محدث ابوعوانہ الاسفرائنی فرماتے ہیں: ''حدثنا سهل بن بحر الجنديسابوري قال: ثنا عبدالله بن رُشيد قال: ثنا أبو عبيدة عن قتادة '' إلخ

(صحیح ابی عوانہ طبعہ جدیدہ ۱/۳۶۰ ح ۱۳۴۱)

☆ سہل بن بحر الجند یسابوری کو حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات (۸/۲۹۳) میں ذکر کر کے فرمایا: ''ممن صنف و جمع '' انھوں نے کتابیں لکھیں اور (حدیثیں) جمع کیں۔ الخ (یعنی حافظ ابن حبان نے انھیں پہچاننے کے بعد کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔)

ان سے ابوعوانہ اور ضحاک بن ہارون وغیرہما روایت کرتے ہیں۔ حافظ ابوعوانہ نے اُن سے صحیح ابی عوانہ میں دو جگہ روایت لی ہے۔ دوسری جگہ ایک روایت کے بارے میں ابوعوانہ فرماتے ہیں: ''حدثنا سهل بن بحر الجند يسابوري: حدثنا عبدالله بن رشيد : حدثنا أبو عبيدة و اسمه مجاعة عن قتادة '' إلخ

(صحیح ابی عوانہ ۱/۵۲۴ ح ۲۰۰۰، دوسرا نسخہ ۲/۱۵)

ابوعوانہ اور ابن حبان کی توثیق کے بعد، ہمارے نزدیک سہل بن بحر الجند یسابوری حسن الحدیث راوی ہیں۔

تنبیہ: مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے بغیر کسی قوی دلیل کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''مزید برآں صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی سہل بن بحر الجند یسابوری نہیں بلکہ سری بن سہل ہے جیسا کہ خیر الکلام میں ہے....'' (توضیح الکلام ج ۲ ص ۲۶۷، طبعہ جدیدہ ص ۶۷۸)

اصل کتاب کے راویوں کو ظن وگمان پر بدل دینا بہت زیادہ تحقیق کے بعد ہی ممکن ہے اور یہاں اسی مسند ابی عوانہ میں سہل بن بحر سے دوسری روایت کے مل جانے کے بعد مذکورہ دعویٰ کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟

سہل بن بحر کی دوسری مرویات کے لئے دیکھئے کتاب الدعاء للطبرانی (۲/۱۲۱۷ ح ۲۰۳۶) اخلاق النبی ﷺ لابی الشیخ الاصبہانی (ص ۱۵۷) اخبار اصبہان (۲/۲۹۷) حلیۃ الاولیاء (۴/۳۱۹، ۸/۱۸۸) المطالب العالیہ (۱/۱۹۱ ح ۲/۸۳ بحوالہ البزار)

ان سے امام زکریا الساجی اور احمد بن موسیٰ الانصاری وغیرہما بھی روایت کرتے ہیں۔

☆ عبداللہ بن رشید الجند یسابوری

ان پر امام بیہقی (السنن الکبریٰ ۶/۱۰۸) نے جرح کی ہے لیکن حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کر کے مستقیم الحدیث کہا ہے۔ (۸/۳۴۳)

ابوسعد عبدالکریم بن محمد السمعانی نے کہا: " وهو مستقيم الحديث " (الانساب ۲/۹۵)

ابوعوانہ نے ان سے صحیح ابی عوانہ میں روایت کر کے کوئی جرح نہیں کی لہٰذا ان تین توثیقات کے مقابلے میں امام بیہقی کی جرح مرجوح ہے اور یہ راوی قولِ راجح میں حسن الحدیث ہیں۔

☆ ابوعبیدہ مجاعۃ بن الزبیر الجند یسابوری

ان پر دارقطنی ، ابن عدی، عقیلی، ابن الجوزی، جوزجانی اور ابن خراش [ان صح] نے جرح کی ہے جیسا کہ لسان المیزان (۵/۱۶، دوسرا نسخہ ۵/۶۰۴) اور اس کی تخریج سے ظاہر ہے جبکہ احمد بن حنبل، شعبہ، ابوعوانہ (روایت کے ذریعے سے)، ابن حبان (الثقات ۷/۵۱۷ وقال: مستقيم الحديث) اور سمعانی (الانساب ۲/۹۵ وقال: مستقيم الحديث عن الثقات) نے تعریف وتوثیق کی ہے۔

حافظ ذہبی نے انھیں " أحد العلماء العاملين " لکھا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۷/۱۹۶)

ابن خراش کی جرح فی الحال ثابت نہیں ہے لہٰذا چھ علماء کی تعریف وتوثیق کی وجہ سے مجاعہ بن الزبیر حسن الحدیث ہیں۔ واللہ اعلم

معلوم ہوا کہ یہ روایت قتادہ تک حسن لذاتہ ہے اور اسے بطورِ شاہد پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تنبیہ: مولانا اثری حفظہ اللہ مجاعہ بن الزبیر پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بلکہ اس کے شاگرد عبدالصمد بن (عبد) الوارث فرماتے ہیں'' کان نحو الحسن بن دینار '' کہ وہ حسن بن دینار کی طرح کا تھا۔ (الکامل: ص ۲۴۱۹ ج ۶)۔'' (توضیح الکلام طبع جدید ص ۶۷۹)

اب آپ کے سامنے کامل ابن عدی کی اصل عبارت پیشِ خدمت ہے:

ابن عدی فرماتے ہیں: '' ثنا علان و بشر بن موسی المري قالا: ثنا إبراهيم بن يعقوب قال قلت لعبد الصمد بن عبدالوارث: من مجاعة هذا؟ قال: كان جارًا لشعبة نحو الحسن بن دينار و كان شعبة يسأل عنه ... '' إلخ

ہمیں (ابوالحسن علی بن احمد بن سلیمان بن ربیعہ بن صیقل) علان (المصری) اور بشر بن موسیٰ المری دونوں نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں ابراہیم بن یعقوب (الجوزجانی، صاحب احوال الرجال) نے حدیث بیان کی، کہا: میں نے عبدالصمد بن عبدالوارث سے کہا: یہ مُجاعہ کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: وہ (امام) شعبہ کا پڑوسی تھا جیسے حسن بن دینار (پڑوسی تھا) اور شعبہ سے اس کے بارے میں پوچھا جاتا تھا... الخ (الکامل فی ضعفاء الرجال ۶/۲۴۱۹، دوسرا نسخہ ۸/۱۷۴)

جوزجانی تک اس روایت کی سند صحیح ہے اور اسے ابن ابی حاتم نے بھی جوزجانی سے بیان کیا ہے۔ دیکھئے الجرح والتعدیل (۸/۴۲۰ وسندہ صحیح)

یہ عبارت کتاب الضعفاء للعقیلی (۴/۲۵۵، دوسرا نسخہ ۴/۱۳۹۵) میں مطبعی تحریف کے ساتھ موجود ہے اور احوال الرجال للجوزجانی (ص ۱۱۹ رقم ۱۹۵) کے مطبوعہ نسخے سے اس عبارت کا ایک حصہ ساقط ہو گیا ہے جس سے عبدالصمد رحمہ اللہ کا مذکورہ کلام محرّف ہو گیا ہے۔

کامل ابن عدی کی مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالصمد بن عبدالوارث نے مجاعہ کو حسن بن دینار کے ساتھ امام شعبہ کے پڑوسی ہونے میں مشابہت دی ہے نہ کہ وہ اسے

حسن بن دینار کی طرح مجروح سمجھتے تھے لہٰذا مولانا اثری حفظہ اللہ کو اپنی جلالتِ شان کے باوجود عجیب وہم لاحق ہوا ہے۔ مذکورہ وضاحت کے بعد حسن بن دینار پر مجاعہ بن الزبیر کے ذکر میں جروح نقل کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ ان جروح کا مجاعہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

③ شاہد کے طور پر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے کہ جس کا ذکر گذشتہ صفحات پر مختصراً گزر چکا ہے۔ دیکھئے اقوال مصححین نمبر ۲۰، اور سنن النسائی (تعلیقاتِ سلفیہ: ۹۲۲)

خلاصۂ تحقیق یہ ہے کہ امام سلیمان بن طرخان التیمی رحمہ اللہ (تابعی) کی بیان کردہ حدیث ((وإذا قرأ فأنصتوا)) متابعات اور شواہد کے بغیر بھی جمہور کے نزدیک صحیح ہے اور متابعات وشاہد نے تو اسے اور زیادہ صحیح کر کے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے، معلوم ہوا کہ قرائن بھی صحیح مسلم کی حدیث کے صحیح ہونے کے ہی مؤید ہیں۔ والحمد للہ

ثقہ کی زیادت

محدثین کرام (اہلِ حدیث) کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیح حدیث کی پانچ شرطیں ہیں:

(۱) ہر راوی عادل ہو (۲) ہر راوی ضابط (ثقہ) ہو (۳) سند متصل ہو (۴) شاذ نہ ہو (۵) معلول نہ ہو۔ مثلاً دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۲۰، ۲۱، دوسرا نسخہ ص ۷۹، ۸۰)

شاذ کسے کہتے ہیں؟ اُس کی تشریح میں امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لیس الشاذ ۔ من الحدیث ۔ أن یروي الثقة حدیثاً لم یروه غیره ، إنما الشاذ من الحدیث أن یروی الثقات حدیثاً ، فیشذ عنهم واحد فیخالفهم“ حدیث میں سے شاذ یہ نہیں ہے کہ ثقہ (راوی) کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو دوسرے نے بیان نہ کی ہو، شاذ حدیث تو وہ ہے کہ ثقہ راوی ایک حدیث روایت کریں تو اُن میں سے ایک آدمی شذوذ کرے، پس اُن کی مخالفت کرے۔

(آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۱۷۸، ۱۷۹، وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: ”إنما الشاذ أن یروي الثقات حدیثاً علی نص ثم یرویه ثقة خلافاً لروایتهم فهذا الذي یقال: شذ عنهم“ شاذ تو یہ ہے کہ ثقہ

راوی ایک لفظ (نص) پر کوئی حدیث بیان کریں پھر ایک ثقہ ان کی روایت کے خلاف بیان کرے تو اسے کہا جاتا ہے کہ اُس نے اُن سے شذوذ کیا ہے۔ (آداب الشافعی ص ۱۷۹، وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ ثقہ راویوں کی متصل روایات میں اصل عدمِ شذوذ اور عدمِ علت ہے اِلا یہ کہ دلیلِ قوی سے شذوذ یا معلول ہونا ثابت ہو جائے۔

ایک استاد کے شاگردوں میں سے کوئی شاگرد سند یا متن میں کوئی اضافہ بیان کرے جسے دوسرے بیان نہیں کرتے تو اسے زیادت کہا جاتا ہے۔ اگر زیادت بیان کرنے والا ثقہ ہو تو قولِ راجح میں یہ زیادت مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ اس میں ثقہ راویوں یا اوثق کی ایسی مخالفت نہ ہو جس میں تطبیق ممکن نہ ہو۔ نیز دیکھئے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری (ص ۳۸۴)

ثقہ راوی کی زیادت کے بارے میں امام شافعی کی تحقیق کو اصولِ حدیث میں اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۱۰۰ تا ۱۰۲، دوسرا نسخہ ص ۱۶۳، ۱۶۴)

خطیب بغدادی فرماتے ہیں: " قال الجمهور من الفقهاء وأصحاب الحديث: زيادة الثقة مقبولة إذا انفرد بها .... " إلخ جمہور فقہاء اور اصحاب الحدیث نے کہا: ثقہ کی زیادت مقبول ہے، جس کے ساتھ وہ منفرد ہو ....الخ (الکفایہ ص ۴۲۴)

خطیب رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: " والذي نختاره من هذه الأقوال أن الزيادة الواردة مقبولة على كل الوجوه ومعمول بها إذا كان راويها عدلاً حافظًا و متقنًا ضابطًا " ان اقوال میں سے ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں کہ وارد شدہ زیادت (اضافہ) تمام وجوہ پر مقبول اور معمول بھا ہے بشرطیکہ اس کا راوی عادل حافظ اور متقن ضابط (یعنی ثقہ) ہو۔ (الکفایہ ص ۴۲۵)

یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ بعض محدثینِ کرام اور اکابر علماء ثقہ راوی کی زیادت کو مخالفت قرار دیتے تھے مگر راجح یہی ہے کہ اسے مخالفت قرار دینا مرجوح ہے اور ثقہ راوی کی زیادت اگر ثقات واوثق کے مخالف ومنافی نہ ہو تو مطلقاً مقبول ہے، چاہے سند میں ہو یا متن میں اور ان علماء کو اجتہاد میں ماجور ہونے کی وجہ سے ایک اجر ضرور ملے گا۔ ان شاء اللہ

حاکم نیشاپوری فرماتے ہیں:" وهذا شرط الصحيح عند كافة فقهاء أهل الإسلام أن الزيادة في الأسانيد والمتون من الثقات مقبولة "

اہلِ اسلام کے تمام فقہاء کے نزدیک صحیح (حدیث) کی شرط یہ ہے کہ اسانید اور متون میں ثقہ راویوں کی زیادت مقبول ہوتی ہے۔ (المستدرک ۱/۳، دوسرا نسخہ ۱/۴۲)

مشہور غیر مقلد عالم اور منجنیق الغرب حافظ ابن حزم اندلسی الظاہری فرماتے ہیں:

" و إذا روى العدل زيادة علىٰ ماروى غيره فسواء انفرد بها أو شاركه فيها غيره :مثله أو دونه أو فوقه فالأخذ بتلك الزيادة فرض ... " جب دوسرے راویوں کی روایات پر کوئی عادل راوی زیادت بیان کرے، وہ اس میں منفرد ہو یا کسی دوسرے نے اس کی مشارکت کی ہو: اسی جیسا ہو یا اس سے نچلے درجے کا ہو یا اس سے اعلیٰ ہو، پس اس زیادت کو لینا فرض ہے... (الاحکام فی اصول الاحکام ۲/۲۱۶ فصل فی زیادۃ العدل)

حافظ ابن حزم مزید فرماتے ہیں:" ولا فرق بين أن يروي العدل الراوي حديثاً فلا يرويه أحد غيره أو يرويه غيره مرسلاً أو يرويه ضعفاء و بين أن يروي الراوي العدل لفظة زائدة لم يروها غيره من رواة الحديث و كل ذلك سواء واجب قبوله ... " اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ عادل راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جسے اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی بیان نہیں کرتا یا دوسرا اسے مرسل بیان کرتا ہے یا اسے ضعیف راوی بیان کرتے ہیں اور اس میں (بھی کوئی فرق نہیں) کہ عادل راوی کوئی لفظ زائد بیان کرے جسے اس کے علاوہ راویانِ حدیث میں سے کوئی بھی بیان نہ کرے اور یہ سب برابر ہے، اس کا قبول کرنا واجب ہے... (الاحکام ۲/۲۱۷)

امام بخاری رحمہ اللہ صحیح بخاری میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

" والزيادة مقبولة " اور زیادت مقبول ہے۔ (ج ۲ ص ۱۵۶ ح ۱۴۸۳)

ابو سعید محمد بن ہارون بن منصور المسکی النیسابوری (متوفی ۳۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ امام بخاری سے " إسرائيل عن أبي إسحاق عن أبي بردة عن أبيه عن النبي ﷺ

قال: ((لا نكاح إلا بولي.)) " والی حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: " الزيادة من الثقة مقبولة و إسرائيل بن يونس ثقة و إن كان شعبة و الثوري أرسلاه فإن ذلك لا يضر الحديث. " ثقہ کی زیادت مقبول ہے اور اسرائیل بن یونس ثقہ ہیں، اگرچہ شعبہ اور (سفیان) ثوری نے اسے مرسل بیان کیا ہے لیکن اس سے حدیث کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۱۰۸)

المسکی اعیان اصحاب الحدیث میں سے تھے اور کبار علماء نے اُن سے روایت بیان کی ہے۔ دیکھئے الانساب للسمعانی (۵/۲۹۳) اللباب فی تہذیب الانساب (۲/۳۳۰) اور الاکمال (۷/۲۴۲)۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے: "محدّث محتشم رئیس " (تاریخ الاسلام ۲۲/۵۵۱، ۵۵۲)

نیز دیکھئے ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی (ص ۸۴)

خیر القرون اور تیسری صدی ہجری (۳۰۰ھ) کے بعد ایسا راوی قولِ راجح میں حسن الحدیث ہوتا ہے لہٰذا یہ سند حسن ہے۔ المسکی تک سند صحیح ہے، نیز دیکھئے تحریر علوم الحدیث لعبداللہ بن یوسف الجدیع العراقی (۲/۶۸۷)

امام مسلم بن الحجاج النیسابوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والزيادة في الأخبار لايلزم إلا عن الحفاظ الذين لم يعثر عليهم الوهم في حفظهم " اور روایات میں زیادت لازم نہیں ہے مگر ان حفاظ سے جن کے حافظے میں وہم نہیں پایا گیا۔ (الاول من کتاب التمییز ص ۵۰ رقم: ۵۹)

یعنی امام مسلم کے نزدیک ثقہ حافظ کی زیادت مقبول ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا: " فإذا زاد حافظ ممن يعتمد على حفظه قبل ذلك عنه " پس ایسا حافظ جس کے حافظے پر اعتماد کیا جاتا ہے، اگر زیادت بیان کرے تو یہ اس سے مقبول ہوتی ہے۔ (کتاب العلل الصغیر آخر الجامع طبع دارالسلام ص ۸۹۹ ب)

حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:

"(وزيادة راويهما) أي الصحيح والحسن (مقبولة مالم تقع منافية لِ) رواية (من هو أوثق) ممن لم يذكر تلك الزيادة " اور صحیح وحسن حدیث کے راوی کی زیادت مقبول ہے بشرطیکہ وہ (اپنے سے) زیادہ ثقہ کے منافی نہ ہو جس نے یہ زیادت ذکر نہیں کی۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۴۶، ومع شرح الملا علی القاری ص ۳۱۵)

ابو اسحاق السبیعی عن حارثہ بن مضرب کی سند سے عبداللہ ابن النواحہ کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے جسے سفیان ثوری (ابوداود: ۲۷۶۲) ابو معاویہ الضریر (مسند احمد ۱/۳۸۴ ح ۳۶۴۲) اور قیس بن الربیع (المعجم الکبیر للطبرانی ۹/۲۲۰ ح ۸۹۵۹) نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے اور ابو عوانہ الوضاح بن عبداللہ نے ابو اسحاق سے اس روایت میں " و كفلهم عشائرهم " کا اضافہ بیان کیا ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۶/۷۷، ۸/۸۶) موضح اوہام الجمع والتفریق (۲/۱۰۸) اور تغلیق التعلیق (۳/۲۹۱ وقال: ھذا اسناد صحیح)

اس اضافے (زیادت) کا جب امام ابو زرعہ الرازی اور امام ابو حاتم الرازی سے ذکر کیا گیا تو دونوں نے فرمایا: "رواه الثوري ولم يذكر هذه الزيادة إلا أن أبا عوانة ثقة و زيادة الثقة مقبولة " اسے ثوری نے روایت کیا ہے اور یہ زیادت ذکر نہیں کی لیکن ابو عوانہ ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادت مقبول ہوتی ہے۔ (علل الحدیث ۱/۴۶۵ ح ۱۳۹۷)

تنبیہ نمبر ۱: میری تحقیق میں اس روایت کی سند امام ابو اسحاق السبیعی رحمہ اللہ (مدلس) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود بتحقیقی (۲۷۶۲)

تنبیہ نمبر ۲: مشکل الآثار للطحاوی (طبع جدید ۱۱/۳۱۲ تحت حدیث: ۴۴۶۵) میں اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق سے ابو عوانہ کی متابعت مروی ہے لیکن روایت کی سند میں طحاوی کے استاد القاسم بن عبدالرحمٰن الجزری السیافارقینی کے حالات میرے نزدیک نامعلوم ہیں۔

تنبیہ نمبر ۳: ابو عوانہ رحمہ اللہ کی روایتِ مذکورہ کی طرف امام بخاری نے تعلیقات میں اشارہ کیا ہے۔ (ح ۲۲۹۰)

جو شخص تعلیقات کے مدلسین کی روایات کے ثبوتِ سماع کا قائل ہے تو پھر یہ روایت

اس کی شرط پر صحیح ہے۔ واللہ اعلم

ثقہ کی زیادت کے بارے میں محدثین کرام اور علمائے حق کے اور بھی بہت سے اقوال وحوالے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ثقہ راوی کا اضافہ (زیادت) اگر ثقہ راویوں اور اوثق کے منافی نہ ہو (جس میں تطبیق نہ ہو سکے) تو یہ اضافہ (زیادت) مقبول ہے اور خبیب صاحب کا ثقہ واوثق راویوں کے عدمِ ذکر کو شذوذ کی دلیل بنالینا صحیح نہیں ہے۔

ثقہ راوی کی زیادت کی مناسبت سے دس مثالیں پیشِ خدمت ہیں جن سے ہمارے مؤقف کی زبردست تائید ہوتی ہے کہ شرطِ مذکور کے ساتھ زیادتِ ثقہ مقبول ہے:

مثال اول: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

" ثنا يحي بن سعيد عن سفيان: حدثني سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ ينصرف عن يمينه وعن شماله ورأيته يضع هذه علىٰ صدره / وصف يحي اليمنىٰ على اليسرىٰ فوق المفصل "

ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو (نماز سے فارغ ہو کر) دائیں اور بائیں (دونوں) طرف سلام پھیرتے ہوئے دیکھا ہے اور دیکھا ہے کہ آپ یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔ یحییٰ (القطان راوی) نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر جوڑ پر رکھ کر (عملاً) بتایا۔ (مسند احمد ۵/۲۲۶ ح ۲۲۳۱۳ وسندہ حسن والتحقیق لابن الجوزی ۱/۲۸۳)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ دیکھئے میری کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' (ص۱۴۔۱۶)

آلِ تقلید میں سے محمد بن علی النیموی صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اسے وکیع اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے ''علی صدرہ'' کے بغیر روایت کیا ہے۔ ابوالاحوص اور شریک نے اسے اس زیادت کے بغیر بیان کیا ہے (لہٰذا) یہ (زیادت) محفوظ نہیں ہے۔

دیکھئے آثار السنن (ص۱۴۴ ح ۳۲۶)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں نیموی صاحب کا زبردست اور

مضبوط رد کیا ہے۔ دیکھئے ابکار المنن (ص ۱۱۳، ۱۱۴)

خلاصہ یہ کہ اس روایت میں علیٰ صدرہ کا اضافہ صرف مسند احمد میں ہے اور دوسری کتابوں مثلاً سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن دارقطنی وغیرہ میں یہ اضافہ نہیں ہے تو کیا اس زیادت کو رد کر دیا جائے گا!؟

ثقہ راوی کے اس تفرد والی روایت کے بارے میں مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وإسناده حسن'' اور اس کی سند حسن ہے۔ (التعلیق المغنی ۱/۲۸۵)

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صریح دلیلوں میں یہ سب سے قوی دلیل ہے۔

صحیح ابن خزیمہ (۱/۲۴۳ ح ۴۷۹) میں ''مؤمل بن إسماعیل :نا سفیان عن عاصم ابن کلیب عن أبیه عن وائل بن حجر'' رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک روایت میں علیٰ صدرہ آیا ہے۔ اس زیادت کو بھی نیموی صاحب نے غیر محفوظ قرار دیا ہے کیونکہ اسے مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ کسی نے بھی اس سند و متن سے بیان نہیں کیا اور دوسرے راویوں نے اسے اس اضافے کے بغیر روایت کیا ہے مثلاً عبداللہ بن الولید عن سفیان الثوری، زائدہ و بشر بن المفضل وغیرہما عن عاصم بن کلیب ... الخ (دیکھئے آثار السنن ص ۱۴۰، ۱۴۱ ح ۳۲۵)

ہمارے نزدیک مؤمل بن اسماعیل تحقیقِ راجح میں موثق عند الجمہور اور حسن الحدیث ہیں۔ دیکھئے میری کتاب مقالات جلد اول (ص ۴۱۷۔۴۲۷) اور ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۱ ص ۱۸

لہٰذا اُن کا امام سفیان ثوری سے تفرد یہاں مضر نہیں ہے مگر سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے یہ روایت ہمارے نزدیک ضعیف ہے۔

تنبیہ نمبر ۱: اس حدیث کو امام ابن خزیمہ کا کسی جرح کے بغیر صحیح ابن خزیمہ میں درج کرنا اس کی دلیل ہے کہ اُن کے نزدیک متنِ حدیث میں ثقہ و صدوق راوی کی زیادت صحیح و مقبول ہوتی ہے۔

تنبیہ نمبر ۲: مؤمل بن اسماعیل کی زیادتِ مذکورہ والی روایت کو ادارہ علوم اثریہ منٹگمری بازار فیصل آباد سے شائع شدہ (پاکٹ سائز) کتاب ''پیارے رسول ﷺ کی پیاری نماز''

(ص ۱۳۲) میں بحوالہ بلوغ المرام بطورِ استدلال و حجت نقل کیا گیا ہے۔

تنبیہ نمبر۳: حنفی، بریلوی اور دیوبندی (تینوں) حضرات میں سے جو لوگ ضعیف یا حسن لغیرہ روایات کو بھی حجت سمجھتے ہیں اُن کے اصول پر سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت تو حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ سیدنا ہلب رضی اللہ عنہ والی روایت، مؤمل بن اسماعیل والی روایت اور امام طاوس رحمہ اللہ کی مرسل، لیکن پھر بھی وہ اسے حسن و حجت نہیں سمجھتے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ حسن لغیرہ کو حجت سمجھنے کے خلاف ہیں۔

یہ اعتراض آلِ تقلید کے خلاف بطورِ الزام ذکر کیا گیا ہے جو ان کے لئے ''پھکی'' ہے۔

مثال دوم: ابو ابراہیم محمد بن یحییٰ الصفار فرماتے ہیں: ''ثنا عثمان بن عمر عن یونس عن الزهري عن محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله ﷺ: ((لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب خلف الإمام .)) ''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں جس نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

(کتاب القراءت للبیہقی ص ۷۰ ح ۱۳۵، وقال: وهذا الإسناد صحیح والزیادة التي فیه کالزیادة في حدیث مکحول.... الخ، توضیح الکلام طبع جدید ص ۳۵۶)

اس روایت کو عثمان بن عمر سے خلف الامام کے اضافے کے بغیر امام دارمی (۱/۲۸۳ ح ۱۲۴۵، دوسرا نسخہ: ۱۲۷۸) نے بیان کیا ہے۔

یونس بن یزید سے اس حدیث کو خلف الامام کی زیادت کے بغیر لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب (جزء القراءۃ للبخاری بتحقیقی: ۶، صحیح مسلم: ۳۹۴، ترقیم دارالسلام: ۸۷۵) نے بیان کیا ہے۔

یونس بن یزید الایلی کے علاوہ امام زہری سے اسے ایک جماعت مثلاً سفیان بن عیینہ، صالح بن کیسان اور معمر بن راشد نے خلف الامام کے اضافے کے بغیر روایت کیا ہے۔
دیکھئے صحیحین وغیرہما اور المسند الجامع (۸/۶۲، ۶۳)

محمد بن یحییٰ الصفار (رازی) کے زبردست تفرد والی اس روایت کے بارے میں مولانا ارشاد الحق

اثری حفظہ اللہ علانیہ لکھتے ہیں:

''الغرض اس حدیث پر اعتراضات کی تمام شقیں باطل ہیں۔ امام بیہقی اور علامہ سیوطی اور علامہ علی متقی حنفی کا فیصلہ ہی صحیح ہے کہ اس کی سند بالکل صحیح ہے اور یہ زیادت متعدد طرق سے مروی ہے اور صحیح ہے۔'' (توضیح الکلام جدید ص ۳۶۰)

معلوم ہوا کہ بہت سے ثقہ راوی اگر کوئی زیادت متن میں ذکر نہ کریں اور صرف ایک (ثقہ وصدوق) راوی وہ زیادت ذکر کرے تو مولانا اثری اور امام بیہقی کے نزدیک وہ سند صحیح ہوتی ہے۔ والحمد للہ

ہم بھی یہی کہتے ہیں مگر خبیب صاحب اس کی بالکل مخالف سمت پر تیزی سے رواں دواں ہیں۔

تنبیہ: مولانا اثری حفظہ اللہ کے نزدیک امام زہری کی تدلیس مضر نہیں ہے۔

مثال سوم: **يونس بن يزيد الأيلي عن ابن شهاب الزهري عن نافع مولى أبي قتادة الأنصاري عن أبي هريرة رضي الله عنه** کی سند سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((کیف أنتم إذا نزل ابن مریم فیکم و إما مکم منکم .)) تمھارا اس وقت کیا حال ہوگا جب عیسیٰ بن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہو گا۔ (صحیح بخاری: ۳۴۴۹، صحیح مسلم: ۱۵۵)

اسے یونس بن یزید سے اس مفہوم کے ساتھ ابن بکیر اور عبداللہ بن وہب نے روایت کیا ہے۔ یونس کے علاوہ معمر، عُقیل بن خالد، اوزاعی، ابن اخی الزہری اور ابن ابی ذئب نے یہ روایت اسی مفہوم کے ساتھ اور من السماء کے اضافے کے بغیر روایت کی ہے۔
دیکھئے میری کتاب تحقیقی مقالات (ج ۱ ص ۱۰۳)

یہی روایت امام بیہقی نے احمد بن ابراہیم **عن ابن بكير عن يونس بن يزيد عن ابن شهاب عن نافع عن أبي هريرة** کی سند کے ساتھ درج ذیل الفاظ سے بیان کی ہے: ((کیف أنتم إذا نزل ابن مریم من السماء فیکم و إما مکم منکم .))

تمھارا اس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم آسمان سے اتریں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہوگا۔ (الاسماء والصفات ص ۵۳۵، دوسرا نسخہ ص ۴۲۴، تیسرا نسخہ ص ۳۰۱)

چونکہ صحیحین میں مدلسین کی روایات سماع پر محمول ہیں لہٰذا امام زہری کی یہ روایت صحیح ہے۔ اس حدیث کو علمائے حق نے مرزائیوں قادیانیوں کے خلاف بطورِ حجت پیش کیا ہے اور اس حدیث کا دفاع کیا ہے، مثلاً دیکھئے محمدیہ پاکٹ بک (ص ۵۸۹، ۵۹۰)

معلوم ہوا کہ مسئلہ عقیدے کا ہو یا اعمال و احکام کا، ثقہ راوی کی زیادت حجت ہے بشرطیکہ من کل الوجوہ ثقات یا اوثق کے خلاف نہ ہو لہٰذا عدمِ ذکر کو خلاف بنا دینا غلط ہے۔

مثال چہارم: ایک حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ (عشاء کی) نماز پڑھتے تھے پھر واپس جا کر اپنے قبیلے والوں کو (عشاء کی) نماز پڑھاتے تھے۔ اسے عمرو بن دینار نے سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۷۰۰) و صحیح مسلم (۴۶۵)

اسے عمرو بن دینار سے سفیان بن عیینہ، شعبہ اور ایوب وغیرہم نے اس مفہوم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دیکھئے المسند الجامع (۴۶۸/۳، ۴۶۹ ح ۲۲۷۰)

جبکہ یہ حدیث امام ابن جریج نے "هي له تطوع و هي لهم مكتوبة" وہ (نماز) اُن (معاذ رضی اللہ عنہ) کے لئے نفل ہوتی تھی اور ان لوگوں کے لئے (جو ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے) فرض ہوتی تھی۔ دیکھئے کتاب الام للشافعی (ص ۱۷۳ ج ۱) شرح معانی الآثار (۴۰۹/۱) سنن الدارقطنی (۲۷۴/۱، ۲۷۵ ح ۱۰۶۲، ۱۰۶۳) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۸۵/۳)

اس روایت میں امام ابن جریج رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔
دیکھئے سنن الدارقطنی (ح ۱۰۶۳، وسندہ صحیح)

اس زیادت والی روایت پر نیموی صاحب نے اپنے تقلیدی مذہب کو بچانے کے لئے "وفي هذه الزيادة كلام" کہہ کر حملہ کر دیا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۲۶۴ ح ۵۲۴)

نیموی صاحب کا رد کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" كلا بل هذه الزيادة صحيحة فإنها زيادة من ثقة حافظ ليست منافية لرواية من هو أحفظ منه أو أكثر عدداً كما ستقف عليه " ہرگز نہیں! بلکہ یہ زیادت صحیح ہے کیونکہ یہ ثقہ حافظ کی زیادت ہے، یہ زیادہ حافظ یا اکثر کے منافی نہیں ہے جیسا کہ آپ عنقریب واقف ہو جائیں گے۔ (ابکار المنن ص ۲۴۹، نیز دیکھئے ص ۲۵۰، ۲۵۱)

معلوم ہوا کہ ابن جریج (ثقہ راوی) کے تفرد والی روایت (جس میں اضافہ ہے) صحیح ہے اور مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ یہاں اور سینے پر ہاتھ باندھنے والے مسئلے میں ثقہ راوی کی زیادت کو صحیح سمجھتے تھے۔

تنبیہ بلیغ: نیموی صاحب نے اپنے مذہب کے مخالف بہت سی روایات پر کلام کیا ہے جن میں ثقہ وصدوق راویوں کی زیادات ہیں مگر ایک جگہ اپنی مرضی کی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: " و إسناده صحيح " (آثار السنن ص ۳۳ ح ۳۶)

التعلیق الحسن میں اس حدیث کے تحت نیموی صاحب نے محدث بزار سے نقل کیا کہ ہمارے علم کے مطابق اسے بشر بن بكر عن الأوزاعي عن يحي عن عمرة عن عائشة کی سند سے حمیدی کے سوا کسی نے بھی مسند (یعنی متصل) بیان نہیں کیا۔ پھر نیموی صاحب نے جواب دیا: عبداللہ بن الزبیر الحمیدی ثقہ حافظ امام اور امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے لہٰذا اُن کی یہ زیادت زبردست طور پر مقبول ہے کیونکہ یہ اوثق کی روایت کے منافی نہیں ہے۔ (آثار السنن ص ۳۳)

معلوم ہوا کہ نیموی صاحب زیادتِ ثقہ کے مسئلے میں دوہری پالیسی پر گامزن تھے۔

مثال پنجم: ولید بن عیزار نے ابوعمرو الشیبانی سے، انھوں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا:

((الصلوة على وقتها .)) نماز اپنے وقت پر پڑھنا۔ (صحیح بخاری: ۵۲۷، صحیح مسلم: ۸۵)

اسے ولید بن عیزار سے شعبہ، مسعودی، ابواسحاق الشیبانی اور ابویعفور نے اسی مفہوم

کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (المسند الجامع ۱۱/ ۵۰۶، ۵۰۷)

مالک بن مغول (ثقہ) کی روایت میں درج ذیل الفاظ آئے ہیں:

((الصلوٰة في أول وقتها .)) اول وقت میں نماز پڑھنا۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۳۲۷، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۱۴۷۷، دوسرا نسخہ: ۱۴۷۹، وقال: "تفرد به عثمان بن عمر" أي عن مالک بن مغول، ورح ۱۴۷۳/ ۱۴۷۵، المستدرک للحاکم ۱/ ۱۸۸، وصححہ ووافقہ الذہبی)

اس روایت میں عثمان بن عمر نے مالک بن مغول سے تفرد کیا ہے جبکہ محمد بن سابق (صحیح بخاری: ۲۷۸۲) نے اسے مالک بن مغول سے مذکورہ اضافے کے بغیر روایت کیا ہے۔

سنن دارقطنی وغیرہ میں اس کے کچھ ضعیف شواہد (تائید کرنے والی ضعیف روایات) بھی ہیں تاہم حق یہ ہے کہ عثمان بن عمر رحمہ اللہ (ثقہ) کی بذاتِ خود منفرد اور اول وقت کے اضافے والی روایت صحیح ہے۔ والحمد للہ

مثال ششم: ثقہ امام زائدہ بن قدامہ رحمہ اللہ نے عاصم بن کلیب عن أبیه عن وائل بن حجر رضي الله عنه کی سند سے ایک حدیث بیان کی کہ "فرأیته یحرکها یدعو بها" پس میں نے آپ (ﷺ) کو دیکھا، آپ (تشہد میں) اسے (شہادت کی انگلی کو) حرکت دے رہے تھے، اس کے ساتھ دعا کر رہے تھے۔

(سنن النسائی ۲/ ۱۲۷ ح ۸۹۰ وسندہ صحیح وصححہ ابن الجارود: ۲۰۸ وابن حبان، الاحسان: ۱۸۵۷)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ یہ حدیث بیان کر کے فرماتے ہیں: " لیس في شيء من الأخبار " یحرکها " إلا في هذا الخبر ، زائدة ذکره " اس حدیث کے علاوہ کسی حدیث میں یحرکها کا لفظ نہیں ہے، اسے (صرف) زائدہ نے ذکر کیا ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۵۴ ح ۷۱۴)

روایتِ مذکورہ پر بعض معاصرین نے کلام کیا ہے لیکن معاصرین میں سے ہی شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ اور ابو اسحاق الحوینی وغیرہما نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

شیخ البانی کی تصحیح کے لئے دیکھئے ارواء الغلیل (۲/ ۶۹ ح ۳۵۲)
بلکہ شیخ البانی نے (شذوذ کی وجہ سے؟!) اس حدیث کو ضعیف کہنے والوں کا زبردست رد کیا ہے۔ دیکھئے السلسلۃ الصحیحہ (۷/ ۵۵۱ ح ۳۱۸۱)
تنبیہ نمبر ۱: شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی تائید میں صحیح اور ضعیف جتنی روایات پیش کی ہیں اُن میں سے زائدہ کی روایت کے علاوہ کسی ایک میں بھی ''یحرکھا '' کا لفظ نہیں ہے۔
تنبیہ نمبر ۲: ہمارے شیخ مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ نے بھی شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کو بطورِ حجت پیش کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔
دیکھئے احکام ومسائل (ج ۱ ص ۱۹۶، ۱۹۷)
یہ اس کی دلیل ہے کہ حافظ صاحب بھی ثقہ کی زیادت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم
مثال ہفتم: هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها کی سند سے ایک روایت میں آیا ہے کہ'' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے یہاں آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تشریف رکھتے تھے عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا دن تھا، دو لڑکیاں یوم بعاث کے بارے میں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو انصار کے شعراء نے اپنے فخر میں کہے تھے.... ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ شیطانی گانے باجے! (... صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں) دو مرتبہ انھوں نے یہ جملہ دہرایا، لیکن آپ نے فرمایا: ابوبکر! انھیں چھوڑ دو۔ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور ہماری عید آج کا یہ دن ہے۔''
(صحیح بخاری مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور ج ۵ ص ۳۰۶ ح ۳۹۳۱)
اس حدیث کو ہشام بن عروہ سے شعبہ، حماد بن سلمہ اور ابو معاویہ الضریر نے بیان کیا ہے۔ (المسند الجامع ۲۰/ ۱۷۵ ح ۱۶۹۹۶)
یہ ان احادیث میں سے ایک ہے جن سے غامدی گروپ موسیقی کے جواز پر استدلال کرتا ہے۔ مثلاً دیکھئے مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' (ص ۱۶، ۱۷)
اس حدیث کو جب امام ابو اسامہ حماد بن اسامہ رحمہ اللہ نے ہشام بن عروہ سے اس سند و متن سے روایت کیا تو حدیث میں درج ذیل اضافہ بھی بیان کیا۔

"ولیستا بمغنیتین" وہ دونوں (بچیاں) مغنیہ نہ تھیں۔

(صحیح بخاری: ۹۵۲، صحیح مسلم: ۸۹۲، دارالسلام: ۲۰۶۱)

یہ اضافہ اگرچہ دوسرے راوی نہیں بیان کرتے مگر ثقہ کی زیادت مقبول ہونے کے اصول سے یہ اضافہ صحیح ہے اور اس حدیث سے غامدی گروپ کا استدلال باطل ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں مولانا اثری حفظہ اللہ اس زیادت کو صحیح و مقبول سمجھتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک بھی قولِ راجح میں متنِ حدیث میں ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہے۔

مثال ہشتم: ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے (سیدنا) ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: میں تمھارے پاس سے گزرا اور تم آہستہ آواز میں قراءت کر رہے تھے؟ انھوں نے کہا: میں اسے (اللہ کو) سناتا تھا جس سے میں سرگوشی کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: آواز تھوڑی بلند کیا کرو۔

آپ (ﷺ) نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) سے کہا: میں تمھارے پاس سے گزرا اور تم اونچی آواز سے قراءت کر رہے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: میں سوئے ہوؤں کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ آپ نے فرمایا: اپنی آواز ذرا کم کیا کرو۔ (سنن الترمذی: ۴۴۷ وقال: غریب الخ)

امام ترمذی نے فرمایا: اس حدیث کو صرف یحییٰ بن اسحاق (السیلحینی) نے عن حماد ابن سلمة (عن ثابت البناني عن عبداللّٰه بن رباح الأنصاري عن أبي قتادة رضي اللّٰه عنه) کی سند سے بیان کیا ہے اور اکثر لوگ اس حدیث کو ثابت عن عبداللّٰه ابن رباح (رحمه اللّٰه عن النبي ﷺ) مرسلاً بیان کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی بتحقیق مختصر للشیخ الالبانی ص ۱۲۰)

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں یحییٰ بن اسحاق ثقہ راوی کا تفرد ہے۔ ثقہ راوی کے تفرد والی اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۲/ ۱۸۹، ۱۹۰ ح ۱۱۶۱) حافظ ابن حبان (الاحسان ۳/ ۷ ح ۷۳۰، دوسرا نسخہ: ۷۳۳) حاکم (المستدرک ۱/ ۳۱۰) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ ان تمام محدثین کے نزدیک ثقہ کی زیادت صحیح و معتبر ہوتی ہے۔ والحمدللہ

تنبیہ نمبر۱: حدیثِ مذکور کو شیخ البانی رحمہ اللہ وغیرہ معاصرین نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔
تنبیہ نمبر۲: نیز دیکھئے سنن ابی داود (۱۳۲۹)
مثال نہم: سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جنت والے جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: کیا تم کوئی مزید چیز چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: کیا تو نے ہمارے چہرے سفید (روشن) نہیں کر دیئے؟ کیا تو نے ہمیں آگ سے نجات دے کر جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ پھر اللہ پردہ ہٹائے گا تو وہ اپنے رب کی طرف دیکھنے سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں دیئے جائیں گے۔

(صحیح مسلم: ۱۸۱، دار السلام: ۴۴۹)

اسے حماد بن سلمہ نے ثابت البنانی عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن صہیب کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث کو سلیمان بن المغیرہ نے ثابت سے انھوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے قول سے روایت کیا ہے اور صہیب عن النبی ﷺ کا اضافہ بیان نہیں کیا۔ (سنن الترمذی: ۳۱۰۵)

امام ترمذی نے مزید فرمایا: اس حدیث کو صرف حماد بن سلمہ نے (متصل) سند کے ساتھ اور مرفوع بیان کیا ہے اور سلیمان بن مغیرہ (اور حماد بن زید) نے اس حدیث کو ثابت البنانی عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے قول سے روایت کیا ہے۔ (ح ۲۵۵۲)

☆ سلیمان بن المغیرہ کی روایت کے لئے دیکھئے تفسیر طبری (۱۱/۴ے) الزہد لابن المبارک (زوائد نعیم بن حماد الصدوق المظلوم: ۲۸۲ وسندہ صحیح).

☆ حماد بن زید کی روایت کے لئے دیکھئے تفسیر طبری (۱۱/۷۵، وسندہ صحیح)

☆ معمر بن راشد کی روایت کے لئے دیکھئے تفسیر طبری (۱۱/۷۵ وسندہ صحیح)

یہ بات مسلّم ہے کہ حماد بن سلمہ اثبت الناس عن ثابت ہیں لیکن اسی روایت کو مرفوع متصل بیان نہ کرنے والے تینوں امام زبردست ثقہ ہیں اور جماعت ہونے کی بنا پر حماد سے زیادہ قوی ہیں۔

ہمارے نزدیک ثقہ کی زیادت معتبر ہونے کی وجہ سے صحیح مسلم والی روایت بالکل صحیح ہے اور تین ثقہ اماموں کی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مقطوع روایت بھی صحیح ہے۔ والحمدللہ

مثال دہم: امام زہری کی بیان کردہ عن عروة بن الزبير عن بشير بن أبي مسعود الأنصاري عن أبيه رضي الله عنه کی سند سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو پانچ نمازیں پڑھائی تھیں۔

دیکھئے صحیح بخاری (۵۲۱) وصحیح مسلم (۶۱۰) وغیرہما۔

اسے امام زہری سے ایک جماعت مثلاً امام مالک، سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد اور شعیب بن ابی حمزہ وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ امام زہری سے اسامہ بن زید اللیثی (صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور) کی روایت میں درج ذیل اضافہ ہے:

"ثم كانت صلاته بعد ذلك التغليس حتى مات ولم يعد إلى أن يسفر"

پھر اس کے بعد آپ (ﷺ) کی (فجر کی) نماز وفات تک اندھیرے میں تھی اور آپ نے دوبارہ کبھی روشنی کر کے (یہ نماز) نہیں پڑھی۔ (سنن ابی داود: ۳۹۴، مطبوعہ دارالسلام ۱/۳۴۱)

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں: "هذه الزيادة لم يقلها أحد غير أسامة بن زيد"

اس زیادت (اضافے) کو اسامہ بن زید کے سوا کسی نے بھی روایت نہیں کیا۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/۱۸۱ ح ۳۵۲)

صدوق راوی کے اس تفرد والی روایت کو امام ابن خزیمہ، حافظ ابن حبان (الاحسان: ۱۴۴۶) اور حاکم (۱/۱۹۲، ۱۹۳ ح ۶۹۲) نے صحیح قرار دیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ ان محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی کی زیادت صحیح وحسن ہوتی ہے۔

تنبیہ نمبر ۱: چونکہ امام زہری کی اصل حدیث صحیحین میں ہے اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۱/۴۴۱) میں انھوں نے اصل حدیث میں عروہ سے سماع کی تصریح کر دی ہے لہٰذا یہ روایت حسن ہے۔

تنبیہ نمبر ۲: المستدرک للحاکم (۱/۱۹۰ ح ۶۸۲) میں اس حدیث کا ایک حسن لذاتہ شاہد

بھی ہے لہٰذا اسامہ بن زید کی حدیث صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب انوار السنن فی تحقیق آثار السنن (مخطوط ص ۴۳ ح ۲۱۳) والحمدللہ

تنبیہ نمبر ۳: جس طرح مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے شاگرد خبیب صاحب نے صحیح مسلم کی حدیث کو شاذ (یعنی ضعیف) قرار دیا، اُسی طرح نیموی تقلیدی صاحب نے اسامہ بن زید اللیثی کی حدیث کو "والزیادة غیر محفوظة" کہہ کر ضعیف قرار دیا ہے۔

دیکھئے آثار السنن (ص ۹۷ ح ۲۱۳)

اللہ تعالیٰ نے نیموی پر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کو مسلط کر دیا۔ مولانا مبارکپوری نے نیموی کے اعتراضات کے جوابات دے کر اسامہ بن زید کی توثیق ثابت کی اور فرمایا: "فإن زیادة الثقة إنما تکون شاذة إذا کانت منافیة لروایة غیره من الثقات و أما إذا لم تکن منافیة فهي مقبولة وهو مذهب المحققین وسیأتي تحقیقه في باب وضع الیدین علی الصدر وزیادة أسامة بن زید في هذا الحدیث لا ینافي لروایة غیره فهذه الزیادة مقبولة بلامریة"

کیونکہ ثقہ کی زیادت تو اس وقت شاذ ہوتی ہے جب وہ دوسرے ثقہ راویوں کے منافی ہو اور اگر منافی نہ ہو تو وہ مقبول ہوتی ہے اور یہی محققین کا مذہب ہے، اس کی تحقیق سینے پر ہاتھ باندھنے والے باب میں آئے گی اور اس حدیث میں اسامہ بن زید کی زیادتی (اضافہ) دوسرے راویوں کے منافی نہیں ہے پس یہ زیادت بغیر کسی شک کے مقبول ہے۔

(ابکار المنن فی تنقید آثار السنن ص ۸۰)

صحیح مسلم کی حدیث کو ضعیف قرار دینے والوں کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ اگر اسامہ بن زید اللیثی کی زیادت مقبول ہے تو سلیمان التیمی کی زیادت کیوں مقبول نہیں؟!

ہم جب کسی راوی کو ثقہ وصدوق حسن الحدیث یا حدیث کو صحیح وحسن لذاتہ قرار دیتے ہیں تو اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، تناقض وتعارض سے ہمیشہ بچتے ہوئے، غیر جانبداری سے اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے راوی کو ثقہ وصدوق حسن الحدیث اور حدیث

کو صحیح وحسن قرار دیتے ہیں۔ایک دن مر کر اللہ کے دربار میں ضرور بالضرور اور یقیناً پیش ہونا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی مرضی کی روایت کو صحیح وثابت کہہ دیں اور دوسری جگہ اسی کو ضعیف کہتے پھریں۔ یہ کام تو آلِ تقلید کا ہے!

اگر کوئی شخص میری کسی تحقیق یا عبارت میں سے تضاد و تعارض ثابت کر دے تو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ علانیہ رجوع کروں گا، توبہ کروں گا اور جو بات حق ہے برملا اس کا اعلان کروں گا۔ لوگ ناراض ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں، بس اگر اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ اے اللہ! میری ساری خطائیں معاف کر دے۔ آمین

صحیح بخاری وصحیح مسلم اور مسلکِ حق : مسلکِ اہلِ حدیث کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔ یہ باتیں جذباتی نہیں بلکہ میرے ایمان کا مسئلہ ہے۔

قارئین کرام! ان دس مثالوں سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت اگر (من کل الوجوہ) منافی نہ ہو (جس میں تطبیق وتوفیق ممکن ہی نہیں ہوتی) تو پھر عدمِ منافات والی یہ زیادت مقبول وحجت ہے۔ والحمدللہ

خبیب صاحب کے بنیادی اعتراضات کا جواب دے کر صحیح مسلم کی حدیث کو صحیح ثابت کر دیا گیا ہے، اب اس حدیث کے مفہوم کی تحقیق پیشِ خدمت ہے:

بعض تقلیدی حضرات اس حدیث ((و إذا قرأ فانصتوا .)) اور جب (امام) قراءت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ، سے استدلال کرتے ہوئے فاتحہ خلف الامام سے منع کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ استدلال تین وجہ سے مردود ہے:

① دل میں خفیہ آواز سے (سراً) پڑھنا فانصتوا (انصات/ خاموشی) کے خلاف نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((من اغتسل یوم الجمعة و مس من طیب إن کان عنده ولبس من أحسن ثیابه ثم خرج حتی یأتی المسجد فیرکع إن بدا له ولم یؤذ أحدًا ، ثم أنصت إذا خرج إمامه حتی یصلّی کانت کفارة لما بینها و بین الجمعة الأخری))

جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو اسے لگائے اور اپنا اچھا لباس پہنے پھر مسجد کی طرف جائے پھر جو میسر ہو نماز پڑھے اور کسی کو تکلیف نہ دے پھر جب اس کا امام آجائے تو انصات کرے (خاموش ہو جائے) حتیٰ کہ نماز پڑھ لے، یہ اس کے اور اگلے جمعے کے درمیان کا کفارہ بن جائے گا۔

(مسند احمد ۵/۴۲۰ ح ۲۳۵۷۱ وسندہ حسن، الطبرانی فی الکبیر ۴/۱۶۱ ح ۴۰۰۷، آثار السنن: ۹۱۳ وقال: "واسنادہ صحیح")

ایک روایت میں آیا ہے:

((وينصت حتى يقضي صلاته إلا كان كفارة لما قبله من الجمعة .)) اور پھر وہ خاموش رہے حتیٰ کہ وہ اپنی نماز مکمل کرے تو یہ سابقہ جمعے تک کا کفارہ ہو جائے گا۔

(سنن النسائی ۳/۱۰۴ ح ۱۴۰۴)

اس روایت کی سند میں ابراہیم نخعی مدلس ہیں لیکن یہی روایت دوسری سند کے ساتھ صحیح بخاری (۹۱۰) میں ((ثم إذا خرج الإمام أنصت)) إلخ کے الفاظ سے ہے جو نسائی والی روایت کی تائید کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ نسائی والی روایت بھی ان شواہد کے ساتھ حسن یا صحیح ہے۔ نسائی کی اس روایت کو مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے بھی بطورِ استدلال پیش کیا ہے۔

(توضیح الکلام طبع جدید ص ۶۰۷، طبع قدیم ۲/۱۶۵)

مسند احمد (۵/۷۵ ح ۲۰۷۲۱) میں سیدنا نبیشۃ الخیر الہذلی رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک منقطع شاہد بھی ہے جسے مولانا اثری حفظہ اللہ نے پیش فرمایا ہے۔ (توضیح الکلام جدید ص ۶۰۸، قدیم ۲/۱۶۶)

نیز دیکھئے میری کتاب نیل المقصود فی التعلیق علیٰ سنن ابی داود (مخطوط/عربی ج ۱ ص ۱۲۵ ح ۳۴۳)

خلاصہ یہ کہ دل میں سراً وخفیہ پڑھنا انصات کے منافی نہیں ہے لہٰذا تقلیدیوں کا صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث سے استدلال مردود ہے۔

ایک شکایت: مسند احمد (۵/۴۲۰) کی جس مفصل روایت کو اس جواب کے شروع میں پیش کیا گیا ہے، اُس میں بنیادی راوی محمد بن اسحاق بن یسار امام المغازی ہیں۔ نیموی صاحب

نے یہاں اُن کی حدیث کو "و إسناده صحیح " لکھا ہے لیکن دوسری جگہ فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں انھی محمد بن اسحاق بن یسار کے بارے میں "وھو لا یحتج بما انفرد بہ " اور وہ جس میں منفرد ہوں حجت نہیں ہیں (!) لکھا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۱۶۱ ح ۳۵۳)

کیا انصاف اسی کا نام ہے کہ ایک ہی راوی کی حدیث کو جب مرضی ہو تو صحیح کہہ دیا جائے اور جب مرضی کے خلاف ہو تو ضعیف و معلول قرار دے کر اس کے (روایت میں) حجت ہونے سے ہی انکار کر دیا جائے۔ سبحان اللہ!

② جو شخص پہلے جواب کا منکر ہے، اُس کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ حدیث ((وإذا قرأ فانصتوا.)) ماعدا الفاتحہ (یعنی سورۂ فاتحہ کے علاوہ ماسوا) پر محمول ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اگرچہ اپنے اجتہاد کے مطابق صحیح مسلم کی حدیث مذکور پر کلام کیا ہے، جس میں وہ مجتہد ماجور ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں: اور اگر یہ الفاظ صحیح ثابت ہو جائیں تو انھیں سورۂ فاتحہ کے علاوہ پر محمول کیا جائے گا اور یہ کہ امام کے سکتوں میں قراءت کی جائے۔ رہا مسئلہ ترکِ قراءت کا تو یہ اس حدیث سے واضح نہیں ہے۔ (جزء القراءۃ: ۲۶۴، نصر الباری ص ۲۸۴)

معلوم ہوا کہ حدیثِ مذکور سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی بلکہ جہری نماز میں یہ فاتحہ کے علاوہ قراءت کے ممنوع ہونے پر محمول ہے اِلا یہ کہ کوئی قرینۂ صارفہ اس کی تخصیص کر دے مثلاً اگر حافظ بھول جائے تو فاتحہ کے علاوہ بھی مقتدی قرآن کی متعلقہ آیت پڑھ کر اس حافظ کی بھول دور کر سکتا ہے جسے لقمہ دینا کہتے ہیں۔

تنبیہ: زمانۂ تدوینِ حدیث میں بعض محدثین کرام کا بعض صحیح احادیث اور ثقہ و صدوق راویوں پر جرح کرنا، دوسرے محدثینِ کرام کی تحقیقات کی روشنی میں رد کر دیا جاتا ہے لیکن جرح کرنے والے محدثین یا محدث کو مجتہد مخطی ہونے کی وجہ سے ماجور و معذور سمجھا جائے گا کیونکہ ان کی امامت و عدالت کا یہی تقاضا ہے کہ ان کی نیت نیک تھی۔ ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ اصولِ حدیث اور جمہور محدثین کی توثیق کے مطابق صحیح و حسن احادیث کو قبول

کریں۔

③ اگر کوئی شخص سابقہ دونوں جوابات کا منکر ہے اور اس حدیث کو فاتحہ خلف الامام کے خلاف پیش کرنے پر بضد ہے تو عرض ہے کہ مخالفتِ راوی کے اصول سے یہ حدیث منسوخ ہے۔ حدیث مذکور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جسے امام مسلم نے صحیح کہا ہے اور نیموی صاحب لکھتے ہیں:

''وهذا حديث صحيح '' اور یہ حدیث صحیح ہے۔ (آثار السنن ص ۱۷۵ ح ۳۶۰)

دوسری طرف اس حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دینا ثابت ہے مثلاً آپ نے فرمایا: جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تُو اُس کے ساتھ قراءت کر اور اس سے پہلے ختم کر لیا کر... الخ

(جزء القراءۃ للبخاری: ۱۵۳، وسندہ صحیح، آثار السنن: ۳۵۸ وقال: و إسنادہ حسن)

بعض آلِ تقلید کا یہ دعویٰ کرنا کہ ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ قرآن، حدیث اور آثارِ صحابہ کے خلاف ہے'' محض ظن و تخمین پر مبنی ہونے اور بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

صحیح مسلم کی حدیثِ مذکور کے تحقیقی دفاع کے بعد اب خبیب صاحب کے بعض فقروں کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱: حسن لغیرہ (ضعیف+ضعیف+ضعیف) کے حجت نہ ہونے کے بارے میں مشہور عالم اور شیخ حافظ ابن القطان الفاسی المغربی (متوفی ۶۲۸ھ) سے حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ ''لا يحتج به كله ، بل يعمل به في فضائل الأعمال ... '' إلخ

اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی بلکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے... الخ

(النکت علی ابن الصلاح ۱/ ۴۰۲)

حافظ ابن حجر نے ابن القطان کے اس قول کو ''حسن قوي '' قرار دیا ہے۔

اس موضوع پر عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم کی ایک کتاب ''الحسن بمجموع الطرق في ميزان الإحتجاج بين المتقدمين و المتأخرين '' ۲۱۳ صفحات پر مطبوع ہے اور

محترم مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کی لائبریری میں موجود ہے، وہاں سے منگوا کر یا خود جا کر پڑھ لیں۔

زرکشی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ ''**ولو بلغت طرق الضعیف ألفًا لا یقوي ولا یزید انضمام الضعیف إلی الضعیف إلا ضعفًا** ''اور اگر ضعیف (روایت) کی ہزار سندیں بھی ہوں تو اس سے تقویت نہیں ہوتی اور ضعیف کو ضعیف کے ساتھ ملانے سے صرف ضعف ہی زیادہ ہوتا ہے۔ (النکت علی ابن الصلاح للزرکشی ص ۱۰۴)

علامہ زرکشی نے حافظ ابن حزم کے قول کو شاذ و مردود کہہ کر رد کر دیا ہے مگر عمرو بن عبدالمنعم نے زرکشی کی مخالفت کی ہے۔ دیکھئے الحسن بمجموع الطرق (ص ۷۱، ۷۲)

علمائے کرام کے ان اقوال اور دیگر اقوال کے باوجود یہ کہتے پھرنا کہ حسن لغیرہ حجت ہے اور اس پر اجماع ہے (!) بہت عجیب و غریب بات ہے۔!

کیا خیال ہے؟ صحیح مسلم کی حدیث ((**و إذا قرأ فانصتوا.**)) حسن لغیرہ کے درجے تک بھی نہیں پہنچتی؟ اور اگر پہنچتی ہے تو پھر صحیح مسلم کی حدیث کے خلاف اتنا لمبا مضمون لکھنے کا کیا فائدہ تھا؟! فیا للعجب !!

۲: صدوق راوی کی زیادت کو حسن سمجھنے کے لئے صرف نخبۃ الفکر کا حوالہ بھی کافی ہے جو کہ اسی مضمون میں باحوالہ گزر چکا ہے۔

صدوق موثق عندالجمہور کی روایات کو حسن و صحیح قرار دینا محدثین اور محققین کے مسلسل اقوال سے ثابت ہے۔ مثلاً زیادتِ ثقہ کی دسویں مثال میں اسامہ بن زید والی روایت کو شیخ البانی نے ''**وھذا إسناد حسن**'' إلخ قرار دیا ہے۔ دیکھئے صحیح سنن ابی داود (۲/ ۲۵۱)

اس کے باوجود ''اصول سازی'' اور ''مصطلح سازی'' کا طعن کیا معنی رکھتا ہے؟ سبحان اللہ!

حافظ ابن حجر کا قول (النکت ۲/ ۶۹۰) خود ان کے اپنے قول (شرح نخبۃ الفکر ص ۳۱۵) کے خلاف ہونے کی وجہ سے ساقط ہے۔

۳: محترم خبیب صاحب نے شیخ البانی رحمہ اللہ کی چھتری تلے صحیح مسلم کی ایک روایت اور

بعض اسانید پر بحث کی ہے جو کہ مرجوح ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔ چونکہ اس بحث سے ((وإذا قرأ فانصتوا.)) والی حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی لہٰذا ان اعتراضات پر طویل بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صحیح مسلم کی بعض روایات پر اعتراضات کر کے خبیب صاحب لکھتے ہیں: ''صحیح بات تو یہ ہے کہ ان مثالوں سے امام مسلم کی معرفت حدیث عبقری شخصیت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔'' (الاعتصام لاہور ۶۰/۳۶ص ۲۲) سبحان اللہ

اس طرح تو شیخ البانی نے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی جن روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، اس سے امام مسلم، امام بخاری کی معرفت حدیث اور عبقری شخصیات خوب نکھر کر سامنے آجاتی ہوں گی۔ سبحان اللہ!

تحریر کرتے وقت یہ ضرور خیال رہنا چاہئے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اور اس کی زد میں کون آرہا ہے۔!

۴: خبیب صاحب کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ راقم الحروف نے اس وقت توضیح الکلام کو مکمل بالاستیعاب پڑھ لیا تھا جب وہ پہلی دفعہ چھپی تھی اور میرے نسخے پر میرے اپنے قلم سے لکھے ہوئے حوالے اس پر گواہ ہیں۔ اس زمانے میں عبدالقدیر دیوبندی (حضروی) نے تدقیق الکلام نامی کتاب میں توضیح الکلام پر جو اعتراض کیا تھا اس کا جواب میں نے اسے بھیجا تھا جس کی اصل غالباً میری لائبریری میں محفوظ ہوگی۔

نیز توضیح الکلام جدید پر پرانے نسخے کے صفحات کے جو نمبر لکھے گئے ہیں وہ میرے ہی مشورے سے لکھے گئے ہیں۔ آپ اپنے استاذ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ سے پوچھ سکتے ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۰/ستمبر ۲۰۰۸ء، ۹/رمضان ۱۴۲۹ھ)

ضعیف روایات اور اُن کا حکم

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:
اُصولِ حدیث کی رُو سے قبول اور رد کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں:
صحیح (مقبول) اور ضعیف (مردود)
دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۹۹/۱ مع الباعث الحثیث والشرح للالبانی رحمہ اللہ) اور تحفۃ اہل النظر فی مصطلح اہل الخبر لابی معاذ عبدالجلیل الاثری (ص ۳۷) وغیرہ
مولانا سلطان محمود محدّث جلالپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"حدیث کی تقسیم مقبول اور غیر المقبول یا المردود کے اعتبار سے
المقبول: جس حدیث پر ائمہ سنت کے نزدیک عمل واجب ہو۔
غیر المقبول یا المردود: جس حدیث کے بیان کرنے والے کا صدق راجح نہ ہو۔"
(اصطلاحات المحدّثین ص۹)
ڈاکٹر محمود طحان کویتی لکھتے ہیں: "قوت وضعف کے لحاظ سے خبر آحاد کی تقسیم
خبر آحاد (مشہور، عزیز اور غریب) اپنی قوت وضعف کے لحاظ سے دو قسموں پر مشتمل ہے:
(ا) مقبول: وہ خبر ہے جو مخبر بہ یعنی نفس مضمون کی صداقت کے باعث ترجیح پا جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ اسے بطورِ دلیل پیش کرنا واجب اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔
(ب) مردود: وہ خبر ہے جو مخبر بہ یعنی نفس مضمون کی عدم صداقت کے باعث ترجیح نہ پا سکے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔" (اصطلاحاتِ حدیث اردو ص۳۹، واللفظ لہ، تیسیر مصطلح الحدیث ص۳۲)
بعض علماء نے حدیث کی تین اقسام بیان کی ہیں:

صحیح، حسن اور ضعیف۔ دیکھئے علوم الحدیث لابن الصلاح عرف مقدمۃ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی (ص ۱۸، دوسرا نسخہ ص ۷۹) اور التقریب للنووی (ص ۲) وغیرہ

چونکہ حسن بھی صحیح کی ایک قسم ہے لہٰذا اصل میں قبول اور رد کے لحاظ سے دو قسمیں ہی بنتی ہیں: صحیح اور ضعیف یا مقبول اور غیر مقبول (مردود)

صحیح حدیث حجت ہوتی ہے اور اس کی مشہور و مستند کتابیں صحیح بخاری و صحیح مسلم ہیں جنھیں امت کی تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے علاوہ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن الجارود، سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ میں صحیح احادیث کثرت سے موجود ہیں۔

اہل سنت کے مشہور امام اور عظیم محدث احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی الہاشمی المطلبی رحمہ اللہ کا ذکر کیا اور فرمایا: ''سمعته يقول :إذا صح عند كم الحديث عن رسول الله صلى الله عليه(وسلم) فقولوا حتى أذهب به في أي بلد كان'' میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: جب تمھارے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو مجھے بتا دو تا کہ میں اسے اپنا مذہب قرار دوں، جس علاقے میں بھی (یہ حدیث) ہو۔ (حلیۃ الاولیاء ۹/۱۰۶، وسندہ صحیح)

امام احمد ہی سے روایت ہے کہ (امام) شافعی نے مجھے فرمایا: ''أنتم أعلم بالحديث والرجال مني فإذا كان الحديث صحيحًا فأعلموني : كوفيًا كان أو بصريًا أو شاميًا حتى أذهبَ إليه ــــ إذا كان صحيحًا .'' تم حدیث اور رجال کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو لہٰذا اگر صحیح حدیث ہو تو مجھے بتا دینا: کوفے کی حدیث ہو یا بصرے (عراق) کی یا شام کی (حدیث ہو) تا کہ میں اس پر عمل کروں بشرطیکہ حدیث صحیح ہو۔

(مناقب الشافعی للامام ابن ابی حاتم ص ۷۰ وسندہ صحیح)

ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ (امام) شافعی نے ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے پوچھا: اے ابوعبداللہ! کیا آپ اس حدیث کو لیتے ہیں؟

توانھوں نے فرمایا: جب بھی میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث بیان کروں پھر اس سے استدلال نہ پکڑوں تو اے جماعت! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میری عقل ختم ہو چکی ہے۔ (مناقب الشافعی للبیہقی ۱/۴۷۴ وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ کے ان صحیح وثابت اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) صحیح حدیث حجت ہوتی ہے۔ (۲) امام شافعی رحمہ اللہ متبعِ حدیث تھے۔ (۳) ایسی حدیثیں بھی ہوتی ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔ (۴) غیر صحیح یعنی ضعیف حدیث حجت نہیں ہوتی۔ (۵) صحیح حدیث حجت ہے چاہے وہ مکے مدینے کی ہو یا عراق وشام وغیرہ کی ہو۔ (۶) حدیث کی جانچ پڑتال کے لئے اسماء الرجال کے ماہر محدثین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ (۷) ہر وقت حق کی طرف رجوع کرنا چاہئے (۸) یہ ضروری نہیں ہے کہ مجتہد اور ہر بڑے عالم کو ہر حدیث اور ہر دلیل معلوم ہو۔ (۹) علماء کی یہ شان ہے کہ وہ ہمیشہ تواضع سے کام لیتے ہیں۔ (۱۰) صحیح احادیث کا انکار کرنے والے لوگ قرآن و حدیث اور اجماع کے انکار کے ساتھ سلف صالحین کے بھی مخالف ہیں۔ **وغیر ذلك من الفوائد**

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رحم اللّٰہ امرءًا سمع مني حدیثًا فحفظه حتی یبلّغه غیره فرب حامل فقه إلٰی من هو أفقه منه و رب حامل فقه لیس بفقیه .))

اللہ اُس آدمی پر رحم کرے جو مجھ سے کوئی حدیث سُنے پھر اسے یاد کر لے حتیٰ کہ اسے دوسرے تک پہنچا دے کیونکہ بعض اوقات فقہ اُٹھانے والا، اُسے اس تک پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور بعض اوقات فقہ اُٹھانے والا فقیہ نہیں ہوتا۔ (صحیح ابن حبان: ۶۷ وسندہ صحیح)

اس حدیث پر حافظ ابن حبان نے باب باندھا ہے: **"ذکر رحمة اللّٰہ جلّ وعلا من بلّغ أمة المصطفٰی ﷺ حدیثًا صحیحًا عنه ."**

اس شخص کے لئے اللہ جل وعلا کی رحمت کا ذکر جو مصطفیٰ ﷺ کی اُمت تک آپ کی طرف سے صحیح حدیث پہنچا دے۔ (الاحسان ج۱ ص۲۷۰ قبل ح۶۷)

صحیح حدیث کیا ہوتی ہے؟ اصولِ حدیث میں اس کی شرائط بیان کردی گئی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① ہر راوی عادل ہو۔

② ہر راوی ضابط ہو۔

عادل اور ضابط کے مجموعے کو ثقہ کہا جاتا ہے۔ اور اگر ضبط میں کچھ کمی یا شبہ ہو تو جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق راوی کو حسن الحدیث کہا جاتا ہے اور اس کی حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے جو صحیح حدیث کی ہی ایک قسم ہے۔

③ سند متصل ہو۔

④ شاذ نہ ہو۔

⑤ معلول نہ ہو۔ مثلاً دیکھئے اختصار علوم الحدیث (ص ۹۹ ج ۱ مع تحقیق الالبانی)

یہاں خواہشاتِ نفسانیہ اور فرقہ پرستی کا دخل نہیں بلکہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدِ نظر رکھ کر، اللہ تعالیٰ کو عالم ناظر سمجھ کر عدل و انصاف کے ساتھ حکم لگایا جاتا ہے۔ جو شخص اس کے خلاف چلتا ہے تو اس کا حکم مردود ہوتا ہے۔

ضعیف روایت: اصولِ حدیث میں ضعیف روایت کو غیر مقبول اور مردود روایات کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً دیکھئے تیسیر مصطلح الحدیث (ص ۶۲)

احکام و عقائد میں تو سب علماء کے نزدیک ضعیف حدیث مردود ہے لیکن بعض علماء اسے ضعیف تسلیم کر کے فضائلِ اعمال وغیرہ میں اس کی روایت یا عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں لیکن وہ اسے بعض شرائط کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں:

شرط اول: ضعف شدید نہ ہو، کذابین متہمین بالکذب اور فحش غلطیاں کرنے والے کی روایت نہ ہو، اس شرط پر اتفاق (اجماع) ہے۔

شرط دوم: کسی عام دلیل کے تحت درج ہو۔

شرط سوم: عمل کے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔

(دیکھئے القول البدیع فی فضل الصلوۃ علی الحبیب الشفیع ص ۲۵۸)

شرط چہارم: عامل کو یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(تبیین العجب بما ورد فی فضائل رجب لابن حجر ص ۱۲)

شرط پنجم: مدح اور ذم کے لحاظ سے اس حدیث کا حکم شریعت میں ثابت ہو۔

شرط ششم: یہ ضعیف روایت صحیح حدیث کی تفصیلات وغیرہ پر مبنی نہ ہو۔ دیکھئے حکم العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لابی الیسر اشرف بن سعید المصری (ص ۵۵)

اتنی شرطوں پر عمل کرنے کے لئے حدیث کی تخریج اور سند کی تحقیق کرنی ضروری ہے۔

جب تحقیق آئے گی تو ضعیف روایتوں کی جگہ صحیح روایتیں لے لیں گی۔

علمائے کرام کا دوسرا گروہ ضعیف روایات پر عمل کا قائل نہیں چاہے عقائد و احکام ہوں یا فضائل و مناقب اور اسی گروہ کی تحقیق راجح ہے۔ اس گروہ کے جلیل القدر علماء کے آثار میں سے دس حوالے پیشِ خدمت ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ علماء ضعیف حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے:

① بُشَیر بن کعب العدوی (تابعی) رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں: ''قال رسول اللہ ﷺ قال رسول اللہ ﷺ'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نہ اُن کی حدیثیں سنیں اور نہ اُن کی طرف دیکھا۔

دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دار السلام: ۲۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ مرسل روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے بھی اس واقعے سے یہی سمجھا ہے۔

دیکھئے النکت علی ابن الصلاح (۵۵۳/۲، النوع التاسع: المرسل)

جب مرسل روایت جو کہ ضعیف احادیث کی ایک قسم ہے، حجت نہیں ہے تو دوسری ضعیف روایات بدرجۂ اولیٰ حجت نہیں ہیں۔

② امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ اور اسکے مثل جو ہم نے اہل علم کا کلام ذکر کیا (جرح و تعدیل رواۃ کے متعلق) ان رواۃ حدیث کے بارے میں جو مُتہم ہیں (کسی عیب کے ساتھ) اور ان کے عیوب کے بارے میں اطلاعات جو ذکر کیں ان کا سلسلہ بہت زیادہ ہے اور اگر ان سب کا استقصاء کیا جائے تو کتاب طویل تر ہو جائے گی۔ اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے (ان علماء کا کلام) یہ ہر اس شخص کیلئے کافی ہے جو اہل الحدیث کا مذہب سمجھ جائے کہ اس بارے میں انھوں نے کیا کہا اور اسے کھول کر بیان کر دیا۔ اور علماء حدیث نے رواۃ حدیث اور ناقلینِ اخبار کے عیوب کو کھول کر واضح کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا اور ان کے عیوب پر فتویٰ دینے کا اہتمام کیا اس وقت جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا، کیونکہ اس میں بہت عظیم خطرہ تھا۔ اور وہ یہ کہ احادیث و روایات دین کے معاملہ میں جب آئیں گی تو وہ یا تو کسی امر حلال کے بیان کیلئے ہوگی یا حرام کے۔ یا کسی کام کے حکم پر مشتمل ہوگی یا نہی پر۔ یا اس میں کسی کام پر ترغیب دلائی گئی ہوگی یا کسی کام سے ڈرایا گیا ہوگا۔ تو اگر وہ راوی صدق و امانت سے متصف نہ ہو اور پھر اس سے کوئی ایسا شخص روایت کرے جو اسکے حال سے واقف ہونے کے باوجود ان لوگوں سے جو اسکے عیب سے ناواقف ہیں اسکے عیب کو بیان نہ کرے تو وہ روایت کرنے والا اپنے اس فعل سے گناہگار ہوگا اور عوام مسلمین کو دھوکہ دینے والا ہوگا۔ کیونکہ ان روایات و احادیث کو جو بھی سنے گا وہ ان پر ایمان لا کر عمل کریگا یا ان میں سے بعض پر عمل کریگا۔ اور بہت ممکن ہے وہ تمام مرویات یا ان میں سے اکثر مرویات صرف کذب و جھوٹ پر مبنی ہوں۔ انکی کوئی اصل نہ ہو۔ حالانکہ صحیح احادیث ثقہ راویوں سے اور ایسے رواۃ سے جنکی روایت پر قناعت و اعتماد کیا جا سکتا ہے اتنی کثرت سے مروی ہیں کہ کسی غیر ثقہ اور غیر معتمد راوی کی روایات کی طرف کوئی احتیاج بھی نہیں ہے... اور جن لوگوں نے اس قسم کی ضعیف اور مجہول الاسناد احادیث روایت کرنے کی ٹھانی ہے اور ان ضعیف احادیث کے ضعف اور خرابی کو جاننے کے باوجود اسے روایت کرنے کی عادت میں مبتلا ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ان

میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جنہیں ایسی روایات واحادیث کی روایت کرنے اور اس کی عادت بنانے پر اس بات نے آمادہ کیا کہ وہ اس طریقہ سے عوام الناس کے سامنے اپنا کثیر العلم والحدیث ہونا ثابت کریں اور اسلئے تا کہ کہا جائے کہ فلاں نے کتنی ہزار احادیث جمع کی ہیں۔ اور علمِ حدیث میں جو شخص اس راہ پر چلا اور اس طریقہ کو اختیار کیا تو علم حدیث میں اسکا کوئی حصہ نہیں ہے اور اس کو جاہل کہنا اسے عالم کہنے کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔''

(مقدمہ صحیح مسلم مطبوعہ دار الاشاعت کراچی ج۱ص ۱۸۵، ۱۸۶، مع شرح النووی ۱/۱۲۳۔ ۱۲۷، صحیح مسلم مطبوعہ دار السلام ص۱۹، رقم: ۹۲)

امام مسلم کے اس طویل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ احکام ہوں یا ترغیب وترہیب (فضائل وغیرہ) ہر حال میں ضعیف حدیث حجت نہیں ہے۔

ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں: ''**وظاهر ما ذكره مسلم في مقدمة كتابه أنه لاتروى أحاديث الترغيب والترهيب إلا عمن تروى عنه الأحكام**'' مسلم نے اپنی کتاب (صحیح مسلم) کے مقدمے میں جو ذکر کیا ہے اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ ترغیب و ترہیب (فضائل وغیرہ) میں بھی انھی راویوں سے روایتیں بیان ہونی چاہئیں جن سے احکام کی روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ (شرح علل الترمذی ج۱ص۷۴)

③ امام سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

''**لا يحدّث عن رسول الله ﷺ إلا الثقات**''

رسول اللہ ﷺ سے صرف ثقہ راوی ہی حدیث بیان کریں۔ (مقدمہ صحیح مسلم طبع دار السلام: ۳۱)

معلوم ہوا کہ امام سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ غیر ثقہ وضعیف راویوں کی روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

④ ابو اسحاق ابراہیم بن عیسیٰ الطالقانی رحمہ اللہ نے امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کے سامنے ایک منقطع روایت فضائل میں بیان کی تو انھوں نے اس پر کلام کر کے رد کر دیا۔

دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم (ص۱۱ رقم: ۳۲)

⑤ ابن لہیعہ نے ایک حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص عصر کے بعد سو جائے پھر اس کی عقل زائل ہو جائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔

مروان بن محمد الطاطری (ثقہ) فرماتے ہیں کہ میں نے رمضان میں دیکھا لیث بن سعد (رحمہ اللہ) عصر کے بعد سو گئے تو میں نے پوچھا: اے ابو الحارث! آپ عصر کے بعد کیوں سو جاتے ہیں اور ہمیں ابن لہیعہ نے عقیل عن مکحول کی سند سے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص عصر کے بعد سو جائے پھر اس کی عقل زائل ہو جائے تو وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔ (امام) لیث نے فرمایا: "لا أدع ما ینفعني بحدیث ابن لهیعة عن عقیل" مجھے جو چیز فائدہ دیتی ہے، میں اسے ابن لہیعہ کی عقیل سے روایت کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتا۔

(الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۴۶۳ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ج ۵ ص ۲۳۹، ۲۴۰)

معلوم ہوا کہ امام لیث بن سعد المصری رحمہ اللہ بھی ضعیف حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے چاہے مسئلہ فضائل کا ہو یا احکام وغیرہ کا۔ نیز دیکھئے الضعیفۃ للالبانی (۱/ ۷۵ ح ۳۹)

⑥ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ امام زہری اور قتادہ رحمہما اللہ کی مرسل روایات کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے: "هو بمنزلة الريح" یہ ہوا کی طرح ہیں۔

(المراسیل لابن ابی حاتم ص ۳ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ بھی ضعیف روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

⑦ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: زہری کی مرسل روایتیں کچھ چیز بھی نہیں ہیں۔

(المراسیل لابن ابی حاتم ص ۳ وسندہ صحیح، تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۰۲۷)

ثابت ہوا کہ امام ابن معین رحمہ اللہ بھی ضعیف روایات کو کچھ چیز نہیں سمجھتے تھے۔

⑧ امام ابن حبان نے فرمایا: گویا جو ضعیف روایت بیان کرے اور جس روایت کا وجود ہی نہ ہو وہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔ (کتاب المجروحین ۱/ ۳۲۸، الحدیث حضرو: ۵ ص ۱۵)

⑨ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۷ھ) نے فرمایا:

"قال لي أبو زرعة: ترفع یدیك في القنوت؟ قلت: لا، فقلت له: فترفع

أنت؟ قال :نعم :فقلت :ماحجتك ؟قال:حديث ابن مسعود ، قلت : رواه ليث بن أبي سليم ، قال: حديث أبي هريرة ،قلت:رواه ابن لهيعة، قال: حديث ابن عباس، قلت :رواه عوف ، قال:فما حجتك في تركه ؟ قلت : حديث أنس أن رسول الله ﷺ كان لا يرفع يديه في شيءٍ من الدعاء إلا في الإستسقاء،فسكت "

ابوزرعہ (الرازی رحمہ اللہ، متوفی ۲۶۴ھ) نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ قنوت میں ہاتھ اُٹھاتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں! پھر میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ (قنوت میں) ہاتھ اُٹھاتے ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، میں نے پوچھا: آپ کی دلیل کیا ہے؟ انھوں نے کہا: حدیث ابن مسعود، میں نے کہا: اسے لیث بن ابی سلیم نے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا: حدیث ابی ابوہریرہ، میں نے کہا: اسے ابن لہیعہ نے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا: حدیث ابن عباس، میں نے کہا: اسے عوف (الاعرابی) نے روایت کیا ہے۔ تو انھوں نے پوچھا: آپ کے پاس (قنوت میں) ہاتھ نہ اٹھانے کی کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا: حدیث انس کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے سوائے استسقاء کے تو وہ (ابوزرعہ رحمہ اللہ) خاموش ہوگئے۔ (تاریخ بغداد ج۲ ص۷۶ ت۴۵۵ وسندہ حسن، وذکرہ الذہبی فی سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۵۴)

اس حکایت کے راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

(۱) أبو منصور محمد بن عيسى بن عبد العزيز: وكان صدوقاً / تاريخ بغداد (۲/ ٤٠٦ ت۹۳۷)

(۲) صالح بن أحمدبن محمد الحافظ :وكان حافظاً،فهماً، ثقةً ثبتاً/ تاريخ بغداد(۹/ ۳۳۱ت ٤٨٧١)

(۳) القاسم بن أبي صالح بندار : كان صدوقاًمتقناًللحديث / لسان الميزان(٤/ ٤٦٠ ت ٦٦٨٥)

تنبیہ: قاسم بن ابی صالح پر تشیع کا الزام ہے جو یہاں روایت حدیث میں مردود ہے۔

صالح بن احمد کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا قاسم بن ابی صالح سے سماع قبل از اختلاط ہے لہٰذا یہ سند حسن لذاتہ ہے۔

اب ان روایات کی مختصر تحقیق پیشِ خدمت ہے جنھیں امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم نے باہم مناظرے میں پیش کیا ہے۔

ا: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ (جزء القراءۃ للبخاری بتحقیقی: ۹۹ مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۰۷ ح ۶۹۵۳، الطبرانی فی الکبیر ۹/۳۲۷ ح ۹۴۲۵ السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۴۱)

اس کی سند لیث بن ابی سلیم (ضعیف ومدلس) کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

یہاں پر یہ بات سخت تعجب خیز ہے کہ نیموی تقلیدی نے اس سند کو " **إسناده صحيح** " لکھ دیا ہے (دیکھئے آثار السنن: ۶۳۵) حالانکہ جمہور محدثین نے لیث مذکور کو ضعیف و مجروح قرار دیا ہے۔ زیلعی حنفی نے کہا: " **وليث هذا الظاهر أنه ليث بن أبى سليم وهو ضعيف** " (نصب الرایہ ۳/۹۶)

لیث مذکور پر جرح کے لئے دیکھئے احسن الکلام (سرفراز خان صفدر دیوبندی ج ۲ ص ۱۲۸) جزء القراءۃ بتحریفات امین اوکاڑوی (ص ۷۰ ح ۵۸)

۲: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۴۱) اس کی سند ابن لھیعہ کی تدلیس اور اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۳: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۱۶ ح ۷۰۴۲، ۷۰۴۳، الاوسط لابن المنذر: ۵/۲۱۳) یہ روایت قنوت فجر سے متعلق ہے۔ اس روایت کی دو سندیں ہیں۔ پہلی میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور دوسری میں ہشیم بن بشیر مدلس ہیں لہذا یہ دونوں سندیں ضعیف ہیں۔ ابوحاتم رازی نے اس روایت کو عوف الاعرابی کی وجہ سے ناقابل حجت قرار دیا ہے۔

حالانکہ انھوں نے الجرح والتعدیل میں عوف کو " **صدوق صالح الحديث** " کہا ہے۔ (۷/۱۵)

تنبیہ: عوف الاعرابی پر جرح مردود ہے۔ اسے جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے لہٰذا وہ حسن الحدیث یا صحیح الحدیث ہے۔ صحیحین میں اس کی تمام روایات صحیح ہیں۔ والحمد للہ۔

۴: حدیث انس رضی اللہ عنہ (صحیح البخاری: ۳۰۰۱، صحیح مسلم ۷۹۶/۷)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ حسن لغیرہ حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تینوں روایات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور ان کا ضعف شدید نہیں ہے۔ جو لوگ ضعیف + ضعیف سے حسن لغیرہ بنا دیتے ہیں ان کے اصول پر یہ روایات باہم مل کر حسن لغیرہ بن جاتی ہیں۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ ابوحاتم رازی حسن لغیرہ روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

⑩ جعفر بن ابی وحشیہ ایک ثقہ راوی ہیں لیکن امام شعبہ اُن کی حبیب بن سالم (صدوق راوی) سے روایت کو ضعیف سمجھتے تھے۔ (دیکھئے تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۵۷ وسندہ صحیح) وجہ یہ تھی کہ انھوں نے حبیب بن سالم سے نہیں سُنا تھا۔

(دیکھئے تہذیب الکمال ۸ جلدوں والا نسخہ ج ۱ ص ۴۵۴)

معلوم ہوا کہ امام شعبہ بھی ضعیف حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

عصرِ حاضر میں شیخ احمد محمد شاکر المصری رحمہ اللہ حدیث کے مشہور عالم تھے جن کی خدمات علمائے حدیث سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والذي أراه أن بيان الضعف في الحديث الضعيف واجب في كل حال، لأن ترك البيان يوهم المطلع عليه أنه حديث صحيح، خصوصًا إذا كان الناقل له من علماء الحديث الذين يرجع إلى قولهم في ذلك وأنه لا فرق بين الأحكام و بين الفضائل ونحوها في عدم الأخذ بالرواية الضعيفة بل لا حجة لأحد إلا بما صح عن رسول الله ﷺ من حديث صحيح أو حسن"

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ضعیف حدیث کا ضعف بیان کرنا ہر حال میں واجب ہے کیونکہ بیان نہ کرنے سے دوسرے آدمی کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے، خاص طور پر جب اس کا

نقل کرنے والا علمائے حدیث میں سے ہو جن کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور یہ کہ ضعیف روایت لینے میں احکام اور فضائلِ اعمال وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ صحیح یا حسن حدیث کے علاوہ کسی کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ (شرح الفیۃ السیوطی ص ۸۴)

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ اعلان فرماتے ہیں کہ

''إننا ننصح إخواننا المسلمين في مشارق الأرض و مغاربها أن يدعوا العمل بالأحاديث الضعيفة مطلقًا و أن يوجهوا همتهم إلى العمل بما ثبت منها عن النبي ﷺ ففيها ما يغني عن الضعيفة و في ذلك منجاة من الوقوع في الكذب على رسول الله ﷺ''

ہم دنیا کے مشرق و مغرب میں رہنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ضعیف احادیث پر مطلقاً عمل چھوڑ دیں اور اپنی ہمتوں کا رُخ نبی ﷺ سے ثابت شدہ احادیث کی طرف موڑ دیں کیونکہ اس میں ضعیف روایات سے بے نیازی ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ میں واقع ہونے سے نجات ہے۔ (مقدمہ صحیح الجامع ج ۱ ص ۵۶)

مزید تفصیل کے لئے ابوالیسر اشرف بن سعید المصری کی کتاب ''حكم العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال'' وغیرہ جیسی کتبِ مفیدہ کا مطالعہ کریں۔

ہمارے شیخ حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''ضعیف روایت قابلِ احتجاج نہیں خواہ کسی صحیح یا حسن کے مقابلے میں ہو خواہ نہ ہو تفصیل کی اس وقت فرصت نہیں اگر آپ تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو صحیح جامع صغیر اور ضعیف جامع صغیر کے آغاز میں شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ کا مقدمہ ملاحظہ فرمالیں۔''

(احکام و مسائل جلد اول ص ۵۰۷ نوشتہ ۲۵/۸/۱۴۱۱ھ)

اہلِ حدیث اور غیر اہلِ حدیث کے عمل سے بھی ضعیف روایات کا حجت نہ ہونا ثابت ہے مثلاً ترکِ رفع یدین کی ضعیف روایات کو عام اہلِ حدیث علماء ضعیف کہہ کر رد کر دیتے

ہیں اور اسی طرح حنفی علماء فاتحہ خلف الامام کی روایات کو ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں حالانکہ فاتحہ خلف الامام کی کئی روایات بلحاظِ سند و متن صحیح و حسن ہیں۔

تنبیہ: بعض اوقات حدیث ضعیف ہوتی ہے لیکن مسئلہ صحیح ہوتا ہے۔ مسئلہ اس وجہ سے صحیح ہوتا ہے کہ اس کی تائید اجماع یا آثار سے ہوتی ہے۔

فی الحال اس کی تین مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

مثال اول: مال وغیرہ پر اگر ایک سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

اس کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر تمھارے پاس بیس دینار ہوں اور اُن پر سال گزر جائے تو آدھا دینار (واجب) ہے۔ (دیکھئے سنن ابی داود: ۱۵۷۳، وسندہ ضعیف)

اس روایت میں ابو اسحاق السبیعی مدلس ہیں لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ اس کے علاوہ اس مفہوم کی روایات دوسری ضعیف سندوں سے بھی مروی ہیں جنھیں جمع تفریق کر کے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنے مخصوص منہج کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ارواء الغلیل ۳/ ۲۵۴ ح ۷۸۷)

حالانکہ تحقیق راجح میں یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وأجمعوا علی أن المال إذا حال علیه الحول أن الزکاۃ تجب فیه '' اور اس پر اجماع ہے کہ اگر مال پر ایک سال گزر جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ (الاجماع لابن المنذر ص ۱۳، فقرہ: ۱۰۳)

اجماع بذاتِ خود مستقل دلیل اور شرعی حجت ہے لہٰذا مسئلہ ثابت ہو گیا کہ جب تک ایک سال پورا نہ ہو جائے تو مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''لا تجب في مال زکوۃ حتی یحول علیه الحول '' جب تک ایک سال نہ گزر جائے کسی مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ (الموطأ للامام مالک ۱/ ۲۴۶ ح ۵۸۴ وسندہ صحیح)

اس مفہوم کی ایک روایت بیان کر کے امام بیہقی فرماتے ہیں: ''ھذا ھو الصحیح موقوف '' یہ موقوف صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ ۴/ ۱۰۴)

مثال دوم: اگر پاک پانی میں نجاست گر جائے اور اس کا رنگ، ذائقہ و بُو بدل جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

اس کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے کہ "إن الماء لا ینجسه شيً إلا ماغلب علی ریحه و طعمه و لونه" بے شک پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی اِلا یہ کہ اس کی بُو، ذائقہ یا رنگ بدل جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۵۲۱ وسندہ ضعیف)

یہ روایت ضعیف ہے لیکن یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے۔

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اور اس پر اجماع ہے کہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ، اگر اس میں نجاست گر جائے پھر پانی کا ذائقہ، رنگ یا بُو بدل جائے تو وہ اس حالت میں نجس ہو جاتا ہے۔" (الاجماع ص ۴، فقرہ: ۱۱)

مثال سوم: جس شخص کو روزے کی حالت میں خود بخود قے (اُلٹی) آجائے تو اس پر روزے کی قضا نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں جان بوجھ کر قے کرے تو اس پر قضا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من ذرعه قئ وهو صائم فليس عليه قضاء وإن استقاء فليقض))

جسے خود بخود قے آجائے اور وہ روزے سے ہو تو اُس پر کوئی قضا نہیں ہے اور اگر جان بوجھ کر قے کرے تو اس پر (روزے کی) قضا ہے۔

(سنن ابی داود: ۲۳۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۶)

اس روایت کو امام بخاری نے ضعیف لیکن ترمذی (۷۲۰) ابن خزیمہ (۱۹۶۰، ۱۹۶۱) ابن حبان (الموارد: ۹۰۷) حاکم (۴۲۶/۱، ۴۲۷) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

ہماری تحقیق میں یہ روایت ضعیف ہے اور وجۂ ضعف صرف یہ ہے کہ اس میں ہشام بن حسان مدلس ہیں۔ دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (۱۱۰/۳، ص ۶۵) اور کسی سند میں سماع کی تصریح موجود نہیں ہے۔

لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جو شخص روزے کی حالت میں جان بوجھ کر قے (اُلٹی) کرے تو اس پر قضا ضروری ہے اور جسے خود بخود قے آجائے تو اس پر کوئی قضا نہیں ہے۔''

(موطأ امام مالک ج ا ص ۳۰۴ ح ۶۷۵ وسندہ صحیح)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''من ذرعه القيئ فلا قضاء عليه و من استقاء فعليه القضاء'' (السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/ ۲۱۹ وسندہ حسن)

اس کا مفہوم وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔

حافظ ابن المنذر نے اس مسئلے پر بھی سوائے حسن بصری کے ایک قول کے، اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع ص ۱۵ فقرہ: ۱۲۵)

عرض ہے کہ اس اجماع کے خلاف حسن بصری کا قول اُن سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح سند کے ساتھ تو یہ ثابت ہے کہ امام حسن بصری نے فرمایا: جب روزہ دار کو خود بخود قے آجائے تو روزہ نہ توڑے اور اگر جان بوجھ کر قے کرے تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۴۸ ح ۹۱۹۰ وسندہ صحیح)

خلاصہ یہ کہ یہ تینوں مسئلے ضعیف روایتوں سے نہیں بلکہ اجماع اور صحیح آثارِ صحابہ ومَن بعدہم سے ثابت ہیں۔ والحمد للہ

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ''اہلحدیث کے نزدیک تو صحاح ستہ کی کل احادیث اپنے اپنے محل موقع پر قابل عمل ولائق تسلیم ہیں'' (دیکھئے فتاویٰ ستاریہ جلد دوم ص ۴۷)

یہ دعویٰ کئی لحاظ سے غلط ہے:

اولاً: صحاح ستہ سے مراد صحیح بخاری وصحیح مسلم اور سنن اربعہ (سنن ابی داود، سنن الترمذی، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ) ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام مسند متصل مرفوع روایات تو یقیناً صحیح ہیں لیکن سنن اربعہ میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں جن میں سے بعض روایات کو خود صاحبِ کتاب نے بھی ضعیف ومنکر وغیرہ قرار دے رکھا ہے۔ مثلاً:

① ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء میں جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے۔ (سنن ابی داود: ۱۹)

یہ روایت بیان کرتے کے امام ابوداود نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے۔

② ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے تو ان کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ (سنن الترمذی: ۷۸۹)

یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث ضعیف ہے۔ الخ

③ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی (زینب رضی اللہ عنہا) کو (ان کے شوہر) ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) کے پاس نئے مہر اور جدید نکاح کے ساتھ روانہ کیا۔ (مسند احمد ۲/ ۲۰۸ ح ۶۹۳۸)

یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام احمد نے فرمایا:

"هذا حديث ضعيف" یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا حوالہ اس لئے پیش کر دیا ہے کہ وہ اہل سنت کے مشہور امام تھے۔

ثانیاً: حاکم اور خطیب بغدادی نے سنن الترمذی کو "الجامع الصحیح" کہا تو اس کا رد کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: "وهذا تساهل منهما فإن فيه أحاديث كثيرة منكرة" یہ ان دونوں کا تساہل ہے کیونکہ اس (سنن ترمذی) میں بہت سی منکر حدیثیں ہیں۔

(اختصار علوم الحدیث مع تعلیق الالبانی ج ۱ ص ۱۱۶)

حافظ ابوطاہر السلفی نے کتب خمسہ کے بارے میں کہا: "مشرق و مغرب کے علماء کا ان کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔" اس کا رد کرتے ہوئے ابن الصلاح لکھتے ہیں:

اور یہ تساہل ہے کیونکہ ان میں ایسی روایتیں بھی ہیں جنھیں ان کتابوں کے مصنفین نے ضعیف یا منکر وغیرہ قرار دیا ہے جو کہ ضعیف کی اقسام ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۰، النوع الثانی)

ثالثاً: سنن ترمذی کے شارح اور تحفۃ الاحوذی کے مصنف مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "قلت: الأحاديث الضعاف موجودة في جامع الترمذي و

قدبيّن الترمذي نفسه ضعفها و أبان علتها .... ''إلخ

میں نے کہا: جامع ترمذی میں ضعیف حدیثیں موجود ہیں اور ترمذی نے خود ان کا ضعف (ضعیف ہونا) اور علتیں بیان کردی ہیں....الخ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ص ۳۶۷، آخر الفصل السادس)

رابعاً: غیر اہلِ حدیث جن ضعیف روایتوں سے استدلال کرتے ہیں مثلاً ترکِ رفع یدین وغیرہ، ان میں سے بعض روایتیں سنن اربعہ میں موجود ہیں اور اہلِ حدیث ان روایتوں پر جرح کر کے انھیں مردود قرار دیتے ہیں۔

خامساً: حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''

سننِ اربعہ کی تمام روایات صحیح نہیں

جو حدیثیں بخاری و مسلم میں ہیں، وہ سب کی سب صحیح ہیں، مگر باقی صحاح ستہ یعنی (ترمذی، ابو داود، نسائی وغیرہ) میں بعض حدیثیں ''صحیح'' ہیں اور بعض ''حسن'' اور بعض ''ضعیف''، حدیث کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ رواۃ ثقہ ہوں اور سند میں اتصال ہو، نہ اس میں کوئی شذود ہو اور نہ علت ہو۔ بعض وقت ایک محدث حدیث کو ''صحیح'' یا ''حسن'' کہتا ہے، مگر حقیقت میں وہ حدیث ''ضعیف'' ہوتی ہے۔ بعض محدثین اس معاملہ میں تساہل (سستی) کر جاتے ہیں۔ چنانچہ محدثین نے تتبع اور استقراء کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ حاکم کی تصحیح (کسی حدیث کو ''صحیح'' کہنا) اور امام ترمذی کی تحسین (کسی حدیث کو ''حسن'' کہنے) پر مغرور نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کی چھان بین ضروری ہے۔'' (دوامِ حدیث جلد اول ص ۴۷۶)

اگر کوئی کہے کہ محدثین نے یہ ضعیف روایات کیوں لکھی ہیں؟

اس سوال کا جواب حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کی عبارت میں موجود ہے، آپ فرماتے ہیں:

''بعض وقت محدثین روایت کو صرف معرفت کے لئے ذکر کرتے ہیں، اس سے دلیل پکڑنا مقصود نہیں ہوتا، خاص کر جب بیان کرنے کے بعد اس حدیث کے ضعف کی وضاحت کردیں۔'' (دوام حدیث ج ۱ص ۴۷۶)

ایک اور مقام پر سدی اور کلبی (دو کذابین) کی روایتوں کے بعض کتبِ حدیث و کتبِ تفسیر

میں درج ہونے کے بارے میں حافظ صاحب فرماتے ہیں:

''جب ان بیان کردہ راویوں کے کذب پر محدثین کا اجماع ہے، تو اس صورت میں ان کی روایات کو لکھنا، صرف معرفت کے لئے ہوگا، نہ استدلال کے لئے۔ جب ان کی روایتوں سے محدثین استدلال نہیں کرتے، تو ان کے ذریعہ شریعت میں مسائل کیسے داخل ہو سکتے ہیں؟'' (دوام حدیث ج۱ص ۵۲۶)

آخر میں عرض ہے کہ ہم اپنی خواہشات یا گروہ وفرقہ پرستی کی وجہ سے روایات پر صحیح یا ضعیف کا حکم نہیں لگاتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو عالم ناظر سمجھتے ہوئے، اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کے علم کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، جمہور محدثین کی تحقیق واصول کو تسلیم کرتے ہوئے اور آخرت کے محاسبے پر ایمان کے ساتھ حدیث پر صحیح وحسن یا ضعیف وغیرہ کا حکم لگاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص دلیل کے ساتھ ہماری غلطی ثابت کر دے تو علانیہ رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے منہج کی تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۴ ص ۲۔۴، ۳۵ ص ۲۔۴، ۳۸ ص ۲، ۳

وما علینا إلا البلاغ (۴/ جولائی ۲۰۰۸ء)

تین روایات کی تحقیق

ا۔ یا ساریۃ الجبل کی تحقیق

ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۱۳/ستمبر ۱۹۹۱م جلد ۴۳ شمارہ ۳۷) میں مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ نے (ص۱۲/۹۳۲ پر) لکھا ہے:

"جہاں تک حضرت عمرؓ کے واقعہ یا ساریۃ الجبل کا تعلق ہے۔ یہ واقعہ سنداً بلاشبہ قابلِ قبول ہے۔ لیکن یہ بطورِ کرامت ہے۔"

ہماری تحقیق کے مطابق حافظ صاحب کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس واقعہ کی تمام اسانید پر مختصر بحث پیشِ خدمت ہے:

ا: یحیی بن أیوب عن ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر به

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ص ۳۷۰، شرح اصولِ اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ لابی القاسم اللالکائی ج۷ص ۱۳۳۰ح ۲۵۳۷، [الاربعین الصوفیۃ لابی عبدالرحمٰن السلمی ۳/۲، تاریخ ابن عساکر ۶۳/۱۳/۲، المنتقی للضیاء المقدسی ۲۸/۲۹ کما فی السلسلۃ الصحیحۃ للشیخ الالبانی ۳/۱۰۱ ح ۱۱۱۰] الدیر عاقولی فی فوائدہ، وابن الاعرابی فی کرامات الاولیاء کما فی الاصابہ ۲/۳)

اس سند میں دو بڑی علتیں (ضعف کی وجہ) ہیں:

(ا) محمد بن عجلان صدوق مگر مدلس تھے۔

دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (المرتبۃ الثالثۃ ص۴۴ ت ۹۸) التبیین لأسماء المدلسین لابن العجمی (ص۱۰) قصیدۃ فی المدلسین لابی محمود المقدسی (شعر ۲۰ رقم ۴۶) جامع التحصیل للعلائی (ص ۱۰۹) اور اسماء من عرف بالتدلیس للسیوطی (۶۳)

اصولِ حدیث میں یہ بات مقرر ہے کہ مدلس کا عنعنہ صحتِ حدیث کے لئے قادح ہے

لہٰذا مدلس کی مُعنعن روایت عدمِ متابعت کی صورت میں مردود کے حکم میں ہے۔

دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۹۹) اور الرسالہ للشافعی (ص ۳۷۹، ۳۸۰)

امام یحییٰ بن معین نے کہا: مدلس جس میں تدلیس کرتے (یعنی عدمِ سماع والی روایت میں) حجت نہیں ہوتا۔ (الکفایہ للخطیب ص ۳۶۲ و سندہ صحیح)

بلکہ علامہ نووی نے کہا: مدلس جب عن سے روایت کرے تو بالاتفاق حجت نہیں ہوتا۔ (المجموع شرح المہذب ج ۶ ص ۲۱۲، نصب الرایہ ج ۲ ص ۳)

اس اتفاق سے مراد محدثین کا اتفاق ہے جو مرسل کو حجت نہیں مانتے ہیں لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

(۲) امام عقیلی نے محمد بن عجلان کے بارے میں کہا: "یضطرب في حدیث نافع" یعنی وہ نافع سے حدیث بیان کرنے میں اضطراب کا شکار ہوتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ۹/۳۰۵)

یحییٰ بن ایوب الغافقی اور ابن عجلان پر بعض علماء نے کلام بھی کیا ہے مگر ان شاء اللہ وہ چنداں مضر نہیں اور وہ دونوں حسن الحدیث راوی تھے۔ اول الذکر پر جروح زیادہ اور اشد ہیں۔ واللہ اعلم

۲: ایاس بن معاویہ بن قرہ کی مرسل روایت / حوالہ مذکورہ بالا

مرسل روایت جمہور محققین کے نزدیک مردود ہوتی ہے۔

دیکھئے الفیۃ مصطلح الحدیث للعراقی (ص ۱۷۶) اور عام کتبِ اصول الحدیث،

قال العراقي : و رده جماهر النقاد للجهل بالساقط في الإسناد

اسے جمہور محدثین نے سند میں ساقط شدہ مجہول کی وجہ سے رد کر دیا ہے۔

۳: أیوب بن خوط عن عبدالرحمٰن السراج عن نافع۔ إلخ

(الفوائد لابی بکر بن خلاد ۲/۲۱۵ بحوالہ الصحیحہ: ۱۱۱۰)

اس میں ایوب بن خوط متروک ہے جیسا کہ دارقطنی وغیرہ نے کہا۔ ساجی نے کہا: علماء

کا اس کی حدیث ترک کرنے پر اجماع ہے، وہ باطل روایات بیان کرتا تھا۔ عیسیٰ بن یونس نے اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (۳۵۲/۱)

ابن معین نے کہا: اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔

۴: فرات بن السائب عن میمون بن مهران عن ابن عمر ... إلخ

فرات بن سائب متروک الحدیث تھا جیسا کہ نسائی نے کہا۔ نیز بخاری نے منکر الحدیث کہا۔ یہ انتہائی شدید جرح ہے۔ بخاری نے کہا: ہر وہ شخص جسے میں نے منکر الحدیث کہا، اس سے روایت (میری نزدیک) حلال نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۶، لسان المیزان ج ۱ ص ۲۰)

احمد نے کہا: وہ محمد بن زیاد الطحان کے قریب ہے (اور یہ طحان مشہور کذاب تھا)

ابن عدی نے کہا اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں اور میمون سے اس کی (روایات) منکر ہیں۔ دیکھئے لسان المیزان (ج ۴ ص ۵۰۳، ۵۰۴)

۵: الواقدي عن شيوخه (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۵، الاصابہ ج ۲ ص ۳)

محمد بن عمر الواقدی متروک الحدیث تھا جیسا کہ ابوزرعہ الرازی وغیرہ نے کہا: نسائی، ابن راہویہ، احمد بن حنبل نے اسے کذاب کہا ہے۔ شافعی نے کہا: واقدی کی کتابیں سب کی سب جھوٹ ہیں۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ۳۲۳/۹۔۳۲۶)

چند راویوں نے اس کی توثیق کی ہے جو کہ جمہور علماء محدثین کی جروح کے مقابلے میں مردود ہے بلکہ حافظ ذہبی نے میزان لاعتدال میں اس کے ضعیف ہونے پر (غالباً اپنے زمانے کے علماء کا) اجماع نقل کیا ہے۔

۶: سيف بن عمر عن شيوخه (البدایہ والنہایہ ۱۳۴/۷)

سیف کے بارے میں ابوحاتم الرازی نے کہا: متروک الحدیث ہے، اس کی حدیث واقدی (کی حدیث) سے مشابہ ہے۔ ابن حبان نے کہا: قابلِ اعتماد راویوں سے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ حاکم نے کہا: اس پر زندیق ہونے کی تہمت ہے اور روایت میں وہ ساقط ہے۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (۲۵۹/۴۔۲۶۰)

۷: هشام بن محمد بن مخلد بن مطر عن أبي توبة عن محمدبن مهاجر عن أبي بلج علي بن عبدالله به (السنہ للالکائی ۷/۱۳۳۰، ۱۳۳۱ ح ۲۵۳۸)

اس میں ہشام اور ابو بلج علی بن عبداللہ کے حالات نامعلوم ہیں۔

۸: اللالكائی عن مالك عن نافع عن ابن عمر (البدایہ والنہایہ ۷/۱۳۵)

یہ روایت ہمیں لالکائی کی کتاب میں نہیں ملی اور خود حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا:

''و في صحته من حديث مالك نظر ''

اور (امام) مالک سے اس (روایت) کی صحت میں نظر ہے۔

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قصہ بلحاظِ سند اپنے سارے طرق کے ساتھ صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔لہٰذا بعض علماء کا اسے ''حسن'' قرار دینا غلط ہے۔

حافظ ابن حبان نے کیا خوب بات کہی ہے: '' كأن ما روى الضعيف و ما لم يرو في الحكم سيان '' یعنی گویا ضعیف جو روایت کرے اور جس کی روایت ہی نہ ہو، دونوں حکم میں برابر ہیں۔(المجروحین ج۱ص ۳۲۸)

دوسرے لفظوں میں حافظ ابن حبان کے نزدیک ضعیف کی روایت کا وجود اور عدمِ وجود برابر ہے۔

۲۔ مالک الدار کی روایت

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ نے کہا:

''یہ قصہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ واقعے کا اصل راوی مالک الدار ہے جو مجہول ہے جب تک اس کی عدالت اور ضبط کا حکم نہیں ہوگا یہ واقعہ ساقط الاعتبار ہوگا۔'' (ص ۱۳)

یہ واقعہ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱۲ص ۳۱۔۳۲) التاریخ الکبیر للبخاری (ج ۷ص ۳۰۴ مختصراً جداً مع السقط من السند) دلائل النبوۃ للبیہقی (ج ۷ص ۴۷) الارشاد للخلیلی (ج ۱ص ۳۱۳، ۳۱۴)

اسے ابو معاویہ محمد بن حازم الضریر نے الأعمش عن أبي صالح عن مالك الدار کی

سند سے روایت کیا ہے۔

اس میں اعمش مدلس ہیں اور کسی سند میں اُن کے سماع کی تصریح موجود نہیں ہے۔

الاعتصام ج ۴۳ شمارہ ۳۱، ۲۰/محرم ۱۴۱۲ھ میں راقم الحروف کا (ص ۱۵، پر ایک مضمون شائع ہوا ہے، اس کے صفحہ ۱۷، ۱۸ پر اعمش کی تدلیس اور ابوصالح سے اس کی روایت پر کافی بحث موجود ہے۔ نیز دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات جلد اول (ص ۲۶۷۔۲۷۲)

حافظ ذہبی نے اعمش کی ابوصالح وغیرہ سے روایت کو سماع پر محمول قرار دیا ہے جو کہ دلائل کی روشنی میں غلط ہے۔

تفصیل کے لئے حوالہ مذکورہ میں ''التأسیس فی مسئلۃ التدلیس'' کا مطالعہ کریں۔

امام شعبہ نے فرمایا: میں تمھیں تین (اشخاص) کی تدلیس کے لئے کافی ہوں: اعمش، ابواسحاق اور قتادہ۔ (مسألۃ التسمیۃ لمحمد بن طاہر المقدسی ص ۴۷ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ اگر اعمش سے شعبہ راوی نہ ہوں اور سماع کی تصریح نہ ہو تو روایت ضعیف ہوتی ہے۔ اعمش عن ابی صالح کی سند سے ایک روایت کے بارے میں محمد عباس رضوی بریلوی نے لکھا ہے: ''اس روایت میں ایک راوی امام اعمش ہیں جو کہ اگرچہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔'' (واللہ آپ زندہ ہیں ص ۲۵۱)

سلیمان الاعمش کا مدلس ہونا نووی شافعی (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۲ تحت ح ۱۰۹) اور عینی حنفی (عمدۃ القاری ۲/۱۸۷ ح ۱۶۰) وغیرہما نے بھی تسلیم کر رکھا ہے اور احمد رضا خان بریلوی نے کہا: ''اور عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۵ ص ۲۴۵)

امام ابن خزیمہ النیسابوری اپنی مشہور آفاق کتاب ''التوحید واثبات صفات الرب'' (ص ۳۸ باب ذکر اخبار رویۃ تعالیٰ) میں اعمش کی ایک معنعن روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''والثانیۃ أن الأعمش مدلس لم یذکر أنہ سمعہ من حبیب

ابن أبي ثابت ... ''اور دوسری بات یہ ہے کہ اعمش مدلس تھے اور انھوں نے حبیب بن ابی ثابت سے سماع کی تصریح نہیں کی۔

حافظ ابن عبدالبر الاندلسی ایک حدیث کے بارے میں کہتے ہیں: '' **و هذا الحديث ليس بالقوى لأن الأعمش لا يصح له سماع من أنس و كان مدلسًا عن الضعفاء** ''

اور یہ حدیث قوی نہیں ہے کیونکہ اعمش کا (سیدنا) انس (رضی اللہ عنہ) سے سماع صحیح نہیں ہے اور وہ (اعمش) ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔ (التمہید ج ۱۰ ص ۲۲۸)

لہٰذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا اس سند کو صحیح کہنا غلط ہے بلکہ میں اپنے مشار الیہ مضمون میں خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کر چکا ہوں کہ اعمش کی معنعن روایت معلول ہوتی ہے۔ دیکھئے ص ۱۷، اور التلخیص الحبیر (ج ۳ ص ۱۹)

۳۔ الأدب المفرد کی ایک روایت

سفيان عن أبي إسحاق عن عبدالرحمٰن ... إلخ کی سند سے روایت ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا تو کسی نے ان سے کہا: آپ کو جو شخص سب سے زیادہ محبوب ہے، اسے یاد کریں تو انھوں نے کہا: محمد ﷺ، اور بعض نسخوں میں ہے: **یا محمد** (ﷺ)

اس سند میں سفیان ثوری اور ابو اسحاق السبیعی دونوں مدلس راوی ہیں اور دونوں عن سے روایت کر رہے ہیں۔ ابو اسحاق کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے نیز سفیان ثوری بھی طبقہ ثالثہ ہی کے راوی ہیں لہٰذا یہ سند ان دونوں کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جو لوگ حافظ رحمہ اللہ کی اس تقسیمِ طبقات کو قطعی یقینی سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک بھی اس روایت کا مردود ہونا مسلم ہو جاتا ہے۔ امام شافعی اور دوسرے محققین جو ہر قسم کے مدلس کی ہر معنعن روایت (جس میں سماع کی تصریح نہ ہو) غیر مقبول سمجھتے ہیں ان کے نزدیک تو اس سند کا کمزور ہونا یقینی ہے۔ واللہ اعلم

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ، ص ۱۷۔۲۰)

حدیث وسنت میں فرق کا اختراعی نظریہ
سب سے پہلے مرزا قادیانی نے پیش کیا تھا

ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۴/شعبان ۱۴۱۰ھ) میں (ص ۸ پر) مولانا حافظ عبدالمنان صاحب نور پوری کا ایک مضمون چھپا ہے:

''حدیث وسنت میں فرق کا اختراعی نظریہ''

مولانا صاحب (ص ۱۰ پر) یہ ثابت کرنے کے بعد کہ قرآن وسنت (دین) میں اس خودساختہ فرق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

''اگر اصلاحی صاحب اس فرق کو دین کا مسئلہ قرار دینے سے رجوع فرمالیں اور کہیں کہ یہ فرق سلف ومحدثین کی اصطلاح ہے تو پھر ان پر لازم ہے کہ سلف ومحدثین کے وہ اقوال پیش کریں جو اس فرق پر دلالت کرتے ہوں...''

عرض ہے کہ ہمارے خیال میں محدثین کے اقوال پیش کرنا اس شخص کا شیوہ ہوتا ہے جو محدثین کا خوشہ چین ہو۔ ان کی محیر العقول میرتوں اور کارناموں کا معترف ہو۔ ایک شخص جو بذاتِ خود ہی خودساختہ ''مزاج شناسِ رسول'' ہے۔ اسے کسی کے اقوال پیش کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟

ہماری تحقیق کے مطابق حدیث وسنت میں فرق کا اختراعی نظریہ سب سے پہلے متنبی کذاب مرزا غلام احمد قادیانی نے پیش کیا تھا۔ اس نے اپنی کتاب ''کشتی نوح'' میں صفحہ ۵۶ پر لکھا ہے: ''دوسرا ذریعہ ہدایت کا جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ سُنّت ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی کارروائیاں جو آپ ﷺ [1] نے قرآن شریف کے احکام کی

---

(۱) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کے ساتھ پورا درود یعنی ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھنا =

تشریح کے لئے کر کے دکھلائیں۔ مثلاً قرآن شریف میں بظاہر نظر پنجگانہ نمازوں کی رکعات معلوم نہیں ہوتیں کہ صبح کس قدر اور دوسرے وقتوں میں کس کس تعداد پر۔ لیکن سُنّت نے سب کچھ کھول دیا ہے۔ یہ دھوکہ نہ لگے کہ سنّت اور حدیث ایک چیز ہے۔ کیونکہ حدیث تو سَو ڈیڑھ سَو برس کے بعد جمع کی گئی۔ (۱) مگر سُنّت کا قرآن شریف کے ساتھ ہی وجود تھا۔ مسلمانوں پر قرآن شریف کے بعد بڑا احسان سنّت کا ہے...'' (روحانی خزائن ج۱۹ص ۶۱)

اور اسی عبارت کے حاشیے پر مرزے نے لکھا ہے کہ

''اہل حدیث فعلِ رسُول اور قولِ رسُول دونوں کا نام حدیث ہی رکھتے ہیں۔ ہمیں ان کی اصطلاح سے کچھ غرض نہیں۔ دراصل سُنّت الگ ہے۔ جس کی اشاعت کا اہتمام آنحضرت نے بذاتِ خود فرمایا۔ اور حدیث الگ ہے جو بعد میں جمع ہوئی۔''

بعینہ یہی نظریہ امین احسن اصلاحی کا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ محدثین کی اصطلاحات سے تو ان کو کچھ غرض نہیں، مگر اپنی خواہشات واختراعات سے پوری غرض ہے۔

یعنی جو شخص ایک فن جانتا ہی نہیں اس فن میں اس کی خود ساختہ اصطلاحات کو کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ وہ اصطلاحات تمام اساتذۂ فن کے بھی خلاف ہوں؟ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے!

....

= اصحاب الحدیث (محدثین) کا طریقہ ہے۔ دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۲۰۸) اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (ص ۱۱۴۔۱۱۵) محاسن الاصطلاح للبلقینی (ص ۳۰۷) تدریب الراوی للسیوطی (ج ۲ص ۷۴) فتح المغیث للسخاوی (ج ۲ص ۱۷۹) اور عام کتبِ اصول الحدیث وکتب اصول المحدثین رحمہم اللہ اجمعین

صرف ''ص'' یا صرف ''علیہ السلام'' لکھنا ثقہ محدثین کا طریقہ نہیں ہے۔

(۱) یہ دعویٰ کہ احادیث سو ڈیڑھ سو سال بعد جمع کی گئیں کالا جھوٹ ہے۔ بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حدیث میں کتابیں لکھی تھیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا صحیفہ محدثین میں مشہور ہے۔ یہ کتاب ان کے پڑپوتے عمرو بن شعیب عن ابیہ عنہ کی شہرہ آفاق سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ =

....

= سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سن کر ان کے شاگرد ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے ایک کتاب ''الصحیفۃ الصحیحۃ'' لکھی۔ یہ کتاب اب برلن (جرمنی) کے مخطوطے سے چھپ چکی ہے، اسے ہمام نے ۵۹ھ سے پہلے سنا اور مدون کیا تھا۔ دیکھئے الصحیفہ الصحیحۃ (مقدمہ ص ۱۲)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس لایا گیا تھا جسے انھوں نے لے لیا تھا (یاد کر لیا تھا) دیکھئے جامع الترمذی (ج ۳ ص ۶۰۴)

اسی طرح سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا صحیفہ حسن بصری کے پاس تھا۔ (ترمذی وغیرہ) مزید تحقیق کے لئے صحیح بخاری (کتاب العلم) سنن داری (مقدمہ) جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر اور تقیید العلم للخطیب کا مطالعہ فرمائیں۔ آپ پر منکرینِ حدیث کے دعاوی کی حیثیت کھل جائے گی۔ ان شاء اللہ

صحیفہ ہمام بن منبہ ہی ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۱۶/ مارچ ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۔۱۸)

تذکرۃ الاعیان اور راویانِ حدیث

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ

موطأ امام مالک کے مصنف اور مدینہ طیبہ کے مشہور امام مالک رحمہ اللہ کا مختصر و جامع تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

نام ونسب: ابوعبداللہ مالک بن انس بن ابی عامر بن عمرو الاصبحی المدنی رحمہ اللہ

پیدائش: ۹۳ھ یا ۹۴ھ بمقام مدینہ طیبہ

اساتذہ: محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری، نافع مولیٰ ابن عمر، ایوب السختیانی، جعفر بن محمد الصادق، حمید الطویل، زید بن اسلم، ابوحازم سلمہ بن دینار، ہشام بن عروہ اور عبداللہ بن دینار وغیرہم

توثیق: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''ثقة'' (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۶، وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''مالك أثبت في كل شئ'' مالک ہر چیز میں ثقہ ہیں۔
(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۳۴۹/۲ رقم: ۲۵۴۳)

اور فرمایا: مالک (روایتِ حدیث میں) حجت ہیں۔ (سوالات المروذی: ۴۵)

ابوحاتم الرازی نے کہا: ''ثقة إمام أهل الحجاز وهو أثبت أصحاب الزهري...''
اہلِ حجاز کے امام ہیں اور زہری کے شاگردوں میں سب سے ثقہ ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۱۷/۱)

علی بن عبداللہ المدینی نے فرمایا: مالک صحیح الحدیث ہیں۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۴، وسندہ صحیح)

حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا اور فرمایا: آپ ۹۳ یا ۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ (۴۵۹/۷) عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ مشہور ثقہ ثبت حافظ سے پوچھا گیا: مجھے پتا چلا ہے کہ آپ نے مالک بن انس کو ابوحنیفہ سے بڑا عالم کہا ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں نے یہ بات نہیں کہی بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ ابوحنیفہ کے استاذ یعنی حماد (بن ابی سلیمان) سے بڑے عالم ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۱۱/۱، وسندہ صحیح)

یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: مالک حدیث میں امام تھے۔ (تقدمہ الجرح والتعدیل ص ۱۴، وسندہ صحیح)
امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب مالک سے حدیث آجائے تو اسے مضبوط ہاتھوں سے پکڑلو۔ (تقدمہ ص ۱۴، وسندہ صحیح)
امام شعبہ نے فرمایا: میں مدینہ میں داخل ہوا اور نافع زندہ تھے اور مالک کا حلقہ قائم تھا۔

(الجرح والتعدیل ۲۶/۱ وسندہ صحیح)

امام نافع رحمہ اللہ ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے اور اس وقت امام مالک کی عمر ۲۳ یا ۲۴ سال تھی یعنی جوانی میں ہی آپ کی امامت وتدریس قائم ہوگئی تھی۔
امام مالک کی توثیق وتعریف پر اجماع ہے۔ آپ کی بیان کردہ احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن الجارود، صحیح ابی عوانہ، سننِ اربعہ، کتاب الام للشافعی، مسند احمد اور مسلمانوں کی دیگر بڑی کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔
الموطأ: امام شافعی رحمہ اللہ نے (صحیح بخاری وصحیح مسلم کی تصنیف سے پہلے) فرمایا: رُوئے زمین پر علمی کتابوں میں موطأ مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔

(الجرح والتعدیل ۱۲/۱، وسندہ صحیح)

موطأ امام مالک کا ذکر صحیح ابن خزیمہ (۱۴۰) اور صحیح ابن حبان (الاحسان: ۵۶۳۸، دوسرا نسخہ ۵۶۶۷) وغیرہما میں کثرت سے موجود ہے۔
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے امام مالک کی کتاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''ما أحسن لمن تدين به'' جو شخص دین پر چلنا چاہتا ہے، اُس کے لئے کتنی اچھی کتاب ہے۔ (کشف المغطافی فضل الموطا لابن عساکر ص ۴۱ وسندہ حسن، نیز دیکھئے الاستذکار ۱۲/۱، ۱۳)
تلامذہ: سعید بن منصور، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شعبہ، عبداللہ بن ادریس، عبداللہ بن المبارک، قعنبی، عبداللہ بن وہب، اوزاعی، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، ابن جریج، قتیبہ بن سعید، شافعی، وکیع اور امام فزاری وغیرہم۔
وفات: ۱۷۹ھ بمقام مدینہ طیبہ

عبدالرحمٰن بن القاسم المصری رحمہ اللہ

اللہ کے فضل وکرم سے راقم الحروف نے موطأ امام مالک (روایۃ عبدالرحمٰن بن القاسم المصری) کی تحقیق وتخریج مکمل کر لی ہے، اسے امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ سے امام ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم المصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں جن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

نام ونسب: ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم بن خالد بن جنادہ العتقی المصری الفقیہ رحمہ اللہ

پیدائش: ۱۳۲ھ یا ۱۲۸ھ واللہ اعلم

اساتذہ: امام مالک بن انس، امام سفیان بن عیینہ المکی اور قاری نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم المدنی وغیرہم رحمہم اللہ

توثیق: امام بخاری نے بذریعہ سعید بن تلید آپ سے روایت لی ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۴۶۹۴)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''(ثقة) رجل صدق'' ثقہ سچے آدمی ہیں۔

(سوالات ابن الجنید: ۶۶۴)

امام ابوزرعہ الرازی نے فرمایا: ''مصري ثقة، رجل صالح ...'' مصری ثقہ (اور) نیک آدمی ہیں.....الخ

پھر اس کے بعد ابوزرعہ نے بتایا کہ لوگ عبدالرحمٰن بن القاسم کے (امام) مالک سے مسائل میں کلام کرتے ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۲۷۹/۵)

حافظ ابن حبان نے انھیں ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ (الثقات لابن حبان ۳۷۴/۸)

حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (الکاشف ۱۶۰/۲ ت ۳۳۴۳)

حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: ''الفقيه صاحب مالك، ثقة''

(تقریب التہذیب:۳۹۸۰)

ابوالقاسم حمزہ بن محمد الکنانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۷ھ) نے فرمایا: ''إذا اختلف الناس عن مالك فالقول ما قال ابن القاسم'' جب لوگوں کا (امام) مالک سے (روایت میں) اختلاف ہو تو ابن القاسم کا قول لینا چاہئے۔ (مقدمۃ الملخص ص ۴۴ وسندہ صحیح)

ابوسعد عبدالکریم بن محمد السمعانی نے کہا: ''من کبراء المصریین و فقهائهم'' مصر کے کبار علماء اور فقہاء میں سے ہیں۔ (الانساب ۱۵۲/۴)

حافظ ابن عبدالبر نے کہا:

''وكان فقيهًا قد غلب عليه الرأى وكان رجلاً صالحًا مقلاً صابرًا وروايته الموطأ عن مالك رواية صحيحة، قليلة الخطأ وكان فيما رواه عن مالك من موطئه ثقة حسن الضبط متقنًا''

آپ فقیہ تھے جن پر رائے کا غلبہ تھا، آپ نیک آدمی اور تھوڑے پر صبر کرنے والے تھے، آپ کی موطأ مالک والی روایت صحیح ہے جس میں غلطیاں تھوڑی ہیں، آپ موطأ مالک کی روایت میں ثقہ متقن (اور) اچھے طریقے سے یاد رکھنے والے تھے۔ (الانتقاء ص ۵۰)

حافظ ابویعلیٰ الخلیلی القزوینی (متوفی ۴۴۶ھ) نے کہا: ''ممن يحتج بحديثه، روى الموطأ عن مالك.. وكان يحسن الرواية وروى عن مالك من مسائل الفقه مالا يوجد عند غيره من أصحاب مالك'' ان کی حدیث سے حجت پکڑی جاتی ہے، انھوں نے (امام) مالک سے موطأ روایت کی... آپ اچھی روایت کرتے تھے اور آپ نے مالک سے ایسے مسائل فقہ بیان کئے ہیں جو ان کے دوسرے شاگردوں کے پاس نہیں ہیں۔

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۴۰۶/۱)

تلامذہ: ابوالطاہر احمد بن عمرو بن السرح، الحارث بن مسکین، سحنون بن سعید التنوخی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم اور یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر وغیرہم رحمہم اللہ

وفات: صفر ۱۹۱ھ

اللہ تعالیٰ کا احسان اور امام اسحاق بن راہویہ کا حافظہ

امام ابراہیم بن ابی طالب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام اسحاق بن ابراہیم الحنظلی (یعنی اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ) اپنی کتاب مسند زبانی لکھواتے تھے، ایک دفعہ مجھ سے مسند سننے کی ایک مجلس رہ گئی تو میں کئی دفعہ آپ کے پاس گیا تاکہ آپ وہ حصہ مجھے دوبارہ سنا دیں مگر آپ عذر بیان کر دیتے تھے۔ میں ایک دفعہ آپ کے پاس گیا تاکہ یہ رہ جانے والا حصہ دوبارہ سن لوں۔ اس دوران میں آپ کے پاس دیہات سے اندرائن کے پھل (تمبے) آئے تھے، آپ نے مجھے فرمایا: آپ ان لوگوں کے پاس ٹھہریں اور ان اندرائن کا وزن لکھیں پھر جب میں فارغ ہو گیا تو مسند کا فوت شدہ حصہ تمھیں دوبارہ سنا دوں گا۔ ابراہیم بن ابی طالب کہتے ہیں: میں نے یہ کام کر لیا اور فارغ ہونے کے بعد آپ کو بتا دیا۔ وہ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تھے پھر میں آپ کے ساتھ چلتا رہا حتیٰ کہ آپ اپنے گھر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ میں نے کہا: آپ نے فوت شدہ حصہ دوبارہ سنانے کا وعدہ کیا تھا؟ آپ نے پوچھا: اس مجلس کی پہلی حدیث کیا تھی؟ میں نے آپ کو بتایا تو آپ نے دروازے کی دونوں چوکھٹوں کے درمیان کھڑے ہو کر ساری مجلس آخر تک زبانی سنا دی۔ انھوں نے ساری مسند زبانی لکھوائی تھی اور دوبارہ بھی یہ ساری کتاب زبانی لکھوائی تھی۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۵۴ وسندہ صحیح)

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کو کتنا عظیم الشان حافظہ عطا فرمایا تھا کہ آپ اپنی کتاب مسند اسحاق بن راہویہ ساری کی ساری ہمیشہ زبانی لکھوایا کرتے تھے اور کبھی کسی روایت میں غلطی نہیں آئی۔ مسند اسحاق بن راہویہ مکمل حالت میں فی الحال تو مفقود ہے مگر اس کی چوتھی جلد قلمی حالت میں موجود ہے۔ اس قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ ہمیں حاصل ہوئی ہے جس کے تین سو چھ (۳۰۶) صفحات ہیں۔ غور کریں کہ کتنی بڑی مسند اسحاق بن راہویہ تھی اور امام اسحاق کا کیسا عظیم حافظہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ جس نے ایسے لوگ پیدا کر کے اپنے دین کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا عظیم الشان مقام

سوال: کیا حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ علمائے اہلِ سنت والجماعت میں سے تھے یا نہیں؟
محمد ابو بکر غازیپوری دیوبندی نے ایک رسالہ لکھا ہے: "کیا ابنِ تیمیہ علماءِ اہلسنت والجماعت میں سے ہیں؟ ابن تیمیہ کے بعض معتقدات پر ایک طائرانہ نظر"
اس رسالے میں غازیپوری مذکور نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اہلِ سنت و جماعت سے خارج تھے، ابن تیمیہ کا عقیدہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم نہیں ہوتے ہیں۔ وغیرہ، دیکھئے ص ۳۴، ۳۶
غازیپوری کے اس رسالے کو الیاس گھمن پارٹی (حیاتی گروپ) کے مکتبہ (۸۷۔ جنوبی، لاہور روڈ سرگودھا) سے شائع کیا گیا ہے۔ (مدثر جاوید بن محمد صدیق النجار، حضرو)
الجواب: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کبار علمائے اہلِ سنت و جماعت میں سے تھے بلکہ شیخ الاسلام تھے، فی الحال مشتے از خروارے دس حوالے پیشِ خدمت ہیں:
۱: حافظ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کے شاگرد حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے ابن تیمیہ کے بارے میں لکھا:
"الشيخ الإمام العلامة الحافظ الناقد (الفقيه) المجتهد المفسر البارع شيخ الإسلام علم الزهاد نادرة العصر ..." (تذکرۃ الحفاظ ۱۴۹۶/۴ ت ۱۱۷۵)
اور لکھا: "الإمام العالم المفسر الفقيه المجتهد الحافظ المحدث شيخ الإسلام نادرة العصر، ذو التصانيف الباهرة والذكاء المفرط"
(ذیل تاریخ الاسلام للذہبی ص ۳۲۴)
اور لکھا "شيخنا الإمام" (معجم الشیوخ ۵۶/۱ ت ۴۰)
معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی انھیں امام اور شیخ الاسلام سمجھتے تھے۔

۲: حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے لکھا:

”وفاة شيخ الإسلام أبی العباس تقي الدين أحمد بن تيمية“

(البدایہ والنہایہ ۱۴/۱۴۱ وفیات ۷۲۸ھ) نیز دیکھئے ص ۱۴۶

۳: شیخ علم الدین ابو محمد القاسم بن محمد بن البرزالی الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۳۹ھ) نے اپنی تاریخ میں کہا: ”الشيخ الإمام العالم العلم العلامة الفقيه الحافظ الزاهد العابد المجاهد القدوة شيخ الإسلام“ (البدایہ والنہایہ ۱۴/۱۴۱)

نیز دیکھئے العقود الدریہ ص ۲۴۶

۴: حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد حافظ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی المقدسی الحنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۴ھ) نے ”العقود الدرية من مناقب شيخ الإسلام أحمد بن تيمية“ کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۳۵۲ صفحات پر مطبعۃ المدنی قاہرہ مصر سے مطبوع ہے اور ہمارے پاس موجود ہے۔ والحمد للہ

اس کتاب میں ابن عبدالہادی نے کہا:

”هو الشيخ الإمام الرباني، إمام الأئمة ومفتي الأمة وبحر العلوم، سيد الحفاظ و فارس المعاني و الألفاظ ، فريد العصر و قريع الدهر ، شيخ الإسلام بركة الأنام وعلامة الزمان و ترجمان القرآن ، علم الزهاد و أوحد العباد، قامع المبتدعين و آخر المجتهدين“ (العقود الدریہ ص ۲)

۵: حافظ ابو الفتح ابن سید الناس الیعمری المصری رحمہ اللہ (متوفی ۷۳۴ھ) نے حافظ جمال الدین ابو الحجاج المزی رحمہ اللہ کے تذکرے میں کہا:

”وهو الذي حداني على رؤية الشيخ الإمام شيخ الإسلام تقى الدين أبي العباس أحمد...“ (العقود الدریہ ص ۹)

۶: کمال الدین ابو المعالی محمد بن ابی الحسن الزملکانی (متوفی ۷۲۷ھ) نے حافظ ابن تیمیہ کی کتاب: ”بيان الدليل على بطلان التحليل“ پر اپنے ہاتھ سے لکھا:

” الشيخ السيد الإمام العالم العلامة الأوحد البارع الحافظ الزاهد الورع القدوة الكامل العارف تقي الدين ، شيخ الإسلام مفتي الأنام سيد العلماء ، قدوة الأئمة الفضلاء ناصر السنة قامع البدعة حجة اللّٰه على العباد في عصره ، رادّ أهل الزيغ والعناد ، أوحدالعلماء العاملين آخر المجتهدين “

(العقود الدریہ ص ۸، الرد الوافر لابن ناصر الدین الدمشقی ص ۱۰۴، واللفظ لہ)

۷: ابوعبداللہ محمد بن الصفی عثمان بن الحریری الانصاری الحنفی (متوفی ۷۲۸ھ) فرماتے تھے: ” إن لم يكن ابن تيمية شيخ الإسلام فمن ؟ “

اگر ابن تیمیہ شیخ الاسلام نہیں تو پھر کون ہے؟ (الرد الوافر لابن ناصر الدین ص ۹۸، ۵۶)

۸: ابوعبداللہ محمد بن محمد بن ابی بکر بن ابی العباس احمد بن عبدالدائم المعروف بابن عبدالدائم المقدسی الصالحی (متوفی ۷۷۵ھ) نے حافظ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہا۔

دیکھئے الرد الوافر (ص ۶۱)

۹: شمس الدین ابوبکر محمد بن محبّ الدین ابی محمد عبداللہ بن المحب عبداللہ الصالحی الحنبلی المعروف بابن المحب الصامت نے اپنے ہاتھ سے لکھا:

” شيخنا الإمام الرباني شيخ الإسلام إمام الأعلام بحر العلوم والمعارف “

(الرد الوافر ص ۹۱)

۱۰: حافظ ابن تیمیہ کے مشہور شاگرد حافظ ابن القیم الجوزیہ (متوفی ۷۵۱ھ) نے اُن کے بارے میں کہا: ” شيخ الإسلام “ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۴۱ طبع دار الجیل بیروت)

ان دس حوالوں کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں جن میں حافظ ابن تیمیہ کی بیحد تعریف کی گئی ہے یا انھیں شیخ الاسلام کے عظیم الشان لقب سے یاد کیا گیا ہے مثلاً:

حافظ ابن رجب الحنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) نے کہا:

” الإمام الفقيه المجتهد المحدث الحافظ المفسر الأصولي الزاهد تقي الدين أبو العباس شيخ الإسلام وعلم الأعلام ... “ (الذیل علی طبقات الحنابلہ ۲/ ۳۸۷ ت ۴۹۵)

ابن العماد الحنبلی نے کہا:'' شیخ الإسلام ... الحنبلی بل المجتھد المطلق ''

(شذرات الذہب ۶/۸۱)

تہذیب الکمال اور تحفۃ الاشراف کے مصنف حافظ ابوالحجاج المزی رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' ما رأیت مثلہ، ولا رأی ھو مثل نفسہ و ما رأیت أحدًا أعلم الکتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ ولا أتبع لھما منہ ''میں نے اُن جیسا کوئی نہیں دیکھا اور نہ انھوں نے اپنے جیسا کوئی دیکھا، میں نے کتاب اللہ اور رسول اللہ (ﷺ) کی سنت کا اُن سے بڑا عالم نہیں دیکھا اور نہ اُن سے زیادہ کتاب وسنت کی اتباع کرنے والا کوئی دیکھا ہے۔

(العقود الدریہ ص ۷ تصنیف الامام ابن عبدالہادی تلمیذ الحافظ المزی رحمہما اللہ)

ان گواہیوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ اہلِ سنت و جماعت کے کبار علماء میں سے تھے اور شیخ الاسلام تھے۔

فرقۂ بریلویہ اور بعض مبتدعین اُن کی شان میں گستاخی کرتے ہیں جن کی تقلید میں ابوبکر غازیپوری دیوبندی نے بھی اپنے رسالے'' کیا ابن تیمیہ علماء اہلسنت والجماعت میں سے ہیں؟ ابن تیمیہ کے بعض معتقدات پر ایک طائرانہ نظر'' میں کذب وافتراء اور دجل و فریب سے تحریفات کرتے ہوئے پروپیگنڈا کیا ہے جس کا حساب اُسے اللہ کے دربار میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں'' قافلۂ حق'' نامی دیوبندی رسالے میں محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی دیوبندی نے بہت زبان درازی کی ہے۔

دیکھئے قافلۂ حق (فی الحقیقت: قافلۂ باطل) جلد ۱ شمارہ ۲ ص ۲۰ تا ۳۳)

ماضی قریب میں زاہد بن حسن الکوثری (الجہمی) نام کا ایک شخص گزرا ہے جس پر شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی اور شیخ البانی وغیرہما نے سخت جرح کر رکھی ہے۔ اس شخص (کوثری) کے بارے میں ابوسعد الشیرازی (دیوبندی) نے لکھا:

'' فخر المحدثین امام المتکلمین شیخ الاسلام زاہد بن الحسن الکوثریؒ '' (قافلۂ باطل جلد ۱ شمارہ ۴ ص ۲۷)

یہ وہی کوثری تھا جس نے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی کتاب التوحید کو "کتاب الشرک" لکھا ہے۔ دیکھئے مقالات الکوثری (ص ۳۳۰، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۲ھ)

اس کوثری نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں توہین کرتے ہوئے لکھا:

"ومع هذا كله إن كان هو لا يزال يعد شيخ الإسلام فعلى الإسلام السلام"

اور اگر اس سب کچھ کے ساتھ اسے شیخ الاسلام کہا جاتا ہے تو اسلام پر سلام ہے۔

(الاشفاق علیٰ احکام الطلاق ص ۸۹)

دیکھئے کہ کوثری جرکسی جہمی نے کس طرح شیخ الاسلام پر جرح کی ہے حالانکہ حافظ ذہبی، حافظ برزالی، حافظ ابن عبدالہادی، حافظ ابن سید الناس، حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن القیم وغیرہم نے حافظ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام قرار دیا تھا۔ کوثری کی گمراہیوں کے لئے دیکھئے مولانا ارشاد الحق اثری کی کتاب: مقالات (ج ۱ ص ۵۳، ۱۶۲، ۱۷۹)

اب آخر میں حنفیت کی طرف منسوب ان مبتدعین کی خدمت میں حنفیوں اور مبتدعین کے حوالے پیش کرتا ہوں جو اپنی تحریروں میں حافظ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہتے یا اُن کی تعریف میں رطب اللسان تھے یا ہیں۔

۱: ملا علی قاری حنفی تقلیدی نے ابن تیمیہ اور ابن القیم کے بارے میں لکھا:

"ومن طالع شرح منازل السائرين تبين له أنهما كانا من أكابر أهل السنة والجماعة و من أولياء هذه الأمة" جس نے منازل السائرین کی شرح کا مطالعہ کیا تو اس پر واضح ہو گیا کہ وہ دونوں (ابن تیمیہ اور ابن القیم) اہلِ سنت والجماعت کے اکابر میں سے اور اس اُمت کے اولیاء میں سے تھے۔ (جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۱ ص ۲۰۷)

ملا علی قاری کی اس عبارت کو اختصار کے ساتھ سرفراز خان صفدر گکھڑوی کڑمنگی نے اپنی کتاب "المنہاج الواضح یعنی راہِ سنت" میں نقل کیا اور کوئی جرح نہیں کی۔ دیکھئے ص ۱۸۷

نیز دیکھئے تفریح الخواطر فی رد تنویر الخواطر ص ۲۹، اور راہِ ہدایت ص ۱۳۸

۲: سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی نے لکھا:

" شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ... " (احسن الکلام طبع جون ۲۰۰۶ جلد ۱ ص ۹۴)

۳: محمد منظور نعمانی دیوبندی نے کہا:

" ساتویں اور آٹھویں صدی کے مجدد شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات اور فتاویٰ میں جابجا شیعیت کا رد فرمایا ہے" (ماہنامہ بینات کراچی، خصوصی اشاعت: خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ص ۱۱) نیز دیکھئے خمینی و شیعیت کیا ہے، ص ۸۴

۴: بریلویوں اور دیوبندیوں کے ممدوح ملا ابن عابدین شامی نے کہا:

" ورأيت في كتاب الصارم المسلول لشيخ الإسلام ابن تيمية الحنبلي... "

(ردالمحتار علی الدرالمختار ۳/۳۰۵)

۵: اشرف علی تھانوی دیوبندی نے کہا:

" ابن تیمیہ بزرگ ہیں عالم ہیں متقی ہیں اللہ ورسول پر فدا ہیں دین پر جان نثار ہیں۔ دین کی بڑی خدمت کی ہے مگر ان میں بوجہ فطرۃً تیز مزاج ہونے کے تشدد ہو گیا۔"

(ملفوظات "حکیم الامت" ج ۱۰ ص ۴۹، ۵۰ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

تشدد والی بات تو مردود ہے نیز تھانوی نے حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم دونوں کے بارے میں کہا:

" یہ سب نیک تھے اور نیت سب کی حفاظت دین کی تھی۔" (ملفوظات ج ۲۶ ص ۲۸۷)

۶: محمد تقی عثمانی دیوبندی نے لکھا:

" اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:" (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص ۱۱۷)

۷: عتیق الرحمٰن سنبھلی نے لکھا:

" امام ابن تیمیہؒ کا ارشاد" (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، دوسرا ایڈیشن ص ۲۳۹)

۸: بشیر احمد قادری دیوبندی مدرس قاسم العلوم فقیر والی نے لکھا:

" شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ:" (تجلیات صفدر جلد ۳ ص ۱۰۵)

۹: ماسٹر امین اکاڑوی دیوبندی نے لکھا:

"نیلوی صاحب شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، علامہ سیوطی اور نواب صدیق حسن خاں سے نقل کرتے ہیں..." (تجلیات صفدر ج ۷ ص ۱۶۲)

۱۰: محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی دیوبندی جس نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں بہت زبان درازی کی ہے۔ دیکھئے قافلۂ باطل ج ا شمارہ ۲ ص ۲۰ تا ۳۲

اسی محمود عالم نے "اصولِ حدیث" والے مضمون میں خود لکھا ہے:

"شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں..." (قافلۂ باطل ج ا شمارہ ۴ ص ۸)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں مثلاً دیکھئے منحۃ الخالق علی البحر الرائق (ج ۵ ص ۲۴۶) برأت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تصنیف ظفر احمد عثمانی تھانوی دیوبندی (ص ۱۷) خاتمۃ الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام تصنیف فقیر اللہ دیوبندی (ص ۴۳) اور "صبر و تحمل کی روشن مثالیں" تالیف محمد صاحب بن مفتی ابراہیم دیوبندی (ص ۵۳، ۵۶)

جب مرضی کا معاملہ ہو مثلاً فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ وغیرہ تو دیوبندی حضرات حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو شیخ الاسلام، امام اور علامہ وغیرہ لکھتے ہیں اور اگر مرضی کے خلاف بات ہو تو یہی لوگ شیخ الاسلام پر جرح، تنقید اور تنقیص کا بلا دریغ استعمال کرتے ہیں۔ کیا انھیں اللہ کا خوف نہیں ہے؟

آخر میں دوبارہ عرض ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اہلِ سنت و جماعت کے کبار علماء میں سے جلیل القدر امام تھے۔ رحمہ اللہ (۱۱/ دسمبر ۲۰۰۸ء)

بعض شبہات اور باطل استدلالات کا رد

دلائل النبوۃ للبیہقی اور حدیثِ نور

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

دلائل النبوۃ للبیہقی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو پیدا فرمایا تو ان کی اولاد کو آپ کے سامنے پیش کیا۔ آدم (علیہ السلام) نے اپنی اولاد کے ایک دوسرے پر فضائل کو دیکھا تو پھر مجھے پھیلتے ہوئے نور کی صورت میں دیکھا۔ الخ (ج ۵ ص ۴۸۳)

اس روایت کی سند کے شروع میں امام بیہقی فرماتے ہیں:

"أخبرنا أبو الحسن علي بن أحمد بن سیماء المقرئ قدم علینا حاجّاً"

ہمیں ابوالحسن علی بن احمد بن سیماء المقرئ نے خبر دی، وہ ہمارے پاس حج کے لئے جاتے ہوئے تشریف لائے تھے۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۳)

راقم الحروف نے اس سند پر جرح کرتے ہوئے لکھا تھا:

"اس میں بیہقی کا استاد ابوالحسن علی بن احمد بن سیماء المقرئ مجہول الحال ہے۔ ابن سیماء کا ذکر المنتخب من السیاق لتاریخ نیسابور (۱۲۴۹) میں بغیر کسی توثیق کے کیا گیا ہے۔ اس ابن سیماء کی توثیق ہمارے علم کے مطابق کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔"

(ماہنامہ الحدیث: ۲۵ ص ۶۲ جعلی جزء کی کہانی ص ۳۲، ۳۳)

اس کے جواب میں ایک بریلوی نے تاریخ بغداد (جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۸) وغیرہ کے حوالے پیش کر کے لکھا ہے کہ "امام ابوالحسن علی بن احمد بن سیماء المقری رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت جلیل القدر آئمہ محدثین کرام سے ہم نے بیان کر دی ہے۔" (علمی محاسبہ ص ۱۲۲)

حالانکہ محاسبہ کے مصنف نے بغداد کے رہنے والے علی بن احمد بن عمر بن حفص ابوالحسن المقرئ المعروف بابن الحمامی کی توثیق نقل کی ہے۔ ابن الحمامی کے آباء واجداد میں

سیماء کا نام ونشان نہیں ہے۔ مصنف مذکور نے جتنے حوالے لکھے ہیں اُن میں سے کسی ایک میں بھی ابن الحمامی کے اجداد میں سیماء کا نام موجود نہیں ہے۔

عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی فرماتے ہیں: ''علي بن أحمد بن سيما البخاري أبو الحسن قدم نيسابور حاجًا سنة إثنتي عشرة وأربعمائة وخرج قافلاً إلى وطنه وتوفي'' علی بن احمد بن سیما البخاری ابوالحسن حج کے لئے جاتے ہوئے ۴۱۲ھ میں نیشاپور آئے تھے اور پھر واپس جاتے ہوئے اپنے وطن کی طرف نکلے اور فوت ہو گئے۔

(الحلقۃ الاولیٰ من تاریخ نیسابور ص ۵۶۹ ت ۱۲۴۹)

معلوم ہوا کہ ابن سیماء بخاری تھا جو حج کے لئے اپنے وطن بخارا سے روانہ ہوا تو راستے میں نیشاپور سے گزرا اور امام بیہقی وغیرہ کو مذکورہ حدیث سنادی۔ اب بغیر کسی دلیل کے اس بخاری کو بغدادی قرار دینا غلط ہے۔ نیشاپور سے مکہ اور مدینہ جانے کے لئے ایران میں سفر کے بعد عراق کے ذریعے حجاز میں داخل ہونا پڑتا ہے۔

اگر اس سے مراد ابن الحمامی البغدادی لیا جائے تو کیا خیال ہے کہ انھوں نے بغداد (عراق) سے مکہ ومدینہ کے قریبی راستے سے جانے کے بجائے ہزار میل سے زیادہ مسافت کو کس لئے اختیار کیا؟ واضح ثبوت پیش کریں۔ عراق سے ایران آکر سعودی عرب کو کون سا راستہ جاتا ہے؟ کہیں سے ایران، عراق اور سعودی عرب کا نقشہ منگوا کر دیکھ لیں۔

یہ تو ایسا ہی ہے جیسے اسلام آباد کا کوئی شخص لاہور جانے کے لئے پشاور اور جلال آباد کا راستہ اختیار کر کے دائرے کی شکل میں ہزار میل سے زیادہ کا سفر طے کر کے لاہور پہنچنے کی کوشش کرے۔!

ابن الحمامی تو (بغداد کے) مقبرہ باب حرب میں دفن ہوئے تھے (دیکھئے تاریخ بغداد ۳۳۰/۱۱) اور ابن سیماء البخاری مذکور اپنے وطن میں فوت ہوا تھا۔ کیا بخارا سے اس کی لاش بغداد لائی گئی تھی؟ اور بخارا سے یہ لاش بغداد پہنچانے پر کتنے مہینے لگے تھے؟ جبکہ صدیوں پہلے لوگوں کو موجودہ وسائل میسر نہیں تھے۔

ہوسکتا ہے کہ بریلوی مصنف کے نزدیک ابن سیماء کی میت کو کرامت کے زور سے بغداد پہنچایا گیا ہو لیکن کرامت کے وقوع کے لئے بھی تو صحیح دلیل درکار ہے جو یہاں سرے سے موجود نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ علی بن احمد بن سیماء البخاری علیحدہ شخص ہے اور علی بن احمد بن عمر بن حفص البغدادی علیحدہ ہیں۔ دونوں کو ایک قرار دینا اسی شخص کا کام ہوسکتا ہے جو اسماء الرجال اور علمِ حدیث سے نابلد ہو۔

مختصر یہ کہ ابن سیماء البخاری مجہول الحال ہی ہے، اس کی کوئی توثیق ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ: اس تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ روایت ابن ابی عاصم کی کتاب الاوائل (ح ۵) اور کتاب السنۃ (ح ۲۰۵ دوسرا نسخہ: ۲۱۱) میں موجود ہے۔

[اور اسے ابوطاہر المخلص نے الفوائد (خ ل ۲۴۸/ ب) میں روایت کیا ہے]

اس روایت کی سند حسن ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(دیکھئے ظلال الجنۃ ج ۱ ص ۹۰)

اسی روایت کی دوسری سند میں آیا ہے کہ "لما خلق اللّٰه آدم مسح ظهره فسقط من ظهره كل نسمة هو خالقها من ذريته إلى يوم القيامة وجعل بين عيني كل إنسان منهم وبيصًا من نور..." جب اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا (تو) اُن کی پیٹھ پر مسح کیا پھر ان کی پیٹھ سے ہر (انسان کی) روح گر پڑی جسے اس نے قیامت سے پہلے پیدا کرنا تھا اور ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھی....

(سنن الترمذی: ۳۰۷۶ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۲/ ۵۸۶ وقال الترمذی: حسن صحیح)

ایک روایت میں ہے کہ ((فإذا فيهم رجل أضوأهم أو من أضوئهم ...))

آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی ان میں سب سے زیادہ روشن ہے۔

(سنن الترمذی: ۳۳۶۸ وقال: "حسن غریب" وسندہ حسن وصححہ ابن حبان: ۶۱۳۴ والحاکم ۴/ ۲۶۳ ووافقہ الذہبی)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ((إن اللّٰه عزوجل خلق خلقه في

ظلمة ثم ألقي عليهم من نوره يومئذ فمن أصابه من نوره يومئذ اهتدى ...))
بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر اس دن اپنے (پیدا کردہ) نور سے ان پر ڈالا پس جسے اس دن نور مل گیا تو وہ ہدایت یافتہ ہوا۔

(مسند احمد ۲/۱۷۶ ح ۶۶۴۴ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ۱/۳۰ ح ۸۳)

معلوم ہوا کہ حدیث ابن ابی عاصم میں نور سے مراد نورِ ہدایت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ خیر البشر ہونے کے ساتھ سب سے عظیم ترین نورِ ہدایت بھی ہیں۔
تنبیہ: السنۃ لابن ابی عاصم وسنن الترمذی وغیرہما کی سابقہ حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ انسانوں میں اول الخلق (پہلی مخلوق) نہیں بلکہ آدم علیہ السلام اول الخلق ہیں لہٰذا اس حدیث سے بھی بریلویوں کا استدلال صحیح نہیں ہے۔
بریلویوں کی بنیادی کتاب بہارِ شریعت میں محمد امجد علی بریلوی نے لکھا ہے کہ
"عقیدہ۔ نبی اس بشر کو کہتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو۔ اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔
عقیدہ۔ انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔"

(بہارِ شریعت ج ۱ ص ۷ دوسرا نسخہ ص ۹ عقائد متعلقہ نبوت)

اس کتاب کے ابتدائی چھ حصے احمد رضا خان بریلوی نے حرفاً حرفاً سنے اور تحسین کی۔ دیکھئے مقدمہ بہارِ شریعت (ص د)
محمد امجد علی بریلوی مزید لکھتے ہیں:
"غیر مقلدین یہ بھی وہابیت ہی کی ایک شاخ ہے وہ چند باتیں جو حال میں وہابیہ نے اللہ عزوجل اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں بکی ہیں غیر مقلدین سے ثابت نہیں باقی تمام عقائد میں دونوں شریک ہیں۔" (بہارِ شریعت ج ۱ ص ۴۷)
یعنی بریلویوں کے نزدیک اہلِ حدیث گستاخ نہیں ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ
(۲۹/ اپریل ۲۰۰۷ء)

جعلی جزء کی کہانی اور نام نہاد "علمی محاسبہ"

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد:

نبی کریم ﷺ سے محبت جزوِ ایمان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

((لايؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين .))

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔ (صحیح بخاری: ۱۵، وصحیح مسلم: ۴۴)

عظمتِ شانِ مصطفیٰ ﷺ و کمالاتِ مصطفیٰ ﷺ فداہ ابی و امی و روحی کا عقیدہ رکھنا سچے مسلمان کی شان ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی آپ ﷺ کے فضائل کے لئے موضوع، مردود اور ضعیف روایتوں کا سہارا لیتا پھرے۔ خیر البشر اور نورِ ہدایت ﷺ کا ارشاد ہے: ((من حدّث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين.))

جس نے مجھ سے ایسی حدیث بیان کی جسے وہ (میری طرف منسوب ایک) جھوٹ سمجھتا ہے تو یہ شخص جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ (صحیح مسلم قبل ح۱، ترقیم دار السلام: ۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: ((لا تكذبوا عليّ فإنه من كذب عليّ فليلج النار .))

مجھ پر جھوٹ نہ بولو کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ یقیناً آگ میں داخل ہوگا۔

(صحیح بخاری: ۱۰۶، وصحیح مسلم: ۱)

اس شدید وعید اور ارشادِ نبوی کے باوجود بعض لوگ موضوع احادیث بناتے ہیں یا موضوع روایات کو مسلمانوں میں رواج دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

حال (۲۰۰۵ء) ہی میں بعض بریلویوں کی طرف سے "الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف" کے نام سے چالیس روایتوں کا ایک مجموعہ شائع ہوا ہے جو کئی لحاظ سے من گھڑت اور مردود ہے:

① اس نسخے کی اصل کہیں موجود نہیں ہے اور عیسیٰ بن مانع الحمیری (مبتدع) کا نسخہ چند سال پہلے کا لکھا ہوا ہے۔

② دبئی کے شیخ ادیب الکمدانی جو کہ مخطوطات کے ماہر ہیں، انھوں نے اس نسخے کو موضوع اور دو سال پہلے کا لکھا ہوا قرار دیا ہے۔

③ سعودی عرب کے بڑے علماء مثلاً شیخ خالد الدریس، شیخ احمد عاشور اور شیخ سعد الحمید وغیرہم نے اس سارے نسخے کو موضوع قرار دیا ہے۔

④ اس نسخے کا ناسخ مزعوم اسحاق بن عبدالرحمٰن السلیمانی نامعلوم ہے۔

⑤ اسحاق السلیمانی سے لے کر عبدالرزاق بن ہمام تک سند نامعلوم ہے۔

⑥ اس نسخے پر علماء کے سماعات نہیں ہیں۔

⑦ یہ نسخہ کہاں کہاں رہا ہے؟ اس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔

⑧ اس نسخے میں فاش غلطیاں موجود ہیں۔

⑨ مخطوطے کا خط دسویں صدی ہجری کا نہیں بلکہ تازہ خط ہے جسے کسی معاصر آدمی نے لکھا ہے۔

⑩ اس مخطوطے کی مرفوع روایات میں سے ایک روایت بھی مخطوطے والی سند و متن یا مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے سابقہ کسی معتبر کتاب میں منقول نہیں ہے جبکہ دوسری صدی ہجری کی کتابوں کی عام روایات بعد والی کتابوں میں مل جاتی ہیں مثلاً:

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۱ ح۱) کی پہلی روایت ابن ابی شیبہ کی سند سے المسند المستخرج علیٰ صحیح مسلم لابی نعیم الاصبہانی (ج۱ ص۹۰۴ ح۸۲۵) میں موجود ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ''جعلی جزء کی کہانی'' شائع کردہ مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد/ لاہور۔

علم الاسانید ایسا عظیم الشان علم ہے جو اُمتِ مسلمہ کے علاوہ کسی اُمت کو بھی حاصل نہیں ہے۔

حدیث کی تخریج کرنے والے جانتے ہیں کہ ایک ہی حدیث کی کتبِ احادیث میں کئی کئی سندیں ہوتی ہیں مثلاً صحیح بخاری کی پہلی حدیث ((إنما الأعمال بالنیات)) إلخ کی

بنیادی سند "یحی بن سعید الأنصاري عن محمد بن إبراهیم التیمي عن علقمة بن وقاص اللیثي عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه" کو یحییٰ بن سعید سے ایک جماعت نے بیان کیا ہے، مثلاً:

۱: سفیان بن عیینہ (صحیح بخاری:۱، صحیح مسلم:۱۹۰۷، مسند الحمیدی:۲۸، مسند احمد ۱/۲۵ ح ۱۶۸، وغیرہ)

۲: مالک بن انس (صحیح بخاری:۵۴، صحیح مسلم:۱۹۰۷، سنن النسائی ۱/۵۸، ۶/۱۵۸، شرح معانی الآثار للطحاوی ۳/۹۶ باب طلاق المکرہ)

۳: یزید بن ہارون (صحیح مسلم:۱۹۰۷، مسند احمد ۱/۴۳ ح ۳۰۰، ابن ماجہ:۴۲۲۷ وغیرہ)

۴: حماد بن زید (صحیح بخاری:۳۸۹۸، صحیح مسلم:۱۹۰۷، سنن النسائی ۱/۵۸ وغیرہ)

۵: لیث بن سعد (صحیح مسلم:۱۹۰۷، ابن ماجہ:۴۲۲۷)

۶: سفیان الثوری (صحیح بخاری:۲۵۲۹، سنن ابی داود:۲۲۰۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۴۱ وصرح بالسماع)

۷: عبدالوہاب الثقفی (صحیح بخاری:۶۶۸۹، صحیح مسلم:۱۹۰۷، سنن الترمذی:۱۶۴۷)

۸: عبداللہ بن المبارک (صحیح مسلم:۱۹۰۷، سنن النسائی ۱/۵۸، شرح السنۃ للبغوی:۲۰۶)

۹: ابوخالد الاحمر (صحیح مسلم:۱۹۰۷، سنن النسائی ۷/۱۳)

۱۰: یحییٰ بن سعید القطان (صحیح ابن حبان، الاحسان:۳۸۹، تاریخ بغداد ۹/۳۴۶) وغیرہ

یہی حدیث امام بخاری کے استاد امام ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب مسند الحمیدی میں موجود ہے۔ (ح ۲۸)

اور یہی حدیث امام بخاری کی سند کے ساتھ نجم الدین عمر بن محمد بن احمد النسفی (متوفی ۵۳۷ھ) کی کتاب القند فی ذکر علماء سمرقند (ص ۱۵۸، ۱۵۹ ترجمہ:۲۵۸) اور عمر بن محمد بن عبداللہ السہر وردی الصوفی (متوفی ۶۳۲ھ) کی کتاب عوارف المعارف (ص ۲۵۱ وسندہ حسن) میں موجود ہے۔

فائدہ: صحیح بخاری کے متداول نسخوں میں یہ حدیث مختصر ہے لیکن عوارف المعارف میں یہ فربری عن البخاری کی سند اور مکمل متن کے ساتھ مع "فمن کانت ھجرته إلی الله

ورسوله فهجرته إلى الله و رسوله ''موجود ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اضافہ صحیح بخاری کے بعد کے بعض راویوں سے رہ گیا ہے۔ واللہ اعلم

حدیث کی جو کتابیں دوسری صدی ہجری (۱۰۱ھ تا ۱۹۹ھ) میں لکھی گئی ہیں، ان کی عام مرفوع روایات دوسری کتابوں میں بھی اسی سند و متن سے مل جاتی ہیں مثلاً موطأ امام مالک، مصنف عبدالرزاق اور کتاب الزہد لابن المبارک وغیرہ

میرے علم کے مطابق، اس دور میں حدیث کی کوئی مستند کتاب ایسی نہیں ہے جس کی تمام روایات میں سے ایک روایت بھی حدیث کی کسی دوسری کتاب میں اسی سند و متن سے نہ ملتی ہو۔ یہ ''سعادت'' صرف بریلویوں کے خودساختہ ''الجزء المفقود'' کو ہی حاصل ہے کہ اس کی تمام روایتوں میں سے ایک روایت بھی اسی سند و متن سے حدیث کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتی اور یہ بھی اس کے موضوع ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

دوسری صدی ہجری کے بعد والے دور میں بھی بہت سی کتابیں ایسی ہیں جن کی روایات دوسری کتابوں میں با آسانی مل جاتی ہیں مثلاً ابوسعید ابن الاعرابی کی مشہور کتاب المعجم کی روایات بعد والی کتابوں میں اسی سند و متن کے ساتھ مل جاتی ہیں جن کے ساتھ اس کتاب میں موجود ہیں۔ اس کی دس مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: المعجم لابن الاعرابی (مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ح ۱۳۲۴)

یہ روایت ابن الاعرابی کی سند کے ساتھ تاریخ دمشق لابن عساکر (۴/۲۰۸) میں موجود ہے۔

۲: المعجم لابن اعرابی (ح ۱۳۴۳) دیکھئے معجم ابن عساکر (ح ۹۰۰)

۳: المعجم لابن الاعرابی (ح ۱۹۵۶) دیکھئے الموضوعات لابن الجوزی (طبعہ جدیدہ ح ۱۱۷۷)

۴: المعجم لابن الاعرابی (ح ۱۹۶۸) دیکھئے السنن الواردہ للدانی (ح ۳۱۳)

۵: المعجم لابن الاعرابی (ح ۱۹۷۸) دیکھئے السنن الواردہ (ح ۳۰۰)

۶: المعجم لابن الاعرابی (ح ۲۱۶۳م) دیکھئے السنن الواردہ (ح ۳۶۳)

۷: المعجم لابن الاعرابی (ح ۲۲۶۲) دیکھئے السنن الواردہ (ح ۶۹۴)

۸: المعجم لابن الاعرابی (ح ۱۹۵۹) دیکھئے مسند الشہاب للقضاعی (ح ۱۵)
۹: المعجم لابن الاعرابی (ح ۱۲۴۹) دیکھئے مسند الشہاب (ح ۲۹)
۱۰: المعجم لابن الاعرابی (ح ۱۰۵۹) دیکھئے مسند الشہاب (ح ۳۴)

معلوم ہوا کہ احادیث کی کتابیں باہم ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ ایک کی سندیں اور متون دوسری کتابوں میں مل جاتے ہیں۔ والحمدللہ

معجم ابن الاعرابی (۱۴۴ دوسرا نسخہ ح ۱۴۲) میں وفات تک رفع یدین والی حدیث ''أبوزرعة عن أبي عبدالجبار عن أبي هريرة'' کی سندو متن کے ساتھ مسند الشامیین للطبرانی (۳۵/۲) میں معمولی اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔

دیکھئے میری کتاب نورالعینین (طبع جدید ص ۳۳۶ تا ۳۳۹)

دوسرے یہ کہ اس روایت کو تو صرف بطورِ استشہاد و تائید پیش کیا گیا ہے۔ وفات تک رفع یدین کے دوام والی وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی نماز کے بارے میں فرماتے تھے: ''اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بے شک میں تم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت میں قریب ہوں، آپ کی یہی نماز تھی حتیٰ کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔'' (سنن النسائی ج ۱ ص ۱۷۳ ح ۱۱۵۷، نورالعینین ص ۳۳۴)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو نماز پڑھتے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز تھی۔

یاد رہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے کہ وہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری: ۲۰ وسندہ صحیح، نورالعینین ص ۱۶۰)

اس سے خود بخود ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جانے تک رفع یدین کرتے تھے۔ والحمدللہ

تمام آلِ بریلی سے درخواست ہے کہ وہ اپنے پیش کردہ ''الجزء المفقود'' کی صرف ایک روایت عبدالرزاق کی سندو متن کے ساتھ حدیث کی کسی دوسری کتاب سے ثابت کر دیں اور اگر نہ کر سکیں تو پھر اس خود ساختہ جعلی جزء پر ہٹ دھرمی اور ضد چھوڑ دیں۔

حافظ ابن الصلاح الشہرزوری نے صحتِ کتاب کیلئے اصول سمجھایا ہے کہ ''اور (تیسری) شرط یہ ہے کہ اصل کتاب سے نسخے کا ناقل (کاتب و ناسخ) غلط نقل کرنے والا نہ ہو، بلکہ صحیح نقل کرنے اور کم غلطیاں کرنے والا ہو۔'' (علوم الحدیث ص ۳۰۳ نوع: ۲۵ جعلی جزء کی کہانی ص ۱۴)

اس اصول سے معلوم ہوا کہ جس اکلوتے نسخے کا ناقل غیر ثقہ، مجہول یا کثیر الغلط ہو تو وہ نسخہ ناقابلِ اعتماد ہوتا ہے۔ اصولِ حدیث کے اس اہم مسئلے کو مدِ نظر رکھ کر راقم الحروف نے بریلویوں کے تازہ شائع کردہ ''الجزء المفقود'' کے ناسخ اسحاق بن عبدالرحمٰن السلیمانی کے بارے میں (اگر اس کا کوئی وجود ہے تو) لکھا تھا:

''اس شخص کے حالات اور ثقہ وصدوق ہونا نامعلوم ہے لہٰذا یہ شخص مجہول ہے۔''

(جعلی جزء کی کہانی ص ۲۲)

اس کتاب ''جعلی جزء کی کہانی'' کا جواب اَب بریلویوں کی طرف سے ''علمی محاسبہ'' کے نام سے میلاد پبلکیشنز لاہور سے شائع ہوا ہے جسے علمی محاسبہ کے بجائے ''گالی نامہ'' کا عنوان دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس محاسبے میں صاحبِ کتاب اس مزعوم ناسخ کی توثیق اور ناسخ سے صاحبِ کتاب تک متصل سند پیش کرنے سے عاجز رہے ہیں اور ''جعلی جزء کی کہانی'' میں ذکر کردہ دلائل واعتراضات میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دے سکے ہیں!!

''ہم تو ڈوبے ہیں تمھیں بھی لے ڈوبیں گے...'' کے مصداق بنتے ہوئے جزء رفع الیدین، کتاب الضعفاء للبخاری، التمہید لابن عبدالبر، السنن الکبریٰ للبیہقی اور المعجم الکبیر للطبرانی وغیرہ کے نسخوں پر الزامی اعتراضات کردیئے ہیں جن کے جوابات درج ذیل ہیں:

① جزء رفع الیدین کی سند متصل ہے۔ دیکھئے میری تحقیق والا نسخہ ص ۲۷

اسے حافظ العراقی سے حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر کے نسخے کا دوسری دفعہ مقابلہ ابوالفضل (عبدالرحمٰن بن احمد بن اسماعیل) القلقشندی کے خط سے کیا گیا ہے۔ (ص ۱۱۳) القلقشندی کے حالات دیکھئے الضوء اللامع (ج ۴ ص ۴۶)

جزء رفع الیدین کی دوسری متصل سند کے لئے دیکھئے المعجم المفہرس للحافظ ابن حجر (ص ۶۱ رقم: ۱۰۶)

جزء رفع الیدین کا رسالہ صدیوں سے علماء کے درمیان مشہور و متداول ہے اور علماء اس سے احادیث و عبارات نقل کرتے رہے ہیں جبکہ ''الجزء المفقود'' ابھی چند سالوں کی ایجاد ہے۔

② کتاب الضعفاء للبخاری صدیوں سے مسلمانوں کے پاس مشہور و معروف رہی ہے۔

امام بخاری نے ایک راوی حریث بن ابی حریث کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا (تحقیقی: ۸۹) پھر جب ابو حاتم الرازی سے ذکر کیا گیا کہ حریث کو بخاری نے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے تو انھوں نے کہا: اسے (حریث کو) وہاں سے ہٹانا چاہئے الخ (الجرح والتعدیل ۲۶۳/۳)

معلوم ہوا کہ امام ابو حاتم کے دور میں امام بخاری کی کتاب الضعفاء مشہور تھی۔ راقم الحروف نے لکھا ہے کہ ''نسخہ علماء کے درمیان مشہور ہو'' (جعلی جزء کی کہانی ص ۱۵، الحدیث: ۵)

جبکہ الجزء المفقود کا علماء کے درمیان مشہور ہونا تو دور کی بات ہے، گزشتہ عشرے سے پہلے علمی دنیا میں اس کا کوئی نام و نشان تک نہیں تھا۔

تنبیہ: مشہور و متواتر نسخہ سند کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ سند و دلائل کی ضرورت غیر مشہور اور عجیب و غریب اکلوتے نسخے کے لئے مطلوب ہوتی ہے جس کا ادوارِ سابقہ میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔

کتاب الضعفاء کے تمام اقوال و روایات التاریخ الکبیر وغیرہ سابقہ کتابوں میں امام بخاری کے حوالے سے موجود ہیں جبکہ الجزء المفقود کی ایک روایت بھی سند و متن سے سابقہ کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں ہے۔ (تحفۃ الاقویاء ص ۷ کا حاشیہ نمبر ۶ دوبارہ پڑھ لیں)

کتاب الضعفاء کے کئی نسخے تھے مثلاً دیکھئے المعجم المفہرس لابن حجر (ص ۱۷۳، رقم ۶۷۶)

جبکہ الجزء المفقود کا اسحاق السلیمانی کے علاوہ دوسرا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔

③ التمہید لابن عبدالبر کو چھ قلمی نسخوں سے شائع کیا گیا ہے۔ دیکھئے ۱۸ جلدوں والا مطبوعہ نسخہ (ناشر: الفاروق الحدیثہ للطباعۃ والنشر، القاہرہ مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹ء ج ۱ ص ۸۱ تا ۱۰۰)

چھ قلمی نسخوں سے شائع شدہ التمہید کے مشہور و متواتر نسخے کو ''الجزء المفقود'' کے اکلوتے نسخے پر قیاس کیا جا رہا ہے۔ **سبحان اللہ**

اس کے علاوہ یہ کتاب صدیوں سے علماء کے درمیان مشہور و متواتر رہی ہے۔

حافظ ابن حزم اندلسی نے التمہید کا ذکر کیا ہے۔
دیکھئے رسائل ابن حزم (رسالۃ فی فضل الاندلس ج۲ ص۱۷۹، ۱۸۰/ المکتبۃ الشاملہ)
حافظ ابن حجر کے پاس التمہید کا جو نسخہ تھا اس کی متصل سند کے لئے دیکھئے المعجم المفہرس (ص ۱۶۵، رقم ۶۲۷)

④ السنن الکبریٰ للبیہقی کے شروع میں ابن الصلاح سے لے کر بیہقی تک صحیح متصل سند موجود ہے۔ (ج ۱ ص ۲)
آخری جلد میں چار علیحدہ مخطوطوں کا ذکر موجود ہے۔ (ج ۱۰ ص ۳۵۲)
اور صفحہ ۳۵۱ پر السنن الکبریٰ کے کاتب محمد بن ابی بکر بن صالح المشہور بابن الخیاط کا نام لکھا ہوا ہے جن کے حالات شذرات الذہب (۲۳۱/۷) میں ہیں اور متصل سند بھی مذکور ہے۔

والحمد للّٰہ

⑤ المعجم الکبیر للطبرانی کو چھ نسخوں سے شائع کیا گیا ہے۔ (المعجم الکبیر کا مقدمہ ج ۱ ص ۲۰)
ان نسخوں پر متعدد علماء کے سماعات بھی ہیں۔ (دیکھئے ص ۲۹ تا ۴۹)
المعجم کے دوسرے نسخوں کے لئے دیکھئے حافظ ابن حجر کی المعجم المفہرس (ص ۱۳۶، ۱۳۷، رقم ۴۸۹)
المعجم الکبیر صدیوں سے علماء کے درمیان مشہور و متواتر رہی ہے۔ اس کی روایات میں سے بعض کو ابو نعیم الاصبہانی اور حافظ ضیاء الدین المقدسی صاحب المختارہ وغیرہما نے اپنی سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے مثلاً المعجم الکبیر کی پہلی روایت (ج ۱ ص ۵ ح ۱) کو امام طبرانی کے شاگرد ابو نعیم الاصبہانی نے اسی طرح امام طبرانی سے حدثنا کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(معرفۃ الصحابۃ ج ۱ ص ۲۲ ح ۵۸)

اور حافظ ہیثمی نے اسے نقل کر کے ''وإسنادہ حسن'' قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ۴۰/۱)
متعدد نسخوں والی مشہور و متواتر کتاب کا اس ''الجزء المفقود'' سے کیا مقارنہ جو چند سال پہلے وجود میں آیا ہے۔ اس سے پہلے اس نسخے کا کوئی وجود دنیا میں نہیں تھا اور نہ اس نسخے کی کسی روایت کو کسی معتبر عالم نے کبھی نقل کیا ہے۔

⑥ کامل ابن عدی کو گیارہ (۱۱) نسخوں سے شائع کیا گیا ہے۔

(دیکھئے الکامل مطبوعہ محمد علی بیضون دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان ج ۱ ص ۷۶، ۷۷)

⑦ المدخل الی الصحیح للحاکم کا ذکر حاکم نے اپنی مشہور کتاب المستدرک (۳/۱) میں کیا ہے۔ اسی طرح عبدالغنی بن سعید، ابن خیر الاشبیلی اور ابن عساکر وغیرہم نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ دیکھئے المدخل (ص ۳۱) بلکہ حافظ عبدالغنی بن سعید المصری نے اس پر رد بھی لکھا ہے۔ دیکھئے المدخل (ص ۴۳)

معلوم ہوا کہ المدخل کے بہت سے نسخے تھے لہٰذا اس مشہور کتاب کا ''الجزء المفقود'' سے کیا مقارنہ؟ المدخل کے مطبوعہ نسخے کے محقق نے دوسرے نسخے کی طرف اشارہ کیا ہے جو انھیں میسر نہ ہو سکا اور مزید تحقیق کے لئے میدان وسیع ہے۔

⑧ اعتلال القلوب للخرائطی کو دو نسخوں سے شائع کیا گیا ہے۔ (ص ۲۳، ۲۵) اور شروع کتاب میں مکمل متصل سند موجود ہے (ص ۳۵) اور یہ کتاب بھی علماء کے درمیان مشہور و متواتر رہی ہے۔

⑨ کتاب المراسیل لابن ابی حاتم کو دو نسخوں سے شائع کیا گیا ہے جن میں سے ایک نسخہ حافظ تقی الدین ابو طاہر اسماعیل بن عبداللہ بن عبدالمحسن المصری الشافعی (متوفی ۶۱۹ھ) کا لکھا ہوا ہے۔ (دیکھئے ص ۳۴ مقدمہ)

یہ ساری کتابیں مشہور و متواتر رہی ہیں جبکہ بعض بریلویوں کا پیش کردہ ''الجزء المفقود'' اس عشرے سے پہلے کہیں بھی مشہور یا مذکور نہیں تھا لہٰذا اس من گھڑت جزء کو مشہور و متواتر کتابوں پر قیاس کرنا باطل ہے۔

محاسبے کے مصنف اس دور میں گھڑے ہوئے جزء کو ثابت کرنے سے ناکام رہے ہیں جس کی کسر انھوں نے گالیوں اور اتہامات واکاذیب سے نکالی ہے جن کا انھیں آخرت میں حساب دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

صحیح الاقوال فی استحباب صیام ستۃ من شوال

[شوال کے چھ روزے صحیح وصریح احادیث سے ثابت ہیں لیکن حال ہی میں کراچی کے مفتی زرولی خان دیوبندی نے ''احسن المقال فی کراہیۃ صیام ستۃ شوال'' (شوال کے چھ روزوں کے مکروہ ہونے کی تحقیق) نامی کتابچہ لکھ کر عوام میں یہ تأثر پھیلانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یہ احادیث غیر صحیح اور غیر صریح ہیں۔ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے بروقت قلم اُٹھا کر مفتی صاحب کی تحریر کا زبردست محاسبہ کیا ہے بلکہ ساتھ ہی صحیح مؤقف کی وضاحت بھی فرمادی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً / حافظ ندیم ظہیر]

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد:

سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ .))

جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد اس نے شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزے رکھنے (کے ثواب) کی طرح ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۴، دارالسلام: ۲۷۵۸، صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۱۴، صحیح ابن حبان: ۳۶۲۶، ۳۶۳۴، صحیح ابی عوانہ: القسم المفقود ص ۹۴، ۹۵، سنن الترمذی: ۷۵۹ وقال: ''حدیث حسن صحیح'' شرح السنۃ للبغوی ۶/ ۳۳۱ ح ۱۷۸۰، وقال: ''ھذا حدیث صحیح'')

اس حدیث کو درج ذیل اماموں نے صحیح قرار دیا ہے:

① امام مسلم ② امام ابن خزیمہ ③ امام ترمذی ④ حافظ ابوعوانہ

⑤ حافظ ابن حبان ⑥ حافظ حسین بن مسعود البغوی رحمہم اللہ

میرے علم کے مطابق کسی امام سے اس روایت کو ضعیف قرار دینا ثابت نہیں ہے۔

اب اس حدیث کے راویوں کا مختصر وجامع تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

۱: سیدنا ابوایوب خالد بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ مشہور بدری صحابی ہیں جو (دورِ صحابہ کے آخری) غزوۂ قسطنطنیہ میں ۵۰ھ یا اس کے بعد فوت ہوئے۔

۲: عمر بن ثابت بن الحارث الخزرجی الانصاری المدنی رحمہ اللہ

حافظ ابن حبان نے آپ کو کتاب الثقات (۱۴۹/۵) میں ذکر کیا۔ امام عجلی نے کہا: مدنی تابعی ثقہ (تاریخ العجلی :۱۳۳۳) ابن شاہین نے انھیں کتاب اسماء الثقات (۶۹۳) میں ذکر کیا۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ، حافظ ابو عوانہ اور حافظ بغوی نے ان کی حدیث کو صحیح قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا: ثقہ (تقریب التہذیب: ۴۷۸۰)

فائدہ: اگر کوئی محدث کسی حدیث کو (مطلقاً) صحیح کہے تو یہ اس کی طرف سے اس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔

۱: ابن القطان الفاسی (متوفی ۶۲۸ھ) لکھتے ہیں:

"وفي تصحيح الترمذي إياه توثيقها و توثيق سعد بن إسحاق ولايضر الثقة أن لايروي عنه إلا واحد، والله أعلم"

اس حدیث کو ترمذی کا صحیح کہنا اس (زینب بنت کعب) اور سعد بن اسحاق کی توثیق ہے۔ ثقہ کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ اُس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہے۔ واللہ اعلم

(بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام ج۵ص ۳۹۵ ح ۲۵۶۲، نصب الرایہ للزیلعی ۲۶۴/۳)

۲: تقی الدین بن دقیق العید نے کتاب الامام میں کہا: "وأي فرق بين أن يقول: هو ثقة أو يصحح له حديث انفرد به" اس میں کیا فرق ہے کہ راوی کو ثقہ کہے یا اس کی منفرد حدیث کو صحیح کہے۔ (نصب الرایہ ج۱ص ۱۴۹)

جمہور کی اس توثیق کے مقابلے میں عمر بن ثابت تابعی رحمہ اللہ پر کسی محدث کی جرح ثابت نہیں ہے اور اگر ایک دو سے جرح ثابت بھی ہو جاتی تو جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود تھی۔

تنبیہ نمبر۱: عمر بن ثابت نے یہ روایت سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔
دیکھئے صحیح مسلم: ۱۱۶۴، ترقیم دارالسلام: ۲۷۵۹، ۲۷۶۰

تنبیہ نمبر۲: محمد زرولی دیوبندی تقلیدی نے بغیر کسی دلیل کے لکھا ہے: "اور طبرانی کی

روایت میں عمر بن ثابت ہے اور وہ ضعیف ہے۔" (احسن المقال فی کراہیۃ صیام ستۃ شوال ص ۲۶)

زرولی تقلیدی کا یہ قول امام مسلم، امام عجلی اور امام ترمذی وغیرہم کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

زرولی نے روایتِ مذکورہ کے بارے میں لکھا ہے: "جبکہ خود امام ترمذیؒ نے اس کو صحیح کے بجائے صرف حسن درجہ کا تسلیم کیا ہے۔" (احسن المقال ص ۲۵) حالانکہ امام ترمذی نے "حديث أبي أيوب حديث حسن صحيح" لکھا ہے۔

دیکھئے سنن الترمذی مع العرف الشذی (ص ۱۵۸ ج ۱) دوسرا نسخہ (ج ۱ ص ۹۴) معارف السنن (ج ۵ ص ۴۴۴) تحفۃ الاحوذی (ج ۲ ص ۵۹)

سنن ترمذی کے بعض نسخوں میں حسن کا لفظ بھی ہے۔ واللہ اعلم

عمر بن ثابت رحمہ اللہ سے یہ حدیث درج ذیل راویوں نے بیان کر رکھی ہے:

۱: سعد بن سعید بن قیس (صحیح مسلم: ۱۱۶۴/۲۷۵۸، سنن الترمذی: ۷۵۹ وقال: "حسن صحیح" صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۱۴، صحیح ابن حبان: ۳۶۳۴، شرح السنۃ للبغوی: ۱۷۸۰، وقال: "ھذا حدیث صحیح" وغیرہ)

۲: صفوان بن سلیم (مسند الحمیدی بتحقیقی: ۳۸۳ نسخہ دیوبندیہ: ۳۸۰)

۳: زید بن اسلم (مشکل الآثار للطحاوی: ۲۳۴۳)

۴: یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری (مسند الحمیدی: ۳۸۲، مشکل الآثار: ۲۳۴۶)

سعد بن قیس مختلف فیہ راوی ہیں، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی وغیرہ نے اُن پر جرح کی ہے لیکن امام مسلم، امام عجلی، ابن سعد، ابن عدی، ابن حبان اور امام ابن خزیمہ وغیرہ جمہور نے اُن کی توثیق کی ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "أحد الثقات" وہ ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ۵/۴۸۲)

ایسا راوی جس کی جمہور محدثین نے توثیق کی ہو وہ حسن الحدیث کے درجے سے کم نہیں ہوتا لہٰذا سعد بن سعید بن قیس حسن الحدیث ہیں۔

تین ثقہ راویوں نے ان کی متابعت کر رکھی ہے:

صفوان بن سلیم (ثقہ مفتی عابد، رمی بالقدر) زید بن اسلم (ثقہ عالم) اور یحییٰ بن سعید الانصاری (ثقہ ثبت) لہٰذا اسعد بن سعید پر تفرد کا الزام باطل ہے۔

صفوان بن سلیم کی روایت درج ذیل کتابوں میں صحیح سند سے موجود ہے:

مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۳۸۳ وسندہ صحیح) سنن ابی داود (۲۴۳۳) السنن الکبریٰ للنسائی (۱۶۳/۲ ح ۲۸۶۳) سنن الدارمی (۱۷۶۱) صحیح ابن خزیمہ (۲۱۱۴) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۶۲۶/۳۶۳۴) شرح مشکل الآثار للطحاوی (۱۲۳/۶ ح ۲۳۴۴) المعجم الکبیر للطبرانی (۱۳۵/۴، ۱۳۶ ح ۳۹۱۱)

صفوان بن سلیم کے شاگرد عبدالعزیز بن محمد الدراوردی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق اور صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ سنن ابی داود (۳۵۳) کی ایک روایت کو حافظ ابن حجر نے حسن قرار دیا ہے جس میں دراوردی ہیں اور نیموی تقلیدی نے آثار السنن (۹۰۸ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ) میں اسے نقل کر کے خاموشی اختیار کی ہے۔

حافظ ابن حبان اور امام ابن معین وغیرہما نے ان کی توثیق کی ہے۔

معتدل امام عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مدني ثقة'' (التاریخ للعجلی: ۱۱۱۴)

زید بن اسلم کی روایت درج ذیل کتاب میں صحیح سند سے موجود ہے:

شرح مشکل الآثار (۲۳۴۳ وسندہ صحیح)

اس میں عبدالعزیز بن محمد الدراوردی ثقہ صدوق ہیں، ان کے شاگرد سعید بن منصور ثقہ حافظ ہیں اور ان کے شاگرد یوسف بن یزید بن کامل القراطیسی ثقہ ہیں۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۷۸۹۳)

یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری کی روایت درج ذیل کتابوں میں حسن سند سے موجود ہے:

السنن الکبریٰ للنسائی (۲۸۶۶ وقال: ''عتبہ ھذا لیس بالقوی'') مشکل الآثار (۲۳۴۶) المعجم الکبیر للطبرانی (۱۳۶/۴ ح ۳۹۱۵) مسند الحمیدی (۳۸۴)

یحییٰ بن سعید الانصاری سے یہ حدیث دوراویوں نے بیان کی ہے:
۱: عبدالملک بن ابی بکر (بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام) ثقہ ہیں۔
(تقریب التہذیب:۴۱۶۷)
دیکھئے السنن الکبریٰ للنسائی (۲۸۶۶ وتکلم فی عتبہ بن ابی حکیم)
عبدالملک بن ابی بکر سے یہ حدیث عتبہ بن ابی حکیم نے بیان کی ہے۔
عتبہ بن ابی حکیم مختلف فیہ راوی ہیں لیکن جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے لہٰذا ان پر امام نسائی کی جرح صحیح نہیں ہے۔
تحریر تقریب التہذیب میں لکھا ہوا ہے: "بل: صدوق حسن الحدیث...."
بلکہ وہ صدوق حسن الحدیث ہیں۔ (۴۲۹/۲ ت ۴۴۲۷)
لہٰذا یہ سند حسن ہے۔
۲: اسماعیل بن ابراہیم (بن میمون) الصائغ (مسند الحمیدی:۳۸۴)
حافظ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے لیکن صاحبِ لسان نے امام بخاری سے "سکتوا عنہ" (یہ متروک ہے) کی جرح نقل کی ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (۳۹۱/۱، دوسرا نسخہ ۶۰۱/۱) یہ جرح امام بخاری سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ مثلاً دیکھئے التاریخ الکبیر (۳۴۱/۱) اسماعیل بن ابراہیم سے ایک جماعت نے روایت بیان کی ہے اور ابو حاتم الرازی نے کہا: "شیخ" (الجرح والتعدیل ۱۵۴/۲)
خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی مجہول الحال ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے لیکن شواہد کے ساتھ حسن وصحیح ہے۔
اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں شوال کے چھ روزوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، بلحاظِ سند صحیح ہے۔
دوسری حدیث: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((صيام شهر بعشرة أشهر وستة أيام بعدهن بشهرين فذلك تمام سنة ....))
يعني شهر رمضان و ستة أيام بعده .

رمضان کے روزے دس مہینوں کے برابر ہیں اور اس کے بعد چھ روزے دو مہینوں کے برابر ہیں، اس طرح سے پورے سال کے روزے بنتے ہیں۔

(سنن الدارمی: ۱۷۶۲۔ وسندہ صحیح، سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۵، صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۱۵، صحیح ابن حبان: ۳۶۳۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۸۶۱، مسند احمد ۲۸۰/۵، وغیرہ)

اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہما نے صحیح قرار دیا ہے۔ اب اس کے راویوں کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

۱: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

۲: ابو اسماء عمرو بن مرثد الرحبی صحیح مسلم کے راویوں میں سے اور ثقہ ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۵۱۰۹)

۳: یحییٰ بن الحارث الذماری ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب ۷۵۲۲)

۴: یحییٰ بن حمزہ بن واقد الحضرمی الدمشقی القاضی صحیحین کے راوی اور ''ثقة رُمي بالقدر'' ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۵۳۶)

جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ راوی پر قولِ راجح میں رُمی بالقدر والی جرح مردود ہوتی ہے۔

۵: یحییٰ بن حسان التنیسی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۵۲۹)

معلوم ہوا کہ یہ سند صحیح ہے لہٰذا اس کے ساتھ سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ والی حدیث اور بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ والحمد للہ

ان دو حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ شوال کے چھ روزے رکھنا بڑے ثواب کا کام ہے اور زرولی دیوبندی تقلیدی کا انھیں ضعیف قرار دینا اور شوال کے چھ روزوں کو مکروہ سمجھنا باطل و مردود ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''أنبا محمد بن عبداللّٰه بن عبد الحكم قال: حدثنا أبو عبد الرحمٰن المقرئ قال: حدثنا شعبة بن الحجاج عن عبدربه بن سعيد عن عمر بن ثابت عن أبي أيوب الأنصاري أنه قال: من صام شهر رمضان ثم

أتبعه ستة أيام من شوال فكأنما صام السنة كلها"

ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے سارا سال روزے رکھے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ۲/ ۱۶۳، ۱۶۴ ح ۲۸۶۵)

اس موقوف روایت کی سند صحیح ہے۔ عبدربہ بن سعید بن قیس ثقہ اور صحیحین کے راوی ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۷۸۶) اور ان تک سند صحیح ہے۔

معلوم ہوا کہ مرفوع حدیث کے ساتھ ان روزوں کی فضیلت آثار صحابہ سے بھی ثابت ہے۔

تنبیہ نمبر۱: سارا سال روزے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو سارا سال روزے رکھنے کا ثواب ملتا ہے۔

تنبیہ نمبر۲: شوال کے چھ روزوں کو مکروہ یا ممنوع سمجھنا امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ زرولی دیوبندی نے فقہ کی کتابوں سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تنبیہ نمبر۳: امام مالک نے موطأ امام مالک میں فرمایا ہے کہ انھوں نے علماء وفقہاء میں سے کسی کو یہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور ..... علماء اسے مکروہ سمجھتے ہیں.... الخ (ج ۱ ص ۳۱۱ تحت ح ۶۹۹) یہ قول اس کی دلیل ہے کہ امام مالک تک درج بالا دونوں صحیح حدیثیں اور سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نہیں پہنچا ورنہ وہ کبھی یہ الفاظ نہ بیان فرماتے۔ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے مقابلے میں ہر امام کا فتویٰ مردود ہوتا ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا امام ہو۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی تقلیدی نے کیا خوب لکھا ہے کہ "مسند مرفوع اور صحیح حدیث کے مقابلہ میں دس ہزار تو کیا دس لاکھ بلکہ دس ارب وکھرب حضرات کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ علمی قاعدہ تو یہ ہے کل احد یوخذ عنہ ویترک الا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" (اتمام البرہان فی رد توضیح البیان ص ۳۸۹)

وما علينا إلا البلاغ (۲۶/ مئی ۲۰۰۸ء)

تنبیہ ضروری بر غلام مصطفیٰ نوری

سوال: غلام مصطفیٰ نوری قادری بریلوی نے ایک کتاب لکھی ہے:

''تسوید وجہ الشیطانی بتوثیق الامام محمد بن الحسن الشیبانی''

اس کتاب میں غلام مصطفیٰ صاحب نے ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع شدہ آپ کے مضمون کا اپنے گمان میں جواب دیا ہے اور شیبانی مذکور کی توثیق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس کتاب ''تسوید وجہ الشیطانی'' کا مدلل جواب دیں۔

جزاکم اللہ خیراً (محمد شفیق بن محمد رفیق، فیصل آباد)

الجواب:

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

راقم الحروف نے ''النصر الربانی فی ترجمۃ محمد بن الحسن الشیبانی'' کے نام سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں میزان الاعتدال اور لسان المیزان کی عبارات ترجمہ کرنے کے ساتھ، ان کی تحقیق پیش کی تھی اور بعض فوائد کا اضافہ بھی کیا تھا۔ یہ مضمون ماہنامہ الحدیث حضرو: ۷ ص ۱۱ تا ۲۰ میں ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا تھا اور بعد میں تحقیق و اختصار سے کام لیتے ہوئے اس مضمون کو ''محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی اور محدثینِ کرام'' کے عنوان سے چار صفحات پر لکھ دیا تھا۔ آپ کی ارسال کردہ کتابِ مذکور کے مطالعہ کے بعد بعض الناس کے شبہات کا جواب دیتے ہوئے اس مضمون میں کافی اضافہ کر کے اس کا نام ''تائیدِ ربانی اور ابن فرقد شیبانی'' رکھ دیا ہے۔ ''تسوید وجہ الشیطانی'' کے مصنف غلام مصطفیٰ نوری بریلوی صاحب اپنی اس کتاب میں شیبانی مذکور کی توثیق کے بارے میں متاخر علماء سے صرف دو حوالے پیش کر سکے ہیں:

۱: حاکم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

عرض ہے کہ حافظ ذہبی نے بالدبوس کہہ کر اس تصحیح کو رد کر دیا ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

۲: ہیثمی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے۔

عرض ہے کہ حاکم اور ہیثمی کے حوالے جمہور محدثین اور کبار علماء مثلاً امام احمد، امام یحییٰ بن معین اور امام فلاس وغیرہم کے مقابلے میں کس طرح پیش ہو سکتے ہیں؟ نوری بریلوی صاحب اپنی تسوید اور ترکِ رفع یدین دونوں کتابوں کی رُو سے اسماء الرجال اور علمِ حدیث سے سراسر ناواقف، کذب و افتراء کے مرتکب اور وادیٔ تعارض و تناقض میں غوطہ زن ہیں جس کی فی الحال دس (۱۰) مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی شیبانی پر ایک جرح کے راوی احمد بن سعد بن ابی مریم المصری ہیں جو ۲۵۳ھ میں فوت ہوئے اور ثقہ وصدوق راوی تھے۔ ان کے بارے میں نوری صاحب لکھتے ہیں: ''سنن الدار قطنی ج ۳ ص ۵ پر امام دار قطنی نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔'' (تسوید ص ۵۰)

عرض ہے کہ امام دار قطنی نے فرمایا: ''وأبو بكر بن أبي مريم ضعيف''

(سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴ ح ۲۷۷۷)

نیز دیکھئے موسوعۃ اقوال الدار قطنی (۲/ ۷۳۹ ت ۴۰۱۵)

ابو بکر بن ابی مریم راوی اور ہے اور احمد بن سعد بن ابی مریم اور ہیں۔ دونوں کو ایک قرار دینا نوری صاحب کی بہت بڑی جہالت ہے۔ ابو بکر بن ابی مریم الغسانی الشامی ۱۵۶ھ میں فوت ہوا تھا اور علی بن احمد بن سلیمان المصری ۲۲۷ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ (دیکھئے النبلاء ۱۴/ ۴۹۶)

کیا وہ اپنی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے فوت ہونے والے کے پاس پڑھنے کے لئے عالمِ برزخ میں تشریف لے گئے تھے؟ جس شخص کو اسماء الرجال کی الف بے کا پتا نہیں وہ کس زعم اور بل بوتے پر بڑی بڑی کتابیں اور ردود لکھ رہا ہے؟!

کیا بریلویت میں کوئی بھی اسے سمجھانے والا نہیں کہ یہ کام چھوڑ دو اور کوئی دوسرا دھندا کرو جسے تم جانتے ہو؟!

② صحیحین وسنن اربعہ کے راوی اور مشہور امام ابو حفص عمرو بن علی بن بحر بن کنیز الصیر فی الفلاس رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۹ھ) کے بارے میں نوری صاحب نے لکھا ہے:
''جس کی ثقاہت نہیں ملی'' (تسوید ص ۳۵)
عرض ہے کہ حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: ''ثقة حافظ'' (تقریب التہذیب: ۵۰۸۱)
جس شخص کو تقریب التہذیب دیکھنے کا طریقہ نہیں آتا وہ اتنی بڑی ڈینگیں کیوں مار رہا ہے؟
اس طرح راویوں کے بارے میں نوری صاحب کی جہالت کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔
مثلاً دیکھئے تسوید ص ۳۲، ۳۵، ۵۰
③ مستدرک الحاکم (۳۴۱/۴ ح ۷۹۹۰) کی ایک حدیث کے بارے میں نوری صاحب نے لکھا ہے: ''اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کی تلخیص میں امام ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے....'' (تسوید ص ۸۰، ۶۷، نیز دیکھئے ص ۸۴)
عرض ہے کہ حافظ ذہبی نے اس حدیث کو صحیح نہیں بلکہ ''بالدبوس'' [ڈنڈے کے زور سے] (!) کہہ کر حاکم پر تعاقب کیا ہے۔ نیز دیکھئے فیض القدیر للمناوی (۴۸۹/۶)
معلوم ہوا کہ نوری صاحب کا دعویٰ صریح جھوٹ پر مبنی ہے۔
④ امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں امام ابو حاتم کا ذکر کرتے ہوئے نوری صاحب نے لکھا ہے: ''لیکن ان میں بھی تشدد تھا جس کی وجہ سے انھوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو متروک تک کہہ دیا۔'' (تسوید ص ۴۷)
عرض ہے کہ امام ابو حاتم نے امام بخاری کو قطعاً متروک نہیں کہا، رہا روایت ترک کرنا تو یہ جمہور کی توثیق کے بعد کوئی جرح نہیں ہے۔
⑤ نوری صاحب نے راقم الحروف کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے:
''آپ نے تو الجزء المفقود من المصنف عبدالرزاق کا صرف اس لئے انکار کر دیا ہے کہ اس کے ناسخ کی سند مؤلف تک نہیں ہے۔'' الخ (تسوید ص ۱۳)
عرض ہے کہ بریلویوں کے گھڑے ہوئے الجزء المفقود کے موضوع اور من گھڑت

ہونے پر راقم الحروف نے دس دلیلیں دی ہیں جن میں سے صرف دسویں دلیل کے جواب سے ہی ساری بریلویت عاجز اور دم بخود ہے۔

دیکھئے ''جعلی جزء کی کہانی اور علمائے ربانی'' (ص۲۲ تا ۲۷، اور ص ۲۹ تا ۳۳)

لہٰذا انوری صاحب کا یہ کہنا کہ ''صرف اس لئے انکار کر دیا ہے....'' جھوٹ ہے۔

فائدہ: اس جعلی جزء کے بارے میں مولانا عبدالرؤف بن عبدالمنان بن حکیم محمد اشرف سندھو حفظہ اللہ (فاضل مدینہ یونیورسٹی) نے کہا: ''یہ مکمل جزء جس میں کل چالیس اُحادیث ہیں محل نظر ہے بلکہ من گھڑت اور بے اُصل ہے اس کے بارے میں عربی زبان میں بہت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اسی طرح ''محدث'' اور ''الاعتصام'' وغیرہ میں بھی اس جزء کے ردّ میں مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

جب اس جزء کے بارے میں شور مچا تو حمیری نے اس کی توثیق کے لئے قلمی نسخہ ''مركز جمعة الماجد للثقافة و التراث '' بھیجا جو کہ دوبئی میں قلمی نسخوں کا بہت بڑا مرکز ہے اس مرکز میں بحیثیت مُدَقِّقُ المخطوطات۔ قلمی نسخوں کی جانچ پڑتال کا۔ کام کرنے والے ہمارے فاضل دوست شیخ شہاب الدین بن بہادر جنگ نے بتایا کہ جب ہم نے اس نسخہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ جعلی نسخہ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے لہٰذا مرکز کی طرف سے دلائل وشواہد پر مبنی ایک رپورٹ تیار کر کے حمیری کو بھیج دی کہ یہ جعلی نسخہ ہے۔

شیخ محمد زیاد بن عمر نے ''شبكة سحاب السلفية''[1] میں اس مکذوب اور مصنوعی جزء پر اپنے ردّ میں ذکر کیا ہے[2] کہ شیخ ادیب کمدانی نے۔ جو کہ عیسیٰ حمیری کی ادارت میں کام کر چکے ہیں۔[3] مجھے ٹیلیفون پر دوران گفتگو بتایا کی حمیری نے مجھے جب یہ مخطوط دکھایا تو

....

① یہ انٹرنیٹ پر ایک روم کا نام ہے۔

② ان کا رداب کتابی شکل میں بھی ''مجموع في كشف حقيقة الجزء المفقود (المزعوم) من مصنف عبدالرزاق'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

③ یہ حمیری دوبئی اوقاف کے مدیر رہ چکے ہیں۔

میں نے دیکھ کر کہا کہ یہ من گھڑت ہے اوران سے کہا کہ جس شخص نے آپ کو یہ مخطوط (قلمی نسخہ) لاکر دیا ہے اسے پوچھیں کہ جس اَصل قلمی نسخے سے اس کو نقل کیا گیا ہے وہ کہاں ہے تو اس نے جواب دیا کہ روس کے ایک مکتبہ سے اس کو نقل کیا گیا تھا اور وہ مکتبہ لڑائی میں جل گیا ہے پھر حمیری نے اس سے مطالبہ یہ کیا کہ اس جزء کا باقی حصہ کہاں ہے مجھے وہ بھی بھیجو مگر حمیری کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ ایک طرف تو یہ بات ہے جب کہ اس نسخہ کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کو (۹۳۳م) میں بغداد میں لکھا گیا۔

بہر حال بہت سے ایسے شواہد ودلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جزء من گھڑت بناوٹی اور خانہ ساز ہے اور ''مصنف عبدالرزاق'' کے ساتھ اس جزء کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ واضح رہے کہ حمیری کو یہ جزء ہندوستان کے ایک محمد امین برکاتی قادری نے لاکر دیا تھا۔''

(احناف کی چند کتب پر ایک نظر ص ۴۵)

⑥ جب امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے شیبانی مذکور پر جرح کی تو نوری صاحب نے انھیں متشدد ومتعنت قرار دے دیا۔ دیکھئے تسوید ص ۴۴

اور جب ابن معین سے مرضی والی روایت آئی تو نوری صاحب نے علانیہ لکھا: ''امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ حدیث وفقہ ونقد الرجال کی مسلم شخصیت ہیں۔'' (تسوید ص ۷۲)

ایک ہی امام کی بات اگر مرضی کے خلاف ہو تو متشدد اور متعنت کا فتویٰ اور اگر مرضی کے مطابق ہو تو مسلّم شخصیت قرار دے کر تعریف کرنا وادیٔ تعارض وتناقض میں غرق ہونے کی دلیل ہے۔

⑦ ایک تابعی محارب بن دثار رحمہ اللہ جب رفع یدین کرنے کی ایک حدیث کی ایک سند میں آئے تو نوری صاحب نے امام بخاری رحمہ اللہ کا رد کرتے ہوئے لکھا:

''جس کی سند میں محارب بن دثار ہے۔ جس کے متعلق امام ابن سعد نے کہا کہ لا یحتجون به کہ محدثین اس کے ساتھ دلیل نہیں پکڑتے۔

پھر یہ شخص حضرت سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدنا علی

المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اس کے نظریات درست نہیں تھے۔ ان مقدس حضرات کے ایمان کی گواہی یہ شخص نہیں دیتا تھا۔ تعجب ہے ایسے لوگوں سے امام رفع یدین پر دلیل پکڑتے ہیں۔'' (ترکِ رفع یدین، مطبوعہ جون ۲۰۰۴ء ص ۴۲۳، ۴۲۴)

نیز محارب بن دثار کو متکلم فیہ قرار دے کر میزان الاعتدال سے جرح نقل کرنے کے بعد نوری صاحب لکھتے ہیں:

''اب آپ خود غور کریں کیا ایسے شخص کی روایت حجت ہوسکتی ہے جو حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گستاخ ہو۔''

(ترکِ رفع یدین ص ۴۴۰)

حالانکہ اسی کتاب میں نوری صاحب محارب بن دثار کی اسی روایت سے ایک استدلال کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں:

''حضرت محارب بن دثار جو کہ کوفہ کے قاضی تھے اور صاحب علم وفضل تھے۔''

(ترکِ رفع یدین ص ۲۵۶)

اُن سے کوئی پوچھے کہ ایک ہی راوی کی کہیں زبردست تعریف اور کہیں شدید جرح آپ کیوں کرتے ہیں؟

⑧ ایک روایت میں آیا ہے کہ (امام) ابوعبید نے فرمایا: میں نے محمد بن الحسن سے زیادہ قرآن کا کوئی بڑا عالم نہیں دیکھا۔ اس کی سند نوری صاحب نے تاریخ بغداد (۱۷۵/۲) اور مناقب ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری (ص ۱۲۳) سے پیش کی ہے جس میں احمد بن محمد بن الصلت بن مغلس الحمانی عرف ابن عطیہ ہے۔ ابن عطیہ مذکور کے بارے میں ذہبی نے کہا: ''وضاع'' وہ جھوٹی روایات گھڑنے والا ہے۔ (دیوان الضعفاء ۲۹/۱ ت ۵۰)

اور فرمایا: وہ ہلاک کرنے والا ہے۔ (میزان الاعتدال ۱۰۵/۱ ت ۴۱۰)

امام دارقطنی اور ابن ابی الفوارس نے کہا: وہ حدیث گھڑتا تھا۔

ابن عدی نے کہا: میں نے جھوٹے لوگوں میں اتنا بے شرم کوئی نہیں دیکھا۔

ابن حبان نے کہا: پس میں نے جان لیا کہ وہ حدیث گھڑتا ہے۔
دیکھئے لسان المیزان (ج ا ص ۲۷۰، ۲۷۱)
اور حافظ ذہبی نے کہا: ''کذاب وضاع'' یہ جھوٹا، حدیثیں گھڑنے والا ہے۔

(میزان الاعتدال ا/۱۴۰ ح ۵۵۵)

اس کذاب کی روایت نوری صاحب بطور استدلال پیش کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

⑨ ایک ثقہ عندالجمہور راوی محمد بن المظفر کے بارے میں نوری صاحب نے ابوالولید باجی کی جرح نقل کی: ''کہ اس میں تشیع ظاہر ہے۔'' (تسوید ص ۳۴)

اور تھوڑا آگے جا کر محمد بن عمران المرزبانی کے بارے میں کہا:

''یہ اگرچہ اہل تشیع اور صاحب اعتزال تھا مگر عتیقی نے کہا کہ حدیث کی روایت میں یہ ثقہ ہے۔'' (تسوید ص ۴۲)

مرضی کے مطابق معتزلی اور رافضی راوی بھی مقبول اور مرضی کے خلاف معمولی تشیع والا راوی بھی سخت مجروح؟ کیا ''خوب'' انصاف ہے؟!

⑩ محمد بن فضیل ایک راوی ہیں جن کے بارے میں نوری صاحب لکھتے ہیں:

''پھر اس اثر کی سند مین محمد بن فضیل ہے جس کے متعلق ابوداود نے کہا یہ شیعہ ہے۔ ابن سعد نے کہا اس کے ساتھ دلیل نہ پکڑی جائے۔''

(ترکِ رفع یدین ص ۴۲۴)

دوسری جگہ نوری صاحب نے محمد بن فضیل مذکور کی روایت کردہ ایک سند کے بارے میں لکھا: ''اس سند کے تمام راوی صحیح بخاری شریف کے راوی ہیں اور ثقہ ثبت ہیں۔''

(ترکِ رفع یدین ص ۴۵۷)

اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ ثابت ہوا کہ غلام مصطفیٰ نوری قادری صاحب اسماء الرجال اور علمِ حدیث سے بالکل ناواقف، جاہل اور کورے ہیں اور دن رات اس کوشش میں مصروف ہیں کہ سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید ثابت کر دیں۔

خلاصہ یہ کہ "تسوید وجہ الشیطانی..." والی کتاب مردود ہے اور اس کا مصنف علم و انصاف اور صدق واعتدال سے کوسوں دور ہے۔

غلام مصطفیٰ بریلوی صاحب میرا نام لے کر مجھ پر رد کر رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ میرے نام سے بالکل بے خبر ہیں۔ میرا نام محمد زبیر ہے اور قبیلہ علی زئی مگر بریلوی صاحب بار بار "زبیر زئی" کی رٹ لگا رہے ہیں۔ دیکھئے اس کی تسوید (ص ۴، ۵....)
علیزئی مرکب کو صرف زئی قرار دینا بہت بڑی جہالت ہے۔
حسن بن زیاد لؤلؤی حنفی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "کذاب"

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۶۵)

ان کے علاوہ ابو حاتم الرازی، دارقطنی، شافعی، محمد بن رافع النیسابوری، الحسن بن علی الحلوانی، یزید بن ہارون، یعلیٰ بن عبید، نسائی اور عقیلی وغیرہم نے اس پر شدید جرحیں کی ہیں۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۶ص ۳۰ تا ۳۷

امام یزید بن ہارون سے لؤلؤی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: کیا وہ مسلمان ہے؟ (الضعفاء للعقیلی ۱/ ۲۲۷ وسندہ صحیح)
حافظ ہیثمی نے کہا: اور وہ متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ۶/ ۲۶۲)
امام محمد بن رافع النیسابوری نے فرمایا: حسن بن زیاد (نماز میں) امام سے پہلے سر اٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا۔

(الضعفاء للعقیلی ۱/ ۲۲۷، ۲۲۸ وسندہ صحیح، اخبار القضاۃ لوکیع بن خلف ۳/ ۱۸۹، الحدیث: ۱۶ص ۳۳)

ایسے مجروح عند الجمہور راوی کے بارے میں غلام مصطفیٰ صاحب نے "اقوال الاخیار فی ثناء امام حسن بن زیادؒ" لکھا ہے۔ (دیکھئے اس کی تسوید ص ۱۱۰)
معلوم ہوا کہ نوری بریلوی صاحب عدل وانصاف سے ہزاروں میل دور ضد، تعصب اور عناد کی وادی میں سرپٹ دوڑے جا رہے ہیں اور رات کو دن ثابت کرنے کے لئے ہر حیلہ بروئے کار لا رہے ہیں۔

لؤلؤی کے بارے میں ایک تحقیقی مضمون پیشِ خدمت ہے:

تلخیص نصب العماد فی جرح الحسن بن زیاد

حسن بن زیاد اللؤلؤی (متوفی ۲۰۴ھ) کے بارے میں محدثینِ کرام اور علمائے عظام کی گواہیاں اور تحقیقات پیشِ خدمت ہیں:

۱: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وحسن اللؤلؤي كذاب'' اور حسن (بن زیاد) اللؤلؤی کذاب ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۶۵، الجرح والتعدیل ۳/ ۱۵، وسندہ صحیح، الکامل لابن عدی ۲/ ۷۳۱، دوسرا نسخہ ۳/ ۱۶۰، الضعفاء للعقیلی ۱/ ۲۲۸، اخبار القضاۃ ۳/ ۱۸۹، وسندہ صحیح)

۲: امام دارقطنی نے کہا: ''كذاب كوفي متروك الحديث''

(تاریخ بغداد ۷/ ۳۱۷ وسندہ صحیح)

۳: یعقوب بن سفیان الفارسی نے کہا: ''الحسن اللؤلؤي كذاب''

(المعرفۃ والتاریخ ۳/ ۵۶، تاریخ بغداد ۷/ ۳۱۷ وسندہ صحیح)

۴: امام نسائی نے کہا: ''والحسن بن زياد اللؤلؤي كذاب خبيث''

(الطبقات للنسائی آخر کتاب الضعفاء ص ۲۶۶، دوسرا نسخہ ص ۳۱۰)

۵: امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ سے حسن بن زیاد اللؤلؤی کے بارے میں پوچھا گیا کہ آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''أَوَ مسلم هو ؟'' کیا وہ مسلمان ہے؟ (الضعفاء للعقیلی ۱/ ۲۲۷ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۴۶، تاریخ بغداد ۷/ ۳۱۶ وسندہ صحیح، اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف بن حیان: وکیع ۳/ ۱۸۹، وسندہ صحیح)

۶: امام محمد بن رافع النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا: حسن بن زیاد اللؤلؤی امام سے پہلے سر اٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا۔ الخ (الضعفاء للعقیلی ۱/ ۲۲۷، ۲۲۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۴۷، تاریخ بغداد ۷/ ۳۱۶ وسندہ صحیح، اخبار القضاۃ ۳/ ۱۸۹، وسندہ صحیح)

۷: حسن بن علی الحلوانی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے لؤلؤی کو دیکھا، اس نے سجدے میں ایک لڑکے کا بوسہ لیا تھا۔ (تاریخ بغداد ۷/ ۳۱۶ وسندہ صحیح، یاد رہے کہ تاریخ بغداد میں کاتب

کی غلطی سے حسن بن علی الحلوانی کے بجائے حسن بن زیاد الحلوانی چھپ گیا ہے۔)

۸: یعلیٰ بن عبید رحمہ اللہ نے کہا: ''اتق اللؤلؤي'' لؤلؤی سے بچو۔

(الضعفاء للعقیلی ۱/۲۲۷ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۱/۲۴۶، تاریخ بغداد ۷/۳۱۶ وسندہ صحیح)

۹: ابوحاتم الرازی نے کہا: ''ضعیف الحدیث، لیس بثقة ولا مأمون'' وہ حدیث میں ضعیف تھا، ثقہ اور قابلِ اعتماد نہیں تھا۔ (الجرح والتعدیل ۳/۱۵، علل الحدیث ۲/۴۳۲ ح ۲۸۰۶)

۱۰: اسحاق بن اسماعیل الطالقانی (ثقہ عند الجمہور) نے کہا: ہم وکیع (بن الجراح) کے پاس تھے کہ کہا گیا۔ بے شک اس سال بارش نہیں ہو رہی، قحط ہے۔ تو انھوں نے فرمایا: قحط کیوں نہ ہو؟ حسن اللؤلؤی اور حماد بن ابی حنیفہ، جو قاضی بنے بیٹھے ہیں۔ (الضعفاء للعقیلی ۱/۲۲۸ وسندہ صحیح)

تنبیہ: اس عبارت کا ترجمہ ماہنامہ الحدیث (عدد ۱۶ ص ۳۶) میں غلط چھپ گیا تھا۔

۱۱: جوزجانی نے کہا: اسد بن عمرو، محمد بن الحسن اور لؤلؤی سے اللہ فارغ ہو چکا ہے۔

(احوال الرجال ص ۷۶، ۷۷ رقم: ۹۶۔۹۹)

یعنی اللہ نے ہمیں اُن سے نجات دے دی ہے یا یہ کہ وہ اللہ کی عدالت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے مقامات پر پہنچ چکے ہیں۔ واللہ اعلم

۱۲: عقیلی نے حسن بن زیاد کو کتاب الضعفاء میں ذکر کر کے جروح نقل کیں اور کسی قسم کا دفاع نہیں کیا۔

۱۳: ابن الجوزی نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین (۱/۲۰۲ ت ۸۲۱) میں ذکر کیا۔

۱۴: ابن عدی نے کہا: اور وہ ضعیف ہے۔ الخ (الکامل ۲/۷۳۲)

۱۵: ابن شاہین نے اسے تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین (ص ۷۲ ترجمہ: 118) میں ذکر کیا.

۱۶: حافظ سمعانی نے کہا: لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے اور وہ حدیث میں کچھ چیز نہیں ہے۔ (الانساب ۵/۱۴۶)

۱۷: ابن اثیر نے کہا: اور وہ روایت میں سخت ضعیف ہے، کئی (علماء) نے اسے کذاب کہا ہے اور وہ بڑا فقیہ تھا۔ (غایۃ النہایہ فی طبقات القراء ۱/۲۱۳ ت ۹۷۵)

۱۸: حافظ ہیثمی نے کہا: اور وہ متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ۶/۲۶۲)

۱۹: حافظ ذہبی نے کہا: اس کے ضعف کی وجہ سے انھوں (محدثین) نے کتبِ ستہ میں اُس سے روایت نہیں لی اور وہ فقہ میں سردار تھا۔ (العبر فی خبر من غبر ۱/۷۰ ۲ وفیات ۲۰۴ھ)

ذہبی نے اسے دیوان الضعفاء (۱/۱۸۵ ت ۹۰۵) میں بھی ذکر کیا ہے۔

۲۰: زیلعی حنفی نے حسن بن زیاد کے بارے میں لکھا: ''ونقل عن آخرين أنهم رموه بحبّ الشباب وله حكايات تدل علٰى ذلك '' پھر انھوں (ابن عدی) نے دوسروں سے نقل کیا کہ یہ لڑکوں سے محبت کرتا تھا اور اُس کے قصے اِس پر دلالت کرتے ہیں۔

(نصب الرایہ ۱/۵۳)

جمِ غفیر اور جمہور محدثین کی اس جرح کے مقابلے میں درج ذیل توثیق مروی ہے:

۱: مسلمہ بن قاسم نے اسے ثقہ کہا۔

عرض ہے کہ مسلمہ مذکور بذاتِ خود ضعیف ومشبہ تھا۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۴/۱۱۲) اور لسان المیزان (۶/۳۵)

۲: حاکم نے اس سے المستدرک میں روایت لی ہے۔

عرض ہے کہ مجھے حسن بن زیاد اللؤلؤی کی کوئی روایت المستدرک میں تصحیح کے ساتھ نہیں ملی اور حاکم کا مستدرک میں صرف روایت لینا حاکم کے نزدیک بھی راوی کی توثیق نہیں ہے۔ نیز دیکھئے المستدرک (۳/۵۸۹ ح ۶۴۹۲)

۳: ابوعوانہ نے المستخرج (۱/۹ ح ۱۲) میں اُس سے روایت لی۔

عرض ہے کہ اس روایت میں لؤلؤی کی صراحت نہیں اور اگر صراحت ہوتی بھی تو جمہور کی جرح کے مقابلے میں مردود ہے۔

نیز دیکھئے میزان الاعتدال (۲/۴۹۱، لسان المیزان ۳/۳۳۸ ترجمۃ عبداللہ بن محمد البلوی)

۴: اگر کوئی کہے کہ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لؤلؤی کی صراحت کے ساتھ کتاب الثقات میں ہمیں اس کا ذکر نہیں ملا اور دوسرے یہ کہ

اگر ابن حبان سے یہ توثیق ثابت بھی ہوتی تو جمہور کی جرح کے مقابلے میں مردود تھی۔

۵: اگر کوئی کہے کہ یحییٰ بن آدم نے کہا: میں نے حسن بن زیاد سے زیادہ کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص ۱۳۱)

عرض ہے کہ یہ قول احمد بن محمد الصیر فی ،محمد بن منصور اور محمد بن عبید اللہ الہمدانی کی وجہ سے ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے الحدیث:۱۶ص ۴۷

محمد بن الحسن الشیبانی کے بارے میں راقم الحروف کا رسالہ ''تائید ربانی اور ابن فرقد شیبانی'' پڑھ لیں۔ وما علینا إلا البلاغ (۲۹/ رمضان ۱۴۲۹ھ بمطابق ۳۰/ ستمبر ۲۰۰۸ء)

تائیدِ ربانی اور ابنِ فرقد شیبانی

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی اور محدثینِ کرام:

فقہ حنفی کے مشہور امام اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی الفقیہ (متوفی ۱۸۹ھ) کے بارے میں محدثینِ کرام کی گواہیاں اور تحقیق پیشِ خدمت ہے:

① امام ابوزکریا یحییٰ بن معین بن عون البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۳ھ) نے فرمایا:
"جهمي كذاب" یعنی محمد بن الحسن جہمی کذاب ہے۔ (کتاب الضعفاء للعقیلی ۵۲/۴ وسندہ صحیح، لسان المیزان ۱۲۲/۵، دوسرا نسخہ ۲۸/۶ وعندہ: "العباس الدوری" والدوری ثقۃ مشہور فالسند صحیح)

☆ امام یحییٰ بن معین سے اس جرح کو عباس بن محمد البصری (متوفی ۳۰۶ھ) نے بیان کیا ہے۔ عباس بن محمد بن عباس البصری المصری الفزاری ابوالفضل سے ابوبکر احمد بن محمد بن عبداللہ بن صدقہ الحافظ، الحسن بن رشیق، امام طبرانی، ابوعلی الحسن بن علی المطرز، ابوسعید بن یونس المصری اور حسین بن محمد بن سالم وغیرہم نے روایتیں بیان کی ہیں۔ عباس مذکور کے شاگرد ابوسعید بن یونس المصری نے (تاریخ مصر/ اخبار مصر ورجالها میں) کہا:
"ما رایت أحدًا قط أثبت منه" میں نے اس سے زیادہ ثبت (ثقہ) کوئی نہیں دیکھا۔
(سیر اعلام النبلاء ۲۳۰/۱۴)

حافظ ذہبی نے کہا: "الحافظ المجوّد الناقد" (النبلاء ۲۲۹/۱۴)
حافظ ہیثمی نے "وبقية رجاله ثقات" کہہ کر انھیں ثقہ کہا۔
دیکھئے مجمع الزوائد (۳/۷) اور المعجم الکبیر للطبرانی (۱۱۵/۱۲ ح ۱۲۶۳۷)
عباس بن محمد البصری کی متابعت محمد بن احمد الاصفری (؟/ المجروحین لابن حبان ۲۷۶/۲) محمد بن

سعد العوفی (ضعیف والسند الیہ ضعیف/ تاریخ بغداد ۲/ ۱۸۰، الکامل لابن عدی ۲/ ۲۱۸۳، دوسرا نسخہ ۷/ ۳۷۵)
نصر بن محمد البغدادی (تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۴۹ وصوابہ مضر کما فی التنکیل ۱/ ۴۹۰ فالسند صحیح)
اور دارقطنی (لم یدرک الامام یحییٰ بن معین/ سوالات البرقانی: ۴۶۸، تاریخ بغداد ۲/ ۱۸۱، وسندہ صحیح) نے کر رکھی ہے لیکن صحیح سند کے بعد ان متابعات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

عباس بن محمد البصری سے یہ جرح ابوبکر احمد بن محمد بن صدقہ البغدادی نے روایت کی ہے۔
ابن صدقہ کے شاگرد امام ابوالحسین بن المنادی نے اپنی کتاب افواج القراء میں فرمایا:
''كان من الحذق والضبط على نهاية ترضي بين أهل الحديث كأبي القاسم ابن الجبلي ونظرائه '' وہ انتہائی زیادہ ماہر ہوشیار اور ضابط (ثقہ) تھے، اہلِ حدیث مثلاً ابوالقاسم (اسحاق بن ابراہیم) ابن الجبلی (ترجمتہ فی تاریخ بغداد ۶/ ۳۷۸ والسیر ۱۳/ ۳۴۳) وغیرہ اُن سے نہایت راضی تھے۔ (تاریخ بغداد ۵/ ۴۱ ت ۲۳۹۵)
امام ابوالشیخ الاصبہانی نے انھیں ''الحافظ '' کہا۔ امام ابن المنادی وغیرہ نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ امام دارقطنی نے فرمایا: ''ثقة ثقة ''

(سوالات الحاکم للدارقطنی: ۳۸، تاریخ دمشق لابن عساکر ۵/ ۳۷۲ وسندہ صحیح)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ''الإمام الحافظ المتقن الفقيه '' (النبلاء ۱۴/ ۸۳)
اور فرمایا: ''وكان موصوفًا بالإتقان والتثبت ''اور وہ متقن اور ثقہ ثبت ہونے کے ساتھ موصوف تھے۔ (ایضاً ۱۴/ ۸۳)
ابن عساکر نے کہا: ''الحافظ البغدادي'' (تاریخ دمشق ۵/ ۳۷۱)
خطیب بغدادی نے کہا: ''وكان ثقة'' (تاریخ دمشق لابن عساکر ۵/ ۳۷۲ وسندہ صحیح)
معلوم ہوا کہ ابن صدقہ الحافظ کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے۔

فائدہ: جرح یا تعدیل کرنے والے امام کے لئے راوی کا معاصر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ زمانۂ تدوینِ حدیث میں، بعد والے دور کے ثقہ وصدوق اماموں کی جرح وتعدیل بھی مقبول ہے بشرطیکہ جمہور ائمہ ومحدثین کے خلاف نہ ہو۔ اگر جرح یا تعدیل پر اتفاق ہو،

اختلاف نہ ہوتو وہ قطعی اور یقینی طور پر مقبول ہوتی ہے اور اگر اختلاف ہوتو تعارض اور عدمِ تطبیق کی حالت میں ہمیشہ جمہور محدثین (اور ائمۂ متقدمین کو متاخرین پر) ترجیح حاصل ہے۔

خلاصۃ التحقیق: جرح مذکور امام یحییٰ بن معین سے باسند صحیح ثابت ہے۔

تنبیہ: فرقہ جہمیہ ایک گمراہ فرقہ ہے جو اہلِ سنت و جماعت سے خارج ہے۔

امام ابن معین نے مزید فرمایا: ''لیس بشيء'' محمد بن الحسن کچھ چیز نہیں ہے۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۷۰، الجرح والتعدیل ۷/۲۲۷ وسندہ صحیح)

☆ تاریخ ابن معین کے اس نسخے کے راوی ابوالفضل عباس بن محمد الدوری ثقہ حافظ ہیں۔ دیکھئے الکاشف للذہبی (۲/۶۱ ت ۲۶۳۴)

ان کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے۔ عباس الدوری سے روایتِ مذکورہ امام ابوالعباس محمد بن یعقوب بن یوسف الاصم (راوی التاریخ عنہ/ ثقہ) امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (الجرح والتعدیل ۷/۲۲۷) اور ابن حماد دولابی حنفی (الکامل لابن عدی ۶/۲۱۸۳، دوسرا نسخہ ۷/۳۷۵، والدولابی ضعیف علی الراجح) نے کر رکھی ہے۔

معلوم ہوا کہ عباس الدوری کی نقل کردہ یہ جرح امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے باسند صحیح ثابت ہے۔

فائدہ: امام یحییٰ بن معین جس راوی کو لیس بشيء کہتے ہیں، اس جرح کی تین حالتیں ہیں:

۱: جمہور محدثین نے اس راوی کی توثیق وتعریف کر رکھی ہے۔

یہاں امام ابن معین کی جرح جمہور کے مقابلے میں مردود ہے۔

۲: راوی قلیل الحدیث ہے۔ یہاں اس جرح کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اس راوی کی حدیثیں بہت تھوڑی ہیں۔ حافظ ابن القطان الفاسی المغربی اور حافظ ابن حجر (ہدی الساری ص ۴۲۱ ترجمۃ عبدالعزیز بن المختار) کا کلام اس پر محمول ہے۔ اب یہ راوی ثقہ ہے یا ضعیف؟ اس کے بارے میں جمہور محدثین کی تحقیق کو ترجیح دی جائے گی۔

۳: جمہور محدثین نے اس راوی پر جرح کر رکھی ہے۔ یہاں امام ابن معین کی جرح مقبول

ہے اور قرائن دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ یہاں عام جرح مراد ہے یا شدید جرح ہے۔
عبدالحیٔ لکھنوی وغیرہ بعض الناس کا یہ پروپیگنڈا کرنا کہ امام ابن معین کی جرح "لیس بشئ"
مطلقاً اس پر محمول ہے کہ راوی کی حدیثیں بہت تھوڑی ہیں، کئی وجہ سے مردود ہے۔ مثلاً:
۱۔ جمہور محدثین کے نزدیک ایک ضعیف راوی شرحبیل بن سعد الخطمی الانصاری کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "لیس بشئ، هو ضعیف" وہ کچھ نہیں، وہ ضعیف ہے۔ (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۰۴۶، الجرح والتعدیل ۴/۳۳۹ وسندہ صحیح)
معلوم ہوا کہ امام ابن معین لیس بشئ سے ضعیف مراد لیتے تھے۔
۲۔ اسحاق بن ادریس البصری کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:
"لیس بشئ یضع الأحادیث" وہ کچھ چیز نہیں، وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔
(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۴۲۱۳، الضعفاء للعقیلی ۱/۱۰۱، الکامل لابن عدی ۱/۳۲۷، دوسرا نسخہ ۱/۵۴۲)
۳۔ حسین (بن عبداللہ) بن ضمیرہ کے بارے میں امام ابن معین نے گواہی دی:
"کذاب لیس هو بشئ" وہ جھوٹا ہے، وہ کچھ چیز نہیں ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۱۰۸، الکامل لابن عدی ۲/۷۶۷، دوسرا نسخہ ۳/۲۲۶ بلفظ: "کذاب لیس حدیثه بشئ")
۴۔ عبدالفتاح ابوغدہ الکوثری (حنفی تقلیدی) نے کتاب الرفع والتکمیل کے حاشیے (ص ۲۱۳ تا ۲۲۰) میں تیس (۳۰) مثالیں پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابن معین کا قول: لیس بشئ (عام طور) پر راوی کی تضعیف ہوتی ہے۔
(بحوالہ معجم علوم الحدیث النبوی لعبدالرحمٰن بن ابراہیم الخمیسی ص ۱۸۸)
ابوغدہ الکوثری کا ایک حوالہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ
۵۔ امام ابن معین نے فرمایا: وہ کچھ چیز نہیں اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی ۶/۲۱۸۳) جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ
معلوم ہوا کہ امام ابن معین کے نزدیک لیس بشئ (عام طور پر) شدید جرح ہے۔
اور امام ابن معین نے مزید فرمایا: "لیس بشئ ولا تکتب حدیثه"

محمد بن الحسن کچھ چیز نہیں ہے اور تم اس کی حدیث نہ لکھو۔ (تاریخ بغداد ۲/ ۱۸۰، ۱۸۱، وسندہ حسن)

☆ امام ابن معین سے اس جرح کو ابو جعفر احمد بن سعد (بن الحکم) بن ابی مریم المصری نے روایت کیا ہے۔ اُن کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ''الإمام الحافظ''

(النبلاء ۱۲/ ۳۱۱)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: ''صدوق'' سچا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۳۶)

تحریر تقریب التہذیب میں ہے: ''بل ثقة'' بلکہ ثقہ ہے۔ (۱/ ۶۲)

تنبیہ: احمد بن سعد بن ابی مریم کے بجائے تاریخ بغداد میں غلطی سے احمد بن سعید بن ابی مریم چھپ گیا ہے جس کی اصلاح ہم نے کتبِ رجال سے کر دی ہے۔

ابن ابی مریم سے اس جرح کے راوی علی بن احمد بن سلیمان المصری المعروف: علان کے بارے میں ابن یونس المصری نے کہا: ''و کان ثقة ... إلخ'' (سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۴۹۶)

حافظ ذہبی نے کہا: ''الإمام المحدّث العدل'' (النبلاء ۱۴/ ۴۹۶)

حاکم اور ذہبی دونوں نے اُن کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (المستدرک وتلخیصہ ۱/ ۵۵۲ ح ۲۰۲۷)

طحاوی حنفی نے کہا: ''حدثنا علي بن أحمد بن سليمان: علان جارنا''

ہمیں علی بن احمد بن سلیمان: علان ہمارے پڑوسی نے حدیث بیان کی۔

(شرح مشکل الآثار طبع جدید ۴/ ۴۱ ح ۱۴۱۳)

لہٰذا جمہور کی توثیق کے بعد اُن کے اخلاق میں تندخوئی اور بد مزاجی (زعارہ) کا روایتِ حدیث پر کوئی اثر نہیں ہے۔

اُسے علی بن احمد سے محمد بن المظفر الحافظ البزاز نے بیان کیا ہے جنھیں عتیقی اور محمد بن ابی الفوارس نے ثقہ مامون، خطیب نے حافظ فہم (سمجھدار) صادق مکثر اور ذہبی نے ''الحافظ الإمام الثقة'' قرار دیا ہے۔ (تاریخ بغداد ۳/ ۲۶۴، ۲۶۳، تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۹۸۰ ت ۹۱۶)

امام دارقطنی اُن کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ۳/ ۲۶۳ وسندہ صحیح)

جمہور کی توثیق کے بعد اُن پر ابو الولید الباجی کی جرح ''فيه تشيع ظاهر'' مردود ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے اس جرح کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (۳۸۳/۵، دوسرا نسخہ ۵۴۴/۶)

محمد بن المظفر الحافظ کے شاگرد ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الانماطی المعروف باللاعب کے بارے میں خطیب نے کہا: میں نے اُن سے لکھا ہے اور اُن کا سماع صحیح تھا، اور مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رافضی تھا۔ (تاریخ بغداد ۲۳۸/۴، ۲۳۹ ت ۱۹۶۳)

رافضی والی جرح اس وجہ سے مردود ہے کہ اس کے بتانے والے کا نام معلوم نہیں اور خطیب نے ''ان کا سماع صحیح تھا'' کہہ کر اس جرح کو رد کر دیا ہے۔ یہ حسن روایت امام عباس الدوری کی صحیح روایت کا بہترین شاہد ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہاں لیس بشيء شدید جرح ہے۔

فائدہ: امام ابن معین عام طور پر جس راوی کو لیس بشيء کہتے ہیں تو وہ شدید جرح ہوتی ہے۔ دیکھئے حاشیہ عبدالفتاح ابی غدۃ الحنفی علیٰ اعلاء السنن (۲۶۳/۱۹، ۲۶۴)

☆ تنبیہ: اگر کوئی یہ کہے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ متشدد ومتعنت تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جارح کی جرح کی دو حالتیں ہوتی ہیں:

۱: جمہور کے خلاف ہو۔

ایسی حالت میں جرح مردود ہوتی ہے چاہے امام ابن معین کی جرح ہو یا کسی دوسرے امام کی۔

۲: جمہور کے خلاف نہ ہو۔

ایسی حالت میں جرح مقبول ہوتی ہے چاہے متشدد ومتعنت کی جرح ہو یا معتدل ومنصف کی۔

چونکہ شیبانی مذکور کے بارے میں امام ابن معین کی جرح جمہور کے خلاف نہیں بلکہ جمہور کے مطابق وموافق ہے لہٰذا یہاں مقبول ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابن معین نے صحیح بخاری کے راویوں مثلاً امام احمد بن صالح المصری اور احمد بن عیسیٰ المصری وغیرہما پر بھی جرح کی ہے۔ وہاں آپ کیوں نہیں مانتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن صالح اور احمد بن عیسیٰ وغیرہما پر جرح چونکہ جمہور کے خلاف ہے لہٰذا مردود ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام ابن معین کی جرح خود اُن کی تعدیل سے معارض ہے کیونکہ انھوں نے محمد بن الحسن الشیبانی سے اس کی کتاب الجامع الصغیر لکھی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی سے کتاب یا روایات لکھنا اور چیز ہے اور آگے وہ کتاب یا روایات بیان کرنا اور چیز ہے۔ امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: ''إذا کتبت فقمّش و إذا حدّثت ففتش'' جب تو لکھے تو ہر ایک سے لکھ اور جب روایت کرے تو تفتیش (وتحقیق) کر۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب ۲/۲۲۰ ح ۱۶۷۰، وسندہ حسن لذاتہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ خلیلی نے الارشاد (کتاب) میں صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن معین ایک راوی ابان (بن ابی عیاش/سخت مجروح ومتروک) کا نسخہ لکھ رہے تھے...الخ ملخصاً (تہذیب التہذیب ۱/۱۰۱، ترجمۃ ابان بن ابی عیاش)

لکھنا اور چیز ہے اور روایت کرنا اور چیز ہے۔ امام ابن معین سے الجامع الصغیر یا کسی روایت کا محمد بن الحسن مذکور سے روایت کرنا باسند صحیح وحسن ثابت نہیں ہے لہٰذا یہاں مطلق طور پر کتاب لکھنے کو تعدیل بنا دینا غلط ہے جبکہ مقابلے میں صریح اور واضح جرح ثابت ہے۔

④ امام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) نے محمد بن الحسن کے بارے میں فرمایا: ''لیس بشيء و لا یکتب حدیثه.''

وہ کچھ چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی ۶/۲۱۸۳، وسندہ صحیح)

☆ اس جرح کے راوی احمد بن سعد بن ابی مریم المصری ثقہ صدوق ہیں جیسا کہ جرح نمبر ۱ کے تحت گزر چکا ہے اور علی بن احمد بن سلیمان المصری ثقہ تھے۔ کما تقدم (تحت جرح:۱)

اس شدید جرح کے مقابلے میں امام احمد سے شیبانی مذکور کی توثیق ثابت نہیں ہے بلکہ ان کی دیگر جروح کے ساتھ یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنی بڑی کتاب مسند احمد میں محمد بن الحسن الشیبانی سے ایک روایت بھی نہیں لی۔

اگر کوئی کہے کہ ۶۵۷ھ میں پیدا ہونے والے سلیمان بن عبدالقوی بن عبدالکریم الطوفی الصرصری البغدادی الحنبلی (متوفی ۷۱۶ھ) نے کہا: امام احمد سے آخری بات یہ

ثابت ہے کہ وہ اس کے بارے میں حسنِ ظن کے قائل ہو گئے تھے اور تعریف کرتے تھے۔
اسے ہمارے ساتھیوں میں سے ابوالورد نے کتاب اصول الدین میں ذکر کیا ہے۔
(مختصر الروضۃ فی اصول الحنابلۃ بحوالہ حاشیۃ الضعفاء الکبیر للعقیلی ۲۴۱/۱)

عرض ہے کہ ابوالورد کون ہے؟ اس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے لہٰذا یہ بے سند دعویٰ رجوع مردود ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے باریک مسائل محمد بن الحسن کی کتابوں سے لئے ہیں۔ بحوالہ تاریخ بغداد (۱۷۷/۲)

عرض ہے کہ اس روایت کا ایک راوی ابوبکر محمد بن بشر بن موسیٰ بن مروان القراطیسی ہے جس کا ذکر تاریخ بغداد (۱۷۷/۲) اور تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۱۰/۵۵) میں بغیر کسی جرح و تعدیل کے ہے لہٰذا یہ راوی مجہول الحال ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس سے ثقہ راوی روایت کرتے ہیں اور سخاوی نے کہا: دارقطنی نے فرمایا: جس راوی سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔ بحوالہ فتح المغیث

عرض ہے کہ سخاوی کی یہ نقل تین وجہ سے مردود ہے۔

۱: ''وثبتت عدالتہ'' کے الفاظ امام دارقطنی سے باسند صحیح یا اُن کی کسی کتاب میں ثابت نہیں ہیں۔

۲: ایک راوی باب بن عمیر جس کے دو ثقہ شاگرد (امام اوزاعی اور یحییٰ بن ابی کثیر) تھے، اُس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: ''مجھول''
(الضعفاء والمتروکون للدارقطنی ص ۱۶۴ ت ۱۳۵)

۳: ایک راوی خشف بن مالک کے ذکر کے وقت امام دارقطنی نے فرمایا: جس سے دو راوی بیان کریں، اُس سے جہالت (مجہول ہونے) کا نام اُٹھ جاتا ہے...الخ
دیکھئے سنن الدارقطنی (۱۷۴/۳ ح ۳۳۴۳)

یہاں امام دارقطنی نے عدالت کا ذکر نہیں کیا۔ رہا جہالت مرتفع ہونے کا مسئلہ تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ راوی مجہول العین نہیں رہتا اور یہ علیحدہ بات ہے کہ اگر توثیق نہ ہو تو وہ مجہول الحال رہتا ہے۔ جہالتِ عین اور جہالتِ حال میں فرق کرنا چاہئے جیسا کہ محدثین کرام کا موقف ومنہج ہے۔

معلوم ہوا کہ مجہول الحال قراطیسی کی امام احمد سے روایت ثابت نہیں ہے۔

فائدہ: اگر کوئی محدث یا امام کسی راوی سے روایت ترک کرنے کا اعلان کرے یا ترک کر دے اور اُس سے اُس خاص راوی کی توثیق ثابت نہ ہو تو یہ بات اس محدث یا امام کی طرف سے راوی پر جرح ہوتی ہے اِلا یہ کہ کوئی قرینۂ صارفہ کسی خاص راوی کی تخصیص کر دے لیکن یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک محدث یا امام کسی راوی سے روایت ترک کر دے تو وہ راوی متروک بن جاتا ہے۔ بلکہ یہاں بھی جمہور محدثین کو دیکھا جائے گا کہ اُن کی کیا تحقیق ہے؟ اگر وہ راوی کی توثیق کرتے ہیں تو اس کا روایت نہ کرنا مرجوح ہو کر مردود ہو جائے گا اور اگر جمہور جرح کرتے ہیں تو پھر جارحین میں اسے بھی شامل کیا جائے گا۔

اور امام احمد نے فرمایا: ’’**لا أروي عنه شيئاً**‘‘ میں اس سے کوئی چیز روایت نہیں کرتا۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲/ ۲۵۸ ت ۱۸۶۲، الجرح والتعدیل ۷/ ۲۲۷ وسندہ صحیح)

☆ جمہور محدثین کی جرح کے ساتھ ساتھ امام احمد کا یہ اعلان کرنا کہ میں اس سے روایت نہیں کرتا، اُن کی طرف سے شیبانی مذکور پر جرح ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: ’’**كان يذهب مذهب جهم**‘‘ محمد بن الحسن کا مذہب جہم (ایک بہت بڑے گمراہ) کا مذہب تھا۔ (تاریخ بغداد ۲/ ۱۷۹، وسندہ حسن)

☆ اگر جمہور محدثین نے کسی راوی پر جرح کر رکھی ہے تو اس کا جہمی، رافضی، ناصبی، قدری اور شیعہ وغیرہ ہونا مضر ہے اور اگر جمہور محدثین نے اس کی توثیق کر رکھی ہے تو پھر راوی پر جہمی، رافضی، ناصبی، قدری اور شیعہ وغیرہ کی جرح مردود ہے لہٰذا موثق عند الجمہور راوی کی حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے۔

صحیحین کے اصول کے راوی چونکہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں لہٰذا اُن پر بدعت وغیرہ کی جرحیں مردود ہیں۔

امام احمد نے فرمایا: ''فأما ... و محمد بن الحسن فكانا مخالفين للأثر و هاذان لهما رأي سوء'' رہے...اور محمد بن الحسن تو دونوں (حدیث و) آثار کے مخالف تھے اور ان دونوں کی رائے بُری ہے۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۷۹، وسندہ صحیح)

☆ اس جرح کے پہلے راوی حنبل بن اسحاق بن حنبل ثقہ ثبت تھے۔

(تاریخ بغداد ۸/۲۸۷ ت ۴۳۸۶)

حافظ ذہبی نے کہا: ''الإمام الحافظ المحدّث الصدوق المصنّف ...''

(النبلاء ۱۳/۵۱)

حنبل کے شاگرد عبداللہ بن اسحاق المدائنی ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد ۹/۴۱۴ ت ۵۰۲۵)

مدائنی کے شاگرد اسحاق بن محمد بن اسحاق النعالی صدوق، ثقہ مامون تھے۔

(تاریخ بغداد ۶/۴۰۱ ت ۳۴۵۷)

النعالی کے شاگرد امام برقانی ''الإمام العلامة الفقيه الحافظ الثبت ، شيخ الفقهاء والمحدثين ... صاحب التصانيف'' تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۷/۴۶۴)

''و كان ثقة ورعًا متقنًا متثبتًا فهمًا إلخ'' (تاریخ بغداد ۴/۳۷۴ ت ۲۲۴۷)

معلوم ہوا کہ یہ سند صحیح ہے۔ اس روایت میں ''مخالفين للأثر'' کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''يعني يخالف الأحاديث ويأخذ بعموم القرآن'' یعنی محمد بن الحسن احادیث کی مخالفت کرتے تھے اور عمومِ قرآن لیتے تھے۔

(تاریخ الاسلام ج ۱۲ ص ۳۶۱)

معلوم ہوا کہ یہاں الأثر کی تشریح میں آثار اور احادیث دونوں شامل ہیں۔

③ امام ابوحفص عمرو بن علی بن بحر الفلاس البصری رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۹ھ) نے فرمایا:

''محمد بن الحسن صاحب الرأي ضعيف'' رائے والا محمد بن الحسن ضعیف ہے۔

(تاریخ بغداد ۱۸۱/۲، وسندہ صحیح)

☆ امام ابوحفص عمرو بن علی بن بحر بن کنیز الباہلی البصری الصیرفی الفلاس الحافظ صحیحین و سنن اربعہ کے راوی اور ثقہ حافظ ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۵۰۸۱)

حافظ ذہبی نے کہا: ''الحافظ الإمام المجوّد الناقد '' (النبلاء ۴۷۰/۱۱)

الفلاس کے شاگرد ابوالعباس سہل بن احمد الواسطی ثقہ ہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۱۹/۹ ت ۴۷۳۱)

ضیاء المقدسی نے اُن سے المختارۃ میں روایت لی ہے۔ (۳۸۸/۲ ح ۷۷۴)

اور ابوعلی النیسابوری (المستدرک ۱۱۶/۱ ح ۳۹۶) وغیرہ نے ان سے روایتیں بیان کی ہیں۔

الواسطی کے شاگرد عثمان بن احمد بن السماک الدقاق ثقہ تھے۔ (المؤتلف والمختلف للدارقطنی ۱۲۴۵/۳) خطیب بغدادی، ابن شاہین اور محمد بن الحسین بن الفضل القطان وغیرہم نے انھیں ثقہ کہا۔ حاکم نیشاپوری نے کہا: ''الثقة المأمون ''

(المستدرک ۳۰۰/۱ ح ۶۷۴)

جمہور کی اس توثیق کے بعد حافظ ذہبی کی ان پر جرح مردود ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (۱۳۱/۴، دوسرا نسخہ ۵۸۹/۴)

خود حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں اُن کی ایک حدیث کو صحیح کہا۔ (۳۶/۳ ح ۴۳۳۶)

اور فرمایا: ''الشيخ الإمام المكثر الصادق مسند العراق '' (النبلاء ۴۴۴/۱۵)

الدقاق کے شاگرد محمد بن الحسین بن الفضل القطان ثقہ ہیں۔

(تاریخ بغداد ۲۴۹/۲، المنتظم ۲۰/۸-۴۱، دوسرا نسخہ ۱۲۹/۱۵، شذرات الذہب ۲۰۳/۳)

معلوم ہوا کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔

④ ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی (متوفی ۲۵۹ھ) نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا: ''أسد بن عمرو و محمد بن الحسن واللؤلؤي قد فرغ الله منهم . ''

اسد بن عمرو، محمد بن الحسن اور (حسن بن زیاد) اللؤلؤی سے اللہ فارغ ہو چکا ہے۔

(احوال الرجال ص ۷۶، ۷۷ ت ۹۶-۹۹)

☆ ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق الجوزجانی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا:

"ثقة حافظ رمي بالنصب" (تقریب التہذیب:۲۷۳)

جرح نمبر۲ کے تحت عرض کر دیا گیا ہے کہ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی پر ناصبی وغیرہ کی جرح مردود ہوتی ہے۔

حافظ ذہبی نے کہا: "الحافظ صاحب الجرح والتعديل" (تاریخ الاسلام ۱۹/۷۲)

نیز دیکھئے تذکرۃ الحفاظ (۲/۵۴۹ ت ۵۶۸)

"اللہ فارغ ہو چکا ہے" یہ جوزجانی کی جرح کا ایک خاص انداز ہے۔ گویا وہ سورۃ الرحمٰن کی آیت نمبر:۳۱ کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ واللہ اعلم

اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان سے نجات دے دی ہے۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث:۱۶ ص ۳۶

⑤ امام ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۴ھ) نے فرمایا:

"**وكان محمد بن الحسن جهمياً**" اور محمد بن الحسن جہمی تھا۔

(کتاب الضعفاء ص ۵۷۰، تاریخ بغداد ۲/۱۷۹، وسندہ صحیح)

☆ امام ابوزرعہ الرازی سے اس جرح کے راوی ابوعثمان سعید بن عمرو بن عمار الازدی البرذعی کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: "**الإمام الحافظ ... رحّال جوّال مصنف**" (النبلاء ۱۴/۷۷)

اور فرمایا: "الحافظ الناقد" (تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۴۳ ت ۷۴۲)

ابویعلیٰ الخلیلی نے کہا: "**عالم بهذا الشأن متفق عليه تلمذ على أبي زرعة ... وله تصانيف مرضية عند العلماء**" اس فن کے عالم ہیں، آپ پر اتفاق ہے، آپ ابوزرعہ کے شاگرد تھے.... اور آپ کی کتابیں علماء کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ (الارشاد ۲/۷۸۲)

سعید بن عمرو البرذعی سے اسے ابوعبداللہ احمد بن طاہر بن النجم المیانجی نے بیان کیا ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: "الحافظ المتقن" ثقہ حافظ

(تذکرۃ الحفاظ ۹۳۱/۳ ت ۸۸۵)

اور فرمایا: ''الإمام الحافظ المجود '' (النبلاء ۱۷۱/۱۶)

میانجی سے اسے ابوالحسین یعقوب بن موسیٰ الاردبیلی نے بیان کیا ہے جو کہ ثقہ تھے۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۲۹۵/۱۴ ت ۷۶۰۵)

اردبیلی سے امام برقانی نے یہ روایت بیان کی ہے جو کہ ثقہ متقن امام تھے جیسا کہ جرح نمبر۲ کے تحت گزر چکا ہے۔

برقانی سے یہ روایت خطیب بغدادی، ابوالفضل احمد بن الحسن بن خیرون بن ابراہیم الاسدی اور ثابت بن ابراہیم بن بندار وغیرہ نے بیان کر رکھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔

⑥ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ) نے کہا:

''و محمد بن الحسن ضعیف'' اور محمد بن الحسن ضعیف ہے۔

(جزء فی آخر کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۲۶۶)

☆ اگر کوئی کہے کہ امام نسائی متشدد تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض صرف اُس حالت میں ہوسکتا ہے جب مقابلے میں جمہور کی توثیق ہو۔ اگر جمہور کی جرح ہو تو پھر یہ اعتراض فضول و مردود ہے۔ یاد رہے کہ شیبانی مذکور پر جمہور محدثین نے جرح کر رکھی ہے۔

⑦ ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی (متوفی ۳۲۲ھ) نے محمد بن الحسن کو اپنی کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ (۵۲/۴۔۵۵) اور کوئی دفاع نہیں کیا۔

☆ اگر کوئی کہے کہ امام عقیلی وغیرہ نے صحیحین وغیرہما کے راویوں پر بھی جرح کر رکھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی قاعدہ وکلیہ نہیں کہ ہر مُحدّث کی ہر بات ضرور بالضرور واجب القبول ہوتی ہے بلکہ اگر مقابلے میں جمہور کی توثیق ہو تو جرح مردود ہو جائے گی اور اگر مقابلے میں جمہور کی جرح ہو تو توثیق مردود ہو جائے گی۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟!

⑧ صحیح ابن حبان کے مصنف ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد التمیمی البستی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۴ھ) نے کہا: ''وکان مرجئًا داعیًا إلیہ ... وکان عاقلاً، لیس فی الحدیث بشئ، کان یروي عن الثقات ویھم فیھا فلما فحش ذلك منه استحق ترکه من أجل کثرة خطئه، لأنه کان داعیة إلٰی مذھبھم.''

اور وہ (محمد بن الحسن الشیبانی) مرجی تھا، اس (ارجاء) کی طرف دعوت دیتا تھا... وہ عقل مند تھا (لیکن) حدیث میں وہ کوئی چیز نہیں ہے، وہ ثقہ راویوں سے روایتیں بیان کرتا تھا اور ان میں اسے وہم ہو جاتا تھا، جب ایسی حرکتیں اس سے بہت زیادہ صادر ہوئیں تو وہ کثرت سے غلطیاں کرنے کی وجہ سے متروک قرار دیئے جانے کا مستحق بن گیا، کیونکہ وہ ان (مرجئوں) کے مذہب کی طرف دعوت دینے والا تھا۔ (کتاب المجروحین ۲/۲۷۵، ۲۷۶)

☆ اگر کوئی شخص شعبدہ بازی کرتے ہوئے معارضہ پیش کر دے کہ ابن حبان نے تو فلاں فلاں راوی پر بھی جرح کی ہے، آپ وہاں کیوں نہیں مانتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ہماری بات کیوں نہیں سمجھتے؟ جرح و تعدیل میں ہمیشہ جمہور کو ترجیح ہوگی لہٰذا حافظ ابن حبان کی یہاں پر جرح چونکہ جمہور کے مطابق ہے لہٰذا مقبول ہے اور وہاں اگر جمہور کے خلاف ہو تو مردود ہو جائے گی۔

⑨ ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۵ھ) نے کہا:

''ومحمد بن الحسن ھذا لیس ھو من أھل الحدیث ... والإشتغال بحدیثه شغل لا یحتاج إلیه ... وقد استغني أھل الحدیث عما یرویه محمد ابن الحسن وأمثاله.'' محمد بن الحسن اہلِ حدیث میں سے نہیں... اس کی حدیث کے ساتھ مشغول ہونا ایسا کام ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے.... محمد بن الحسن اور اس جیسے لوگوں کی روایتوں سے اہلِ حدیث بے نیاز ہیں۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ۶/۲۱۸۴)

☆ اگر کوئی کہے کہ حافظ ابن عدی اور شیبانی کے درمیان طویل فاصلہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جارح (جرح کرنے والے) یا معدل (تعدیل کرنے والے) اور مجروح یا موثق

کے درمیان اتحادِ زمانہ یا معاصرت ضروری نہیں بلکہ کوئی بھی ثقہ و عارف بالاسباب امام جرح وتعدیل کرسکتا ہے اگر چہ وہ مجروح وموثق کی وفات سے بہت بعد میں پیدا ہوا ہو۔ اس جرح وتعدیل کی بنیاد راوی کی روایات اور محدثینِ کرام کی گواہیاں ہوتی ہیں، نہ یہ کہ اس سے ملاقات ضروری ہو۔ اگر کوئی شخص معاصرت کی شرط پر بضد ہو تو عرض ہے کہ اس طرح اسماء الرجال کی کتابیں معطل ہو جائیں گی، جرح وتعدیل کا علم فضول ہو جائے گا اور تم اپنے پسندیدہ وناپسندیدہ راویوں بلکہ اماموں کی توثیق وجرح سے فارغ ہو کر ہاتھ دھو بیٹھو گے۔!

کیا اس اصول پر کوئی شخص امام ابوحنیفہ، قاضی ابو یوسف، محمد بن الحسن الشیبانی یا حسن بن زیاد اللؤلؤی وغیرہم کی توثیق ثابت کرسکتا ہے؟!

⑩ امام ابوحفص عمر بن احمد بن شاہین البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) نے محمد بن الحسن کو اپنی مشہور کتاب تاریخ اسماء الضعفاء والمتروکین (ص ۱۶۳ ت ۵۳۶) میں ذکر کیا ہے اور کوئی دفاع نہیں کیا۔

☆ اگر ابن شاہین اور عقیلی وغیرہما اپنی کتبِ ضعفاء میں کسی راوی کو ذکر کریں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کتابوں میں ذکر شدہ ہر راوی ضرور بالضرور ضعیف ومجروح ہی ہوتا ہے۔ بلکہ صحیح تحقیق یہ ہے کہ جسے جمہور ثقہ کہیں وہ ثقہ ہوتا ہے اگر چہ وہ ان کتبِ ضعفاء میں مذکور ہو اور جسے جمہور ضعیف کہیں وہ ضعیف ہوتا ہے اگر چہ وہ بعض کتبِ ثقات میں مذکور ہو۔

آخر میں عرض ہے کہ زیلعی حنفی نے یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ دارقطنی نے "غرائب مالك" میں محمد بن الحسن الشیبانی وغیرہ کو "من الثقات الحفاظ" میں شامل کیا ہے۔

(نصب الرایہ ۱/ ۴۰۸، ۴۰۹)

یہ حوالہ کئی وجہ سے مردود ہے:

۱: جمہور کی جرح کے خلاف ہے۔

۲: اصل کتاب غرائب مالک موجود نہیں ہے تا کہ زیلعی کے دعوے کی تصدیق کی جاسکے۔

۳: دارقطنی نے قاضی ابو یوسف کے بارے میں کہا:

"أعور بين عميان "اندھوں میں کانا۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۸۰ ۲۶ وسندہ صحیح)

اور کہا:"هو أقوى من محمد بن الحسن "وہ (ابویوسف) محمد بن الحسن سے زیادہ قوی ہے۔(سوالات البرقانی:۵۶۷)

معلوم ہوا کہ امام دارقطنی کے نزدیک محمد بن الحسن الشیبانی دیکھنے کی قوت سے محروم تھا۔ایک مقام پر دارقطنی نے کہا:"وعندي لا يستحق الترك "اور میرے نزدیک وہ (محمد بن الحسن) متروک قرار دیئے جانے کا مستحق نہیں ہے۔ (سوالات البرقانی:۵۶۸)

تنبیہ: امام دارقطنی کے نزدیک کسی راوی کے متروک نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ امام دارقطنی کے نزدیک ضعیف نہیں ہے یا دوسرے محدثین کے نزدیک متروک نہیں ہے۔

اس مفصل تحقیق سے ثابت ہوا کہ درج ذیل محدثینِ کرام نے محمد بن الحسن الشیبانی پر جرح کر رکھی ہے:

① یحییٰ بن معین ② احمد بن حنبل ③ عمرو بن علی الفلاس
④ جوزجانی ⑤ ابوزرعہ الرازی ⑥ نسائی
⑦ عقیلی ⑧ ابن حبان ⑨ ابن عدی
⑩ ابن شاہین رحمہم اللہ اجمعین

امام نعیم بن حماد الصدوق المظلوم رحمہ اللہ نے فرمایا: مدینہ میں ایک لڑکے نے محمد بن الحسن سے کہا: دو کھجوروں کے بدلے میں ایک کھجور (خریدنے بیچنے) کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس لڑکے نے کہا: اے چچا! آپ حدیث وسنت سے جاہل ہیں اور مشکل مسائل میں کلام کرتے ہیں۔؟!

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۷۹۱ وسندہ حسن)

خلاصۃ التحقیق: محمد بن الحسن الشیبانی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح یعنی ضعیف ہے۔ جمہور کے مقابلے میں صرف حاکم نیشاپوری اور آٹھویں صدی ہجری کے حافظ ہیثمی سے ابن فرقد شیبانی کی توثیق ثابت ہے جو کہ جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ حجت نہیں ہے۔

☆ آخر میں کچھ فوائد پیشِ خدمت ہیں:

۱: اگر کوئی کہے کہ ''کیا فقیہ ہونا یہ تعدیل نہیں ہے؟'' عرض ہے کہ اگر جمہور محدثین جرح کریں تو فقیہ ہونا تعدیل نہیں ہے اور اگر جمہور محدثین توثیق کریں تو فقیہ ہونے کو تعدیل کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ نیز دیکھئے البدر المنیر لابن الملقن (ج۵ ص ۷۵۵)

اگر تیسری صدی کے بعد کوئی ایسا راوی ہو جس پر کوئی جرح نہ ہو تو قرائن کو دیکھ کر فقیہ اور امام وغیرہما الفاظ سے توثیق اخذ کی جا سکتی ہے مگر یاد رہے کہ جمہور کی جرح کے مقابلے میں یہ الفاظ قطعاً توثیق نہیں ہیں، فی الحال دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

مثال اول: ابو بشر احمد بن محمد بن عمرو بن مصعب بن بشر بن فضالہ المروزی الفقیہ کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: ''يضع الحديث'' إلخ وہ حدیث گھڑتا تھا۔ الخ

(الضعفاء والمتروکون: ۶۰، لسان المیزان ۱/ ۲۹۰، دوسرا نسخہ ۱/ ۴۳۶)

مثال دوم: ابراہیم بن علی الآمدی ابن الفراء الفقیہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: وہ اپنے قصوں میں جھوٹ بولتا تھا۔ الخ (میزان الاعتدال ۱/ ۵۰، لسان المیزان ۱/ ۸۶، دوسرا نسخہ ۱/ ۱۲۵)

۲: امام شافعی رحمہ اللہ نے اگرچہ محمد بن الحسن سے روایات لکھی ہیں لیکن اس پر رد بھی کیا ہے۔ مثلاً دیکھئے مناقب الشافعی للبیہقی (۱/ ۱۸۶، وسندہ صحیح)

امام شافعی نے فرمایا: میں نے محمد بن الحسن سے مناظرہ کیا، اس نے باریک پتلے کپڑے پہن رکھے تھے پھر اس کی رگیں پھولنے لگیں اور وہ چیخنے لگا۔ الخ (تاریخ بغداد ۲/ ۱۷۷، وسندہ صحیح)

۳: قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم تلمیذِ امام ابو حنیفہ نے محمد بن الحسن الشیبانی کے بارے میں کہا: ''قولوا لهذا الكذاب يعني محمد بن الحسن ۔ هذا الذي يرويه عني سمعه مني ؟'' اس کذاب یعنی محمد بن الحسن سے کہو۔ یہ جو مجھ سے روایتیں بیان کرتا ہے کیا اس نے سنی ہیں؟ (تاریخ بغداد ۲/ ۱۸۰، وسندہ حسن)

اس سند کے راویوں کی قاضی ابو یوسف تک توثیق درج ذیل ہے:

۱۔ بشر بن الولید بن خالد الکندی الحنفی کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا:

''الإمام العلامة المحدّث الصادق قاضي العراق '' (النبلاء ۱۰/ ۶۷۳)
خطیب بغدادی نے اُن کی تعریف کی۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۷/ ۸۱ ت ۳۵۱۸)
حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات (۸/ ۱۴۳) میں ذکر کیا۔ ابوعوانہ نے صحیح ابی عوانہ (طبعہ جدیدہ ۴/ ۷ ح ۵۶۱۷) اور الضیاء المقدسی نے المختارہ (۱/ ۴۷۹ ح ۳۵۳) میں اُن سے روایت لی۔ ابن جوزی نے کہا: '' و كان عالمًا دينًا فقيهًا ثقة '' إلخ
(المنتظم ۱۱/ ۲۶۰ وفیات ۲۳۸ھ)
ان کے مقابلے میں بشر مذکور پر ابوعلی صالح بن محمد البغدادی: جزرہ اور ابوداود سجستانی کی جرح ثابت نہیں ہے۔ حافظ ذہبی نے بشر بن الولید الکندی الفقیہ کے ساتھ ''صح'' کی علامت لکھ کر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ذہبی کے نزدیک اس پر جرح مرجوح و مردود ہے۔
(دیکھئے میزان الاعتدال ۱/ ۳۲۶)
حافظ ابن حجر نے حارث بن محمد بن ابی اسامہ کے حالات میں لکھا ہے کہ (حافظ) ذہبی کی میزان الاعتدال میں اصطلاح ''صح'' کا مطلب یہ ہے کہ اس راوی کی توثیق پر عمل ہے۔
(لسان المیزان ۲/ ۱۵۹، دوسرا نسخہ ۲/ ۲۸۹)
بشر بن الولید کے شاگرد احمد بن القاسم بن محمد بن سلیمان ابوالحسن الطائی البرتی ثقہ تھے۔
(تاریخ بغداد ۴/ ۳۵۰ ت ۲۱۹۱)
احمد بن القاسم کے شاگرد احمد بن کامل بن شجرۃ القاضی البغدادی موثق عند الجمہور ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں۔ ابن رزقویہ نے ان کی زبردست تعریف کی اور حاکم و ذہبی (المستدرک وتلخیصہ ۴/ ۵۲۴ ح ۸۵۹۸) نے اُن کی حدیث کو صحیح کہا لہٰذا امام دارقطنی کی جرح مرجوح ہے۔
تنبیہ: راقم الحروف نے احمد بن کامل کے بارے میں پہلے جہاں بھی ضعیف وغیرہ کے الفاظ لکھے ہیں (مثلاً دیکھئے الحدیث: ۱۹ ص ۴۶، تحقیقی مقالات ج ۱ ص ۵۳۵) جدید تحقیق کی رو سے وہ ساری جرح منسوخ ہے اور اب یہی تحقیق ہے کہ احمد بن کامل مذکور حسن الحدیث

ہیں۔ والحمدللہ

روایتِ مذکورہ میں احمد بن کامل کے شاگرد الحسن بن ابی بکر: ابراہیم بن احمد بن الحسن بن محمد بن شاذان بن حرب بن مہران البزار ثقہ ہیں۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۲۷۹/۷ ت ۳۷۷۲)

خلاصہ یہ کہ یہ سند حسن ہے۔ قاضی ابو یوسف کے حالات کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۹ ص ۴۵۔۵۵، اور تحقیقی مقالات جلد اول ص ۵۳۳۔۵۴۸

قاضی ابو یوسف حنفی، امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل وغیرہم کی جرح کے بعد اب کیا باقی رہ جاتا ہے؟ لیکن پھر بھی بعض مناقبِ مزعومہ کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

باب المناقب

حافظ ذہبی وغیرہ متاخرین سے محمد بن الحسن الشیبانی کی تعریف مذکور ہے لیکن یہ تین وجہ سے مردود ہے:

۱: یہ جمہور محدثین کے خلاف ہے۔

۲: یہ کبار علماء مثلاً امام احمد اور امام ابن معین وغیرہما کے خلاف ہے۔

۳: اس تعریف میں بھی واضح اور صاف توثیق موجود نہیں ہے۔

☆ اگر کوئی کہے کہ حافظ ذہبی نے امام ابو عبید رحمہ اللہ سے نقل کیا: میں نے محمد بن الحسن سے قرآن کا بڑا عالم نہیں دیکھا۔ (مناقب الامام وصاحبیہ للذہبی ص ۵۰)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول یہاں بے سند ہے اور تاریخ بغداد (۱۷۵/۲) ومناقب الصیمری (ص ۱۲۳) میں احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحمانی البغدادی کی سند سے مذکور ہے۔

ابن المغلس الحمانی عرف ابن عطیہ کے بارے میں امام ابن عدی نے فرمایا:

"وما رأيت في الكذابين أقل حياءً منه" میں نے جھوٹے لوگوں میں اس جیسا بے شرم کوئی نہیں دیکھا۔ (الکامل لابن عدی ۲۰۲/۱، دوسرا نسخہ ۳۲۸/۱)

حافظ ابن حبان نے کہا: وہ عراقیوں پر حدیثیں گھڑتا تھا۔ (المجروحین ۱/۱۵۳)

دارقطنی نے کہا: "یضع الحدیث" وہ حدیث گھڑتا تھا۔ (الضعفاء والمتروکون: ۵۹)

اور فرمایا: "یضع الأحادیث" وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۵/۳۴ وسندہ صحیح)

محمد بن ابی الفوارس نے کہا: وہ اکثر باطل حدیثیں خود گھڑ کر بیان کرتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۴/۲۰۷)

حاکم نیشاپوری نے کہا: اس نے حدیثیں بیان کیں جنھیں اُس نے خود گھڑ لیا تھا۔ الخ (المدخل الی الصحیح ص ۱۲۱ ت ۱۹)

اور اس پر ابو نعیم الاصبہانی وغیرہ نے جرح کی ہے۔ ایسے کذاب وضاع کی روایت موضوع ہوتی ہے اور اسے وہی شخص پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے جو بذاتِ خود کذاب وضاع یا پرلے درجے کا جاہل ہو۔

☆ اگر کوئی شخص کہے کہ امام شافعی نے شیبانی سے حدیثیں لکھی اور روایت کی ہیں۔

عرض ہے کہ یہاں جمہور کی جرح کے بعد یہ توثیق نہیں ہے کیونکہ امام شافعی نے ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی (متروک) مطرف بن مازن الصنعانی (سخت ضعیف) اور یوسف بن خالد السمتی (کذاب) سے بھی روایتیں سن کر بیان کی ہیں۔

☆ اگر کوئی کہے کہ امام شافعی نے شیبانی کے بارے میں فرمایا: میں نے اس سے زیادہ عقل مند، زیادہ فقیہ، زاہد اور پرہیز گار نہیں دیکھا۔ (مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی ص ۵۲)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱: ابن کاس النخعی تک متصل سند نامعلوم ہے۔

۲: حافظ ذہبی نے اسے "قول منکر" قرار دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ راوی اپنی روایت کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتا ہے لہٰذا کوثری کا ذہبی پر رد مردود ہے۔

یاد رہے کہ امام شافعی سے شیبانی کی حدیث کے ساتھ حجت پکڑنا ثابت نہیں ہے۔

☆ اگر کوئی کہے کہ (متاخرین میں سے) قاضی احمد بن کامل البغدادی نے محمد بن الحسن کی تعریف کی ہے تو عرض ہے کہ یہ تعریف تین وجہ سے مردود ہے:

۱: احمد بن کامل سے اس کا راوی ابوعبید اللہ محمد بن عمران بن موسیٰ المرزبانی ہے جس کے بارے میں عتیقی نے کہا: وہ ثقہ تھا، ازہری نے کہا: وہ ثقہ نہیں تھا اور کہا: ہمارے نزدیک کذب بیانی نہیں کرتا تھا۔ ابوعبید اللہ بن الکاتب نے کہا: میں نے اس کا ایک معاملہ دیکھا ہے جس سے مجھے علم ہوا کہ وہ کذاب ہے۔ محمد بن ابی الفوارس نے کہا: اس میں اعتزال اور تشیع تھا۔ الخ عضد الدولہ (رافضی/ دیکھئے النبلاء ۱۶/ ۲۴۹) اس کا بہت احترام کرتا تھا۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۳/ ۱۳۵، ۱۳۶)

جمہور کی جرح سے معلوم ہوا کہ مرزبانی مذکور ضعیف راوی ہے۔

۲: یہ تعریف جمہور کی جرح کے مخالف ہے۔

۳: یہ تعریف کبار محدثین کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام علی بن المدینی نے محمد بن الحسن الشیبانی کو صدوق (سچا) کہا ہے۔

(تاریخ بغداد ۲/ ۱۸۱)

عرض ہے کہ اس قول کا راوی عبداللہ بن علی بن عبداللہ المدینی مجہول الحال ہے۔ کسی محدث سے بھی اس کی صریح توثیق ثابت نہیں ہے بلکہ امام دارقطنی کا ایک قول اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دیکھئے سوالات السہمی (۳۸۷) اور الحدیث حضرو: ۱۶ ص ۳۱

اگر کوئی کہے کہ "یعرف بابن المدیني" یعنی وہ ابن المدینی کے ساتھ معروف (پہچانا جاتا) ہے تو عرض ہے کہ یہ کوئی توثیق نہیں مثلاً بقاء نامی راوی کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے: "کذاب دجال .... یعرف بابن العلّیق" (میزان الاعتدال ۱/ ۳۳۹)

اگر کوئی شخص ضد و عناد کی وجہ سے امام ابن المدینی کے اس بیٹے کو ثقہ و صدوق ہی سمجھتا ہے تو عرض ہے کہ اسی بیٹے نے اپنے باپ (امام علی بن المدینی رحمہ اللہ) سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں پوچھا، بیٹا کہتا ہے کہ انھوں (ابن المدینی) نے فرمایا: رائے والا، اور اسے سخت ضعیف قرار دیا اور فرمایا: اگر وہ (ابوحنیفہ) میرے سامنے ہوتا تو میں کسی چیز کے بارے میں اس سے نہ پوچھتا، اس نے پچاس حدیثوں میں غلطیاں کی ہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۰۵)

یہ وہی سند ہے جس میں حسن بن زیاد لؤلؤی وغیرہ کو سخت ضعیف کہا گیا ہے۔ کیا خیال ہے، امام ابن المدینی کو امام ابوحنیفہ اور حسن بن زیاد کے جارحین میں بھی شمار کرلیا جائے؟!

امام ابن المدینی کے بیٹے کے ثقہ وصدوق ہونے پر اگر کسی کے پاس کوئی صریح حوالہ ہے تو پیش کرے ورنہ اسے مجہول الحال تسلیم کرنے کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

☆ اگر کوئی کہے کہ حاکم نے محمد بن الحسن کی حدیث کو صحیح کہا ہے تو عرض ہے کہ یہ تصحیح تین وجہ سے مردود ہے:

۱: حافظ ذہبی نے اس حدیث کی تلخیص میں حاکم پر رد کرتے ہوئے کہا:

''قلت: بالدبوس ''میں نے کہا: ڈنڈے کے زور سے۔! (تلخیص المستدرک ۳۴۱/۴ ح ۷۹۹۰)

ذہبی کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے عبدالرؤف المناوی نے لکھا ہے:

''وتعقبه الذهبي و شنع فقال : قلت بالدبوس'' اور ذہبی نے اُن (حاکم) پر تعاقب (رد) کیا اور طنز وتشنیع کرتے ہوئے فرمایا: میں نے کہا: ڈنڈے کے زور سے۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۴۸۹/۶ ح ۹۶۸۸)

معلوم ہوا کہ یہ تصحیح ذہبی کے نزدیک مردود ہے۔

۲: یہ جمہور محدثین کے خلاف ہے۔

۳: بعض راویوں پر آلِ تقلید جرح کرتے ہیں مثلاً محمد بن اسحاق بن یسار، مؤمل بن اسماعیل اور عبدالحمید بن جعفر وغیرہ۔ حالانکہ حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی احادیث کو صحیح کہا ہے۔ مثلاً دیکھئے المستدرک (حدیث ابن اسحاق ۳۸۰/۴ ح ۸۱۴۷ قال: صحیح، ووافقہ الذہبی، حدیث مؤمل ۳۸۴/۱ ح ۱۴۱۸، وصححہ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی، حدیث عبدالحمید بن جعفر ۵۰۰/۱ ح ۱۸۴۲، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

یہاں پر یہ لوگ جمہور کے موافق حاکم کی تصحیح نہیں مانتے اور وہاں جمہور کے خلاف تصحیح مان لیتے ہیں، کیا انصاف ہے۔ سبحان اللہ!

☆ اگر کوئی کہے کہ لفظ امام بھی زبردست تعدیل میں شمار ہوتا ہے تو عرض ہے کہ جس کی

جمہور توثیق کریں تو وہاں اس سے تعدیل مراد لی جاسکتی ہے لیکن جمہور کی جرح والے مجروح راوی کے بارے میں یہ تعدیل نہیں ہے۔

ایک مشہور حنبلی امام عبیداللہ بن محمد بن بطہ العکبری کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''إمام لكنه لين، صاحب أوهام'' وہ امام ہیں لیکن کمزور (اور) صاحبِ اوہام (واخطاء) ہیں۔ (المغنی فی الضعفاء ۲/ ۳۱ ت ۳۹۴۴)

حفص بن عمر بن ابی حفص الواسطی النجار الامام پر جرح کے لئے دیکھئے لسان المیزان (۲/ ۳۲۷، ۳۲۸، دوسرا نسخہ ۲/ ۶۰۹)

محمد بن اسحاق بن یسار کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''المدني الإمام رأى أنسًا'' مدنی امام، آپ نے انس (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا۔ (الکاشف ۳/ ۱۸ ت ۴۷۸۹)

مگر آلِ تقلید میں سے بہت سے اسے توثیق نہیں مانتے اور فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں ابنِ اسحاق مذکور کو شدید تنقید و جرح کا نشانہ بناتے ہیں۔ مثلاً ایک بریلوی غلام مصطفیٰ نوری نے لکھا ہے: ''پھر اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جو کہ کذاب ہے۔ پس واضح ہوگیا کہ یہ سند انتہائی درجہ کی مجروح ہے اور حجت نہیں ہے۔''

(کتاب: ترک رفع یدین مطبوعہ جون ۲۰۰۴ء ص ۴۱۹)

حالانکہ حافظ ذہبی نے ابن اسحاق کو امام کہا ہے اور جمہور محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے۔ دیکھئے میری کتاب ''الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الجہریہ'' (ص ۶۰)

بلکہ بریلویت کے ''امام'' احمد رضا خان بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ''ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کے نزدیک بھی راجح محمد بن اسحاق کی توثیق ہی ہے۔'' الخ

(منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ص ۱۴۵، دوسرا نسخہ ص ۱۱۶، فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۵ ص ۵۹۲ واللفظ لہ)

شعبدہ بازی کرتے اور قلابازیاں کھاتے ہوئے ایک جگہ امام کے لفظ کو توثیق قرار دینا اور دوسری جگہ اسی توثیق کا جنازہ نکالتے ہوئے امام کے لفظ سے موصوف راوی کو کذاب قرار دینا کس عدالت کا انصاف ہے؟

☆ اگر کوئی کہے کہ حافظ نورالدین ہیثمی نے شیبانی کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

(مجمع الزوائد ۱۴۲/۶، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰۱/۷ ح ۶۴۹۶)

عرض ہے کہ اسی صفحے پر ہیثمی نے محمد بن اسحاق کی روایت بیان کر کے ''ورجالہ ثقات'' کہہ کر انھیں ثقہ قرار دیا ہے، آپ لوگوں کو اس سے کیوں چڑ ہے؟

دوم یہ کہ حافظ ہیثمی متاخرین میں سے ہیں اور اُن کی یہ تحسین جمہور محدثین و اکابر علماء کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

☆ اس بات سے کوئی انکار نہیں کہ محمد بن الحسن الشیبانی نے موطأ وغیرہ کتابیں لکھی تھیں مگر فی الحال تقلیدیوں کے پاس ان کتابوں کے جو نسخے ہیں اُن کی سندیں صحیح نہیں ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ ابن عدی، دارقطنی اور ابن عبدالبر وغیرہم نے گواہیاں دی ہیں تو عرض ہے کہ ان صدیوں پرانی گواہیوں سے صرف مذکورہ کتابوں کے وجود کا ثبوت ملتا ہے اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آلِ تقلید کے موجودہ نسخے بھی باسند صحیح ثابت ہیں۔ فافھمہ فإنہ مھم

اگر کوئی کہے کہ عبدالقادر القرشی نے الجواہر المضیہ میں الموطأ للشیبانی کی سند بیان کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ سند عبدالغفار المؤدب کے ضعف اور دیگر علل کی وجہ سے ضعیف ہے اور اگر یہ صحیح بھی ثابت ہو جائے تو موجودہ نسخے عبدالقادر صاحب کے لکھے ہوئے یا بیان کیے ہوئے نہیں ہیں۔

تنبیہ: محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی طرف درج ذیل کتابیں منسوب ہیں:

۱: کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینۃ ۲: الموطأ

۳: الآثار ۴: الجامع الصغیر

۵: السیر الصغیر ۶: السیر الکبیر وغیرہ

ان میں سے الموطأ اور الآثار ابن فرقد سے باسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔

وما علینا إلا البلاغ (۳۰/ ستمبر ۲۰۰۸ء)

دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۷ص ۱۹، ۲۰

محمد اسحاق صاحب جھال والا: اپنے خطبات کی روشنی میں

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد:

محمد اسحاق جھال والا بن منشی بن رانجھا ۱۹۳۵ء میں چک جھمرہ ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے معتقدین کی نظر میں وہ ''مفتی، شیخ الحدیث'' اور ''محقق العصر'' ہیں۔ میاں محمد یٰسین عمر نے ان کے خطبات دو جلدوں میں ترتیب، تحقیق اور نظر ثانی کر کے احاطۂ تحریر کئے جو خطباتِ اسحاق (فتاویٰ آن لائن والے) کے نام سے تکبیر اکیڈمی فیصل آباد سے شائع ہوئے ہیں۔ میاں محمد یٰسین صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا (حفظہ اللہ) چونکہ بنیادی طور پر محقق ہیں'' (خطباتِ اسحاق، عرضِ مرتب ج ۱ ص ۶)

میاں صاحب مزید لکھتے ہیں کہ

''دوسری بات یہ کہ مولانا (حفظہ اللہ) حدیثِ رسول کے بارے میں بہت محتاط ہیں کیونکہ حدیث رسول کا مقام بہت نازک اور اہم ہے اس سے حلال چیز حرام اور حرام چیز حلال ہوسکتی ہے وہ ایسے لوگوں کی بہت گرفت کرتے ہیں جو موضوع اور کمزور روایتوں سے استدلال کرتے ہیں ایسے لوگوں نے دین کو بہت نقصان پہنچایا ہے''

(عرضِ مرتب، خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۸)

محمد رمضان یوسف صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا محمد اسحاق صاحب (حفظہ اللہ) جہاں بلند پایہ محقق اور فصیح اللسان خطیب ہیں وہیں وہ اچھے مناظر اور متکلم بھی ہیں گفتگو کا سلیقہ خوب جانتے ہیں حدیث اور رجال پر نظر گہری ہے۔'' (محقق العصر مولانا محمد اسحاق کا مختصر تعارف، خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۶)

رمضان صاحب مزید لکھتے ہیں:

''مولانا محمد اسحاق صاحب (حفظہ اللہ) خالص علمی و تحقیقی آدمی ہیں ہمہ وقت

پڑھتے رہتے ہیں تصنیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے''

(خطباتِ اسحاق ج۱ص۱۸)

جناب رمضان صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا اسحاق صاحب بڑے ذی علم اور نکتہ دان عالمِ دین ہیں ان کے خطبات میں علمی شان اور مستند مواد پایا جاتا ہے خواندگان ذی احترام کی خدمت میں مولانا صاحب کے خطبات کا مجموعہ پیش کیا جارہا ہے اس میں سیرت النبی ﷺ پر مشتمل خطبات احاطہ تحریر میں لائے گئے ہیں یہ خطبات مستند معلومات اور صحیح روایات کے تناظر میں پیش کیے گئے ہیں۔'' (خطباتِ اسحاق ج۱ص۱۸، ۱۹)

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ راقم الحروف نے ''اسحاق جھال والا'' صاحب کے خطبات کی دونوں جلدوں کا سرسری (بغیر استیعاب کے) مطالعہ کیا اور ان کے خطبات کو درج ذیل باتوں پر بھی مشتمل پایا ہے:

① ضعیف و مردود روایات ② بے سند و بے اصل آثار و اقوال
③ جہالتیں ④ عجیب و غریب قصے
⑤ خوابوں کی دنیا

اس مختصر مضمون میں ان پانچ اقسام کے بعض حوالے و دلائل پیشِ خدمت ہیں تاکہ عام مسلمانوں کے سامنے اس ''محقق العصر'' کا صحیح علمی مقام و مرتبہ متعین ہو جائے۔

۱۔ ضعیف و مردود روایات

اگرچہ پروپیگنڈا یہ کیا جاتا ہے کہ محمد اسحاق جھال والا صاحب کے خطبات میں صحیح و مستند روایات ہیں لیکن اس کے برعکس ان خطبات میں ضعیف و مردود روایات کثرت سے ملتی ہیں، جن کی دس مثالیں درج ذیل ہیں:

① اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دعا کی تعلیم دی ہے دعا کے الفاظ یہ ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَاتُؤْتِی النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرَ الضَّالِ وَلَا الْمُضِلِّ)) اے اللہ! میرے باطن کو ظاہر سے بہتر بنا اس کیساتھ میرے ظاہر کو بھی درست کر دے۔ اے اللہ! مجھے کنبہ، اولاد اور مال جو بھی اچھی چیزیں تو لوگوں کو دیتا ہے مجھے بھی عطا فرما: اس کیساتھ ہی میں پناہ مانگتا ہوں کہ یہ چیزیں نہ تو مجھے گمراہ کریں نہ خود گمراہ ہوں۔'' (خطبات اسحاق ج۱ص۱۴۶)

تبصرہ: یہ روایت سنن الترمذی (۳۵۸۶ وقال: ھٰذا حدیث غریب... ولیس إسنادہ بالقوی) مشکوٰۃ المصابیح (بتحقیق الالبانی: ۲۵۰۴) وتنقیح الرواۃ (ج۱ص ۱۰۹) وحلیۃ الاولیاء (۵۳/۱) میں موجود ہے۔

اس روایت پر امام ترمذی اور صاحب تنقیح الرواۃ دونوں نے جرح کر رکھی ہے۔ اس کا راوی ابوشیبہ عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی الواسطی مشہور ضعیف راوی ہے جس پر جمہور محدثین نے جرح کر رکھی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''ضعیف'' (تقریب التہذیب: ۳۷۹۹)

ابوشیبہ مذکور پر محدثین کرام کی شدید جروح کے لئے دیکھئے میری کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' (ص۱۰) تحفۃ الاقویاء (۲۰۳)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (سنن الترمذی بتحقیق الالبانی ص ۸۱۵)

④ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ کا طریقہ تھا کہ آنے والے لوگوں سے ایام کفر کے حالات پوچھتے تھے۔ اس شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا سیرا گناہ بھی معاف ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا: کہ بتا کہ تجھ سے کیا گناہ ہوا ہے؟ تو اس شخص نے کہا: کہ میری بہت سی بیٹیاں پیدا ہوئیں میں انہیں زندہ درگور کرتا رہا۔ میں سفر میں گیا تو پیچھے ایک بیٹی پیدا ہوئی میں واپس آیا تو وہ ذرا بڑی ہوگئی تھی۔ میری بیوی کو وہ بہت پیاری تھی میں اس کو مارنا چاہتا تھا مگر میری

بیوی اس میں رکاوٹ بن گئی۔ وہ بڑی ہوتی گئی میری عداوت بھی بڑھتی گئی۔

ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کہا: کہ اس کو تیار کردو! میں اسے اس کے نھیال سے ملوا لاؤں! میری بیوی کو مجھ سے خطرہ تھا اس لئے چلتے وقت اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے اللہ کا خوف دلاتی ہوں کہ اس کو نقصان نہ پہنچانا۔ میں نے اس کے ساتھ عہد کرلیا اور بچی کو لے کر جنگل میں چلا گیا۔ وہاں ایک اندھا کنواں تھا میں اسے اس کے کنارے لے گیا جب اس کو پھینکنے لگا تو اس نے بہت منت سماجت کی وہ کہتی رہی: ہائے ابا! ہائے ابا! وہ آوازیں آج تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں مگر میں اس قدر سنگدل ہوگیا تھا کہ اس پر رحم نہیں آیا اور اسے کنویں میں پھینک دیا۔

رسول اللہ ﷺ اس واقعہ کو سن کر بہت روئے! صحابہ کرام بھی روئے! اس آدمی نے یہ واقعہ سنانے کے بعد پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا میرا رب مجھے بھی معاف کردے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! تیرا رب بہت غفور رحیم ہے۔ وہ سچی توبہ پر سب گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔'' (خطبات اسحاق ج ا ص ۲۰۹، ۲۱۰)

تبصرہ: یہ روایت سنن الدارمی (ح ۲) میں وضین بن عطاء (تبع تابعی) سے مذکور ہے۔ وضین نے اس کی کوئی سند بیان نہیں کی لہٰذا یہ روایت سخت منقطع (معضل) ہونے کی وجہ سے ضعیف ومردود ہے۔

خطباتِ اسحاق کے حاشیے میں اس روایت کے تحت تفہیم القرآن (۲۶۵/۶) کا حوالہ عجیب وغریب ہے کیونکہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ تفہیم القرآن حدیث کی کتاب نہیں ہے۔ تفہیم القرآن میں ایک اور قصہ فرزدق شاعر کے دادا صعصعہ بن ناجیہ سے بحوالہ طبرانی مذکور ہے۔ (ج ۶ ص ۲۶۶)

یہ قصہ طبرانی کی المعجم الکبیر (۹۱/۸، ۹۲ ح ۷۴۱۲) بخاری کی التاریخ الکبیر (۳۱۹/۴ مختصراً) حاکم کی المستدرک (۶۱۰/۳، ۶۱۱ ح ۶۵۶۲) عقیلی کی الضعفاء ۲۲۸/۲۱، ۲۲۹) وغیرہ میں ''العلاء بن الفضل بن عبدالملك عن عباد بن كسيب عن طفيل بن

عمرو عن صعصعة بن ناجية " کی سند سے مروی ہے۔
اس سند کا پہلا راوی العلاء بن الفضل ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب:۵۲۵۲)
دوسرا راوی عباد بن کسیب مجہول الحال ہے۔ابن حبان کے علاوہ کسی نے اس کی توثیق نہیں کی اور بخاری نے کہا:" لا یصح "اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (التاریخ الکبیر ۶/۴۰)
اس کا تیسرا راوی طفیل بن عمرو بھی مجہول الحال یا ضعیف ہے۔ابن حبان کے سوا کسی نے اس کی توثیق نہیں کی اور بخاری نے فرمایا:" لم یصح حدیثه "اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (التاریخ الکبیر ۴/۳۶۴)
عقیلی نے اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ (۲/۲۲۸)
معلوم ہوا کہ یہ سند سخت ضعیف و مردود ہے۔
③ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:
"رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی بکری کو ذبح کرنے کے لئے ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا تو فرمایا کہ اس کو مرنے سے پہلے کیوں موت دے رہے ہو؟ فرمایا: کہ جانور کو ایک دوسرے کے سامنے ذبح نہ کرو اور اس سے پہلے پانی پلاؤ۔"
(خطبات اسحاق ج۱ص۳۹۰)
تبصرہ: یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے تو نہیں ملی مگر محمد بن سیرین کی سند سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے۔
دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۹/۲۸۱) وحاشیہ خطبات اسحاق (ص۳۹۰ ج۱)
امام محمد بن سیرین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے کتاب الثقات لابن حبان (۵/۳۴۹)
لہٰذا یہ موقوف روایت بھی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مرفوع کا تو مجھے کوئی نام و نشان نہیں ملا۔ واللہ أعلم
④ اسحاق صاحب کہتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا نائب ہوتا ہے اور کتاب اللہ کا نائب ہوتا ہے۔“ (خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۳۰۵)

تبصرہ: یہ روایت مجمع الزوائد میں تو نہیں ملی لیکن کامل ابن عدی (۲۱۰۴/۶ دوسرا نسخہ ۲۳۰/۷) اور میزان الاعتدال (۴۰۰/۳ ت ۶۹۲۷) میں ضرور موجود ہے۔

اس سند میں مسلم بن جابر الصدفی کے حالات مجھے نہیں ملے۔ عبداللہ بن لہیعہ تدلیس اور اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کادح بن رحمۃ الزاہد جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔ دیکھئے المجروحین لابن حبان (۲۲۹/۲) ومیزان الاعتدال (۳۹۹/۳) ولسان المیزان (۴۸۰/۴، ۱۴۸۱)

حسن بن حسین الانصاری، احمد بن یحییٰ الاودی اور محمد بن عبدالواحد الناقد کے حالات مطلوب ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ سند سخت ضعیف و مردود ہے۔

الفردوس للدیلمی (۶۲۴۳) کے حاشیے میں ایسی روایت باطل سند کے ساتھ ”بقية عن عبدالله بن نعيم عن سالم بن أبي الجعد عن ثوبان“ کی سند سے مروی ہے۔ (ج ۴ ص ۲۳۶ مع الہامش)

اس کی سند سے قطع نظر بقیہ صدوق، مدلس اور عبداللہ بن نعیم عابد لین الحدیث (التقریب: ۳۶۶۷) یعنی ضعیف ہے۔ سالم بن ابی الجعد نے ثوبان سے کچھ نہیں سنا۔ دیکھئے المراسیل لابن ابی حاتم (ص ۸۰)

یہ سند بھی ظلمات، سخت ضعیف اور مردود ہے۔

⑤ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہیں رمضان المبارک کے انعامات کا علم ہو جائے تو تم یہ تمنا کرو کہ اللہ تعالیٰ سارے سال کو رمضان میں بدل دے۔“

(خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۱۶)

تبصرہ: یہ روایت جریر بن ایوب البجلی الخ کی سند سے درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:
شعب الایمان للبیہقی (۳۶۳۴) صحیح ابن خزیمہ (۱۸۸۶، اسے ابن خزیمہ نے صحیح نہیں کہا بلکہ جرح کی) مسند ابی یعلیٰ (۹/۱۸۰ ح ۵۲۷۳) الموضوعات لابن الجوزی (۲/۱۸۹ ح ۱۱۱۹) الامالی للشجری (۱/۲۹۱، ۲/۲۴ من طریق ابی الشیخ)
سیوطی نے درمنثور میں اسے نوادر الاصول للحکیم الترمذی، الثواب لابی الشیخ، ابن مردویہ اور الترغیب للاصبہانی کی طرف (سیدنا) ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ کی سند سے منسوب کیا ہے۔ (۱/۱۸۶)
اس کا راوی جریر بن ایوب سخت مجروح راوی ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (۲/۱۰۱)
امام بخاری نے کہا: "منکر الحدیث" (کتاب الضعفاء: ۵۰)
امام نسائی نے کہا: "متروك الحديث" (الضعفاء: ۱۰۲)
اس شدید ضعیف راوی کی اس روایت کو ابن الجوزی اور البانی نے موضوع کہا ہے۔
دیکھئے الموضوعات (۲/۱۸۹) وضعیف الترغیب والترہیب (۱/۳۰۳)
سیوطی نے اللآلی المصنوعہ (۲/۱۰۰) میں اس روایت کا ایک شاہد پیش کیا ہے جس کا راوی ہیاج بن بسطام ضعیف اور باقی بہت سے راوی نامعلوم ہیں۔
ایسی ضعیف و مردود روایت کو اسحاق صاحب بطورِ جزم سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

⑥ اسحاق صاحب کہتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا علماء کس وجہ سے لوگوں کی غلط رہنمائی کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا: طمع کی وجہ سے۔"

(خطباتِ اسحاق ۲/۸۰)

تبصرہ: یہ روایت مشکوٰۃ میں بحوالہ دارمی (۱/۱۴۴ ح ۵۹۰) مذکور ہے۔

(المشکوٰۃ: ۲۶۶ و تنقیح الرواۃ ۱/۵۶)

اس روایت کے راوی امام سفیان ثوری کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

شہید ہو گئے تھے لہٰذا یہ روایت سخت منقطع و معضل ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

سنن الدارمی (۵۸۱) میں ایک دوسری روایت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ روایت بھی سخت منقطع و معضل ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے اس کے راوی عبیداللہ بن عمر کی ولادت سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔

⑦ اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: آسمان پر مجھے جتنے فرشتے بھی ملے وہ مسکرا کر ملے مگر جب جہنم کے داروغہ سے ملے تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی۔ آپ نے جبریل سے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جب سے یہ پیدا کیا گیا اس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نہیں آئی اللہ تعالیٰ نے اسے سخت طبع بنایا ہے کہ اس کے دل میں کسی کے لئے رحم نہیں آتا۔'' (خطبات اسحاق ۲/۱۱۲)

تبصرہ: یہ روایت سیوطی کی کتاب الخصائص الکبریٰ (۱/۱۵۵) میں بحوالہ ابن ابی حاتم مذکور ہے۔ ابن ابی حاتم کی سند تفسیر ابن کثیر (۴/۸۸ ح ۴۱۴۷ سورۂ بنی اسرائیل آیت: ۱) میں موجود ہے۔

اس کا راوی خالد بن یزید بن ابی مالک جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا: ''ضعیف مع کونه فقیهًا وقد اتهمه ابن معین'' وہ فقیہ ہونے کے ساتھ ضعیف تھا اور ابن معین نے اسے متہم قرار دیا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۱۶۸۸)

یحییٰ بن معین نے کہا: لیس بشيءٍ (التاریخ، روایۃ عباس الدوری: ۵۱۰۱)

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے کہا: ''هٰذا سیاق فیه غرائب عجیبة''

اس سیاق میں عجیب غرائب ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/۹۰)

خلاصہ یہ کہ یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔

⑧ اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''ایک اور آدمی جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا مسلمان ہوا آپ سے کئی مسائل پوچھے اس کا نام عیینہ بن حصن تھا بعد میں یہ مرتد ہو گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ گرفتار ہوا تو انھوں نے اسے مدینہ کے بچوں کے حوالے کر دیا بچے اسے آگے آگے دوڑاتے اس پر پتھر پھینکتے آوازیں کستے کہ تو مسلمان ہونے کے بعد مرتد کیوں ہوا تو وہ جواب دیتا کہ میں نے کلمہ پڑھا ہی کب تھا۔''

(خطباتِ اسحاق ج ۲ ص ۱۴۵)

تبصرہ: خطباتِ اسحاق کے حاشیے میں اس کا حوالہ حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (۵۵/۳) سے پیش کیا گیا ہے۔ الاصابہ میں اس قسم کا کوئی قصہ مذکور نہیں ہے۔

تنبیہ: الاصابہ وغیرہ میں عیینہ بن حصن کے مرتد اور الاحمق المطاع ہونے کی جتنی روایات مذکور ہیں ان میں سے ایک بھی ثابت نہیں ہے۔ منقطع، مدلس اور ضعیف روایات کو پیش کرنا مردود ہوتا ہے۔

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کو (تالیفِ قلب کے لئے) سو اونٹ عطا فرمائے تھے۔ (ح ۱۰۶۰ وترقیم دار السلام: ۲۴۴۳)

خلاصہ یہ کہ اسحاق جھال والا صاحب کا مذکورہ قصہ بے اصل اور باطل ہے۔

⑨ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''خلیفہ نے اسی ہزار (80000) درہم ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے شام ہونے سے پہلے پہلے سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیئے۔ شام کے وقت نفلی روزہ افطار کرنے کے لئے خادمہ سے کچھ مانگا تو اس نے جواب دیا کہ اماں اگر دو درہم ہی بچا لیتیں تو افطاری کا بندوبست ہو جاتا۔ تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: کوئی بات نہیں! روزہ تو پانی کے ساتھ بھی افطار ہو جائے گا وہ رقم مجھ سے زیادہ مستحق لوگوں تک پہنچ گئی ہے۔'' (خطباتِ اسحاق ج ۲ ص ۴۰، ۴۱ بحوالہ تربیۃ الاولاد غرس لأصول النفسیۃ ج ۱ ص ۶۳، بحوالہ المستدرک للحاکم ۱۳/۴ ح ۶۷۴۵)

تبصرہ: اس روایت کا راوی محمد بن یونس بن موسیٰ الکدیمی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح راوی ہے۔ حافظ ابن حبان نے کہا: وہ ثقہ راویوں پر حدیثیں گھڑتا تھا۔ (المجروحین ۳۱۲/۲)
امام قاسم بن زکریا المطرز نے کہا: میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دوں گا، یہ (کدیمی) تیرے رسول اور علماء پر جھوٹ بولتا تھا۔ (سوالات السہمی للدارقطنی: ۷۴)

اسحاق جھال والا کو اس کذاب راوی کی روایت پیش کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے تھا۔ اس سند کا دوسرا راوی ہشام بن حسان مدلس ہے۔ (طبقات المدلسین: ۱۱۰/۳)
اور روایت بشرطِ صحت معنعن ہے۔

تنبیہ: روایتِ مذکورہ میں خلیفہ کے بجائے (سیدنا) معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کا نام لکھا ہوا ہے جسے اسحاق صاحب نے چھپالیا ہے۔ اس روایت کا متن بھی مختلف ہے۔
اس میں: ''کوئی بات نہیں... پہنچ گئی ہے۔'' والا متن بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ متن اسحاق صاحب نے جوشِ خطابت میں خود بنا ڈالا ہے۔ **واللہ أعلم**

⑩ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

> ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی اونچی آواز میں روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جتنی اونچی آواز میں وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھ کر روئے، دوسری طرف آپ اللہ کی رضا پر راضی تھے آپ کا دل مطمئن تھا کہ اللہ جو کرتا ہے وہ درست ہے۔''

(خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۳۴۷ بحوالہ الرحیق المختوم، مجمع الزوائد ۱۲۱/۶۵ باب مقتل حمزہ، الطبرانی)

تبصرہ: الرحیق المختوم، اردو (ص ۳۸۲) میں یہ روایت بحوالہ مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ (ص ۲۵۵) مذکور ہے۔ مختصر السیرۃ (ص ۲۵۵) میں یہ روایت بحوالہ ابن شاذان بغیر سند کے مذکور ہے۔
ابن شاذان کون ہے اور ابن شاذان سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک سند کہاں ہے؟ اس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔
ذخائر العقبیٰ (۱۸۱/۱) میں لکھا ہوا ہے کہ ''خرجه ابن شاذان وقال: غریب'' اسے

ابن شاذان نے روایت کیا ہے اور غریب قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ غریب اور بے سند روایت ہے جسے اسحاق صاحب لوگوں کے سامنے بطورِ حجت پیش کر رہے ہیں۔

گزارش: میاں محمد یٰسین صاحب نے لکھا تھا کہ اسحاق صاحب ''ایسے لوگوں کی بہت گرفت کرتے ہیں جو موضوع اور کمزور روایتوں سے استدلال کرتے ہیں ایسے لوگوں نے دین کو بہت نقصان پہنچایا ہے'' تو عرض ہے کہ اسحاق صاحب سے فرمایئے کہ اپنی گرفت بھی کریں اور دین کو نقصان نہ پہنچائیں! **فافهم و تدبر**

۲۔ بے سند و بے اصل آثار و اقوال

اس سلسلے کے تین بے سند و بے اصل آثار و اقوال پیشِ خدمت ہیں جنھیں اسحاق صاحب نے بطورِ جزم بیان فرمایا ہے:

① اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''امام جعفر صادق فرماتے ہیں: سب سے افضل عبادت اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر کرنا ہے۔'' (خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۲۴)

امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے یہ قول کہاں فرمایا ہے؟ اس کا کوئی حوالہ اسحاق صاحب نے نہیں بتایا اور ظاہر ہے کہ بے سند و بے حوالہ بات مردود ہوتی ہے۔

② اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام گئے راستے میں وہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر ایک طرف نکل گئے وہاں دیکھا کہ ایک جھونپڑے میں بوڑھی عورت بیٹھی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سلام کیا اور پوچھا اماں! عمر کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ عورت نے کہا: قیامت کے دن عمر کا دامن ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بات سن کر کانپ گئے پوچھا؟ اماں کیا بات ہوئی! اس عورت نے کہا وہ جب سے خلیفہ بنا ہے اس نے میری خبر نہیں لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا؟ اماں! کیا

تم نے کبھی عمر کو اپنے حالات سے آگاہ کیا۔ اسے مدینے میں بیٹھے کیا معلوم تیری کیا حالت ہے۔ اس عورت نے کہا: اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر اسے اپنی رعایا کے حالات کا علم نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد میں فرماتے: کہ خلافت کی حقیقت سے مجھے شام کی اس بوڑھی عورت نے آگاہ کیا۔'' (خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۰۶)

تبصرہ: یہ بے اصل و بے سند قصہ ہے جس کا اسحاق صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔

④ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''امام حسن بصری (رحمہ اللہ) کہتے ہیں: کہ ایک نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا وہ ہر وقت خاموش رہتا۔ میں نے اس سے خاموشی کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا: دو بوجھ ہیں جو مجھے بولنے نہیں دیتے۔

(۱) ایک تو جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھتا ہوں کہ ایک لمحے کیلئے بھی اس کا سلسلہ نہیں رکتا

(۲) دوسری طرف اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی طرف دیکھتا ہوں تو یہ بوجھ کسی بھی لمحے سوچ وفکر سے آزاد نہیں چھوڑتا۔'' (خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۶۸)

تبصرہ: اس قول کی کوئی سند اسحاق صاحب نے بیان نہیں کی۔

۳۔ جہالتیں

اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''شیخ سعدی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ کعبہ کے دروازے پر ایک آدمی رو رو کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہا ہے۔ میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا: میں یہ نہیں کہتا کہ میری نیکیاں قبول فرما! میرے پاس کون سی نیکیاں ہیں میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تو اپنے فضل اور مہربانی سے میرے گناہوں پر معافی کا قلم پھیر دے! شیخ سعدی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ میں۔ نے دیکھا وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (رحمہ اللہ) تھے۔ اتنے بڑے ولی ہو کر وہ اللہ سے التجا کر رہے ہیں۔'' (خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۴۱۹)

تبصرہ: شیخ سعدی شیرازی ۵۸۹ یا ۵۹۰ھ (۱۱۹۳ء) میں پیدا ہوئے۔

دیکھئے ارشاد الطالبین فی احوال المصنفین (ص ۸۲)
جبکہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ۵۶۱ھ میں فوت ہوئے۔
معلوم ہوا کہ شیخ سعدی کی شیخ عبدالقادر سے ملاقات ہی نہیں ہوئی لہٰذا اسحاق صاحب نے یہ قصہ بیان کر کے جھوٹ کا لک توڑ دیا ہے۔ یہ قصہ اسحاق صاحب کی جہالت کا شاہکار ہے۔
☆ سحری کے بارے میں اسحاق صاحب فرماتے ہیں:
''مؤذن کے اللہ اکبر کہنے کے بعد لقمہ بھی منہ میں ڈالنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص افطاری سے ایک منٹ پہلے روزہ کھول لے۔'' (خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۲۰)
تبصرہ: اسحاق صاحب کی یہ بات ان کی جہالت کی ایک اور دلیل ہے جو کہ اس صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں اذان کے وقت سحری کھانے کا جواز ثابت ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۲۳۵۰ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۱/۲۰۳ علیٰ شرط مسلم ووافقہ الذہبی)
یاد رہے کہ اگلے صفحہ (۱۲۱) پر اسحاق صاحب نے اس صحیح حدیث کی بعید ترین تاویل کر رکھی ہے جس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

۴۔ عجیب وغریب قصے

اسحاق صاحب نے اپنے خطبات میں عجیب وغریب قصے بھی بیان کر رکھے ہیں مثلاً:
① اسحاق صاحب کہتے ہیں:
''اولیاء کے تذکروں میں یہ واقعہ محفوظ ہے۔ کہ شیخ بوعلی قلندر جو مجذوب تھے ایک دفعہ شیخ ثناء اللہ پانی پتی (رحمہ اللہ) کے مدرسہ میں گئے۔ بوعلی قلندر کی مونچھیں بہت بڑھی ہوئیں تھیں۔ شیخ ثناء اللہ (رحمہ اللہ) نے ان سے کہا کہ قلندر صاحب! آپ کی مونچھیں بہت بڑی ہیں یہ شریعت کے خلاف ہیں انہیں کٹوا دیجئے! بوعلی قلندر نے علامہ پانی پتی (رحمہ اللہ) سے کہا: کہ ذرا آنکھیں بند کیجئے۔ انھوں نے آنکھیں بند کیں تو دیکھا کہ مونچھوں کا ایک سرا زمین کی گہرائی میں ہے اور دوسرا آسمان سے بھی اوپر ہے۔ بوعلی قلندر نے کہا: کہ اگر انہیں کاٹ سکتے ہو تو کاٹ

دیجئے۔ علامہ پانی پتی (رحمہ اللہ) نے بوعلی قلندر سے کہا: کہ اب ذرا اپنی آنکھیں بند کیجئے! انہوں نے آنکھیں بند کیں تو دیکھا کہ ایک قینچی ہے جس کا ایک سرا ساتویں زمین سے بھی نیچے ہے اور دوسرا سرا آسمان سے بھی بلند ہے۔ بوعلی قلندر نے دیکھ کر فرمایا کہ واقعی شریعت سب چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے آپ میری مونچھیں کاٹ دیجئے۔" (خطبات اسحاق ج۲ص۵۳) [۱ تحفۃ الہند]

تبصرہ: یہ سارا قصہ من گھڑت ہے اور دین کے ساتھ مذاق بھی ہے۔

② اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

"اپنے دور کے بہت بڑے ولی حضرت ابوبکر شبلی (رحمہ اللہ) کو لوگوں نے دیوانہ قرار دے کر جیل میں بھیج دیا کچھ دوست ملاقات کے لئے آئے تو شبلی (رحمہ اللہ) نے ان کی طرف پتھر پھینکنے شروع کر دیئے وہ لوگ گھبرا کر دور چلے گئے تو فرمایا: آپ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: کہ آپ کے دوست! تو فرمایا: کہ کبھی دوست بھی دوست کی مار سے بھاگتا ہے؟ جو بھاگ گیا وہ دوست نہیں! اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سے گھبرا جائے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔" (خطبات اسحاق ج۱ص۵۱)

تبصرہ: بے اصل اور من گھڑت قصہ ہے۔

③ اسحاق صاحب کہتے ہیں:

"جیسا کہ حضرت فضیل بن عیاض (رحمہ اللہ) کی توبہ کا واقعہ آپ نے سنا ان کے بارے میں لکھا ہے کہ جن لوگوں کو انہوں نے لوٹا تھا ان میں بڑے بڑے تاجر شامل تھے آپ ان کے پاس گئے جو کچھ موجود تھا انہیں واپس کر دیا۔ کچھ سے کہا کہ مہلت دے دو میں کما کر واپس کر دوں گا بہت سے لوگوں نے کہا کہ ہمیں تمہارے تائب ہونے کی اتنی خوشی ہے ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔" (خطبات اسحاق ج۱ص۲۱۰)

تبصرہ: یہ بے اصل قصہ ہے۔ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا ڈاکو ہونا صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ اس قسم کے بے اصل قصوں کے لئے دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۵۱/۲۶۴، ۲۶۵) وغیرہ۔

۵۔ خوابوں کی دنیا

اسحاق صاحب اپنے خطبات میں بغیر کسی خوف کے بے اصل خواب بھی بیان کرتے ہیں مثلاً:

① اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''علامہ رشید رضا مصری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مفتی محمد عبدہ (رحمہ اللہ) نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور انھوں نے آپ سے پوچھا: یا رسول اللہ! اگر احد کے دن اللہ تعالیٰ جنگ کے نتیجہ کے بارے میں آپ کو اختیار دیتا تو آپ فتح پسند فرماتے یا شکست پسند فرماتے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ شکست کو پسند کرتا حالانکہ ساری دنیا فتح کو پسند کرتی ہے۔ (تفسیر نمونہ بحوالہ تفسیر المنار ۹۲/۳) '' (خطباتِ اسحاق ج ۲ ص ۱۹۳، ۱۹۴)

تبصرہ: اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ محمد عبدہ (مصری، منکرِ حدیث بدعتی) نے خواب میں ضرور بالضرور رسول اللہ ﷺ کو ہی دیکھا تھا۔ کیا وہ آپ ﷺ کی صورت مبارک پہچانتا تھا؟ کیا اس نے خواب بیان کرنے میں جھوٹ نہیں بولا؟

② اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شاہ عبدالعزیز (رحمہ اللہ) کو خواب میں اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل کرنے کے یہی تین طریقے بتائے تھے۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کرو، نماز ادا کرو، اور اللہ کا ذکر کرو۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾
جو بھی تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔ '' (خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۴۴)

تبصرہ: عبدالعزیز دہلوی کو کس نے بتایا تھا کہ انھوں نے جسے خواب میں دیکھا ہے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں؟

لطیفہ: عبدالعزیز دہلوی کا ایک من گھڑت خواب دیوبندیوں کی کتابوں سے پیش خدمت ہے:

عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی لکھتے ہیں:

''ایک بار شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جناب امیر المومنین علی کرم اللہ

وجہہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ مذاہب اربعہ میں کون مذہب آپ کے مذہب کے مطابق ہے؟ فرمایا ''کوئی بھی نہیں'' پھر سلاسل اربعہ کو دریافت کیا اِس کی بابت بھی وہی جواب ارشاد ہوا کہ کوئی بھی نہیں جب اس خواب کی خبر مرزا جان جانان رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھ بھیجا کہ یہ خواب اضغاث احلام تو نہیں ہے؟ اسکے کیا معنی کہ سلاسل اربعہ اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی ایک بھی جناب امیر کے موافق نہو؟ شاہ صاحب نے جواب لکھا کہ یہ خواب رویائے صالحہ ہے اور عدم موافقت کا یہ مطلب ہے کہ من کل الوجوہ اور ہر ہر جزئیات میں کوئی سلسلہ اور کوئی مذہب آپ کے مذہب کے مطابق نہیں ہے اِسلئے کہ ہر ایک مذہب مذاہب صحابہ کا مجموعہ ہے کوئی مسئلہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے تو کوئی مسئلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور کوئی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور یہی حال سلاسل مشایخ کا ہے۔'' (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۶۷)

تبصرہ: اس جعلی خواب کے سلسلے میں عرض ہے کہ اگر یہ خواب صحیح ہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بات کو لیا جائے گا اور شاہ عبدالعزیز دہلوی یا مرزا جان جانان کی تاویل کو دیوار پر دے مارا جائے گا اور اگر یہ خواب جعلی ہے تو اسے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یہ مختصر تحقیقی مضمون محمد اسحاق صاحب جھال والا کی اصلاح اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے لکھا گیا ہے۔

تنبیہ: محمد اسحاق صاحب جھال والا کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں خطرناک نظریات، اہلِ بدعت کی حمایت اور اہلِ حق پر تنقید کا جائزہ اور دیگر نظریات وعقائد اور اُن کا رد ایک خاص تحقیقی مضمون کا متقاضی ہے۔ اسحاق صاحب بغیر کسی ڈر کے صحیح و ثابت روایات کو موضوع، من گھڑت اور جھوٹ وغیرہ کہہ دیتے ہیں اور علمائے حق کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ اہلِ حدیث ان کے غلط عقائد اور تمام اہلِ بدعت کو راضی کرنے والی پالیسی سے بری ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ (۲۰/فروری ۲۰۰۷ء)

نیموی صاحب کی کتاب: آثار السنن پر ایک نظر

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الأمین، أما بعد:

محمد ظہیر احسن شوق بن سبحان علی نیموی صاحب نے فقہ حنفی کی تائید میں ایک کتاب ''آثار السنن'' مع التعلیق لکھی ہے جسے بعض تقلیدی مدارس میں پڑھایا بھی جاتا ہے۔

آثار السنن کی تعلیق کے شروع میں نیموی صاحب فرماتے ہیں:

''إني رأيت ذات ليلة في المنام أني أحمل فوق رأسي جنازة النبي عليه الصلوٰة والسلام فعبرت عن هذه الرؤيا الصالحة بأن أكون حاملاً لعلمه إن شاء الله العلام.'' میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ اپنے سر پر اُٹھائے جا رہا ہوں پھر میں نے اس نیک خواب کی یہ تعبیر کی کہ میں آپ (ﷺ) کے علم کا حامل بنوں گا۔ ان شاء اللہ (آثار السنن ص ۱۱)

نیموی صاحب نے جو تعبیر بیان کی ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ان کی اس کتاب سے مذکورہ تعبیر کی تائید ہوتی ہے بلکہ اس خواب کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ نیموی صاحب نے تاویلاتِ فاسدہ، تصحیح احادیثِ ضعیفہ، تضعیف احادیثِ صحیحہ اور ثقہ وصدوق راویوں پر طعن و تشنیع کے ذریعے سے نبی ﷺ کی احادیث کا جنازہ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ (استغفر اللہ)

عبدالغنی نابلسی نامی ایک شخص، جس کا اہلِ بدعت کے نزدیک بڑا مقام ہے نے لکھا ہے کہ

''ومن رأى أنه حمل جنازة: أصاب مالاً حراماً''

اور جس نے (خواب میں) دیکھا کہ اُس نے جنازہ اُٹھایا ہے تو اُسے حرام مال ملے گا۔

(تعطیر الانام فی تعبیر المنام ص ۱۳۱ رقم ۵۶۶)

اللہ کے فضل وکرم سے راقم الحروف نے عربی زبان میں آثار السنن کا جائزہ اور تحقیق ''انوار السنن'' کے نام سے لکھی ہے اور یہ کتاب مع آثار السنن بعض فارغ التحصیل طلباء کو

پڑھائی بھی ہے جس کا ریکارڈ ہمارے پاس آڈیو کیسٹوں کی صورت میں موجود ہے۔

تدریس کے دوران میں یہ پروگرام بنا کہ علماء، طلباء اور عام لوگوں کے لئے نیموی صاحب کے بعض تناقضات اور علمی اغلاط کو باحوالہ پیش کر دیا جائے تا کہ آثار السنن اور اس کے مصنف کا اصلی چہرہ واضح ہو جائے۔

تنبیہِ بلیغ: حوالہ دیکھنے کے شائقین کی خدمت میں عرض ہے کہ تمام حوالے محمد اشرف دیوبندی کی تصحیح و تحقیق والے نسخے سے مع حدیث نمبر پیش کئے گئے ہیں جسے مکتبہ حسینیہ قذافی روڈ گرجاکھ گوجرانوالہ سے ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۹۹۱ء کو شائع کیا گیا ہے۔ بعض جگہ دوسرے نسخوں میں ایک دو حدیث کا اختلاف ہوتا ہے لہٰذا حوالہ چیک کرتے وقت اپنے اپنے نسخے میں ایک دو نمبر آگے پیچھے بھی دیکھ لیں تا کہ حوالہ مل جائے۔

تناقضات

نیموی صاحب نے کئی دفعہ ایک ہی راوی کی حدیث کو (جب مرضی کے خلاف تھی تو) ضعیف قرار دیا ہے اور دوسری جگہ اُسی راوی کی حدیث کو (جو مرضی کے مطابق تھی) صحیح وحسن قرار دیا یا نقل کر کے سکوت کیا ہے، جس کی دس (۱۰) مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد عیسیٰ بن جاریہ تابعی رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تراویح کی آٹھ رکعتیں پڑھی تھیں، اس حدیث کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:

"وفي إسناده لين" اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔ (آثار السنن ح ۷۷۳ ص ۳۹۱)

اس کے حاشیے "التعلیق الحسن" میں نیموی صاحب نے عیسیٰ بن جاریہ پر امام ابن معین، امام نسائی، امام ابوداود اور حافظ ابن حجر کی جرح اور ابوزرعہ و ابن حبان کی توثیق نقل کر کے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس حدیث کی سند وسط (درمیانے درجے: حسن) سے گری ہوئی ہے۔

دوسرے مقام پر نیموی صاحب نے مسند ابی یعلیٰ (ج ۳ ص ۳۳۵، ح ۱۷۹۹) کی ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے: "رواه أبو يعلى وإسناده صحيح"

اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ح ۹۶۰ عن جابر رضی اللہ عنہ)
حالانکہ ابویعلیٰ کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ کا نام صاف صاف لکھا ہوا ہے۔
مؤدبانہ عرض ہے کہ جو راوی آٹھ تراویح والی حدیث میں منکر الحدیث وغیرہ ہے(!) وہ خطبے کے دوران میں ممانعتِ کلام والی حدیث میں کس طرح ''صحیح الحدیث'' ہو گیا ہے؟
تنبیہ: عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں حق یہی ہے کہ وہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۷۴ص ۱۵ تا ۲۲، اور میری کتاب ''تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات'' (ج ۱ ص ۵۲۵)

۲: جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی العلاء بن صالح نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے آمین بالجہر کہی۔ دیکھئے الخلافیات للبیہقی (قلمی ۱/۵۱ ۱، الف)
اس روایت کا جواب دیتے ہوئے نیموی صاحب نے العلاء بن صالح کو ثقہ ثبت راویوں سے باہر نکال کر امام ابن المدینی سے نقل کیا ہے کہ ''روی أحادیث مناکیر'' اس نے منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔ (دیکھئے آثار السنن، حاشیہ حدیث: ۳۸۴ ص ۱۹۵)
دوسرے مقام پر علاء بن صالح کی قنوت وتر والی حدیث کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''أخرجه السراج وإسناده حسن'' اسے سراج (ص ۴۰۸ ح ۱۳۳۳، مسند السراج) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۶۲۷)
''منکر حدیثیں'' بیان کرنے والا اور ''شیعہ'' راوی اپنی مرضی والی حدیث میں حسن الحدیث ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ!

۳: ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی نامی ایک متروک ومتہم راوی نے حنفیوں کے خلاف ایک روایت بیان کی ہے جس پر جرح کرتے ہوئے نیموی صاحب نے ابن ابی یحییٰ مذکور کو متروک قرار دینے کے ساتھ اس پر کذاب وغیرہ کی جرحیں نقل کی ہیں۔
(آثار السنن حاشیہ حدیث: ۵۲۴ ص ۲۶۵)
دوسری طرف ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی

قبر پر کنکریاں ڈالی تھیں، اسے امام شافعی نے (مسند شافعی ج ۱ ص ۲۱۵ ح ۵۹۹) "أخبرنا إبراهيم بن محمد عن جعفر بن محمد عن أبيه" کی سند سے روایت کیا ہے۔

(نیز دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۴۱۱ مع الجوہر النقی، کتاب الام للشافعی ج ۱ ص ۲۷۳)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:

"وإسناده مرسل جيد" اور اس کی سند مرسل اچھی (عمدہ) ہے۔ (آثار السنن: ۱۱۰۴)

اگر گستاخی نہ ہو تو عرض ہے کہ متروک وکذاب راوی کی مرسل کس طرح جید (اچھی) ہو سکتی ہے؟

۴: جمہور کے نزدیک ایک موثق راوی ابو غالب نے ایک ایسی روایت بیان کی ہے جس سے ایک وتر پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس روایت پر جرح کرتے ہوئے نیموی صاحب نے ابو غالب مذکور پر میزان الاعتدال سے "فيه شئ" اور بیہقی سے "غير قوي" کی جرح نقل کی ہے۔ (آثار السنن حاشیہ حدیث ۶۰۶ ص ۳۱۲)

آگے چلئے، ابو غالب مذکور نے وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعتوں والی حدیث بیان کی ہے جس میں سورۂ زلزال اور سورۃ الکافرون کی قراءت کی جاتی ہے۔

نیموی صاحب فرماتے ہیں: "رواه أحمد والطحاوي وإسناده حسن"

اسے احمد (۵/۲۶۰) اور طحاوی (شرح معانی الآثار ۱/۲۳۷، دوسرا نسخہ ۱/۳۴۱) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۶۷۱ عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ)

معلوم ہوا کہ ابو غالب مذکور جب ایک وتر والی روایت میں ہوں تو قوی نہیں ہیں اور اگر مرضی والی روایت میں ہوں تو حسن الحدیث ہیں۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے!

۵: عمرو بن مرہ (ثقہ) نے عبداللہ بن سلمہ سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ ہمیں عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے دوپہر (یا چاشت) کے وقت نماز جمعہ پڑھائی اور فرمایا: مجھے تمھارے بارے میں گرمی کا ڈر تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۷ ح ۵۱۳۴ وسندہ حسن)

نیموی صاحب نے اس روایت کو''لیس بالقوي ''یہ قوی نہیں ہے، کہتے ہوئے عبداللہ بن سلمہ پر تغیر (اختلاط) کی جرح کر دی ہے۔ (آثار السنن: ۹۲۰عن عبداللہ بن سلمہ الخ)

دوسرے مقام پر یہی نیموی صاحب ایک لمبی روایت جس میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ایک وتر پڑھنے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر سوال کرنے کا ذکر ہے، کے بارے میں لکھتے ہیں:''رواه الطحاوي وإسناده حسن''اسے طحاوی (۲۰۳/۱، دوسرا نسخہ ۲۹۵/۱) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۶۰۵ عن عبداللہ بن سلمہ الخ)

یاد رہے کہ یہ روایت عبداللہ بن سلمہ سے عمرو بن مرہ ہی نے بیان کر رکھی ہے۔

نیز دیکھئے آثار السنن (ح ۱۰۸)

۶: حسن بن ذکوان نامی ایک راوی نے عن کے ساتھ مروان الاصفر سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں آیا ہے کہ (سیدنا) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے قبلے کی طرف رُخ کر کے پیشاب کیا تھا۔ (سنن ابی داود: ۱۱)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:''وإسناده حسن'' اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۴۳)

نیموی صاحب دوسری جگہ اپنا لکھا ہوا بھول کر ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: حسن بن ذکوان سچے ہیں، غلطیاں کرتے تھے، ان پر قدریہ میں سے ہونے کا الزام ہے اور وہ تدلیس کرتے تھے۔ (آثار السنن: ۳۳۷ ص ۳۶۷ بحوالہ تقریب التہذیب)

عرض ہے کہ جب وہ تدلیس کرتے تھے تو ان کی بیان کردہ (سنن ابی داود: ۱۱، وغیرہ والی) روایت جس میں تصریح سماع نہیں ہے، کیوں کر حسن ہوگئی؟

۷: سعید بن ابی عروبہ مشہور ثقہ مدلس راوی ہیں جنھیں حافظ ابن حجر العسقلانی نے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (۲/۵۰، ص ۳۹) حالانکہ وہ قول راجح میں طبقۂ ثالثہ میں سے ہیں۔

سعید بن ابی عروبہ کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:

"كثير التدليس رواه بالعنعنة" وہ بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے، انھوں نے اسے عن سے روایت کیا ہے۔ (آثار السنن ح ۵۵۰ کا حاشیہ، ص ۲۸۹)

دوسری طرف ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی (تین رکعتوں میں) صرف آخری رکعت میں سلام پھیرتے تھے۔

(سنن النسائی ۲۳۵/۳، ۲۳۶ ح ۱۷۰۲، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۵۷۶، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۷۴۰)

یہ روایت سعید بن ابی عروبہ نے "عن قتادہ عن عزرة عن سعید بن عبدالرحمٰن بن أبزی عن أبیه عن أبی بن کعب" کی سند سے بیان کر رکھی ہے اور نیموی صاحب لکھتے ہیں: "رواه النسائي وإسناده حسن" اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۶۱۱)

اس میں عبدالعزیز بن خالد کے تفرد سے قطعِ نظر عرض ہے کہ سعید بن ابی عروبہ نے یہ روایت عن کے ساتھ بیان کر رکھی ہے لہٰذا اس کی سند حسن کس طرح ہوگئی جبکہ بقول نیموی سعید بن ابی عروبہ کثیر التدلیس ہیں اور مدلس راوی کے بارے میں نیموی صاحب بذاتِ خود لکھتے ہیں کہ مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی۔

دیکھئے آثار السنن (حاشیہ حدیث: ۳۵۳ ص ۱۶۰)

۸: امام نعیم بن حماد المروزی ایک مظلوم محدث ہیں جن کے خلاف اہل الرائے جھوٹا پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ نعیم بن حماد رحمہ اللہ ایک ایسی روایت کی سند میں آگئے جو نیموی صاحب کو پسند نہیں ہے لہٰذا انھوں نے نعیم مظلوم کو شدید جروح کا نشانہ بنایا اور ابن الترکمانی حنفی سے نقل کیا کہ ازدی اور ابن عدی نے اس کے بارے میں کہا: لوگ کہتے ہیں کہ وہ تقویتِ سنت میں حدیث گھڑتا تھا۔ الخ (آثار السنن کی حدیث ۷۷۹ کا حاشیہ، ص ۴۸۹)

ازدی بذاتِ خود ضعیف ہے اور ابن عدی سے یہ جرح ثابت ہی نہیں بلکہ وہ تو امام نعیم بن حماد کا دفاع کرتے تھے۔

دیکھئے میری کتاب "علمی مقالات" (ج ۱ ص ۴۴۹ تا ۴۶۷ عموماً، ص ۴۵۸ خصوصاً)

دوسری طرف حاکم نیشاپوری نے المستدرک (ج ۱ص ۳۵۳ ح ۱۳۰۵) میں نعیم بن حماد کی سند سے ایک حدیث بیان کی ہے، جسے نقل کرنے کے بعد نیموی صاحب لکھتے ہیں:

''رواه الحاكم في المستدرك وقال: حديث صحيح'' اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا: حدیث صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۱۰۵۱ عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ)

کیسا نرالا اصول ہے کہ نعیم بن حماد رحمہ اللہ ایک روایت میں مجروح اور دوسری میں صحیح الحدیث بن جاتے ہیں۔!

۹: ایک روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:

''ورجاله ثقات إلا يحي بن أبي كثير يدلّس'' اور اس کے راوی ثقہ ہیں سوائے یحییٰ بن ابی کثیر کے، وہ تدلیس کرتے تھے۔ (آثار السنن: ۲۰۷ عن زید بن اسلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

تھوڑا سا آگے چلیں، اسی آثار السنن میں بحوالہ السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۵۲/۳) ایک روایت مذکور ہے جسے یحییٰ بن ابی کثیر نے عن کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔

نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''رواه البيهقي و إسناده حسن'' اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۸۴۹ عن انس رضی اللہ عنہ)

۱۰: قاضی شریک بن عبداللہ الکوفی نے ایک روایت بیان کی ہے جو کہ نیموی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے لہٰذا نیموی صاحب نے لیس بالقوی اور لین الحدیث (ضعیف) کہہ کر قاضی شریک کو اپنی جرح کا نشانہ بنایا ہے۔ (دیکھئے آثار السنن حدیث: ۳۲ مع حاشیہ، ص ۳۱)

روایتِ مذکورہ کے بارے میں نیموی صاحب کہتے ہیں: ''وإسناده ضعيف ورفعه وهم'' اور اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا مرفوع ہونا وہم ہے۔ (آثار السنن: ۳۲)

دوسری طرف ایک روایت میں آیا ہے کہ (سیدنا) ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اذان دوہری اور اقامت دوہری کہتے تھے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱ص ۹۵، دوسرا نسخہ ج ۱ص ۱۳۶)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''رواه الطحاوي وإسناده حسن'' اسے طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۲۴۹)

نیموی صاحب نے قاضی شریک کی بیان کردہ کچھ اور روایتوں کو بھی حسن قرار دیا ہے۔

دیکھئے آثار السنن: ۲۴۱، ۳۲۰، ۱۰۹۴

کیا انصاف اسی کا نام ہے کہ اگر مرضی کی روایت ہو تو راوی حسن الحدیث یا صحیح الحدیث ہوتا ہے اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو وہی راوی ضعیف الحدیث وغیرہ بن جاتا ہے۔؟!

قارئین کرام اس طرح کے اور بھی کئی حوالے ہیں مثلاً:

۱: محمد بن اسحاق بن یسار

(صحح لہ: ۸۳۴، ۹۱۳، حسن لہ: ۳۹، ۲۶۴، ۳۴۹، ۸۴۹، قواہ: ۱۰۸۱، ضعف لہ: ۲۳۲، ۳۵۳، ۹۳۲)

۲: ابوالزبیر (صحح لہ: ۱۸۸، نقل تصحیحہ: ۱۸۷، وقال فیہ: مدلس ۸۶۲)

۳: سفیان بن سعید الثوری (صحح لہ: ۴۰۲، ۵۱۵، رماہ بالتدلیس: حاشیہ حدیث ۳۸۴ ص ۱۹۴)

۴: مطلب بن عبداللہ بن حطب

(نقل تصحیح ابن خزیمہ لحدیثہ: ۲۹۴، رماہ بالتدلیس حاشیہ حدیث ۶۰۶ ص ۳۱۲)

راویوں کے بارے میں نیموی صاحب کے بعض تناقضات وتعارضات باحوالہ پیش کرنے کے بعد اب ان کی چند علمی خطائیں پیش خدمت ہیں:

ضعیف روایات

آثار السنن میں بہت سی ضعیف ومردود روایات کو حسن یا صحیح کہا گیا ہے جن میں سے بعض کے حوالے درج ذیل ہیں:

۱: ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک بلی نے ہریسہ نامی ایک حلوے میں سے کھایا پھر بعد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہیں سے کھایا جہاں سے بلی نے کھایا تھا۔ (سنن ابی داود: ۷۶)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''وإسناده حسن''

اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۱۴)

حالانکہ اس روایت میں داود بن صالح بن دینار التمار کی ماں مجہولۃ الحال ہے۔ اس عورت کے بارے میں ابن الترکمانی (حنفی) محدث طحاوی سے نقل فرماتے ہیں:

وہ اہلِ علم کے نزدیک معروف نہیں (یعنی مجہولہ/ مجہول) ہے۔ (الجوہر النقی ج ا ص ۲۴۸)

۲: نیموی صاحب نے سنن ابی داود (۳۸۶) کی ایک روایت کو "وإسناده حسن" لکھا ہے۔ (آثار السنن: ۵۷)

حالانکہ اس روایت میں محمد بن کثیر الصنعانی المصیصی ضعیف راوی ہے اور خود نیموی صاحب نے اس پر کئی محدثین سے جرح (اور بعض سے توثیق) نقل کی ہے۔
دیکھئے آثار السنن (حاشیہ حدیث: ۶۰۶ ص ۳۱۲)

۳: ایک روایت میں آیا ہے کہ جب تُو وضو کرے تو بسم اللہ اور الحمد للہ کہہ الخ
(المعجم الصغیر للطبرانی ج ا ص ۷۳)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب نے حافظ ہیثمی سے نقل کیا ہے۔
"إسناده حسن" (آثار السنن: ۱۲۵) حالانکہ اس روایت کی سند میں ابراہیم بن محمد البصری نامعلوم ومجہول ہے۔

۴: ابوعمرو الندبی بشر بن حرب نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے جس کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: "رواه أحمد وإسناده حسن"
اسے احمد (۲/ ۵۰ ح ۵۱۱۲) نے بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۹۳)
یہ روایت امام احمد کی سند سے خطیب بغدادی کی کتاب موضح اوہام الجمع والتفریق (۲/ ۲) میں بھی موجود ہے۔ اس روایت کا بنیادی راوی بشر بن حرب (جمہور محدثین کے نزدیک) ضعیف ہے۔ دیکھئے تحریر تقریب التہذیب (۶۸۱) اور تہذیب الکمال (۱/ ۳۴۹)
زیلعی حنفی نے نصب الرایہ (۲/ ۱۳۴) میں بشر بن حرب الندبی پر جرح نقل کی ہے۔

۵: سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۱۲ ح ۷۸۲۷) کی ایک روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:
"وإسناده صحيح" اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۵۳۵)
حالانکہ اس کا راوی ابوسعد شرحبیل بن سعد المدنی الانصاری جمہور محدثین کے نزدیک

ضعیف ہے۔ ہیثمی فرماتے ہیں: ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا اور جمہور اماموں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۱۵/۴)

۶: صبح کی دو سنتیں پڑھنے کی تاکید میں ایک روایت سنن ابی داود (۱۲۵۸) اور مسند احمد (۴۰۵/۲) میں آئی ہے، جس کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:

"وإسناده صحيح" (آثار السنن: ۴۰۸)

عرض ہے کہ اس روایت کی سند میں (جابر یا عبدربہ) ابن سیلان مجہول الحال ہے جسے سوائے ابن حبان کے کسی نے ثقہ قرار نہیں دیا۔ حافظ ذہبی نے اسے لا یعرف اور ابن القطان الفاسی نے "حاله مجهولة" قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ حافظ ابن حبان کو خود نیموی صاحب نے متساہل قرار دیا ہے۔ دیکھئے آثار السنن حاشیہ حدیث: ۳۵۴ ص ۱۶۳

اس کے باوجود صرف متساہل کی کیلی توثیق پر اعتماد کر کے نیموی صاحب احادیث کو صحیح یا حسن قرار دیتے ہیں۔ (مثلاً دیکھئے ح ۱۳۱، ۱۴۹، ۱۵۰، ۶۸۲، ۷۴۸، ۷۷۱، ۹۹۵)

۷: لیث بن ابی سلیم نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے جس کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: "وإسناده صحيح" (آثار السنن: ۸۷۴)

حالانکہ لیث بن ابی سلیم کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے زوائد ابن ماجہ للبوصیری (۲۰۸، ۲۳۰، ۲۱۷، ۱۹۰۱، ۲۱۸۹، ۲۹۷۲) البدر المنیر لابن الملقن (۱۰۴/۲) خلاصۃ البدر المنیر (۷۸)

۸: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ رکوع سے پہلے قنوت وتر پڑھتے تھے۔ الخ (جزء رفع الیدین للبخاری: ۹۹ بتحقیقی)

اس موقوف روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: "وإسناده صحيح" (آثار السنن: ۶۳۵) حالانکہ اس روایت کی سند میں لیث بن ابی سلیم جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ دیکھئے حدیث سابق: ۷

۹: جمعہ کے دن کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث المعجم الاوسط للطبرانی (۱۵۱/۸ ح ۷۳۰۳) میں ہے جس کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: "وإسناده صحيح"

(آثار السنن: ۸۸۱ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

اس روایت کی سند میں ضحاک بن حمزہ (صوابہ: حمرہ) ہے جو کہ ضعیف ہے۔
دیکھئے تقریب التہذیب (۲۹۶۶) اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۰: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نو نو (۹، ۹) تکبیریں کہتے تھے، پہلی میں چار اور رکوع والی تکبیر، دوسری میں رکوع سمیت چار تکبیریں۔
دیکھئے المعجم الکبیر (۹/۳۵۰ ح ۹۵۱۳)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:
"رواه الطبراني في الكبير وإسناده صحيح" اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۹۹۹ عن کردوس الخ)

اس روایت کی سند میں کردوس مجہول الحال ہے اور عبدالملک بن عمیر مدلس ہیں جو اسے عن کے ساتھ روایت کر رہے ہیں۔

لطیفہ: آثار السنن کا ایک نسخہ فیض احمد دیوبندی کی تحقیق سے مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہوا ہے جس کے ص ۲۴۰ پر ح ۷۵۲ کے حاشیے کی تعلیق پر لکھا ہوا ہے:

"لكن عبد الملك ابن عمير ربما دلس كما في التقريب وقد عنعنه فلا يدرى أنه سمعه من جابر أو بينهما رجل"

لیکن عبدالملک بن عمیر بعض اوقات تدلیس کرتے تھے جیسا کہ تقریب میں ہے اور یہ روایت انھوں نے عن سے بیان کی ہے لہٰذا پتا نہیں کہ انھوں نے یہ جابر (بن یزید) سے سُنی ہے یا ان کے درمیان کوئی (دوسرا) آدمی ہے۔ (ص ۲۴۰)

نیموی اصول کی رُو سے ایک ہی راوی کبھی مدلس ہوتا ہے اور کبھی اس کی عن والی روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔ سبحان اللہ!

اس طرح کی اور مثالیں بھی ہیں جن میں ضعیف روایات کو نیموی صاحب نے حسن یا صحیح کہا ہے بلکہ بعض اوقات انھوں نے موضوع روایات کو بھی بطورِ استدلال ذکر کیا ہے،

جس کی دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

ا: مسند بزار (کشف الاستار ۱/۳۰ اح ۲۴۶) میں یوسف بن خالد (السمتی) کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں نیموی صاحب نے حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے:

''إسناده حسن'' (آثار السنن: ۴۳)

اس یوسف بن خالد السمتی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

''كذاب خبيث عدو الله رجل سوء، يخاصم في الدين، لا يحدث عنه أحد فيه خير، رأيته ما لا أحصي بالبصرة''

کذاب، خبیث، اللہ کا دشمن (اور) بُرا آدمی ہے، یہ دین میں جھگڑا کرتا ہے، جس میں خیر ہے وہ اس سے حدیث بیان نہیں کرتا، میں نے اسے بے شمار دفعہ بصرہ میں دیکھا ہے۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۴/۴۵۳ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے جسے حافظ ابن حجر نے تساہل کا شکار ہو کر حسن کہہ دیا ہے اور نیموی صاحب نے آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید کی ہے۔

۲: ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جمعہ کے دن ہر مسلمان کو بخش دیتا ہے۔

(الاوسط للطبرانی ۵/۱۲۴ ح ۴۸۱۴)

اس روایت میں امام طبرانی سے ابو عمار اور ابو عروہ کے تعین میں غلطی ہوئی ہے۔

ابو عمار سے مراد زیاد بن میمون البصری ہے۔ دیکھئے الکامل لابن عدی (۳/۱۰۴۴)

ابو عمار زیاد بن میمون الفاکہی کے بارے میں امام یزید بن ہارون نے کہا: وكان كذاباً إلخ اور وہ جھوٹا تھا۔ (الجرح والتعدیل ۳/۵۴۴ وسندہ صحیح)

لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سند میں ابو عروہ مجہول و نامعلوم ہے۔

صحیح احادیث پر حملہ

نیموی صاحب نے راویوں کے بارے میں تناقضات اور ضعیف و مردود روایات کی تصحیح کے ساتھ صحیح احادیث کو بھی ضعیف و مضطرب قرار دینے کی جسارت فرمائی ہے مثلاً:

۱: ایک دفعہ نبی ﷺ نماز میں بھول گئے تو ذوالیدین (خرباق رضی اللہ عنہ) نے آپ کو بتایا تھا اور لوگوں نے ان کی تصدیق کی تھی، یہ حدیث صحیحین (صحیح بخاری :۴۸۲، صحیح مسلم:۵۷۳) میں موجود ہے۔ اس صحیح حدیث پر حملہ کرتے ہوئے نیموی صاحب لکھتے ہیں:

یہ روایت اگرچہ صحیحین میں ہے لیکن کئی وجہ سے مضطرب (یعنی ضعیف) ہے۔

(آثار السنن:۵۵۰)

۲: سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے اونچی آواز سے آمین کہی۔ (سنن ابی داود:۹۳۲)

اس حدیث کو سلمہ بن کہیل رحمہ اللہ سے درج ذیل راویوں نے بیان کیا ہے:

۱: سفیان ثوری (آمین بالجہر)

۲: علاء بن صالح (آمین بالجہر)

۳: علی بن صالح / ایک روایت میں (آمین بالجہر)

۴: یحییٰ بن سلمہ بن کہیل / متروک و مجروح (آمین بالجہر)

۵: شعبہ بن الحجاج (آمین بالسر) اور ایک روایت میں آمین بالجہر

سفیان ثوری کی بیان کردہ درج بالا حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: حسن

(سنن الترمذی:۲۴۸)

امام دارقطنی نے صحیح قرار دیا۔ (سنن الدارقطنی ۳۳۴/۱)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے صحیح کہا۔ (التلخیص الحبیر ۲۳۶/۱)

مگر نیموی صاحب امام شعبہ کے اختلاف کی وجہ سے اسے ''وھو حدیث مضطرب'' لکھتے ہیں یعنی یہ حدیث مضطرب (ضعیف) ہے۔ (آثار السنن:۳۷۷)

آگے جا کر یہی نیموی صاحب امام شعبہ کی روایت کے بارے مین تدلیسانہ انداز میں لکھتے ہیں: ''وإسناده صحیح وفي متنه اضطراب'' اوراس کی سند صحیح ہے اوراس کے متن میں اضطراب ہے۔ (آثار السنن:۳۸۴)

عرض ہے کہ اگر متن میں اضطراب ہے تو سند صحیح نہیں ہے اور اگر سند صحیح ہے تو متن میں اضطراب کہاں سے آ گیا؟ یاد رہے کہ نیموی صاحب فرماتے ہیں: ''الاضطراب یورث الضعف'' اضطراب سے ضعیف ہونا نکلتا ہے۔ (آثار السنن ص ۱۷ حدیث ۵ کا حاشیہ)

اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں مثلاً فاتحہ خلف الامام کی ایک صحیح حدیث محمد بن ابی عائشہ (ثقہ تابعی) عن رجل من اصحاب النبی ﷺ کی سند سے مروی ہے۔ (مسند احمد ۶۰/۵)

اس حدیث کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''وإسناده ضعیف'' اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (آثار السنن: ۳۵۶)

دوسری طرف محمد بن اسحاق بن یسار کی محمد بن جعفر عن عروہ بن زبیر کی سند سے ''عن امراۃ من بنی النجار'' والی روایت کے بارے میں نیموی صاحب نے حافظ ابن حجر سے ''إسناده حسن'' نقل کیا ہے۔ (آثار السنن: ۲۶۳)

مبلغِ علم

نیموی صاحب نے استدلال کرتے ہوئے کئی ضعیف و مردود روایات کی تصحیح نقل کر کے طلباء وعوام کی خدمت میں پیش کر دی ہیں مثلاً:

۱: سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سلام پھیرنے کے بعد سورۃ الصّٰفّٰت کی آخری تین آیتیں پڑھتے تھے۔

(مسند ابی یعلیٰ ۲/۳۶۳ ح ۱۱۱۸، المقصد العلی فی زوائد ابی یعلیٰ للہیثمی ۱/۱۴۴ ح ۲۹۹)

یہ روایت بیان کرنے کے بعد نیموی صاحب حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد ۲/۱۴۷، ۱۴۸) سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (آثار السنن: ۴۷۹)

عرض ہے کہ یہ روایت ابو ہارون عمارہ بن جوین العبدی نے سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے نہ کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابو ہارون سخت مجروح راوی ہے۔ اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے گواہی دی: ''وکان عندھم لا یصدق في حدیثه'' اور وہ ان (محدثین) کے نزدیک اپنی حدیثوں میں سچا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

(تاریخ ابن معین روایۃ عباس الدوری: ۳۶۲۴)

امام حماد بن زید نے کہا: ابو ہارون العبدی کذاب تھا۔ الخ (الجرح والتعدیل ۶۴/۶ ۳ وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے جسے غلطی سے حافظ ہیثمی نے ''رجالہ ثقات'' لکھ دیا ہے اور نیموی صاحب نے بغیر تحقیق کے ان کی پیروی کی ہے۔

۲: سیدنا شیبان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک حدیث میں صبح کی اذان، مؤذن اور سحری کا ذکر ہے جسے طبرانی (المعجم الکبیر ۳۱۲/۷ ح ۷۲۲۸) نے روایت کیا ہے۔

نیز دیکھئے نصب الرایہ (۲۸۹/۱) اور مجمع الزوائد (۱۵۳/۳)

نیموی صاحب نے اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر سے بحوالہ الدرایہ (۱۲۰/۱) نقل کیا ہے کہ ''إسنادہ صحیح'' (آثار السنن: ۲۶۰)

عرض ہے کہ اسے قیس بن ربیع نے اشعث بن سوار سے، اشعث بن سوار نے عن یحییٰ بن عبادہ عن جدہ شیبان کی سند سے روایت کیا ہے۔ قیس بن ربیع سے قطع نظر کرتے ہوئے اشعث بن سوار ضعیف راوی ہے۔ مثلاً دیکھئے تقریب التہذیب (۵۲۴) اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أشعث بن سوار ضعیف الحدیث'' (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲۹۴/۱ ت ۱۱۴۶)

اس طرح کی مثالیں اور بھی ہیں لیکن ہمارا یہ مضمون طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے لہٰذا اختصار کے پیشِ نظر چند باتیں پیش کر کے اس تحقیقی مضمون کو سمیٹنا چاہتا ہوں۔

۱: نیموی صاحب نے ایک اصول بنایا ہے کہ مختلف فیہ راوی کی روایت حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۱۰۱ حاشیہ حدیث: ۲۱۸)

دوسری طرف انھوں نے بہت سی ایسی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے جن کے راوی مختلف فیہ ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں مثلاً کامل بن العلاء ابو العلاء، محمد بن اسحاق بن یسار، اسامہ بن زید اللیثی اور عبید اللہ بن عمرو الرقی وغیرہم۔

۲: نیموی صاحب کو کئی جگہ حوالوں کی غلطیاں بھی لگی ہوئی ہیں مثلاً:

۱: نیموی صاحب فرماتے ہیں: "ماروا ہ البخاري فیه أي في صحیحه ..."
جو بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (آثار السنن ص ۲۶۷ حاشیہ حدیث: ۵۳۰)
حالانکہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے۔
۲: نیموی صاحب نے "رمقت النبي ﷺ شهراً" والی حدیث کو سوائے نسائی کے کتب خمسہ (سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد) کی طرف منسوب کیا ہے۔ (آثار السنن: ۷۱۰ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)
حالانکہ یہ روایت سنن ابی داود میں موجود نہیں ہے اور حافظ مزی نے بھی اسے صرف ترمذی، النسائی اور ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھئے تحفۃ الاشراف (۶/۲۹ ح ۷۳۸۱)
لیکن یاد رہے کہ ایسی اخطاء، اوہام، اور سہو کی وجہ سے فریق مخالف کو کذاب وغیرہ کہنا غلط، زیادتی اور ظلم ہے کیونکہ اخطاء و اوہام سے کوئی اُمتی معصوم نہیں ہے۔
۳: الحسین بن الفضل البجلی نے صحیح سند کے ساتھ مشہور ثقہ تابعی عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ تین وتر پڑھتے تو ان کے درمیان نہ بیٹھتے اور تشہد صرف آخری رکعت میں پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۹ بحوالہ الحاکم)
مستدرک الحاکم کے مطبوعہ نسخے (۱/۳۰۵ ح ۱۱۴۲) میں غلطی سے الحسین بن الفضل البجلی کے بجائے الحسن بن الفضل چھپ گیا ہے جسے نیموی صاحب نے شدید جرح کا نشانہ بنایا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۳۲۲ حدیث: ۶۲۵ کا حاشیہ)
حسن بن فضل الزعفرانی البوصرائی ۲۸۰ھ میں فوت ہوا تھا (تاریخ الاسلام للذہبی ۲۰/۳۳۴، لسان المیزان ۲/۲۴۴، دوسرا نسخہ ۲/۴۵۳) جبکہ الحسین بن الفضل البجلی رحمہ اللہ ۲۸۲ھ یا ۲۸۳ھ کو فوت ہوئے تھے اور محمد بن صالح بن ہانی نے ان کا جنازہ پڑھایا تھا۔
دیکھئے تاریخ الاسلام (۲۱/۱۶۴) سیر اعلام النبلاء (۱۳/۴۱۶)
مستدرک میں محمد بن صالح بن ہانی کی الحسین بن الفضل البجلی سے تیس (۳۰) سے زیادہ روایتیں ہیں جن میں سے کئی کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

مثلاً دیکھئے ج ۱ص ۱۹۰ ح ۶۸۲ ، ج ۲ص ۱۴۲ ح ۶۲۳۰ ، ج ۲ص ۲۵۱ ح ۲۹۹۳،
ج ۲ص ۲۸۹ ح ۳۱۴۳ وغیرہ۔
بعض روایات حسین بن فضل البجلی نے سلیمان بن حرب سے بیان کر رکھی ہیں۔
مثلاً دیکھئے المستدرک ج ۲ص ۴۳۴ ح ۳۶۲۵ ، ج ۴ص ۱۷۵ ح ۷۳۴۲
یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ مستدرک کے مطبوعہ نسخے میں بعض جگہ الحسین بن الفضل البجلی کے بجائے الحسن بن الفضل البجلی غلطی سے چھپ گیا ہے۔ مثلاً دیکھئے المستدرک (ج ۱ص ۵۶ ح ۱۸۵، ج ۲ص ۲۲۱ ح ۲۸۷۵، ج ۳ ص ۶۱۹، ۶۲۰ ح ۶۶۰۰) اور اتحاف المہرہ للحافظ ابن حجر (۱۴/ ۴۷۳ ح ۱۸۰۳۱، ۱۱/ ۶۰ ح ۱۳۶۹۰)
نیموی صاحب نے روایتِ مذکورہ کی تحقیق کے بغیر الحسن بن الفضل الزعفرانی البوصرائی پر جرح کردی ہے۔ دیکھئے آثار السنن (حاشیہ حدیث: ۶۲۵ ص ۳۲۲)
حالانکہ یہ راوی الزعفرانی نہیں بلکہ البجلی ہے اور جمہور کے نزدیک موثق ہے۔ اس کے حالات کے لئے لسان المیزان (۲/ ۳۰۷۔ ۳۰۸) اور سیر اعلام النبلاء (۱۳/ ۴۱۴۔ ۴۱۶) وغیرہما دیکھیں لہٰذا یہ سند حسن لذاتہ ہے۔
خلاصۃ التحقیق: اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالحئ لکھنوی صاحب کے شاگرد شوق نیموی صاحب نے آثار السنن کی تصنیف میں انصاف و تحقیق سے کام نہیں لیا بلکہ مذہبی تعصب کی بنیاد پر جرح و تعدیل اور تصحیح و تضعیف کا مظاہرہ کیا ہے۔ (۴/ جون ۲۰۰۸ء)

پالن دیوبندی اور خلفائے راشدین

.......................کے نام!

بعداز سلام مسنون عرض ہے کہ آپ کی طرف سے پالن گجراتی (دیوبندی) کی کتاب ''جماعت اہل حدیث کا خلفائے راشدین سے اختلاف'' برائے مطالعہ بھیجی گئی ہے جس میں پالن نامی شخص نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہلِ حدیث خلفائے راشدین سے اختلاف رکھتے ہیں۔

اہلِ حدیث: اہلِ حدیث سے مراد دو گروہ ہیں:

① محدثین کرام جو حدیثیں لکھتے اور روایت کرتے تھے۔ الخ

② حدیث پر عمل کرنے والے لوگ یعنی محدثین کرام کے عوام

دیکھئے مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (ج۴ ص۹۵)

سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''اہل حدیث سے وہ حضرات مراد ہیں جو حدیث کے حفظ و فہم اور اس کے اتباع و پیروی کے جذبہ سے سرشار اور بہرہ ور ہوں'' (طائفہ منصورہ ص ۳۸)

یہ عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ خلفائے راشدین (سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ) حدیث کا حفظ و فہم رکھتے تھے اور اس کی اتباع و پیروی کے جذبہ سے بھی سرشار اور بہرہ ور تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ خلفائے راشدین اہلِ حدیث ہیں۔ والحمدللہ

تراویح: پالن نامی شخص نے اِدھر اُدھر کی باتیں لکھنے کے بعد ''مسلک اہل حدیث اور نماز تراویح'' کا باب باندھ کر یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ نمازِ تراویح (قیام رمضان) کے مسئلے میں اہلِ حدیث خلفائے راشدین کے خلاف ہیں۔

سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے (سیدنا) ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) اور (سیدنا) تمیم الداری (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ (موطأ امام مالک ج ۱ ص ۱۱۴ ح ۲۴۹)

اس فاروقی حکم کے بارے میں نیموی تقلیدی لکھتے ہیں: ''وإسناده صحيح''
اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ص ۲۵۰ ح ۷۷۵)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ''تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ'' ص ۲۲ تا ۲۵

یاد رہے کہ صحیح متصل سند کے ساتھ خلفائے راشدین میں سے کسی ایک سے بھی بیس رکعات تراویح کا حکم یا پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

بعض دیوبندی حضرات ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید (الانصاری) نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں۔

(آثار السنن حدیث نمبر ۷۷۹ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

عرض ہے کہ یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف یعنی مردود ہے۔

نیموی تقلیدی نے ہیر پھیر کرنے کے باوجود اس روایت کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ''لیکن یحییٰ بن سعید الانصاری نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔'' (حاشیہ آثار السنن ص ۲۵۳ ح ۷۸۰)

جب یحییٰ بن سعید کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی نہیں ہے بلکہ وہ تو آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے کافی عرصہ بعد پیدا ہوئے تھے تو ایسی ضعیف روایت کو گیارہ (۱۱) رکعات والی صحیح روایت کے خلاف کس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔

خلفائے راشدین: اہلِ حدیث کے نزدیک قرآن، حدیث اور اجماع کے بعد خلفائے راشدین کی بات سر آنکھوں پر ہے مگر افسوس ہے ان دیوبندیوں پر جو بہت سے مسائل میں خلفائے راشدین کے خلاف ہیں، جن میں سے گیارہ مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

مثال نمبر ۱: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ظہر کا وقت ایک ذراع سایہ ہونے سے لے کر آدمی کے برابر سایہ ہونے تک ہے۔ (الاوسط لابن المنذر ج ۲ ص ۳۲۸ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل ہونے پر شروع ہو جاتا ہے مگر اس فتوے کے مخالف آلِ دیوبند کا یہ طرزِ عمل ہے کہ وہ دو مثل کے بعد عصر کی اذان دیتے ہیں۔

مثال نمبر ۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ صبح کی نماز پڑھو اور ستارے صاف گھنے ہوئے ہوں۔ (موطأ امام مالک ج ۱ ص ۶ ح ۶ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے مگر اس فاروقی حکم کے سراسر مخالف دیوبندی حضرات خوب روشنی کر کے صبح کی نماز پڑھتے ہیں۔

مثال نمبر ۳: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔

(الاوسط لابن المنذر ج ۱ ص ۴۶۲ وسندہ صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے مخالف دیوبندی کہتے ہیں کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے۔

مثال نمبر ۴: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جس نے سجدہ (تلاوت) کیا تو صحیح کیا اور جس نے سجدہ نہ کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے'' اور عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: ۱۰۷۷)

جبکہ دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

مثال نمبر ۵: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نماز کی طرح وتر حتمی (واجب اور ضروری) نہیں ہے لیکن وہ سنت ہے پس اسے نہ چھوڑو۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷ ح ۸۴۲ وسندہ حسن)

جبکہ دیوبندی کہتے ہیں کہ وتر واجب ہے۔

مثال نمبر ۶: عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے بسم اللہ جہراً (اونچی آواز سے) پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۲ ح ۴۱۵۷، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۳۷، وسندہ صحیح)

جبکہ آلِ دیوبند کبھی (نماز میں) اونچی آواز سے بسم اللہ نہیں پڑھتے۔

مثال نمبر ۷: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ الحج پڑھی تو اس میں دو سجدے کیے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱ ح ۴۲۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۳۱۷ وسندہ صحیح)

جبکہ دیو بندی حضرات اس سورت میں صرف ایک سجدے کے قائل ہیں اور دوسرے سجدے کو ''السجدة عند الشافعي'' کہتے ہیں!

مثال نمبر ۸: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک تابعی نے قراءت خلف الامام کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''اِقرأ بفاتحة الکتاب'' سورۂ فاتحہ پڑھ اس نے کہا: اگر آپ قراءت بالجہر کر رہے ہوں تو؟ انھوں نے فرمایا: اگرچہ میں جہر سے پڑھ رہا ہوں تو بھی پڑھ۔ (المستدرک للحاکم ج۱ص۲۳۹ وصححہ الحاکم والذہبی)

نیز دیکھئے کتاب الکواکب الدریہ (ص۸۴تا۹۰)

اس فاروقی حکم کے برخلاف دیو بندی یہ کہتے پھرتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔

مثال نمبر ۹: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو عورت بھی ولی کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ الخ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۷ص۱۱۱، وقال: هذا إسناده صحیح)

جبکہ دیو بندی یہ کہتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے۔

مثال نمبر ۱۰: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف ایک رکعت وتر پڑھا اور فرمایا:

''هي وتري'' یہ میرا وتر ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۳ص۲۵ وسندہ حسن)

جبکہ آلِ دیو بند یہ کہتے ہیں کہ ایک رکعت وتر جائز نہیں ہے۔

مثال نمبر ۱۱: سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں جگہ رفع یدین کرتے تھے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (ج۲ص۷۳ وسندہ صحیح)

اس حدیث کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رواته ثقات'' اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (ج۲ص۷۳)

دیو بندیوں کی طرف سے اس حدیث پر تین اعتراضات کئے جاتے ہیں:

① محمد بن عبداللہ الصفار نے سماع کی تصریح نہیں کی اور یہ روایت اس کے سوا کسی نے بیان نہیں کی۔

جواب: محمد بن عبداللہ الصفار کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے اور وہ اپنے استاذ سے بیان کر رہے ہیں لہٰذا یہ روایت سماع پر محمول ہے۔ الصفار مذکور ثقہ ہیں لہٰذا ان کا تفرد (اکیلے بیان کرنا) مضر نہیں ہے۔

② ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل السلمی پر کلام ہے۔

جواب: یہ کلام باطل ہے کیونکہ جمہور محدثین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ثقہ حافظ ہیں، ابو حاتم (کے بیٹے) کا کلام ان کے بارے میں واضح نہیں ہے۔ (تقریب التہذیب: ۵۷۳۸)

③ ابو النعمان محمد بن فضل کا دماغ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا۔

جواب: اس کے دو جوابات ہیں:

اول: حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ''تغیر قبل موته فما حدّث'' وہ اپنی موت سے پہلے تغیر کا شکار ہوئے تھے پس انھوں نے (اس حالت میں) کوئی حدیث بیان نہیں کی۔

(الکاشف ج ۳ ص ۷۹ ت ۵۱۹۷)

دوم: روایت مذکورہ میں امام محمد بن اسماعیل السلمی فرماتے ہیں: میں نے محمد بن الفضل کے پیچھے نماز پڑھی۔ الخ (السنن الکبریٰ ۲؍۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ان کے دماغ خراب ہونے سے پہلے کی ہے ورنہ جس کا دماغ خراب ہو جائے اُس کو امام کون بناتا ہے اور اس کے پیچھے تو وہی نماز پڑھتا ہے جس کا اپنا دماغ خراب ہو۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے رفع یدین کرنا ثابت ہے اور نہ کرنا ثابت نہیں جبکہ صدیقی حکم کے سراسر خلاف دیوبندی حضرات یہ کہتے پھرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ منسوخ یا متروک ہے۔ سبحان اللہ!

پالن دیوبندی نے قیام رمضان عرف تراویح کے دروازے سے داخل ہو کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اہلِ حدیث خلفائے راشدین کے خلاف ہیں لیکن ہوا یہ کہ پالن

خود اپنے جال میں پھنس گیا کیونکہ خلیفۂ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے تو گیارہ رکعات ثابت ہوگئیں اور بیس رکعات کا بسند صحیح متصل کا تو نام ونشان تک نہ ملا، دوسرے یہ کہ دیوبندیوں نے خلفائے راشدین سے ثابت شدہ بہت سے مسائل کی مخالفت کی ہے۔

تراویح اور علمائے دیوبند: گیارہ رکعات تراویح مع وتر ایسی نماز ہے جسے دیوبندیوں کے تسلیم کردہ علماء بھی علانیہ تسلیم کرتے ہیں جس کے دس حوالے پیشِ خدمت ہیں:

① ابن ہمام حنفی (متوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

"**فتحصل من هذا كله أن قيام رمضان سنة إحدى عشرة ركعة بالوتر في جماعة**" اس سب کا حاصل (نتیجہ) یہ ہے کہ قیامِ رمضان (تراویح) گیارہ رکعات مع وتر، جماعت کے ساتھ سنت ہے۔

(فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۱ ص ۴۰۷ باب النوافل)

② سید احمد طحطاوی حنفی (متوفی ۱۲۳۳ھ) نے کہا:

"**لأنّ النبي عليه الصلوٰة والسلام لم يصلها عشرين، بل ثماني**" کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس (رکعات) نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۵)

③ ابن نجیم مصری (متوفی ۹۷۰ھ) نے ابن ہمام حنفی سے بطورِ اقرار نقل کیا:

"**فإذن يكون المسنون على أصول مشايخنا ثمانية منها والمستحب اثنا عشر**" پس اس طرح ہمارے مشائخ کے اصول پر ان میں سے آٹھ (رکعتیں) مسنون اور بارہ (رکعتیں) مستحب ہو جاتی ہیں۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۶۷)

تنبیہ: ابن ہمام وغیرہ کا آٹھ کے بعد بارہ (۱۲) رکعتوں کو مستحب کہنا حنفیوں وتقلیدیوں کے اس قول کے سراسر خلاف ہے کہ "بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہے اور اس سے کم یا زیادہ جائز نہیں ہے۔"

④ ملا علی قاری حنفی (متوفی ۱۰۱۴ھ) نے کہا:

" فتحصل من هذا كله أن قيام رمضان سنة إحدىٰ عشرة بالوتر في جماعة فعله عليه الصلوٰة والسلام " اس سب کا حاصل (نتیجہ) یہ ہے کہ قیامِ رمضان (تراویح) گیارہ رکعات مع وتر، جماعت کے ساتھ سنت ہے، یہ آپ ﷺ کا عمل ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۳/ ۳۸۲ ح ۱۳۰۳)

⑤ دیوبندیوں کے منظورِ نظر محمد احسن نانوتوی (متوفی ۱۳۱۲ھ) فرماتے ہیں:

" لأن النبي ﷺ لم يصلها عشرين بل ثمانياً "

کیونکہ نبی ﷺ نے بیس (۲۰ رکعات) نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ (۸) پڑھی ہیں۔

(حاشیہ کنز الدقائق ص ۳۶ حاشیہ: ۴)

نیز دیکھئے شرح کنز الدقائق لابی السعود الحنفی ص ۲۶۵

⑥ دیوبندیوں کے منظورِ نظر عبدالشکور لکھنوی (متوفی ۱۳۸۱ھ) لکھتے ہیں:

" اگرچہ نبی ﷺ سے آٹھ رکعت تراویح مسنون ہے اور ایک ضعیف روایت میں ابن عباس سے بیس رکعت بھی۔ مگر....." (علم الفقہ ص ۱۹۸، حاشیہ)

⑦ دیوبندیوں کے منظورِ نظر عبدالحیٔ لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں:

" آپ نے تراویح دو طرح ادا کی ہے (۱) بیس رکعتیں بے جماعت .... لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے... (۲) آٹھ رکعتیں اور تین رکعت وتر با جماعت..."

(مجموعہ فتاویٰ عبدالحیٔ ج ۱ ص ۳۳۱، ۳۳۲)

⑧ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی (متوفی ۱۳۴۵ھ) لکھتے ہیں:

" البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن کے نہیں" (براہین قاطعہ ص ۸)

خلیل احمد سہارنپوری مزید لکھتے ہیں:

" اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو بالاتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ

میں ہے“ (براہین قاطعہ ص ۱۹۵)

⑨ انور شاہ کشمیری دیوبندی (متوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں:

”ولا مناص من تسليم أن تراويحه عليه السلام كانت ثمانية ركعات ولم يثبت في رواية من الروايات أنه عليه السلام صلى التراويح والتهجد عليحدة في رمضان... وأما النبي ﷺ فصح عنه ثمان ركعات وأما عشرون ركعة فهو عنه عليه السلام بسند ضعيف وعلى ضعفه اتفاق...“ اور اس کے تسلیم کرنے سے کوئی چھٹکارا نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام کی تراویح آٹھ رکعات تھی اور روایتوں میں سے کسی ایک روایت میں بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام نے رمضان میں تراویح اور تہجد علیحدہ پڑھے ہوں...

رہے نبی ﷺ تو آپ سے آٹھ رکعتیں صحیح ثابت ہیں اور رہیں بیس رکعتیں تو وہ آپ علیہ السلام سے ضعیف سند کے ساتھ ہیں اور اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ (العرف الشذی ص ۱۶۶ ج۱)

⑩ نمازِ تراویح کے بارے میں حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی حنفی (متوفی ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں:

”(وصلوٰتها بالجماعة سنة كفاية) لما ثبت أنه ﷺ صلّى بالجماعة إحدىٰ عشرة ركعة بالوتر...“ (اور اس کی باجماعت نماز سنت کفایہ ہے) کیونکہ یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعتیں مع وتر پڑھی ہیں۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۹۸)

محمد یوسف بنوری دیوبندی (متوفی ۱۳۹۷ھ) نے کہا:

”فلا بد من تسليم أنه ﷺ صلّى التراويح أيضاً ثماني ركعات“

پس یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ نے آٹھ رکعات تراویح بھی پڑھی ہیں۔

(معارف السنن ج۵ص۵۴۳)

تنبیہ(۱): یہ تمام حوالے ان لوگوں پر بطورِ الزام واتمامِ حجت پیش کیے گئے ہیں جو اِن علماء کو اپنا اکابر مانتے ہیں اور اُن کے اقوال کو عملاً حجت تسلیم کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان میں سے بعض علماء نے بغیر کسی صحیح دلیل کے یہ غلط دعویٰ کر رکھا ہے:

''مگر حضرت فاروق اعظم نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا اور جماعت قائم کردی''

اس قسم کے بے دلیل دعووں کے رد کے لئے یہی کافی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ (دیکھئے موطأ امام مالک ۱۱۴/۱ ح۲۴۹ وسندہ صحیح)

تنبیہ(۲): امام ابوحنیفہ، قاضی ابو یوسف، محمد بن الحسن الشیبانی اور امام طحاوی کسی سے بھی بیس رکعات تراویح کا سنت ہونا باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔

بعض دیوبندی حضرات یہ دعویٰ کرتے پھرتے ہیں کہ گیارہ رکعات تراویح کا کوئی بھی قائل نہیں ہے بلکہ بیس رکعات پر اجماع ہے۔

بیس تراویح پر اجماع کا دعویٰ باطل ہے:

اب آپ کی خدمت میں بعض حوالے پیشِ خدمت ہیں، جن میں سے ہر حوالہ کی روشنی میں اجماع کا دعویٰ باطل ہے:

۱: امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

'' الذي آخذ به لنفسي في قيام رمضان هو الذي جمع به عمر بن الخطاب الناس إحدىٰ عشرة ركعة وهي صلاة رسول الله ﷺ ولا أدري من أحدث هذا الركوع الكثير ، ذكره ابن مغيث''

میں اپنے لئے قیامِ رمضان (تراویح) گیارہ رکعتیں اختیار کرتا ہوں، اسی پر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے، مجھے پتا نہیں کہ لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکال لی ہیں؟ اسے ابن مغیث

مالکی نے ذکر کیا ہے۔

(کتاب التہجد ص ۲۶۷ فقرہ: ۸۹۰، دوسرا نسخہ ص ۲۸۷ تصنیف عبدالحق اشبیلی متوفی ۵۸۱ھ)

تنبیہ (۱): امام مالک سے ابن القاسم کا نقلِ قول: مردود ہے۔

(دیکھئے کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ص ۵۳۴)

تنبیہ (۲): یونس بن عبداللہ بن محمد بن مغیث المالکی کی کتاب ''المتہجدین'' کا ذکر سیر اعلام النبلاء (۱۷/ ۵۷۰) میں بھی ہے۔

عینی حنفی فرماتے ہیں: " **وقیل إحدیٰ عشرة ركعة وهو إختيار مالك لنفسه و اختاره أبو بكر العربي** " اور کہا جاتا ہے کہ تراویح گیارہ رکعتیں ہیں، اسے امام مالک اور ابوبکر العربی نے اپنے اپنے لئے اختیار کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۱/ ۱۲۶ ح ۲۰۱۰)

۲: امام ابوحنیفہ سے بیس رکعات تراویح باسند صحیح ثابت نہیں ہیں، اس کے برعکس حنفیوں کے ممدوح محمد بن الحسن الشیبانی کی طرف منسوب الموطأ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ گیارہ رکعات کے قائل تھے۔

۳: امام شافعی نے بیس رکعات تراویح کو پسند کرنے کے بعد فرمایا کہ " **وليس في شيء من هٰذا ضيق ولا حد ينتهي إليه لأنه نا فلة فإن أطالوا القيام وأقلوا السجود فحسن وهو أحب إلي وإن أكثروا الركوع و السجود فحسن** "

اس چیز (تراویح) میں ذرہ برابر تنگی نہیں ہے اور نہ کوئی حد ہے، کیونکہ یہ نفل نماز ہے، اگر رکعتیں کم اور قیام لمبا ہو تو بہتر ہے اور مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر رکعتیں زیادہ ہوں تو بھی بہتر ہے۔ (مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۲۰۲، ۲۰۳)

معلوم ہوا کہ امام شافعی نے بیس کو زیادہ پسند کرنے سے رجوع کر لیا تھا اور وہ آٹھ اور بیس دونوں کو پسند کرتے اور آٹھ کو زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔ واللہ اعلم

۴: امام احمد سے اسحاق بن منصور نے پوچھا کہ رمضان میں کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئیں؟ تو انھوں نے فرمایا: " **قد قيل فيه ألوان نحواً من أربعين ، إنما هو تطوع** "

اس پر چالیس تک رکعتیں روایت کی گئی ہیں، یہ صرف نفلی نماز ہے۔ [مختصر قیام اللیل ص ۲۰۲]
راوی کہتے ہیں کہ " ولم یقض فیه بشيء " امام احمد نے اس میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔
(کہ کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئیں؟) (سنن الترمذی: ۸۰۶)

معلوم ہوا کہ ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک امام سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ بیس رکعات تراویح سنتِ مؤکدہ ہیں اور ان سے کم یا زیادہ جائز نہیں ہیں۔

۵: امام قرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) نے فرمایا: " ثم اختلف في المختار من عدد القيام فعند مالك :أن المختار من ذلك ست و ثلا ثون .... وقال كثير من أهل العلم :إحدیٰ عشرة ركعة أخذاً بحديث عائشة المتقدم "

تراویح کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک نے (ایک روایت میں) چھتیس رکعتیں اختیار کی ہیں...... اور کثیر علماء یہ کہتے ہیں کہ گیارہ رکعتیں ہیں، انھوں نے سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی سابق حدیث سے استدلال کیا ہے۔
(المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ۲/ ۳۸۹، ۳۹۰)

تنبیہ: حدیث عائشہ المفہم للقرطبی (۲/ ۳۷۴) میں " ما كان يزيد في رمضان ولا في غير علىٰ إحدىٰ عشرة ركعة " کے الفاظ سے موجود ہے۔ امام قرطبی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ جمہور علماء گیارہ رکعات کے قائل و فاعل ہیں۔

۶: قاضی ابوبکر العربی المالکی (متوفی ۵۴۳ھ) نے کہا: " والصحيح أن يصلی أحد عشر ركعة صلوٰ ة النبي عليه السلام وقيامه فأما غير ذلك من الأعداد ، فلا أصل له ولا حد فيه " اور صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھنی چاہئیں، یہی نبی ﷺ کی نماز اور یہی قیام (تراویح) ہے۔ اس کے علاوہ جتنی رکعتیں مروی ہیں ان کی (سنت میں) کوئی اصل نہیں ہے۔ (اور نفلی نماز ہونے کی وجہ سے) اس کی کوئی حد نہیں ہے۔

(عارضۃ الاحوذی ۴/ ۱۹ ح ۸۰۶)

۷: عینی حنفی (متوفی ۸۵۵ھ) نے کہا: " وقد اختلف العلماء في العدد

المستحب في قيام رمضان على أقوال كثيرة .. وقيل إحدىٰ عشرة ركعة"
تراویح کی مستحب تعداد کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔وہ بہت اقوال رکھتے ہیں......
اور کہا جاتا ہے کہ تراویح گیارہ رکعتیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ۱۱/ ۱۲۶، ۱۲۷)

۸: علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے کہا:" أن العلماء اختلفوا في عددها "
بے شک تراویح کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے۔ (الحاوی للفتاوی ۱/ ۳۴۸)

۹: ابن ہمام حنفی (متوفی ۶۸۱ھ) نے کہا:" فتحصل من هذا كله أن قيام رمضان سنة إحدىٰ عشرة ركعة بالوتر في جماعة فعلهﷺ "
اس ساری بحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ وتر کے ساتھ تراویح گیارہ رکعتیں ہیں، اسے نبی ﷺ نے جماعت کے ساتھ پڑھا ہے۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ ۱/ ۴۰۷)

۱۰: امام ترمذی فرماتے ہیں:" واختلف أهل العلم في قيام رمضان "
اور علماء کا قیام رمضان (کی تعداد) میں اختلاف ہے۔ (سنن الترمذی: ۸۰۶)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ دیوبندیوں و بریلویوں کا یہ دعویٰ کہ "بیس رکعات ہی سنت مؤکدہ ہیں۔ان سے کم یا زیادہ جائز نہیں ہے" غلط اور باطل ہے۔

یہ تمام حوالے "انگریزوں کے دور سے پہلے" کے ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ بیس رکعات پر اجماع کا دعویٰ باطل ہے، جب اتنا بڑا اختلاف ہے تو اجماع کہاں سے آ گیا؟
تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب "تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ"

آخر میں عرض ہے کہ اُمید ہے میرے اس خط پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے گا اور یہ تسلیم کیا جائے گا کہ خلفائے راشدین کے مخالف اہلِ حدیث نہیں بلکہ دیو بندی حضرات ہیں جن کا مقصد ہی دنیا میں کذب و افتراء پھیلانا اور سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے اپنے ہم رنگِ زمیں جال میں پھنسانا ہے۔ وما علينا إلا البلاغ

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ اور بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

(مع تلخیص وفوائد)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الأمین ، أما بعد:

" حماد:ھو ابن سلمۃ:أخبرنا عمار عن ابن عباس " کی سند سے ایک خواب مروی ہے جس میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔

(دیکھئے مسند الامام احمد ۱/۲۸۳ ح ۲۵۵۳)

میں نے ایک سوال کے جواب میں، تحقیق کے بعد لکھا: "یہ روایت حسن لذاتہ ہے۔"

(ماہنامہ الحدیث:۱۰ص ۱۶)

اس روایت کو درج ذیل علماء نے صحیح وقوی قرار دیا ہے:

(۱) حاکم (۲) ذہبی (۳) ابن کثیر، قال: وإسنادہ قوي (۴) البانی (۵) وصی اللہ عباس المدنی المکی (۶) بوصیری (۷) شعیب أرناووط (حنفی وغیرہ محققین مسند الامام احمد/ قالوا: إسنادہ قوي علی شرط مسلم .)

یمن کے مشہور اہلِ حدیث عالم شیخ مقبل بن ہادی الوادعی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے "الصحیح المسند مما لیس في الصحیحین"

(۱/۴۳۹، ۴۴۰،قال:"ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم")

شیخ حمود بن عبداللہ التویجری نے کہا:" وإسنادہ صحیح علی شرط مسلم "اور اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (اتحاف الجماعۃ بما جاء في الفتن والملاحم واشراط الساعۃ ج ۱ص ۲۴۰)

میرے علم کے مطابق کسی معتبر محدّث یا قابلِ اعتماد عالم نے اس روایت کو ضعیف، منکر یا شاذ نہیں کہا ہے۔

جدید دور میں حافظ ثناء اللہ ضیاء صاحب نے ''الحدیث'' کی تحقیق کا ماہنامہ ''الصراط'' میں ردلکھا۔ (ج ا شمارہ:۵، اکتوبر ۲۰۰۵ء)

اس کا جواب الجواب راقم الحروف نے ''الحدیث'' (شمارہ: ۲۰) میں شائع کیا جس کا رد حافظ ثناء اللہ صاحب نے ''الصراط'' (ج ۲: شمارہ: ۱، اپریل مئی ۲۰۰۶ء) میں شائع کیا ہے۔

اس رد کا تفصیلی جواب راقم الحروف نے بتیس (۳۲) صفحات پر لکھا جس کا خلاصہ مع فوائد وزیادات درج ذیل ہے:

حدیثِ ابن عباس پر حافظ ثناء اللہ صاحب نے درج ذیل اَطراف سے جرح کی ہے:

① امام شیخ الاسلام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ پر جرح ② اِختلاط

③ تدلیس ④ امام عفان بن مسلم پر حملہ

⑤ اِضطراب ⑥ متن کی دوسری صحیح اَحادیث سے مخالفت

۱) امام شیخ الاسلام حماد بن سَلَمہ رحمہ اللہ پر جرح

ماہنامہ ''الحدیث'' (شمارہ: ۱۰) میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ حماد بن سلمہ صحیح مسلم کے بنیادی راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصحیح الحدیث ہیں۔ ایسے راوی کی روایت حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

''ولم ینحط حدیثه عن رتبة الحسن'' اور ان (حماد) کی حدیث حسن کے درجے سے نہیں گری ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۷/۴۴۶)

حافظ ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''راقم کو حماد بن سلمہ رحمہ اللہ کے ثقہ، صدوق اور حسن الحدیث ہونے سے کوئی اختلاف نہیں البتہ سوال یہ ہے کہ کیا ثقہ، صدوق راوی اختلاط کا شکار نہیں ہوسکتا؟.....'' (الصراط ۲/۱ص ۴۰)

حافظ صاحب کے اس بقلمِ خود تسلیمی اعلان کے بعد شیخ الاسلام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ پر جرح مردود ہے۔ والحمد للہ

۲) اختلاط

حماد بن سلمہ رحمہ اللہ سے عبدالرحمٰن بن مہدی اور عفان بن مسلم وغیرہما کی روایتیں صحیح مسلم میں موجود ہیں۔ (الحدیث: ۱۰ ص ۱۶) اور یہ قاعدہ ہے کہ صحیحین میں جس مختلط و متغیر الحفظ راوی سے استدلال کیا گیا ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ راویِ مذکور کا مختلط مذکور سے سماع قبل از اختلاط ہے۔ (اِلا یہ کہ کسی خاص راوی کے بارے میں کوئی تخصیص ثابت ہو جائے)

ابن الصلاح الشہر زوری لکھتے ہیں: ''واعلم أن من كان من هذا القبيل محتجًا بروايته في الصحيحين أو أحدهما فإنا نعرف على الجملة أن ذلك مما تميز و كان مأخوذاً عنه قبل الإختلاط، والله أعلم'' اور جان لو کہ جو راوی اس قسم کا ہو اور اس کی روایت صحیحین یا کسی ایک میں بطورِ حجت موجود ہو تو ہم بالجملہ یہ جانتے ہیں کہ اس میں تمیز کیا گیا ہے اور یہ (اس کے) اختلاط سے پہلے اَخذ کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم

(علوم الحدیث مع شرح العراقی ص ۴۶۶، آخر النوع: ۶۲ والیہ اشرت فی ''الحدیث'': ۱۰ ص ۱۶ والحمدللہ)

اس قول کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں:

اول: مختلطین کی صحیحین میں جملہ روایات قبل از اختلاط کی ہیں۔

دوم: صحیحین میں مختلطین کے شاگردوں کی ان سے روایات، ان کے اختلاط سے پہلے کی ہیں۔

یہ دونوں مفہوم صحیح ہیں اور حافظ العراقی کی عبارتوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے مثلاً دیکھئے التقیید والایضاح (ص ۴۴۲، ۴۶۰)

تنبیہ (۱): اِس قاعدے سے صرف وہی روایتیں مستثنیٰ ہوں گی جن کے بارے میں جمہور محدثین نے یہ صراحت کر دی ہے کہ یہ اختلاط کے بعد کی روایتیں ہیں۔ یاد رہے کہ ہمارے علم کے مطابق کسی ایک محدث سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی، عفان اور سلیمان بن حرب وغیرہم نے حماد بن سلمہ کے (مزعوم) اختلاط کے بعد اُن سے حدیثیں سُنی ہیں بلکہ یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: جو شخص حماد بن سلمہ کی حدیث لکھنا چاہتا ہے تو وہ

عفان بن مسلم کو لازم پکڑ لے۔ (الحدیث:۲۰ ص۲۱)

تنبیہ (۲): شیخ عبدالرحمٰن المعلمی کا خیال ہے کہ حماد کا آخری عمر میں سوءِ حفظ (یا اختلاط) سوائے بیہقی کے کسی نے ذکر نہیں کیا۔ (دیکھئے التنکیل ج۱ص۲۴۲)

تنبیہ (۳): جن محدثینِ کرام نے اس روایت کو صحیح و قوی قرار دیا ہے اُن کے نزدیک (بشرطِ تسلیمِ اختلاط) یہ روایت حماد نے اختلاط سے پہلے بیان کی ہے۔

حافظ ثناء اللہ صاحب ابھی تک یہ ثابت نہیں کر سکے کہ فلاں راوی نے حماد کے اختلاط سے پہلے سنا ہے اور فلاں راوی نے حماد کے اختلاط کے بعد سنا ہے، ان کی تحقیق کے لحاظ سے حماد کی ساری روایتیں عدمِ تمیز کی وجہ سے ضعیف ہونی چاہئیں۔!!

۴) تدلیس

حماد بن سلمہ پر حافظ ثناء اللہ صاحب کی طرف سے تدلیس کا الزام لگا دینا علمی میدان میں ثابت نہیں ہے۔ مقدمہ صحیح ابن حبان کی جس عبارت کو انھوں نے پیش کیا تھا، اس کا قائل معلوم نہیں ہے۔ حافظ صاحب نے کوشش کی ہے کہ وہ یہ قول امام بخاری رحمہ اللہ سے منسوب کر دیں مگر کئی لحاظ سے وہ اس میں کامیاب نہیں رہے، مثلاً:

۱: امام بخاری کی وفات کے بعد حافظ ابن حبان پیدا ہوئے تھے لہٰذا اگر وہ یہ قول صراحتاً امام بخاری سے منسوب بھی کرتے تو منقطع ہونے کی وجہ سے مردود تھا۔

۲: امام بخاری کی کسی کتاب، یا ان سے باسند صحیح، کسی کتاب میں حماد بن سلمہ پر تدلیس کا الزام ثابت نہیں ہے۔

۳: حافظ ابن حبان نے صحیح ابن حبان کے مقدمے میں جس پر رد کیا ہے وہ حماد بن سلمہ اور ابوبکر بن عیاش وغیرہما پر رد کرتا ہے اور یہ عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کی صحیح بخاری میں بہت سی روایتیں ہیں لہٰذا یہ مردود علیہ شخص کوئی اور ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ رد کی تمام شقیں ضرور بالضرور صرف ایک شخص کا ہی رد ہیں۔

تنبیہ: راقم الحروف کی تحقیقِ جدید میں ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ جمہور محدثین کے نزدیک

ثقہ وصدوق راوی ہیں لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں۔ یاد رہے کہ ان کا بیان کردہ ترکِ رفع یدین والا اثر محدثینِ کرام کی تصریحات اور شذوذ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

روایتِ مذکورہ میں حماد بن سلمہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

۱: سلیمان بن حرب عن حماد: صرح بالسماع (دلائل النبوۃ ۶/۷۲، وتاریخ دمشق ۱۴/۲۲۸)

۲: عفان بن مسلم عن حماد: صرح بالسماع (احمد: ۲۵۵۳ والاستیعاب ۱/۲۸۰، ۲۸۱)

۳: حجاج بن المنہال عن حماد: صرح بالسماع

(احمد بن جعفر القطیعی فی فضائل الصحابۃ ۲/۷۸۱ ح ۱۳۸۹، وتاریخ دمشق ۱۴/۲۲۸)

اس تصریحِ سماع کے باوجود حماد مظلوم پر یہاں تدلیس کا الزام مردود ہے۔

لطیفہ: صحیح مسلم (۲۰۳/۵۰۰) کی ایک روایت "إن أبي و أباك فی النار" میں حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ والی روایت میں حماد بن سلمہ کے سماع کی تصریح ہمیں نہیں ملی۔!! کیا خیال ہے؟!!

۴) امام عفان بن مسلم پر حملہ

صحیحین (بخاری ومسلم) کے بنیادی راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ عفان بن مسلم پر ابن عدی کے قول کو توڑ مروڑ کر حملہ کرنا ظلمِ عظیم ہے جس کا حملہ آور کو میدانِ حشر میں حساب دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ، واللہ غفور رحیم

روایت مذکورہ میں دو ثقہ راویوں (سلیمان بن حرب، حجاج بن منہال) نے تصریحِ سماع کی ہے اور چھ ثقہ راویوں (سلیمان بن حرب، عبدالرحمٰن بن مہدی، حجاج بن المنہال، محمد بن عبداللہ بن عثمان الخزاعی، ابونصر عبدالملک بن عبدالعزیز التمار اور حسن بن موسیٰ الاشیب) نے عفان کی متابعت کر رکھی ہے۔ اتنی متابعات کے باوجود عفان رحمہ اللہ پر حملہ کرنا علمِ حدیث کو گرانے کے مترادف ہے۔

۵) اِضطراب

اس روایت میں حماد کے چھ ثقہ شاگرد (سلیمان بن حرب، عفان، عبدالرحمٰن بن مہدی، محمد بن عبداللہ الخزاعی اور حجاج بن منہال) ''قتل ذلك اليوم'' ونحوالمعنیٰ الفاظ بیان کرتے ہیں۔

ساتویں شاگرد حسن بن موسیٰ الاشیب کی روایت میں اختلاف ہے۔

۱: عبد بن حمید/ ''قتل ذلك اليوم'' بیان کرتے ہیں۔ (المنتخب: ۷۰۹)

۲: بشر بن موسیٰ الاسدی/ '' قتل قبل ذلك بيوم'' (المستدرک: ۸۲۰۱)

اصولِ حدیث کا ایک طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ ایک ثقہ راوی کے مقابلے میں اُوثق یا بہت سے ثقہ راویوں کی روایت محفوظ وراجح ہوتی ہے لہٰذا اس حدیث پر اضطراب کا دعویٰ مردود ہے۔

روایات کی مختصر اور جامع تخریج

① سلیمان بن حرب

۱: الطبرانی فی الکبیر (۲۸۲۲، [قد قتل يومئذ] ۱۲۸۳۷ [قتل ذلك اليوم])

۲: احمد بن جعفر القطیعی فی زوائد فضائل الصحابۃ (۷۸۴/۲ ح ۱۳۹۶)

[قتل في ذلك اليوم]

۳: البیہقی فی دلائل النبوۃ (۴۷۱/۶) وحماد بن سلمة صرح بالسماع عنده

[قد قتل ذلك اليوم]

۴: ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۲۲۸/۱۴) وحماد صرح بالسماع عنده

[فوجدوه قتل يومئذ]

② عفان بن مسلم

۱: احمد فی مسندہ (۲۵۵۳) وفضائل الصحابۃ (۷۷۹/۲ ح ۱۳۸۱) حماد صرح بالسماع

[فوجد وه قتل في ذلك اليوم]

۲: ابن عبدالبر فی الاستیعاب(۳۸۰/۱،۳۸۱ من طریق ابن ابی شیبہ)حما د صرح بالسماع

[فوجد قد قتل في ذلك اليوم]

③ عبدالرحمٰن بن مہدی

احمد فی مسندہ(۲۱۶۵)وفضائل الصحابۃ(۷۷۸/۲ح ۱۳۸۰)

[فوجدناه قتل ذلك اليوم]

④ محمد بن عبداللہ بن عثمان الخزاعی/الخطیب فی تاریخہ(۱۴۲/۱)

[فإذا هو في ذلك اليوم قتل]

⑤ حجاج بن المنہال

۱: الطبرانی فی الکبیر(۱۱۰/۳ح ۲۸۲۲،[فوجد قتل ذلك اليوم]

۱۸۵/۱۲ح ۱۲۸۳۷[فوجد قد قتل يومئذ])

۲: احمد بن جعفر القطیعی فی زوائد فضائل الصحابۃ(۷۸۱/۲ح ۱۳۸۹)حماد صرح بالسماع

[فوجدوه قتل يومئذ]

۳: ابن عساکر فی تاریخ دمشق(۲۲۸/۱۴)حماد صرح بالسماع

[فوجدوه قتل يومئذ]

⑥ ابونصر(عبدالملک بن عبدالعزیز القشیری)التمار

ابن ابی الدنیا فی کتاب المنامات(ح ۱۳۰) [قتل فی ذلك اليوم]

⑦ حسن بن موسیٰ الاشیب

۱: عبد بن حمید فی مسندہ کما فی المنتخب(ح ۷۰۹،قلمی ص:۹۷)[قتل ذلك اليوم]

۲: الحاکم فی المستدرک(۳۹۷/۴،۳۹۸ح ۸۲۰۱) [قتل قبل ذلك بيوم].

منتخب مسندِ عبد بن حمید کا انکار!!

حافظ ثناء اللہ صاحب ''المنتخب من مسند عبد بن حمید'' کا عملی انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور منتخب کو اصل پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔'' (الصراط/جدید ص ۴۳)

عرض ہے کہ اگر حافظ صاحب کو عبد بن حمید کی المسند الکبیر کا نسخہ کہیں سے مل گیا ہے تو وہ پیش کریں ورنہ منتخب مسند عبد بن حمید مطبوع و مخطوط مُصَوَّر ہمارے پاس موجود ہے، اس میں یہ حدیث اسی طرح لکھی ہوئی ہے جیسا کہ میں نے پیش کی ہے۔لہٰذا یہاں اصل پر منتخب کی ترجیح کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔المنتخب والی کتاب بالاتفاق علماء کے درمیان مشہور رہی ہے مثلاً دیکھئے التقیید لابن نقطہ (ص ۳۶۰ ت ۱۱) سیر اعلام النبلاء (۱۲/ ۲۳۵، ۲۳۶) تاریخ الاسلام للذہبی (۱۸/ ۳۴۱) اور المعجم المفہرس لابن حجر (ص ۱۳۴ رقم: ۴۸۲) وغیرہ۔

اس کی سند بھی موجود ہے جس کا کوئی راوی ضعیف نہیں۔

پتا نہیں حافظ صاحب اس عظیم الشان کتاب کا کیوں انکار کر رہے ہیں؟!

امامِ حاکم ''لازوال قوت یادداشت کے مالک''!!

راقم الحروف نے المستدرک کی اکلوتی روایت جو کہ چھ+۱=سات ثقہ راویوں کے خلاف ہے، کے بارے میں دو احتمالات لکھے تھے جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱: یہ روایت ثقہ راویوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ یعنی مردود ہے۔

۲: ممکن ہے کہ ''قبل'' کا لفظ کاتب، ناسخ یا بذاتِ خود امام حاکم کا وہم ہو۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۰ ص ۲۲

اس کے جواب میں حافظ ثناء اللہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''جبکہ امام حاکم لازوال قوت یادداشت کے مالک تھے۔ایک مضبوط حافظہ کے مالک امام کو وہم کا شکار قرار دیا جائے۔یہ تو سیدھا سادھا امام حاکم پر جارحانہ حملہ ہے۔'' (الصراط/جدید ص ۴۳)

حافظ ثناء اللہ ضیاء صاحب کا یہ بیان انتہائی عجیب و غریب ہے۔المستدرک کے اَوہام اہلِ علم

پر مخفی نہیں ہیں، بعض جگہ مطبعی اَخطاء (غلطیاں) ہیں اور بعض مقامات پر خود امام حاکم کو اَوہام ہوئے ہیں۔

مثلاً دیکھئے المستدرک (۱/۴۶ا ح ۵۱۹) اور التلخیص الحبیر (۱/۷۲ ح ۷۰)

حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:

"وذكر بعضهم أنه حصل له تغير وغفلة في آخر عمره..."

اور بعض نے یہ ذکر کیا ہے کہ انھیں (حاکم کو) آخری عمر میں تغیر اور غفلت لاحق ہوگئی تھی...

(لسان المیزان ۵/۲۳۳)

امام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ تو خطائے کثیر اور اختلاط کا شکار ہوں اور امام حاکم "لازوال قوت یادداشت کے مالک" سبحان اللہ! کیسا زبردست انصاف ہے۔؟!

٦) متن کی دوسری صحیح اَحادیث سے مخالفت

خواب کے واقعے کو حقیقی زندگی پر محمول کرتے ہوئے حافظ ثناء اللہ صاحب نے اس حدیث کے متن کو دوسری اَحادیث سے ٹکرانے کی کوشش کی ہے۔ عرض ہے کہ اس حدیث کو حاکم، ذہبی، بوصیری، ابن کثیر، البانی اور دیگر علماء نے صحیح وقوی قرار دیا ہے۔ وہ اس کے متن کو دوسری صحیح احادیث کے خلاف نہیں سمجھتے مگر حافظ ثناء اللہ صاحب ضرور سمجھتے ہیں۔ ہمارے علم کے مطابق کوئی ایک محدث یا معتبر عالم ایسا نہیں ہے جس نے اس حدیث کو ضعیف ومنکر اور صحیح احادیث کے مخالف قرار دیا ہو۔ نبی ﷺ تو دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جنت میں عالمِ برزخ میں موجود ہیں۔ اس دنیا میں، وفات کے بعد دنیوی جسم و دنیوی زندگی کے ساتھ آپ کی تشریف آوری ثابت نہیں۔ یہ خواب ایک مثال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو انتہائی مظلومانہ انداز میں شہید کیا گیا اور نبی کریم ﷺ اپنے بیٹے (نواسے) کی مظلومانہ شہادت پر بہت زیادہ غمگین ہوئے۔ اس کے علاوہ باقی جو کچھ ہے وہ حافظ ثناء اللہ صاحب کی فلسفیانہ مُوشگافیاں ہیں جن کے ذریعے حسن لذاتہ (صحیح) حدیث کو بلڈوز کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خطائے کثیر یا کثیر الخطاء

امام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ پر خطائے کثیر کی جرح ہو یا خطائے قلیل کی، کثیر الخطاء کی جرح ہو یا قلیل الخطاء کی، یہ سب جرحیں جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہیں۔ جس ثقہ وصدوق راوی کی کسی روایت میں محدثین کرام کی صراحت سے وہم وخطا ثابت ہو جائے تو اس وہم وخطا کو چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن باقی تمام روایات میں وہ راوی صحیح الحدیث وحسن الحدیث ہی رہتا ہے۔ روایتِ مذکورہ کے بارے میں کسی ایک محدّث یا امام سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اس روایت میں حماد کو غلطی لگی ہے۔

تنبیہ: محدثینِ کرام کے نزدیک جس راوی کی غلطیاں زیادہ ہوں تو اس کی حدیث ترک کر دی جاتی ہے یعنی ایسا راوی ضعیف ومتروک ہوتا ہے۔ دیکھئے الکفایۃ (ص ۱۴۳) والمحدث الفاصل (ص ۴۰۶ فقرہ: ۴۲۲) الرسالہ للشافعی ص ۳۸۲ فقرہ: ۱۰۴۴) اور الجرح والتعدیل (۳۲/۲ عن شعبۃ وسندہ صحیح)

حدیث کے ادنیٰ طالب علموں کو بھی یہ معلوم ہے کہ محدثینِ کرام نے حماد بن سلمہ کی احادیث کو ترک نہیں کیا لہٰذا ثابت ہوا کہ حماد بن سلمہ پر ''خطائے کثیر'' والی جرح کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ سرے سے مردود ہے۔

حماد بن سلمہ اور صحیح بخاری

حماد بن سلمہ کی صحیح بخاری میں شواہد ومتابعات میں درج ذیل انیس (۱۹) روایات موجود ہیں: ۱۴۲، ۶۶۳، ۷۳۹، ۱۰۴۸، ۱۷۲۲، [۲۳۶۳ تابعہ حماد...]، ۲۷۳۰، ۲۸۳۹، ۲۸۴۵، ۲۸۷۲، [۳۳۰۸، تابعہ حماد...]، ۳۸۰۵، ۴۱۹۲، ۴۲۵۶، ۴۳۲۰، ۵۰۶۱، ۵۴۷۱، ۵۵۸۸، ۶۴۴۰

صحیح بخاری میں راوی یا روایت کا عدمِ ذکر

صحیح بخاری میں کسی راوی سے روایت نہ ہونا اس کی قطعاً دلیل نہیں ہے کہ وہ راوی امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہے اور اسی طرح صحیح بخاری میں کسی روایت کا نہ ہونا اس کی دلیل نہیں کہ یہ روایت امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم نے صحیح روایاتِ یا ثقہ راویوں کے کلی استیعاب کا قطعاً دعویٰ نہیں کیا۔

کسی روایت پر محدثین کا سکوت کرنا یا صحیح کا حکم نہ لگانا اس کی دلیل نہیں کہ وہ روایت محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

زیرِ بحث سند من وعَن صحیح مسلم میں

''حماد بن سلمة عن عمار عن ابن عباس'' کی سند سے مروی روایتِ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ جیسی سند من وعَن اور بعینہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔

دیکھئے صحیح مسلم (۱۲۳/۲۳۵۳ وترقیم دار السلام: ۶۱۰۴)

ایسی ایک سند کو امام ترمذی ''حسن غریب'' قرار دیتے ہیں۔ (دیکھئے سنن الترمذی: ۳۰۴۴)

حدیثِ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ اور مولانا ارشاد الحق اثری

حدیثِ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کو مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے زوائدِ مسند احمد کی تحقیق میں حسن قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں اصحابِ مکتبہ اثریہ فیصل آباد یا خود مولانا اثری حفظہ اللہ سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

خواب کا ظاہری مفہوم

نبی ﷺ نے (ایک دفعہ) خواب میں گائیں (ذبح ہوتی ہوئی) دیکھی تھیں۔

دیکھئے صحیح البخاری (۷۰۳۵) جس کی تعبیر یہ نکلی کہ اُحد میں (ستر کے قریب) صحابۂ کرام شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

ایک دفعہ آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی قمیص گھسیٹ رہے ہیں۔
(صحیح البخاری: ۲۳ و صحیح مسلم: ۲۳۹۰ و ترقیم دارالسلام: ۶۱۸۹)

اگر کوئی آدمی اس حدیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ قمیص وغیرہ (زمین پر) گھسیٹ کر چلنا بالکل درست ہے یا وہ اس حدیث کو دوسری احادیث سے ٹکرانے کی کوشش کرے تو اہلِ علم کے نزدیک یہ حرکت انتہائی غلط اور قابلِ مذمت ہوگی۔ بعینہ یہی معاملہ حدیثِ ابن عباس والے خواب کا سمجھ لیں یعنی اس سے مراد غم وافسوس کی حالت ہے اور بس۔!

حاکم کا کسی روایت کو علیٰ شرط الشیخین یا علیٰ أحدھما کہنا

حاکم (وذہبی) کا کسی روایت کو علیٰ شرط الشیخین یا علیٰ اَحدھما کہنا تین طرح پر ہے:

۱: اس روایت کے راویوں سے صحیح بخاری وصحیح مسلم میں بطورِ حجت (یا بطورِ استشہاد و متابعات) روایت لی گئی ہے۔

۲: ان جیسے راویوں سے صحیح بخاری وصحیح مسلم میں بطورِ حجت (یا بطورِ استشہاد ومتابعات) روایت لی گئی ہے۔ اس صورت میں المستدرک کے راویوں کا صحیحین یا احدھما میں موجود ہونا ضروری نہیں۔

۳: اس خاص سند سے صحیحین میں بطورِ حجت (یا بطورِ استشہاد ومتابعات) روایت لی گئی ہے۔ اگر یہ مراد لیا جائے تو حاکم کو کئی اوہام ہوئے ہیں۔

بحث کا اختتام

شیخ الاسلام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ کی بیان کردہ روایتِ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ بلحاظِ سند ومتن حسن لذاتہ (صحیح) ہے۔ حافظ ثناء اللہ ضیاء صاحب اس روایت کا ضعیف ومنکر ہونا ثابت نہیں کر سکے ہیں۔ اس سلسلے میں اُن کی ساری جدوجہد کا خلاصہ حماد بن سلمہ، عفان بن مسلم اور المنتخب من مسند عبد بن حمید (وغیرہ) پر جرح ہے۔ حافظ صاحب کے شبہات اور

غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے علمائے حدیث مثلاً: مولانا ارشاد الحق اثری وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ قارئینِ کرام سے یہ درخواست ہے کہ وہ اس سلسلے میں ماہنامہ الحدیث حضرو کا شمارہ نمبر: ۱۰ اور شمارہ نمبر: ۲۰ کا بھی مطالعہ کریں۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ)

آلِ دیوبند سے دوسودس (۲۱۰) سوالات

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰة والسلام علی رسوله الأمین، أما بعد:

بعض آلِ دیوبند کی طرف سے اہلِ حدیث کے سامنے سوالات ہی سوالات پیش کئے جاتے ہیں اور یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ان کے جوابات دو۔ ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی (حیاتی) نے دوسو سوالات کا ایک کتابچہ لکھا تھا لہٰذا اہلِ حدیث کی طرف سے تمام تقلیدی دیوبندیوں کی ''جناب'' میں دوسودس (۲۱۰) سوالات پیشِ خدمت ہیں اور یہ وہ سوالات ہیں جن کا تعلق ایمان اور عقیدے سے ہے۔

ہر اہلِ حدیث بھائی کو چاہئے کہ اگر تقلیدی حضرات اُس سے سوالات کریں تو وہ بھی اُتنے ہی سوالات پیش کرے جتنے وہ حضرات پیش کرتے ہیں۔

۱) حاجی امداداللہ تھانہ بھونوی نے لکھا ہے:

''اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے'' (کلیاتِ امدادیہ ص ۳۶)

یہ کہنا کہ بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے، قرآنِ مجید کی کس آیت میں لکھا ہوا ہے؟

۲) دیوبندیوں کے پیر کا یہ کہنا کہ ''اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے'' کس صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

۳) یہ کہنا کہ ''اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے'' کیا امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت ہے؟ مستند حوالہ پیش کریں۔

٤) حاجی امداداللہ نے لکھا ہے:

''اور اس کے بعد اس کو ہُو ہُو کے ذکر میں اس قدر منہمک ہو جانا چاہئے کہ خود مذکور یعنی (اللہ) ہو جائے'' (کلیاتِ امدادیہ ص ۱۸)

ذکر کرنے والے کا اللہ ہو جانا کس آیت سے ثابت ہے؟

۵) ذکر کرنے والے کا اللہ ہو جانا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۶) ذکر کرنے والے کا اللہ ہو جانا، امام ابو حنیفہ کے کس مفتیٰ بہ صحیح قول سے ثابت ہے؟

۷) حاجی امداد اللہ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے لکھا ہے:

''اے مرے مشکل کشا فریاد ہے'' (کلیات امدادیہ ص ۹۱)

نبی ﷺ کو مشکل کشا سمجھنا کس آیتِ کریمہ سے ثابت ہے؟

۸) رسول اللہ ﷺ کو مشکل کشا سمجھنا کس صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

۹) نبی کریم ﷺ کو مشکل کشا سمجھنا امام ابو حنیفہ کے کس ثابت شدہ قول سے ثابت ہے؟

۱۰) امداد اللہ نے لکھا ہے:

''مری کشتی کنارے پر لگا دو یا رسول اللہ'' (کلیات امدادیہ ص ۲۰۵)

قرآنِ مجید کی کس آیت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کشتیوں کو کنارے پر لگاتے ہیں؟

۱۱) کس صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ کشتیوں کو کنارے پر رسول اللہ ﷺ لگاتے ہیں؟

۱۲) کیا امام ابو حنیفہ سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کشتیوں کو کنارے پر لگاتے تھے؟

۱۳) حاجی امداد اللہ نے علانیہ لکھا ہے:

''مسئلہ وحدت الوجود حق و صحیح ہے، اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے''

(شمائم امدادیہ ص ۳۲، کلیاتِ امدادیہ ص ۲۱۸)

قرآنِ مجید کی کس آیت سے یہ ثابت ہے کہ صوفیوں مثلاً ابن عربی وغیرہ کا عقیدہ وحدت الوجود حق و صحیح ہے؟

۱۴) عقیدۂ وحدت الوجود کا حق و صحیح ہونا کس صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

۱۵) کیا امام ابو حنیفہ سے باسند صحیح مروجہ عقیدۂ وحدت الوجود کا حق ہونا ثابت ہے؟

۱۶) حاجی امداد اللہ اپنے پیر نور محمد جھنجھانوی کو مخاطب کر کے کہتے تھے:

”آسرا دنیا میں ہے ازبس تمہاری ذات کا تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا
بلکہ دن محشر کے بھی جس وقت قاضی ہو خدا آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا برملا
اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا“

(شمائم امدادیہ ص ۸۳، ۸۴، امداد المشتاق فقرہ: ۲۸۸)

یہ کہنا کہ دنیا میں آسرا صرف نور محمد جھنجھانوی کا ہے، قرآن کی کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۷) دنیا اور میدانِ حشر دونوں میں نور محمد جھنجھانوی سے امداد طلب کرنا کس صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

۱۸) کیا یہ عقیدہ امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں پیر نور محمد جھنجھانوی کا دامن پکڑ کر اُن سے امداد مانگنی چاہئے؟

۱۹) سورۃ الذّٰریٰت کی آیت: ۲۱ کے ترجمے میں تحریف کرتے ہوئے حاجی امداد اللہ نے لکھا: ”خدا تم میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔“ (کلیاتِ امدادیہ ص ۳۱)

یہ کہنا کہ ”خدا تم میں ہے“ کس صحابی کا عقیدہ تھا؟

۲۰) یہ کہنا کہ ”خدا تم میں ہے“ کیا امام ابوحنیفہ سے یہ عقیدہ باسند صحیح ثابت ہے؟

۲۱) بانیٔ مدرسۂ دیوبند محمد قاسم نانوتوی نے کہا:

”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“ (تحذیر الناس ص ۸۵ واللفظ لہ، دوسرا نسخہ ص ۳۴)

یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد کوئی نبی پیدا ہو تو ختمِ نبوت میں کچھ فرق نہ آئے گا، کس آیت سے ثابت ہے؟

۲۲) یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد اگر کوئی نبی پیدا ہو تو ختمِ نبوت میں کچھ فرق نہ آئے گا، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۲۳) یہ کہنا کہ نبی ﷺ کے زمانے کے بعد اگر کوئی نبی پیدا ہو تو ختمِ نبوت میں کچھ فرق نہ آئے گا، امام ابوحنیفہ کے کس مفتیٰ بہ قول سے یہ عقیدہ ثابت ہے؟

۲۴) محمد قاسم نانوتوی نے رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا:

''مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار''

(قصائد قاسمی، قصیدہ بہاریہ در نعت رسول اللہ ﷺ ص ۸، عقائدِ حقہ ص ۴، از زاہد الحسینی)

رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لئے پکارنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کے سوا نانوتوی بیکس (بے یار و مددگار، محتاج) کا کوئی بھی حامی کار نہیں ہے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۲۵) رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لئے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ رسول کے سوا نانوتوی کا کوئی بھی حامی کار (گرم جوشی سے حمایت یا مدد کرنے والا) نہیں ہے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۲۶) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لئے پکارنا چاہئے اور آپ کے سوا کوئی بھی حامی کار نہیں ہے؟

۲۷) قاسمی نانوتوی نے کہا:

''دلیل اس دعوے کی یہ ہے کہ انبیاء اپنی اُمت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات بظاہر اُمتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں'' (تحذیر الناس ص ۴، دوسرا نسخہ ص ۷)

یہ عقیدہ کہ اُمتی عمل میں انبیاء سے بڑھ جاتے ہیں، کس آیت سے ثابت ہے؟

۲۸) یہ عقیدہ کہ عمل میں انبیاء سے اُمتی بڑھ جاتے ہیں، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۲۹) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ انبیاء سے عمل میں اُمتی بڑھ جاتے ہیں؟

۳۰) محمد قاسم نانوتوی نے کہا:

''ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثلِ نورِ چراغ اطراف و جوانب سے قبض کر لیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں'' (جمال قاسمی ص ۱۵، تسکین الصدور ص ۲۱۶ واللفظ لہ)

یہ کہنا کہ وفات کے وقت انبیاء کی ارواح کا اخراج نہیں ہوتا تھا، کس آیت سے ثابت ہے؟

۳۱) وفات کے وقت نبی کی روح کا عدمِ اخراج کس حدیث سے ثابت ہے؟

۳۲) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ وفات کے وقت نبی کی روح کا اخراج نہیں ہوتا تھا؟

۳۳) قاسم نانوتوی نے کہا:

''رجاؤ خوف کی موجوں میں ہے امید کی ناؤ جو تو ہی ہاتھ لگائے تو ہووے بیڑا پار''

(قصائد قاسمی ص ۹)

یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ ناؤ (کشتی) پار لگاتے ہیں، کس آیت سے ثابت ہے؟

۳۴) یہ عقیدہ کہ نبی ﷺ کشتی کو پار لگاتے ہیں، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۳۵) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی ﷺ کشتی کو پار لگاتے ہیں؟

۳۶) قاسم نانوتوی صاحب اگر اکیلے کسی مزار (قبر) پر جاتے، اور دوسرا شخص وہاں موجود نہ ہوتا، تو آواز سے عرض کرتے کہ'' آپ میرے واسطے دعا کریں'' (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۹)

قبر والے سے دعا کی درخواست کرنا کس آیت سے ثابت ہے؟

۳۷) نانوتوی کا قبر والے سے دعا کی درخواست کرنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۳۸) کیا امام ابوحنیفہ سے یہ ثابت ہے کہ قبر والے سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے؟

۳۹) قاسم نانوتوی نے ایک دفعہ شیعوں سے نبی کریم ﷺ کی بیداری میں زیارت کے بارے میں کہا:

''تم سب اس پر پختہ رہو، تو میں بیداری میں زیارت کرانے کے لئے تیار ہوں''

(سوانح قاسمی ج ۱ ص ۳۱۸)

نبی ﷺ کی وفات کے بعد بیداری میں آپ کی زیارت کرانا کس آیت سے ثابت ہے؟

۴۰) رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد شیعوں کو آپ کی زیارت کرانا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۴۱) کیا امام ابوحنیفہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ لوگوں کو، بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کراتے تھے؟

۴۲) رشید احمد گنگوہی نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے لکھا:

''اور جو میں ہوں وہ تُو ہے اور میں اور تُو خود شرک در شرک ہے۔''

(مکاتیب رشیدیہ ص ۱۰، فضائل صدقات حصہ دوم ص ۵۵۶)

یہ کہنا کہ ''وہ جو تُو (اللہ) ہے وہ میں (رشید احمد گنگوہی) ہوں'' کس آیت سے ثابت ہے؟

۴۳) یہ کہنا کہ وہ جو اللہ ہے وہ گنگوہی ہے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۴۴) کیا امام ابو حنیفہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ وہ جو اللہ ہے وہ گنگوہی ہے؟

۴۵) ضامن علی جلال آبادی نے ایک زانیہ عورت سے، زنا کے بارے میں کہا:

''بی تم شرماتی کیوں ہو؟ کرنے والا کون اور کرانے والا کون؟ وہ تو وہی ہے''

(تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۴۲)

اس ضامن علی کے بارے میں گنگوہی نے مسکرا کر کہا:

''ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے'' (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۴۲)

ایسے آدمی کو توحید میں غرق قرار دینا، جو یہ سمجھتا تھا کہ کرنے والا اور کرانے والا تو وہی ہے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۴۶) ایسے آدمی کو توحید میں غرق سمجھنا جو یہ کہتا تھا کہ کرنے والا اور کرانے والا تو وہی ہے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۴۷) کیا امام ابو حنیفہ بھی ایسے آدمی کو مسکرا کر توحید میں غرق سمجھتے تھے، جو یہ کہتا تھا کہ کرنے والا اور کرانے والا تو وہی ہے؟

۴۸) رشید احمد گنگوہی نے کہا:

''نیز مرید کو یقین کے ساتھ یہ جاننا چاہئے کہ شیخ کی رُوح کسی خاص جگہ میں مقید و محدود نہیں ہے۔ پس مرید جہاں بھی ہوگا خواہ قریب ہو یا بعید تو گو شیخ کے جسم سے دور ہے لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں۔'' (امداد السلوک اردو ص ۶۴)

یہ کہنا کہ شیخ کی رُوح ہر جگہ مرید کے ساتھ ہوتی ہے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۴۹) یہ سمجھنا کہ شیخ کی رُوح ہر جگہ مرید کے ساتھ ہوتی ہے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۵۰) یہ عقیدہ رکھنا کہ شیخ کی رُوح ہر جگہ مرید کے ساتھ ہوتی ہے، کیا امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے؟

۵۱) گنگوہی نے کہا:

''پس ثابت ہوا کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ جل وعلیٰ ہے''

(تالیفاتِ رشیدیہ ص ۹۹)

کیا امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کا عقیدہ صراحتاً قرآنِ مجید میں ہے؟

۵۲) کیا امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کا عقیدہ صراحتاً کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

۵۳) کیا امام ابوحنیفہ سے صراحتاً امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کا عقیدہ ثابت ہے؟

۵۴) رشید احمد گنگوہی نے کئی مرتبہ کہا:

''سُن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر''

(تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۷)

یہ کہنا کہ حق وہی ہے جو گنگوہی کی زبان سے نکلتا ہے اور گنگوہی کے زمانے میں ہدایت و نجات صرف اسی کی اتباع پر موقوف ہے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۵۵) گنگوہی کی زبان سے جو نکلتا ہے وہی حق ہے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۵۶) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حق وہی ہے جو گنگوہی کی زبان سے نکلتا ہے؟

۵۷) گنگوہی نے وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے پیر حاجی امداد اللہ کی بیعت کی۔ دیکھئے تذکرۃ الرشید (ج ۱ ص ۴۶)

قرآنِ مجید کی کس آیت سے ثابت ہے کہ وحدت الوجودی پیر کی بیعت کرنی چاہئے؟

۵۸) وہ کون سی صحیح حدیث ہے جس سے وحدت الوجودی پیر کی بیعت کا ثبوت ملتا ہے؟

۵۹) امام ابوحنیفہ نے کس (وحدت الوجودی) پیر کی بیعت کی تھی؟

۶۰) گنگوہی نے سکھوں کے گرونانک کے بارے میں کہا:

''شاہ نانک جنکو سکھ لوگ بہت مانتے ہیں حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں چونکہ اہل جذب سے تھے اسوجہ سے انکی حالت مشتبہ ہوگئی مسلمانوں نے کچھ انکی طرف توجہ نکی سکھ اور دوسری قومیں کشف وکرامات دیکھکر انکو ماننے لگے۔'' (تذکرۃ الرشید ج۲ ص۲۳۲)

گرونانک کے کشف وکرامات کا ثبوت کس مفتیٰ بہ دلیل سے ہے؟

۶۱) رشید احمد گنگوہی نے ایک دن جوش میں کہا:

''کہ (اتنے) سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔'' (ارواح ثلاثہ ص۳۰۸، حکایت نمبر ۳۰۷)

یہ کس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کئی سال گنگوہی کے دل میں رہے اور گنگوہی نے کوئی بات آپ سے پوچھے بغیر نہیں کی؟

۶۲) اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے نبی ﷺ کے بارے میں کہا:

''اور میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ آپ پر ذوق وشوق کی حالت غالب ہوتی تھی جس میں یہ جہر واقع ہو جاتا تھا اور جب کہ آدمی پر غلبہ ہوتا ہے تو پھر اسکو خبر نہیں رہتی کہ کیا کر رہا ہے'' (تقریر ترمذی از تھانوی ص ۷۱)

قرآنِ مجید کی کس آیت سے یہ ثابت ہے کہ جب نبی ﷺ حالتِ نماز میں بعض آیتیں جہراً تلاوت فرماتے تھے تو اس وقت ذوق وشوق کی حالت غالب ہونے کی وجہ سے آپ کو خبر نہیں رہتی تھی کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟

۶۳) یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی ﷺ کو حالتِ نماز میں خبر نہیں رہتی تھی کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ کس حدیث سے ثابت ہے؟

۶۴) کیا امام ابوحنیفہ سے یہ مفتیٰ بہ قول ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو حالتِ نماز میں خبر نہیں رہتی تھی کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟

۶۵) تھانوی نے رسول اللہ ﷺ کو پکارتے ہوئے کہا:

"دستگیری کیجئے میرے نبی کشمکش میں تم ہی میرے نبیؐ" (نشر الطیب ص۱۹۴)

یہ سمجھنا کہ کشمکش میں نبی ﷺ ہی دستگیری فرماتے ہیں اور مدد کے لئے آپ کو پکارنا کس آیت سے ثابت ہے؟

۶۶) یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی ﷺ ہی کشمکش میں دستگیری فرماتے ہیں، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۶۷) یہ کہنا کہ نبی ﷺ ہی کشمکش میں دستگیری فرماتے ہیں اور مدد کے لئے آپ کو پکارنا، کیا امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت ہے؟

۶۸) اشرفعلی تھانوی نے ایک شخص کا قصہ بیان کیا کہ وہ اپنے پیر کے مرنے کے بعد اُس کی قبر پر گیا اور کہا: "حضرت میں بہت پریشان اور روٹیوں کو محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمایئے۔" پھر اسے قبر سے روزانہ دو آنے یا آدھ آنہ ملا کرتا تھا(!)

تھانوی نے کہا: "یہ منجملہ کرامات کے ہے۱۲" (امداد المشتاق ص۱۱۷، فقرہ: ۲۹۰، دوسرا نسخہ ص۱۲۳)

پیر کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر جا کر مدد مانگنا کس آیت سے ثابت ہے؟

۶۹) پیر کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر جا کر مدد مانگنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۷۰) کیا امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے کہ وہ اپنے "پیر" کی قبر پر جا کر روٹیاں اور مدد مانگتے تھے؟

۷۱) اشرفعلی تھانوی نے عبداللہ خان نامی ایک شخص کے بارے میں لکھا:

"ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا۔ اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔" (حکایاتِ اولیاء عرف ارواح ثلاثہ ص۱۸۴، ۱۸۵، حکایت نمبر ۱۴۷)

یہ کہنا کہ عبداللہ خان کو معلوم ہوتا تھا کہ لڑکی ہوگی یا لڑکا، کس آیت ثابت ہے؟

۷۲) یہ عقیدہ رکھنا کہ عبداللہ خان جانتا تھا کہ لڑکی ہوگی یا لڑکا، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۷۳) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ فلاں شخص جانتا ہے کہ لڑکی ہوگی یا لڑکا اور اسی طرح

ہوتا ہے؟

۷۴) اشرفعلی تھانوی نے نبی ﷺ کے علم کا ذکر کر کے لکھا:

''اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے ایسا علمِ غیب زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔'' (حفظ الایمان ص ۱۳، دوسرا نسخہ ص ۱۱۶)

یہ کہنا کہ نبی ﷺ کے پاس (وحی کے ذریعے سے) جو بعض علمِ غیب تھا، ایسا علمِ غیب بچوں، پاگلوں اور حیوانوں کے پاس بھی ہے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۷۵) یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی ﷺ کے پاس (وحی کے ذریعے سے) جو بعض علمِ غیب تھا، ایسا علمِ غیب تو بچوں، پاگلوں اور حیوانوں کے پاس بھی ہے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۷۶) کیا امام ابوحنیفہ سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس (وحی کے ذریعے سے) جو بعض علمِ غیب تھا، ایسا علم تو بچوں، پاگلوں اور حیوانوں کے پاس بھی ہے؟

۷۷) ایک شخص کا جب بچہ پیدا ہوتا تو تین مرتبہ حق حق حق کہہ کر مر جاتا تھا، تھانوی نے احمد عبدالحق ردولوی سے نقل کیا کہ اس نے کہا:

''اچھا اب جو بچہ پیدا ہوگا، وہ زندہ رہے گا، چنانچہ پھر جو بچہ پیدا ہوا، اس نے حق حق حق نہیں کہا اور وہ زندہ رہا...'' (قصص الاکابر ص ۱۰، قبل فقرہ نمبر ۱)

یہ کس آیت سے ثابت ہے کہ ردولوی (یا کسی پیر) کو یہ علم ہوتا تھا کہ جو بچہ پیدا ہوگا وہ زندہ رہے گا؟

۷۸) یہ کس حدیث سے ثابت ہے کہ ردولوی (یا کسی پیر) کو یہ علم ہوتا تھا یا ہے کہ جو بچہ پیدا ہوگا وہ زندہ رہے گا؟

۷۹) کیا امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے کہ اُمتیوں میں سے کسی کو یہ علم ہوتا ہے کہ جو بچہ پیدا ہوگا وہ زندہ رہے گا؟

۸۰) ایک شخص نے ایک شیطانی خواب دیکھا، جس میں اُس نے کلمہ طیبہ غلط پڑھا اور بعد

میں بیدار ہونے کے بعد بے اختیاری سے کہا:

''اللھم صل علی سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی''

تو اشرفعلی تھانوی نے اس شخص کو جواب دیا: ''اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔'' (الامداد عدد ۸ جلد ۳، ماہ صفر ۱۳۳۶ھ ص ۳۵)

کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے کہ متبعِ سنت اُمتی کو نبی کہنا صحیح ہے؟

۸۱) کیا امام ابوحنیفہ سے متبعِ سنت کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ نبی ہوتا ہے؟

۸۲) خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے کہا:

''الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھکر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے...''

(براہینِ قاطعہ بجواب انوارِ ساطعہ ص ۵۵)

سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کی وہ کون سی نصِ قطعی ہے جس سے شیطان اور ملک الموت کے لئے علم محیط زمین (ساری زمین کا احاطہ کرنے والا علم) ثابت ہوتا ہے؟

۸۳) وہ کون سی صحیح حدیث ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کے پاس ساری زمین کا احاطہ کرنے والا علم ہے؟

۸۴) امام ابوحنیفہ کا وہ کون سا قول ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کے پاس ساری زمین کا احاطہ کرنے والا علم ہے؟

۸۵) خلیل احمد سہارنپوری انبیٹھوی نے کہا:

''اب رہا مشائخ کی روحانیت سے اِستفادہ اور ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض پہنچنا سو بیشک صحیح ہے مگر اس طریق سے جو اس کے اہل اور خواص کو معلوم ہے نہ اس طرز سے جو عوام میں رائج ہے۔'' (المہند علی المفند ص ۳۹، جواب سوال نمبر ۱۱، دوسرا نسخہ ص ۲۲۷)

قبروں سے خواص کو باطنی فیض پہنچنا کس آیت سے ثابت ہے؟

۸۶) قبروں سے خواص کو باطنی فیض پہنچنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۸۷) قبروں سے اس کے اہل اور خواص کو باطنی فیض پہنچنا امام ابوحنیفہ کے کس قول سے ثابت ہے؟

۸۸) خلیل احمد دیوبندی نے کہا:

''جاننا چاہیئے کہ ہم اور ہمارے مشائخ اور ہماری ساری جماعت بحمد اللہ فروعات میں مقلّد ہیں مقتدائے خلق حضرات امام ہمام امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے، اور اصول واعتقادیات میں پیرو ہیں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی رضی اللہ عنہما کے اور طریقہائے صوفیہ میں ہم کو انتساب حاصل ہے سلسلۂ عالیہ حضراتِ نقشبندیہ اور طریقۂ زکیہ مشائخ چشتیہ اور سلسلہ بہیہ حضرات قادریہ اور طریقۂ مرضیہ مشائخ سہروردیہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ'' (المہند علی المفند ص ۲۳، ۲۴، دوسرا نسخہ ص ۲۱۳، ۲۱۴)

قرآنِ مجید کی وہ کون سی آیت ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فروع میں امام ابوحنیفہ کا مقلد ہونا چاہئے اور اصول واعتقادیات (عقائد) میں اشعری اور ماتریدی کا مقلد ہونا چاہئے؟ اور ساتھ ساتھ نقشبندی، چشتی اور سہروردی وغیرہ سلسلہ ہائے تصوف میں بھی شامل ہونا چاہئے؟

۸۹) وہ کون سی حدیث ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فروع میں امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے لیکن اصول وعقائد میں امام ابوحنیفہ کی تقلید نہیں کرنی چاہئے بلکہ اشعری اور ماتریدی کا مقلد ہونا چاہئے؟

۹۰) امام ابوحنیفہ کا وہ قول کہاں لکھا ہوا ہے جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ اصول وعقائد میں میری تقلید نہ کرنا بلکہ میرے بعد پیدا ہونے والے اشعری اور ماتریدی کی تقلید کرنا؟

۹۱) خلیل احمد انبیٹھوی نے رسول اللہ ﷺ کی حیات کے بارے میں لکھا:

''اور آپ کی حیات دُنیا کی سی ہے بلا مکلّف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آں حضرتؐ

اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے، جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو...'' (المہند علی المفند ص ۳۲، دوسرا نسخہ ص ۲۲۱)

یہ کہنا کہ قبر میں رسول اللہ ﷺ کی حیات دُنیا کی سی ہے اور برزخی نہیں ہے۔ کس آیت سے ثابت ہے؟

۹۲) یہ کہنا کہ قبر میں رسول اللہ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے اور برزخی نہیں ہے کس حدیث سے ثابت ہے؟

۹۳) یہ عقیدہ رکھنا کہ قبر میں رسول اللہ ﷺ کی حیات (زندگی) دنیا کی سی ہے اور برزخی نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے کس قول سے ثابت ہے؟

۹۴) خلیل احمد نے کہا:

''اور ہمارے متاخرین اماموں نے ان آیات میں جو صحیح اور لغت وشرع کے اعتبار سے جائز تاویلیں فرمائی ہیں تاکہ کم فہم سمجھ لیں مثلاً یہ کہ ممکن ہے استواء سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد قدرت تو یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے۔'' (المہند علی المفند ص ۴۲، دوسرا نسخہ ص ۲۳۰)

امام ابوحنیفہ کا وہ ثابت شدہ قول کہاں ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے استواء سے مراد غلبہ ہے اور اللہ کے ہاتھ سے مراد قدرت ہے؟

۹۵) کیا خلفائے راشدین میں سے کسی ایک خلیفہ یا صحابہ میں سے کسی ایک صحابی سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے استواء سے مراد غلبہ ہے اور اللہ کے ہاتھ سے مراد قدرت ہے؟

۹۶) کیا قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم سے باسند صحیح یہ ثابت ہے کہ استواء سے مراد غلبہ ہے اور اللہ کے ہاتھ سے مراد قدرت ہے؟

۹۷) خلیل احمد سہارنپوری نے رشید احمد گنگوہی دیوبندی کی بیعت کی تھی حالانکہ گنگوہی نہ امیر تھے اور نہ مامور۔ دیکھئے تذکرۃ الخلیل (ص ۴۲، ۴۷)

کیا امام ابوحنیفہ سے اس صوفیانہ بیعت کا باسند صحیح کوئی ثبوت ہے؟

۹۸) کیا قاضی ابو یوسف نے کس صوفی کی بیعت کی تھی؟

۹۹) خلیل احمد سہارنپوری انبیٹھوی دیوبندی نے کہا:

''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء وصُلحاء واَولیاء وشُہداء و صدّیقین کا توسُّل جائز ہے۔ اُن کی حیات میں یا بعد وفات، بایں طور کہ کہیے یا اللہ مَیں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تُجھ سے دُعا کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں''

(المہند علی المفند ص ۳۱، دوسرا نسخہ ص ۲۲۰)

وہ کون سی آیت ہے جس میں بزرگ کی وفات کے بعد، اللہ کے دربار میں اُس کی ذات کے وسیلے سے دعا مانگنے کا ثبوت ہے؟

۱۰۰) کیا امام ابوحنیفہ بھی اپنی دعا میں فوت شدہ بزرگ کا وسیلہ پیش کرتے تھے؟

۱۰۱) محمود حسن دیوبندی (اسیر مالٹا) نے رشید احمد گنگوہی کے مرنے پر کہا:

''زبان پر اہل اہوا کی ہے کیوں اُعلُ ہُبل شاید

اٹھا عالم سے کوئی بانی اسلام کا ثانی'' (مرثیہ ص ۵، کلیات شیخ الہند ص ۸۷)

قرآنِ مجید کی کس آیت میں لکھا ہوا ہے کہ جو رشید احمد گنگوہی تھا وہ بانیٔ اسلام کا ثانی تھا؟

۱۰۲) وہ کون سی حدیث ہے جس میں گنگوہی کو بانیٔ اسلام کا ثانی لکھا ہوا ہے؟

۱۰۳) کیا امام ابوحنیفہ بھی گنگوہی (یا اُس جیسے لوگوں) کو بانیٔ اسلام کا ثانی سمجھتے تھے؟

۱۰۴) محمود حسن نے کہا:

''لیکن سوائے امام اور کسیکے قول سے ہم پر حجت قایم کرنا بعید از عقل ہے''

(ایضاح الادلہ ص ۲۷۶ سطر نمبر ۱۹، مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند)

قرآنِ مجید کی وہ کون سی آیت ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے قول کے بغیر کسی اور کے قول سے حجت (دلیل) قائم کرنا بعید از عقل ہے؟

۱۰۵) کیا کسی حدیث سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے قول کے بغیر کسی دوسرے (مثلاً نبی یا صحابی) کے قول سے حجت قائم کرنا بعید از عقل ہے؟

۱۰۶) کیا قاضی ابو یوسف کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ امام ابوحنیفہ کے قول کے بغیر کسی

دوسرے کے قول سے استدلال کرنا بعید از عقل ہے؟

۱۰۷) محمود حسن دیوبندی نے کہا:

''آپ ہم سے وجوبِ تقلید کی دلیل کے طالب ہیں۔ ہم آپ سے وجوبِ اتباعِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، و وجوبِ اتباعِ قرآنی کی سند کے طالب ہیں''

(ادلۂ کاملہ مع تسہیل ادلہ ص ۷۸، نیز دیکھئے ایضاح الادلہ ص ۹۹)

کیا قرآنِ مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت ہے کہ مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے کو مسلمان سے وجوبِ اتباعِ محمدی ﷺ اور وجوبِ اتباعِ قرآنی کی سند کا مطالبہ کرنا چاہئے؟

۱۰۸) کیا کسی حدیث سے ثابت ہے کہ مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے شخص کو مسلمان سے وجوبِ اتباعِ محمدی ﷺ اور وجوبِ اتباعِ قرآنی کی سند کا مطالبہ کرنا چاہئے؟

۱۰۹) کیا امام ابوحنیفہ اہلِ اسلام سے مباحثہ کرتے وقت وجوبِ اتباعِ محمدی ﷺ اور وجوبِ اتباعِ قرآنی کی سند کا مطالبہ کرتے تھے؟

۱۱۰) محمود حسن دیوبندی نے اپنے شیخ رشید احمد گنگوہی کو، اُس کے مرنے کے بعد مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''رہے منہ آپ کی جانب تو بُعدِ ظاہری کیا ہے
ہمارے قبلۂ و کعبہ ہوتم دینی و ایمانی'' (مرثیہ ص ۱۲، کلیاتِ شیخ الہند ص ۹۰)

یہ کہنا کہ گنگوہی دینی و ایمانی قبلہ و کعبہ تھا، کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۱۱) یہ عقیدہ رکھنا کہ گنگوہی دیوبندی دینی و ایمانی قبلہ و کعبہ تھا، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۱۲) کیا امام ابوحنیفہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ گنگوہی دیوبندی دینی و ایمانی قبلہ و کعبہ تھا؟

۱۱۳) محمود حسن نے اپنے کسی پسندیدہ آدمی کے لئے کہا:

''مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اِس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم'' (کلیاتِ شیخ الہند ص ۷۰، مرثیہ ص ۲۳)

کیا کسی آیت سے ثابت ہے کہ فلاں شخص مثلاً گنگوہی وغیرہ کے پاس یہ اختیار ہے کہ مُردوں کو زندہ کیا اور زندوں کو مرنے نہ دیا؟

۱۱۴) کیا کسی حدیث سے ثابت ہے کہ فلاں شخص مثلاً گنگوہی وغیرہ کے پاس یہ اختیار ہوتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کیا اور زندوں کو مرنے نہ دیا؟

۱۱۵) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ فلاں شخص مثلاً گنگوہی وغیرہ کے پاس یہ اختیار ہوتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کیا اور زندوں کو مرنے نہ دیا؟

۱۱۶) محمود حسن دیوبندی نے کہا:

''الحق والانصاف ان الترجیح للشافعیؒ فی ھذہ المسئلة و نحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفةؒ واللہ اعلم''

حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلے میں شافعی کو ترجیح حاصل ہے اور ہم مقلدین ہیں، ہم پر اپنے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔ واللہ اعلم (التقریر للترمذی ص ۳۶)

قرآنِ مجید کی وہ کون سی آیت ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حق وانصاف معلوم ہونے اور تسلیم کرنے کے باوجود امام ابوحنیفہ کی تقلید کرنی چاہئے اور حق وانصاف کو چھوڑ دینا چاہئے؟

۱۱۷) وہ حدیث کہاں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق وانصاف پر عمل کرنے کے بجائے اپنے خودساختہ امام کی تقلید واجب ہے؟

۱۱۸) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حق وانصاف کے بجائے اپنے خودساختہ امام کی تقلید ضروری ہے؟!

۱۱۹) محمود حسن دیوبندی نے کہا:

''کیونکہ قول مجتہد بھی قول رسول اللہ ﷺ ہی شمار ہوتا ہے۔''

(تقاریر شیخ الہند ص ۲۴، الورد الشذی علیٰ جامع الترمذی ص ۲)

قرآنِ مجید کی کس آیت سے یہ ثابت ہے کہ قولِ مجتہد بھی قولِ رسول اللہ ﷺ ہی شمار

ہوتا ہے؟

۱۲۰) کس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ قولِ مجتہد بھی قولِ رسول اللہ ﷺ ہی شمار ہوتا ہے؟

۱۲۱) کیا امام ابوحنفیہ سے یہ ثابت ہے کہ قولِ مجتہد بھی قولِ رسول اللہ ﷺ ہی شمار ہوتا ہے؟

۱۲۲) حسین احمد مدنی ٹانڈوی نے سیدنا عبادہ بن الصامت البدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا: ''کیونکہ بعض کے راوی عبادہ ہیں جو مدلس ہیں''

(توضیح الترمذی ج ۱ ص ۴۲۷ طبع مدنی مشن بک ڈپو۔ مدنی نگر، کلکتہ۔ ۵۱)

یہ کہنا کہ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ مدلس تھے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۲۳) کیا سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کو امام ابوحنیفہ مدلس سمجھتے تھے؟

۱۲۴) کیا سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کو قاضی ابویوسف مدلس سمجھتے تھے؟

۱۲۵) حسین احمد ٹانڈوی نے کہا: ''قومیں نسل مذہب وطن پیشوں وغیرہ سے بنتی ہیں''

(مکتوبات [دیوبندی] شیخ الاسلام ج ۲ ص ۳۴۹ مکتوب: ۱۲۳)

ٹانڈوی نے مزید کہا:

''ہمارے زمانے میں قومیں وطنوں سے بنتی ہیں۔ تمام باشندگانِ ہند خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی یا عیسائی بیرونی طاقتوں کے مقابلہ میں ایک قوم ہیں''

(حیات شیخ الاسلام ص ۱۱۲، ۱۱۳، تصنیف محمد میاں دیوبندی)

عرض ہے کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں، کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۲۶) قومیں وطن سے بنتی ہیں، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۲۷) کیا امام ابوحنیفہ یہ کہتے تھے کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں؟

۱۲۸) حسین احمد دیوبندی نے قصیدۂ بردہ کا ایک شعر بطورِ حجت نقل کیا:

''یا اشرف الخلق مالی من الوذبہ سواك عند حلول الحادث العمم

اے افضل مخلوقات میرا کوئی نہیں جسکی پناہ پکڑوں بجز تیرے بروقت نزول حوادث''

(الشہاب الثاقب ص ٦٦، دوسرا نسخہ ص ٢۴۵)

یہ عقیدہ رکھنا کہ حوادث (حادثات اور مصیبتوں) میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی پناہ نہیں، کس آیت سے ثابت ہے؟

١٢٩) یہ سمجھنا کہ حادثات اور مصیبتوں میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی پناہ نہیں، کس حدیث سے ثابت ہے؟

١٣٠) یہ کہنا کہ حادثات میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی پناہ نہیں، امام ابوحنیفہ کے کس قول سے ثابت ہے؟

١٣١) حسین احمد نے محمد قاسم نانوتوی کا قول نقل کیا جس میں رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لئے پکارا گیا ہے:

''مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار
جو تو ہی ہمکو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غم خوار ''

(الشہاب الثاقب ص ٦٦، دوسرا نسخہ ص ٢۴۵)

یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نہ پوچھیں تو کون پوچھے گا اور کون غم خوار ہوگا، کس آیت سے ثابت ہے؟

١٣٢) یہ سمجھنا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نہ پوچھیں تو کون پوچھے گا اور کون غم خوار ہوگا، کس حدیث سے ثابت ہے؟

١٣٣) کیا امام ابوحنیفہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ رسولِ اللہ ﷺ اپنی وفات کے بعد بھی پوچھتے ہیں اور مددگار ہوتے ہیں؟

١٣٤) حسین احمد ٹانڈوی نے کہا:

''دُور کر دل سے حجابِ جہل وغفلت میرے اب
کھولدے دل میں دَرِ علمِ حقیقت میرے اب

ھا د یٔ عا لم علی مشکل کشا کے و ا سطے" (سلاسل طیبہ مع چند مجرب عملیات ص۱۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا سمجھنا اور آپ کے وسیلے سے دعا کرنا کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۳۵) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا سمجھنا اور آپ کے وسیلے سے دعا کرنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۳۶) کیا امام ابو حنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ مشکل کشا ہیں اور آپ کے وسیلے سے دعا مانگنی چاہئے؟

۱۳۷) حسین احمد ٹانڈوی چشتی فیض آبادی نے لکھا ہے:

"چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ والصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللّٰہ کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفریں اس نداء اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اُڑاتے ہیں اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں، حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ بصیغۂ خطاب و نداء کیوں نہ ہوں مستحب و مستحسن جانتے ہیں" (الشہاب الثاقب ص ٦٥، دوسرا نسخہ ص ۲۴۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی غیر حاضری میں آپ کو بصیغۂ خطاب و نداء پکارنا کس آیت سے مستحب و مستحسن ثابت ہوتا ہے؟

۱۳۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی غیر حاضری میں والصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۳۹) کیا امام ابو حنیفہ سے ثابت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصیغۂ خطاب و نداء پکارتے تھے؟

۱۴۰) حسین احمد ٹانڈوی صاحب کرم داس گاندھی کی پارٹی کانگرس میں شامل تھے۔

حوالے کے لئے دیکھئے فرید الوحیدی دیوبندی کی کتاب "حسین احمد مدنی" (ص ۲۷۵)

ہندوؤں کی پارٹی کانگرس میں بھرتی ہونا کس دلیل سے ثابت ہے؟

۱۴۱) محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی تبلیغی نے کہا:

"اور بعض بزرگوں سے نقل کیا گیا کہ بہت سے لوگ خراسان میں رہنے والے مکہ سے تعلق کے اعتبار سے بعض ان لوگوں سے قریب ہیں جو طواف کر رہے ہوں، بلکہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ خود کعبہ ان کی زیارت کو جاتا ہے" (فضائل حج ص ۸۸۵/۱۱۱)

کس آیت سے یہ ثابت ہے کہ کعبہ خود بعض لوگوں کی زیارت کو جاتا ہے؟

۱٤۲) کس حدیث سے ثابت ہے کہ بعض لوگوں کی زیارت کو کعبہ خود جاتا ہے؟

۱٤۳) کیا امام ابوحنیفہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ کعبہ بعض لوگوں کی زیارت کو خود جاتا ہے؟

۱٤٤) زکریا تبلیغی نے ایک غیر مستند کتاب روض الفائق کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں محمد بن عبداللہ صاحبِ قرآن ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تیرا باپ بڑا گناہگار تھا لیکن مجھ پر کثرت سے درود بھیجتا تھا۔ جب اس پر یہ مصیبت نازل ہوئی تو اس کی فریاد کو پہنچا اور میں ہر اُس شخص کی فریاد کو پہنچتا ہوں جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجے"

(تبلیغی نصاب ص ۷۹۱، فضائل درود ص ۱۱۳)

قرآن کی وہ کون سی آیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر اُس شخص کی فریاد کو پہنچتے ہیں جو آپ پر کثرت سے درود بھیجے؟

۱٤۵) وہ کون سی حدیث ہے جس سے ثابت ہو کہ رسول اللہ ﷺ اُس شخص کی فریاد کو پہنچتے ہیں جو آپ پر کثرت سے درود بھیجے؟

۱٤٦) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہر اُس شخص کی فریاد کو پہنچتے ہیں جو آپ پر کثرت سے درود بھیجے؟

۱٤۷) زکریا تبلیغی نے بطورِ رضامندی اور تائید بعض اشعار کا ترجمہ لکھا ہے:

"رسولِ خدا نگاہِ کرم فرمائیے اے ختم المرسلین رحم فرمائیے

(۲) آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں ہم حرماں نصیبوں اور ناکامانِ قسمت سے آپ کے تغافل فرما سکتے ہیں...

(۱۱) عاجزوں کی دستگیری، بیکسوں کی مدد فرمایئے اور مخلص عشاق کی دلجوئی و دلداری کیجئے۔"

(تبلیغی نصاب ص ۸۰۶، فضائل درود ص ۱۲۸)

وہ کون سی آیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ (اپنی وفات کے بعد) عاجزوں کی دستگیری اور بیکسوں کی مدد فرماتے ہیں؟

۱۴۸) وہ کون سی حدیث ہے جس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیکسوں کی مدد اور عاجزوں کی دستگیری فرماتے ہیں؟

۱۴۹) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ عاجزوں کی دستگیری اور بیکسوں کی مدد فرماتے ہیں؟

۱۵۰) ایک عورت مرگئی، اس کا منہ کالا ہوگیا اور اس کا پیٹ پھول گیا، پھر کیا ہوا؟

زکریا دیوبندی کے نقل کردہ الفاظ میں مرنے والی عورت کے بیٹے کے حوالے سے پیشِ خدمت ہے: "کہ تہامہ (حجاز) سے ایک ابر آیا اس سے ایک آدمی ظاہر ہوا۔ اس نے اپنا مبارک ہاتھ میری ماں کے مُنہ پر پھیرا جس وہ بالکل روشن ہوگیا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو ورم بالکل جاتا رہا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں کہ میری اور میری ماں کی مصیبت کو دور کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تیرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔"

(تبلیغی نصاب ص ۷۹۳، ۷۹۴، فضائل درود ص ۱۱۵، ۱۱۶)

کس آیت سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ غیر عورتوں کے چہرے اور پیٹ پر (معاذ اللہ) ہاتھ پھیرتے تھے؟

۱۵۱) کس حدیث سے ثابت ہے کہ غیر عورتوں کے چہرے اور پیٹ پر نبی کریم ﷺ اپنا ہاتھ پھیرتے تھے؟ معاذ اللہ

۱۵۲) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی ﷺ اُمتیوں کی عورتوں کے چہرے اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے تھے؟

۱۵۳) زکریا دیوبندی نے لکھا ہے:

"شیخ ابو یعقوب سُوسیؒ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ مَیں کل کو ظہر کے وقت مر جاؤں گا۔ چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا، طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا۔" (فضائل صدقات حصہ دوم ۶۵۸/۳۰۰)

کس آیت سے ثابت ہے کہ صوفیاء اور پیروں کے مریدوں کو اپنے مرنے کے صحیح وقت کا علم ہوتا ہے؟

۱۵۴) کس حدیث سے ثابت ہے کہ پیروں کے مریدوں کو اپنے مرنے سے پہلے اپنی موت کا صحیح وقت معلوم ہوتا ہے؟

۱۵۵) کیا امام ابو حنیفہ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مرید کو اپنے مرنے کے صحیح وقت کا پہلے سے علم ہوتا ہے؟

۱۵۶) زکریا تبلیغی نے حسین احمد ٹانڈوی دیوبندی اور رائے پوری دونوں سے کہا:

"حضرت آپ دونوں کی جوتیوں کی خاک اپنے سر پر ڈالنا باعثِ نجات اور فخر اور موجبِ عزت سمجھتا ہوں۔" (آپ بیتی حصہ اول ص ۴۵۹، جلد ۴ ص ۸۸)

ٹانڈوی اور رائے پوری کی جوتیوں کی خاک کو سر پر ڈالنا باعثِ نجات، کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۵۷) کس حدیث سے ثابت ہے کہ رائے پوری اور ٹانڈوی کی جوتیوں کی خاک کو سر پر ڈالنا باعثِ نجات ہے؟

۱۵۸) کیا امام ابو حنیفہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ فلاں صوفی کی جوتیوں کی خاک سر پر ڈالنا باعثِ نجات ہے؟

۱۵۹) حسین بن منصور نامی ایک حلولی شخص اپنے آپ کو "أنا الحق" میں حق (خدا) ہوں، کہتا تھا، اس کے بارے میں زکریا نے کہا:

"دی گئی منصور کو پھانسی ادب کے ترک پر تھا انا الحق۔ حق مگر اک لفظ گستاخانہ تھا"

(ولی کامل از قلم عزیز الرحمٰن دیوبندی ص ۲۴۹)

یہ کہنا کہ میں خدا ہوں، اس کا حق ہونا کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۶۰) کس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آدمی کہہ سکتا ہے: میں خدا ہوں؟

۱۶۱) عاشق الٰہی دیوبندی نے نانوتوی اور گنگوہی وغیرہما کے بارے میں لکھا:

''اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے'' (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۹)

انگریز ''سرکار'' کا خیر خواہ ہونا اور ساری زندگی اسی عقیدے پر ثابت رہنا کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۶۲) ساری زندگی انگریز سرکار (!) کا خیر خواہ رہنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۶۳) ساری زندگی انگریز سرکار (!) کا خیر خواہ رہنا امام ابوحنیفہ کے کس قول سے ثابت ہے؟

۱۶۴) ماسٹر محمد امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا:

''لیکن آپ ؐ نماز پڑھاتے رہے اور کتیا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی تھی دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی'' (غیر مقلدین کی غیر مستند نماز ص ۴۴، مجموعہ رسائل ج ۳ ص ۳۵۰ حوالہ نمبر ۱۹۸، تجلیاتِ صفدر ج ۵ ص ۴۸۸، شائع شدہ بعد از موت اوکاڑوی)

کس حدیث میں شرمگاہوں پر نظر پڑنے کا ذکر ہے؟ معاذ اللہ

۱۶۵) کیا شرمگاہوں پر نظر پڑنے والی بات امام ابوحنیفہ سے بھی ثابت ہے؟

۱۶۶) رشید احمد لدھیانوی نے کہا:

''اس لئے کہ ہم امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لئے قولِ امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلۂ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفۂ مجتہد ہے'' (ارشاد القاری ج ۱ ص ۴۱۲)

یہ کہنا کہ مقلد کے لئے ادلۂ اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع اور اجتہاد) حجت نہیں بلکہ صرف قولِ امام حجت ہوتا ہے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۶۷) یہ عقیدہ رکھنا کہ مقلد کے لئے قرآن، حدیث اور اجماع حجت نہیں بلکہ صرف قولِ

امام حجت ہوتا ہے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۶۸) یہ کہنا کہ مقلد کے لئے قرآن، حدیث اور اجماع حجت نہیں بلکہ صرف قولِ امام حجت ہوتا ہے، امام ابوحنیفہ کے کس قول سے ثابت ہے؟

۱۶۹) صوفی عبدالحمید سواتی دیوبندی نے فوائد عثمانی نامی کتاب سے نقل کرتے ہوئے بطورِ رضامندی لکھا ہے:

''الٰہی بحرمت حضرت خواجہ مشکل کشا سید الاولیاء سند الاتقیاء... پیر دستگیر حضرت مولانا محمد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' (فیوضاتِ حسینی ص ٦٨)

خواجہ محمد عثمان کو مشکل کشا اور پیر دستگیر کہنا کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۷۰) خواجہ محمد عثمان کو مشکل کشا اور پیر دستگیر کہنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۷۱) کیا امام ابوحنیفہ بھی خواجہ محمد عثمان یا اس جیسوں کو مشکل کشا اور پیر دستگیر سمجھتے تھے؟

۱۷۲) تبلیغی جماعت کے بانی محمد الیاس دیوبندی نے ایک شخص کے نام خط میں لکھا:

''اور اگر حق تعالیٰ کسی کام کو لینا نہیں چاہتے ہیں تو چاہے انبیا بھی کتنی کوشش کر لیں تب بھی ذرہ نہیں مل سکتا۔ اور اگر کرنا چاہیں تو تم جیسے ضعیف سے بھی وہ کام لے لیں جو انبیاء سے بھی نہ ہو سکے۔'' (مکاتیب شاہ الیاس ص ۱۰۷، کارکنوں اور دوستوں کے نام)

یہ کہنا کہ دیوبندی تبلیغی جماعت سے اللہ تعالیٰ وہ کام لے لیتا ہے جو نبیوں سے بھی نہ ہو سکے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۷۳) یہ سمجھنا کہ دیوبندیوں سے اللہ تعالیٰ وہ کام لے لیتا ہے جو انبیاء سے بھی نہ ہو سکے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۷۴) کیا امام ابوحنیفہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ دیوبندیوں سے اللہ تعالیٰ وہ کام لے لیتا ہے جو نبیوں سے بھی نہ ہو سکے؟

۱۷۵) محمد تقی عثمانی دیوبندی نے تقلید کی حمایت کرتے ہوئے مقلد کے بارے میں کہا:

''چنانچہ اس کا کام صرف تقلید ہے، اور اگر اسے کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف

نظر آئے تب بھی اُسے امام کا مسلک نہیں چھوڑنا چاہئے، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ حدیث کا صحیح مفہوم یا اس کا صحیح محمل میں سمجھ نہیں سکا'' (تقلید کی شرعی حیثیت طبع ششم ص ۹۲)

یہ کہنا کہ حدیث معلوم ہونے کے باوجود اپنا تقلیدی مسلک نہیں چھوڑنا چاہئے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۷۶) یہ عقیدہ رکھنا کہ حدیث معلوم ہونے کے باوجود اپنا تقلیدی مسلک نہیں چھوڑنا چاہئے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۷۷) کیا امام ابوحنیفہ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ حدیث معلوم ہونے کے باوجود اپنا تقلیدی مسلک نہیں چھوڑنا چاہئے؟

۱۷۸) دیوبندیوں کے اکابر میں سے محمد احسن نانوتوی نے ۲۲/ مئی ۱۸۵۷ء (جنگِ آزادی کے دنوں میں) بریلی کی مسجد نو محلہ میں مسلمانوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے''

(محمد احسن نانوتوی ص ۵۰، تصنیف محمد ایوب قادری دیوبندی)

انگریز حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۷۹) انگریز حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۸۰) کیا امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے کہ انگریز حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے؟

۱۸۱) مظفر حسین کاندھلوی دیوبندی نے ایک خانصاحب سے نماز (پڑھنے) کے لئے کہا تو اس نے جواب دیا: مجھے ڈاڑھی چڑھانے کی عادت ہے اور وضو سے یہ اتر جاتی ہے۔ مظفر حسین کاندھلوی نے کہا: ''بے وضو پڑھ لیا کرو'' (حکایاتِ اولیاء ص ۲۱۷ حکایت نمبر ۱۹۲)

یہ کہنا کہ نماز بے وضو پڑھ لیا کرو، کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۸۲) یہ کہنا کہ نماز بے وضو پڑھ لیا کرو، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۸۳) کیا امام ابوحنیفہ سے بھی ثابت ہے کہ نماز بے وضو پڑھ لیا کرو؟

۱۸۴) شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے لکھا:

''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے اُمتیوں کے حالات سے پُورے واقف ہیں اُن کی صداقت وعدالت پر گواہ ہونگے'' (تفسیر عثمانی ص ۲۷، سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۴۳، کے تحت، حاشیہ نمبر ۳)

یہ کس آیت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اُمتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں؟

۱۸۵) کس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اُمتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں؟

۱۸۶) کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے امتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں؟

۱۸۷) فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے موقع پر کہا:

''لڑنے کا کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں۔''

(حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۰۳، از مناظر احسن گیلانی)

خضر علیہ السلام کا انگریزوں کی صف میں ہونا کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۸۸) سیدنا خضر علیہ السلام کا انگریزوں کی صف میں پایا جانا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۸۹) کیا امام ابوحنیفہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ خضر علیہ السلام انگریزوں کی صف میں پائے جاتے ہیں؟

۱۹۰) زکریا تبلیغی دیوبندی نے کہا:

''حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے بڑے صاحبزادے جناب حکیم معین الدین صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑا بخار کی بہت کثرت ہوئی سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے کر باندھ لیتا اسے ہی آرام ہو جاتا۔''

(آپ بیتی جلد ۲ ص ۱۲۲۳ حصہ ۶ ص ۳۰۹)

قرآن کی کس آیت سے ثابت ہے کہ یعقوب نانوتوی وغیرہ پیروں کی قبر کی مٹی سے

شفا ہو جاتی ہے؟

۱۹۱) کس حدیث سے ثابت ہے کہ بیماری کے علاج کے لئے قبر کی مٹی لے جانے سے شفا ہو جاتی ہے؟

۱۹۲) کیا امام ابوحنیفہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ قبر کی مٹی لے جانے سے شفا ہو جاتی ہے؟

۱۹۳) ایک شخص نے خواب دیکھا کہ رشید احمد لدھیانوی دیوبندی کے دارالافتاء والارشاد میں صدرِ امریکہ ریگن (عیسائی، کافر) آیا ہے حتیٰ کہ نماز کا وقت ہو گیا، لدھیانوی دیوبندی نے بہت محبت کے ساتھ ریگن سے معانقہ کیا پھر اس سے امامت کے لئے کہا، اس کے بعد رشید احمد لدھیانوی نے بنظرِ غائر ریگن کی صورت دیکھ کر کہا: ''یہ صورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کی شبیہ ہے'' (رشید احمد کی کتاب انوار الرشید طبع اول ۱۴۰۴ھ ص ۲۴۶)

ریگن کافر کی مکروہ صورت کو افضل البشر سیدنا نبی اکرم ﷺ کی صورتِ مبارکہ سے تشبیہ دینا کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۹۴) ریگن کافر کی مکروہ صورت کو نبی اکرم ﷺ کی صورتِ مبارکہ سے تشبیہ دینا کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۹۵) کیا امام ابوحنیفہ اُس شخص کو مسلمان سمجھتے تھے جو یہ کہتا تھا کہ فلاں کافر کی صورت سید البشر سیدنا نبی اکرم ﷺ فداہ ابی واُمی ورُوحی کی صورتِ مبارکہ کی شبیہ ہے؟

یادر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۱۹۶) اشرف علی تھانوی کے پردادا کسی بارات میں مارے گئے تھے، ان کے بارے میں عزیز الحسن مجذوب نے لکھا: ''شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کرو گی تو اسی طرح روز آیا کریں گے لیکن اُن کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں اس لئے ظاہر کر دیا اور پھر آپ تشریف نہیں لائے۔'' (اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۵)

مارے جانے والے شخص کا مرنے کے بعد اپنے گھر آنا اور مٹھائی لانا کس آیت سے ثابت ہے؟

۱۹۷) مارے جانے والے شخص کا موت کے بعد اپنے گھر آنا اور مٹھائی لانا، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۱۹۸) کیا امام ابوحنیفہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ مارا جانے والا شخص مرنے کے بعد اپنے گھر آتا ہے اور مٹھائی لاتا ہے؟

۱۹۹) ابو بلال محمد اسماعیل جھنگوی دیوبندی نے کہا: ''نماز میں اقعاء کرنا خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (ترمذی ج ۱ ص ۳۸۔ ابو داود جلد ۱ ص ۱۲۳) لیکن مسلم شریف ج ۱ ص ۱۹۵ پر اسے عقبۃ الشیطان کہا گیا ہے۔'' (تحفۂ اہلحدیث حصہ ۲ ص ۱۲۱)

جھنگوی نے مزید کہا: ''دیکھیں اپنے کیے ہوئے فعل کو عقبہ شیطان کہا جارہا ہے۔''

(تحفۂ اہلحدیث حصہ ۲ ص ۱۲۱)

رسول اللہ ﷺ نے جس اقعاء (عقبۃ الشیطان / کتے کی طرح بیٹھنے) سے منع فرمایا تھا، کس حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے بھی یہ فعل کیا تھا؟

تنبیہ: رسول اللہ ﷺ سے جو اقعاء ثابت ہے وہ دوسرا ہے جس میں بیمار کے لئے حالتِ تشہد میں بیٹھنا جائز ہے لیکن آپ نے جس اقعاء سے منع فرمایا تھا وہ دوسرا اقعاء (کتے کی طرح بیٹھنا) ہے، آپ ﷺ کے فعل سے یہ دوسرا اقعاء قطعاً ثابت نہیں ہے۔

نیز دیکھئے تقی عثمانی کی کتاب: درسِ ترمذی (ج ۲ ص ۵۳)

۲۰۰) محمد حسین نیلوی دیوبندی نے الزامی اعتراض کرتے ہوئے کہا:

''ایسے تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جنرل ضیاء الحق ہی اچھا رہا کہ جب بھی اسے کوئی مہم پیش آتی تو سیدھا مکہ شریف جا پہنچتا اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرتا۔''

(مظلوم کربلا ص ۱۰۰)

عرض ہے کہ وہ کون سی دلیل ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

سے داڑھی منڈا جنرل ضیاء الحق (جس کے دور میں انسانوں کے خودساختہ وضعی قوانین بزورِ حکومت نافذ تھے۔) ہی اچھا رہا؟!

۲۰۱) اشرفعلی تھانوی نے ابن عربی صوفی (نکرہ) کو شیخ اکبر کے لقب سے یاد کرتے ہوئے کہا: ''اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ کا کشف جناب رسول اللہ ﷺ کے کشف سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ انہوں نے جس امر کے وقوع کی اطلاع دی ہے مع سن و سال اطلاع دی ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے واقعات آئندہ کی جو خبر دی ہے تو اس تفصیل سے نہیں خبر دی لیکن یہ سمجھنا غلط ہے کیونکہ حضرت شیخ کا علم لوحِ محفوظ سے مستفاد ہے اور لوح محفوظ میں سنہ وسال سب تحریر ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا علم لوحِ محفوظ کو قطع کر کے حق تعالیٰ کے علم ذات والا صفات تک پہنچ گیا ہے اور وہاں سن وسال کچھ بھی نہیں سب زمانے برابر ہیں'' (تقریر ترمذی ص ۶۱۶، ۶۱۷، سورۃ الکہف)

یہ عقیدہ رکھنا کہ ابن عربی صوفی کا کشف سیدنا رسول اللہ ﷺ کے کشف سے بڑھا ہوا ہے اور ابنِ عربی کا علم لوحِ محفوظ سے مستفاد ہے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۲۰۲) یہ سمجھنا کہ ابن عربی صوفی کا کشف سیدنا رسول اللہ ﷺ کے کشف سے بڑھا ہوا تھا اور ابن عربی کا علم لوحِ محفوظ سے مستفاد ہے، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۲۰۳) کیا امام ابوحنیفہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ابن عربی کا علم لوحِ محفوظ سے مستفاد ہے اور ابن عربی صوفی کا کشف سیدنا رسول اللہ ﷺ کے کشف سے بڑھا ہوا ہے؟

۲۰۴) اشرفعلی تھانوی نے پاگل مجذوبوں کے بارے میں کہا:

''مجاذیب یہاں بیٹھے ہیں اور کلکتہ کی اُن خبر ہے'' (تقریر ترمذی طبع ۱۴۱۶ھ ص ۶۱۶)

یہ سمجھنا کہ مجذوب (پاگل دیوانے) دُور بیٹھے ہوتے ہیں اور کلکتہ کی اُن کو خبر ہوتی ہے، کس آیت سے ثابت ہے؟

۲۰۵) یہ کہنا کہ مجذوب دُور بیٹھے ہوتے ہیں اور کلکتہ کی اُن کو خبر ہوتی ہے، کس حدیث

سے ثابت ہے؟

۲۰۶) یہ عقیدہ رکھنا کہ مجذوب یہاں بیٹھے ہیں اور کلکتہ کی اُن کو خبر ہے، امام ابوحنیفہ کے کس مفتیٰ بہ قول سے ثابت ہے؟

۲۰۷) اشرفعلی تھانوی نے شیخ عبدالقادر جیلانی کو ''غوث الاعظم'' کے لقب سے یاد کرتے ہوئے کہا:

''ایک دن حضرت غوث الاعظم سات اولیاء اللہ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ نظر بصیرت سے ملاحظہ فرمایا کہ ایک جہاز قریب غرق ہونے کے ہے آپ نے ہمت وتوجہ باطنی سے اُس کو غرق ہونے بچالیا.....'' (امداد المشتاق ص ۴۴ فقرہ: ۱۹)

یہ سمجھنا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ غوث الاعظم (سب سے بڑے فریاد رس) تھے اور آپ نے توجہ باطنی سے غرق ہونے والے جہاز کو بچالیا، کس آیت سے ثابت ہے؟

۲۰۸) یہ عقیدہ رکھنا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تھے اور آپ نے ہمت وتوجہ باطنی سے غرق ہونے والے جہاز کو بچالیا، کس حدیث سے ثابت ہے؟

۲۰۹) کیا امام ابوحنیفہ بھی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم ہیں اور انھوں نے ہمت وتوجہ باطنی سے غرق ہونے والے جہاز کو بچالیا؟

۲۱۰) اشرفعلی تھانوی نے ''بزرگوں'' کے ''خاص برکات یعنی تصرفات'' کے ذکر پر کہا:

''اس باب میں ارواح کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں بعض کو تصرف عطا ہوتا ہے بعض کو نہیں جیسے ملائکہ کی حالت ہے کہ بعض کے سپرد تو تربیہ مخلوق کے متعلق خاص خاص خدمتیں ہیں اور بعض کا کام سوائے ذکر وعبادت کے اور کچھ نہیں۔''

(الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ ج ۱۰ ص ۱۰۷، ملفوظ ۸۷۸)

یہ عقیدہ رکھنا کہ بعض ارواح کو تصرف عطا ہوتا ہے، امام ابوحنیفہ کے کس مفتیٰ بہ قول سے ثابت ہے؟ (ختم شد) [۱۹/ دسمبر ۲۰۰۸ء]

عبداللہ بن سبا کون تھا؟

سوال: بعض لوگ عبداللہ بن سبا یہودی کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ آپ سے گذارش ہے کہ اس سوال کا مفصل جواب بیان فرمائیں تا کہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

(خالد بن علی گوہر دایو، ملخصاً)

الجواب: عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود ایک حقیقت ہے جس کا ثبوت صحیح بلکہ متواتر روایات سے ثابت ہے مثلاً:

① امام احمد بن زہیر بن حرب عرف ابن ابی خیثمہ فرماتے ہیں: ''**حدثنا عمرو بن مرزوق قال: نا شعبة عن سلمة بن كهيل عن زيد بن وهب قال قال علي: مالي ولهذا الخبيث الأسود ـ يعني عبدالله بن سبأ ـ وكان يقع في أبي بكر وعمر.**'' سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اس کالے خبیث یعنی عبداللہ بن سبا کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اور وہ (ابن سبا) ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو بُرا کہتا تھا۔

(التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص ۵۸۰ ح ۱۳۹۸، وسندہ صحیح)

② جحیہ الکندی سے روایت ہے کہ (سیدنا) علی علیہ السلام نے منبر پر فرمایا: یہ کالا ابن السوداء اللہ اور رسول پر جھوٹ بولتا ہے۔ الخ (الجزء الثالث والعشرون من حدیث ابی الطاہر محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصر الذہلی: ۱۵۷، وسندہ حسن، تاریخ ابن ابی خیثمہ: ۱۳۹۸، تاریخ دمشق ۶/۳۱)

ابن سوداء سے مراد ابن سبا ہے۔

③ عبید اللہ بن عتبہ (بن مسعود) رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**إني لست بسبائي ولا حروري**'' میں نہ تو سبائی (عبداللہ بن سبا والا یعنی شیعہ) ہوں اور نہ حروری (خارجی) ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۲۹۹، ۳۰۰ ح ۳۱۲۲۷، دوسرا نسخہ ح ۳۱۷۶۱ وسندہ صحیح)

④ امام یزید بن زریع رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۲ھ) نے فرمایا: ''**ثنا الكلبي وكان سبائيا**''

ہمیں (محمد بن السائب) الکلبی نے حدیث بیان کی اور وہ سبائی (یعنی عبداللہ بن سبا کی پارٹی میں سے) تھا۔ (الکامل لابن عدی ج٦ص ٢١٢٨ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج٧ص ٢٧٥)

⑤ محمد بن السائب الکلبی نے کہا: ''أنا سبائي'' میں سبائی ہوں۔

(الضعفاء للعقیلی ٤/٧٧ وسندہ صحیح، المجروحین لابن حبان ٢/٢٥٣ وسندہ صحیح)

لفظ سبائی کی تشریح میں امام ابوجعفر العقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''هم صنف من الرافضة أصحاب عبدالله بن سبأ''

یہ رافضیوں کی ایک قسم ہے، یہ عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں۔ (الضعفاء الکبیر ٤/٧٧)

⑥ امام عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ (متوفی ١٠٤ھ) نے فرمایا:

''فلم أر قومًا أحمق من هذه السبئية'' میں نے ان سبائیوں سے زیادہ احمق کوئی قوم نہیں دیکھی۔ (الکامل لابن عدی ٦/٢١٢٨ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج٧ص ٢٧٥)

⑦ امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے ایک ثقہ راوی عبداللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب کے بارے میں فرمایا: ''وكان عبدالله يتبع السبائية'' اور عبداللہ سبائیوں کے پیچھے چلتے تھے۔ (التاریخ الکبیر للبخاری ٥/١٨٧، وسندہ صحیح)

سبائیوں سے مراد رافضیوں (شیعوں) کی ایک قسم ہے۔ (تہذیب الکمال ج١٠ص ٥١٣)

⑧ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا:

''وكان الكلبي سبئيًا من أصحاب عبدالله بن سبأ ....''

اور کلبی سبائی تھا، وہ عبداللہ بن سبا کے پیروکاروں میں سے تھا... (المجروحین ٢/٢٥٣)

⑨ ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے کہا:

''ثم السبئية إذ غلت في الكفر فزعمت أن عليًا إلٰهها حتّى حرّقهم بالنار...'' پھر سبائی ہیں، جب انھوں نے کفر میں غلو کیا تو یہ دعویٰ کیا کہ علی اُن کے الٰہ (معبود) ہیں حتیٰ کہ انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں کو جلا دیا۔ (احوال الرجال ص ٣٧)

⑩ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اعمش کے شاگرد ابوسلمان یزید نامی راوی کے بارے

میں فرمایا: ''وھو سبائي '' اور وہ سبائی ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۲۸۷۰)

ان کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں جن سے عبداللہ بن سبا یہودی کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ اہلِ سنت کی اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی ابن سبا کا تذکرہ موجود ہے۔

مثلاً دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۳/۳۱) میزان الاعتدال (۲/۴۲۶) لسان المیزان (۳/۲۸۹، دوسرا نسخہ ۴/۲۲) وغیرہ۔

فرقوں پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی عبداللہ بن سبا اور سبائیوں کا ذکر موجود ہے۔

مثلاً دیکھئے ابوالحسن الاشعری کی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' (ص ۸۶)

الملل والنحل للشہرستانی (ج ۲ ص ۱۱) اور الفصل فی الملل والاھواء والنحل (۴/۱۸۰) وغیرہ.

حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں: ''**وقالت السبائية أصحاب عبدالله بن سبا الحميرى اليهودى مثل ذلك في علي بن أبي طالب رضي الله عنه**''

اور سبائیوں: عبداللہ بن سبا حمیری یہودی کے پیروکاروں نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی طرح کی باتیں کہی ہیں۔ (الفصل فی الملل ۴/۱۸۰)

ابوالحسن الاشعری فرماتے ہیں: ''**والصنف الرابع عشر من أصناف الغالية وهم السبئية أصحاب عبدالله بن سبا يزعمون أن عليًا لم يمت وأنه يرجع إلى الدنيا قبل يوم القيامة ...**'' غالیوں میں سے چودھویں قسم سبائیوں کی ہے جو عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) فوت نہیں ہوئے اور بے شک وہ قیامت سے پہلے دنیا میں واپس آئیں گے.... (مقالات الاسلامیین ص ۸۶)

حافظ ذہبی نے عبداللہ بن سبا کے بارے میں لکھا ہے کہ ''**من غلاة الزنادقة ضال مضل**'' وہ غالی زندیقوں میں سے (اور) ضال مضل تھا۔ (میزان الاعتدال ۲/۴۲۶)

اہلِ سنت کا عبداللہ بن سبا کے وجود پر اجماع ہے، کوئی اختلاف نہیں۔

شیعہ فرقے کے نزدیک بھی عبداللہ بن سبا کا وجود ثابت ہے جس کی دس (۱۰) دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

ا: امام ابوعبداللہ (جعفر بن محمد بن علی الصادق) رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ” لعن اللّٰه عبداللّٰه بن سبا انه ادعى الربوبية في أمير المؤمنين (ع) وكان واللّٰه أمير المؤمنين (ع) عبدًا للّٰه طائعًا، الويل لمن كذب علينا، و إن قومًا يقولون فينا مالا نقوله في أنفسنا ، نبرأ إلى اللّٰه منهم ، نبرأ إلى اللّٰه منهم “

عبداللہ بن سبا پر اللہ لعنت کرے اُس نے امیر المومنین (علی علیہ السلام) کے بارے میں ربوبیت (رب ہونے) کا دعویٰ کیا، اللہ کی قسم! امیر المومنین (علیہ السلام) تو اللہ کے طاعت شعار بندے تھے، تباہی ہے اس کے لئے جو ہم پر جھوٹ بولتا ہے، بے شک ایک قوم ہمارے بارے میں ایسی باتیں کرے گی جو ہم اپنے بارے میں نہیں کرتے، ہم ان سے بری ہیں ہم ان سے بری ہیں۔ (رجال کشی ص ۱۰۷، روایت نمبر ۱۷۲)

اس روایت کی سند شیعہ اسماء الرجال کی رُو سے صحیح ہے۔ محمد بن قولویہ القمی، سعد بن عبداللہ بن ابی خلف القمی، یعقوب بن یزید، محمد بن عیسیٰ بن عبید، علی بن مہزیار، فضالہ بن ایوب الازدی اور ابان بن عثمان یہ سب راوی شیعوں کے نزدیک ثقہ ہیں۔
دیکھئے مامقانی کی تنقیح المقال (جلد اول)

۲: ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ میں نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) کو اپنے شاگردوں کے سامنے عبداللہ بن سبا اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کے بارے میں اس کے دعویٰ ربوبیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا: اس نے جب یہ دعویٰ کیا تو امیر المومنین (علیہ السلام) نے اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا، اس نے انکار کر دیا تو انھوں نے اُسے آگ میں جلا دیا۔ (رجال کشی ص ۱۰۷، روایت: ۱۷۱، وسندہ صحیح عند الشیعہ)

اس روایت کی سند بھی شیعہ اصول کی رو سے صحیح ہے۔

۳: اسماء الرجال میں شیعوں کے امام کشی نے لکھا ہے:

” ذكر بعض أهل العلم أن عبداللّٰه بن سبا كان يهوديًا فأسلم ووالى عليًا (ع) وكان يقول و هو على يهوديته في يوشع بن نون وصيّ موسى بالغلو ،

فقال في اسلامه بعد وفات رسول اللّٰه (ص) في علي (ع) مثل ذلك، وكان أول من شهر بالقول بفرض امامة عليّ وأظهر البراء ة من أعدائه وكاشف مخالفيه و أكفر هم فمن ههنا قال من خالف الشيعة :أصل التشيع والرفض مأخوذ من اليهودية ''

بعض اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا پھر اسلام لے آیا اور علی (علیہ السلام) سے والہانہ محبت کی، وہ یہودیت میں غلو کرتے ہوئے یوشع بن نون کے بارے میں کہتا تھا: وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے وصی تھے، پھر مسلمان ہونے کے بعد وہ علی (علیہ السلام) کے بارے میں اس طرح کہنے لگا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد آپ وصی ہیں۔

سب سے پہلے علی کی امامت کی فرضیت والا قول اُسی نے مشہور کیا اور آپ کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا، آپ کے مخالفین سے کھلم کھلا دشمنی کی اور انھیں کافر کہا، اس وجہ سے جو لوگ شیعوں کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں: شیعوں اور رافضیوں کی اصل یہودیت میں سے ہے۔ (رجال کشی ص ۱۰۸، ۱۰۹)

۴: شیعوں کے ایک مشہور امام ابو محمد حسن بن موسیٰ النوبختی نے لکھا ہے:

'' وحكى جماعة من أهل العلم من أصحاب على عليه السلام :أن عبداللّٰه ابن سبأ كان يهوديًا فأسلم و والى عليًا عليه السلام و كان يقول وهو على يهوديته فى يوشع بن نون بعد موسى عليه السلام بهذه المقالة فقال في اسلامه بعد وفاة النبي صلى اللّٰه عليه و آله وسلم فى علي عليه السلام بمثل ذلك وهو أول من شهر القول بفرض امامة علي عليه السلام و أظهر البراء ة من أعدائه و كاشف مخالفيه فمن هناك قال من خالف الشيعة :أن الرفض مأخوذ من اليهودية ''

علی علیہ السلام کے شاگردوں (اور متبعین) میں سے علماء کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا پھر اسلام لے آیا اور علی علیہ السلام سے والہانہ محبت کی، وہ اپنی یہودیت میں موسیٰ

علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون کے بارے میں ایسا کلام کرتا تھا پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد علی علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہی، سب سے پہلے علی علیہ السلام کی امامت کی فرضیت کا قول اس نے مشہور کیا، اس نے آپ کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین سے کھلم کھلا دشمنی کی، اس وجہ سے جو شیعہ کا مخالف ہے وہ کہتا ہے: رافضیوں کی اصل یہودیت سے نکالی گئی ہے۔ (فرق الشیعہ للنوبختی ص ۲۲)

تنبیہ: یہ نسخہ سید محمد صادق آل بحر العلوم کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ مکتبہ مرتضویہ اور مطبعہ حیدریہ نجف (العراق) سے چھپا ہوا ہے۔

۵: شیعوں کے ایک مشہور امام مامقانی نے اسماء الرجال کی کتاب میں لکھا ہے:

''عبداللّٰه بن سبا ملعون حرقه عليٌّ'' ''عبداللہ بن سبا ملعون ہے، اسے علی علیہ السلام نے جلا دیا تھا۔ (تنقیح المقال ج ۱ص ۱۸۹ راوی نمبر ۶۸۷۲)

۶: ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے لکھا ہے:

''عبداللّٰه بن سبا الذي رجع إلى الكفر و أظهر الغلو''

عبداللہ بن سبا جو کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا۔ (رجال الطوسی ص ۵۱)

۷: حسن بن علی بن داود الحلی نے کہا:

'' عبداللّٰه بن سبا ی [جخ] رجع إلى الكفر و أظهر الغلو [كش] كان يدعى النبوة و أن عليًا عليه السلام هو اللّٰه ... ''

عبداللہ بن سبا کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا، وہ نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ علی علیہ السلام اللہ ہیں۔ (کتاب الرجال ص ۲۵۴، الجزء الثانی)

۸ تا ۱۰: دیکھئے المقالات والفرق لسعد بن عبداللہ الاشعری القمی (ص ۲۱ بحوالہ الشیعۃ والتشیع للأستاذ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ ص ۵۹)

قاموس الرجال للتستری (ج ۵ ص ۴۶۳ بحوالہ الشیعہ والتشیع)

معجم رجال الحدیث للخوئی (ج ۱۰ ص ۲۰۰ بحوالہ شیعیت تصنیف ڈاکٹر محمد البنداری، مترجم اردو ص ۵۶)

خلاصۃ التحقیق:

معلوم ہوا کہ اہلِ سنت کی مستند کتابوں اور شیعہ اسماء الرجال کی رُو سے بھی عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں لہذا بعض گمراہوں اور کذابین کا چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں ابن سبا کے وجود کا انکار کر دینا بے دلیل اور جھوٹ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۱/ جون ۲۰۰۸ء)

وحدت الوجود کیا ہے؟ اور اس کا شرعی حکم

سوال: میں آپ کے مؤقر اسلامی جریدے ماہنامہ ''الحدیث'' کا مستقل قاری ہوں۔ آپ جس محنت اور عرق ریزی سے مسائل کی تحقیق و تنقیح فرماتے ہیں، اس سے دل کو اطمینان و سرور حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے زورِ قلم کو اور بھی بڑھا دے۔

دو سوالات پوچھنا چاہتا ہوں، اُمید ہے کہ آپ ان کی تحقیق و تخریج اور تنقیح فرمائیں گے۔

(پہلا سوال یہ ہے کہ) فلسفۂ وحدت الوجود کیا ہے؟ اس کی مکمل تفصیل اور تنقیح فرمائیں۔

والسلام: آپ کا دینی بھائی (محمد شیر وزیر۔ پی سی ایس آئی آر لیبارٹریز، پشاور)

[تنبیہ: دوسرا سوال آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ]

الجواب: اردو لغت کی ایک مشہور کتاب میں وحدت الوجود کا مطلب اِن الفاظ میں لکھا ہوا ہے:

''تمام موجودات کو اللہ تعالیٰ کا وجود خیال کرنا۔ اور وجود ماسوئ کو محض اعتباری سمجھنا جیسے قطرہ، حباب، موج اور قعر وغیرہ سب کو پانی معلوم کرنا'' (حسن اللغات فارسی اردو ص ۹۴۱)

وارث سرہندی کہتے ہیں: ''صوفیوں کی اصطلاح میں تمام موجودات کو خدا تعالیٰ کا وجود ماننا اور ماسوا کے وجود کو محض اعتباری سمجھنا۔'' (علمی اردو لغت ص ۱۵۵۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وأما الإتحاد المطلق الذي هو قول أهل وحدة الوجود الذين يزعمون أن وجود المخلوق هو عين وجود الخالق''

اور اتحادِ مطلق اسے کہتے ہیں جو وحدت الوجود والوں کا قول ہے: جو سمجھتے ہیں کہ مخلوق کا وجود عین خالق کا وجود ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۰ ص ۵۹)

حافظ ابن تیمیہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''فإن صاحب هذا الكتاب المذكور الذي هو (فصوص الحكم) و أمثاله مثل صاحبه القونوي والتلمساني وابن

سبعين والششتري وابن الفارض وأتباعهم ، مذهبهم الذي هم عليه أن الوجود واحد و يسمون أهل وحدة الوجود ويدعون التحقيق والعرفان وهم يجعلون وجود الخالق عين وجود المخلوقات ''

کتابِ مذکور جو فصوص الحکم ہے، کا مصنف اور اس جیسے دوسرے مثلاً قونوی، تلمسانی، ابن سبعین، ششتری، ابن فارض اور ان کے پیروکار، ان کا مذہب یہ ہے کہ وجود ایک ہے۔ انھیں وحدت الوجود والے کہا جاتا ہے اور وہ تحقیق و عرفان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور یہ لوگ خالق کے وجود کو مخلوقات کے وجود کا عین قرار دیتے ہیں۔ (مجموع فتاویٰ ج ۲ ص ۱۲۳، ۱۲۴)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''المراد بتوحيد الله تعالىٰ الشهادة بأنه إلٰه واحد وهذا الذي يسميه بعض غلاة الصوفية توحيد العامة، وقد ادعى طائفتان في تفسير التوحيد أمرين اخترعوهما أحدهما :تفسير المعتزلة كما تقدم ، ثانيهما :غلاة الصوفية فإن أكابرهم لما تكلموا في مسئلة المحو والفناء وكان مرادهم بذلك المبالغة فى الرضا والتسليم وتفويض الأمر ، بالغ بعضهم حتى ضاهى المرجئة في نفي نسبة الفعل إلى العبد ، وجرّ ذلك بعضهم إلىٰ معذرة العصاة ثم غلابعضهم فعذرا لكفار ثم غلابعضهم فزعم أن المراد بالتوحيد اعتقاد وحدة الوجود ...''

اللہ تعالیٰ کی توحید سے مراد اس کی گواہی دینا ہے کہ وہی ایک الٰہ ہے اور اسے بعض غالی صوفی: عوام کی توحید کہتے ہیں۔ دو گروہوں نے توحید کی تشریح میں دو باتیں گھڑی ہیں: ایک معتزلہ کی تفسیر جیسا کہ گزر چکا ہے۔ دوسرے غالی صوفی جن کے اکابر نے جب محو و فناء کے مسئلے میں کلام کیا اور ان کی اس سے مراد تسلیم و رضا اور معاملات کو اللہ کے سپرد کرنے میں مبالغہ تھا، ان میں سے بعض نے مبالغہ کر کے بندے سے نسبتِ فعل کی نفی کر کے مرجئہ سے برابری کی اور اس بات نے بعض کو گناہ گاروں کے معذور ہونے پر آمادہ کر لیا پھر بعض نے غلو کر کے کفار کو بھی معذور قرار دیا پھر بعض نے غلو کر کے یہ دعویٰ کیا کہ توحید سے مراد

وحدت الوجود کا عقیدہ ہے..... (فتح الباری ج ۱۳ ص ۳۴۸ کتاب التوحید باب:۱)

معلوم ہوا کہ ابن حجر کے نزدیک وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھنے والے بے حد غالی صوفی ہیں۔

ایک پیر نے اپنے مرید سے کہا: ''اعتقد أن جميع الأشياء باعتبار باطنها متحد مع اللّٰه تعالىٰ و باعتبار ظاهرها مغاير له وسواه''

یہ عقیدہ رکھو کہ تمام چیزیں باطنی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں اور ظاہری لحاظ سے اس کے علاوہ اور اس کا مغائر (غیر) ہیں۔

اس کے بارے میں ملا علی قاری حنفی نے کہا: ''هذا كلام ظاهر الفساد مائل إلى وحدة الوجود أو الإ تحاد كما هو مذهب أهل الإلحاد''

اس کلام کا فاسد ہونا ظاہر ہے، یہ وحدت الوجود یا اتحاد کی طرف مائل ہے جیسا کہ ملحدین کا مذہب ہے۔ (الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود لملا علی قاری ص ۱۳، مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق، الشام)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے وحدت الوجود کے رد پر ایک رسالہ ''إبطال وحدة الوجود والرد على القائلين بها'' لکھا ہے جو کویت سے تقریباً ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) صفحات پر مشتمل مع فہرست وتحقیق چھپا ہے۔

ابن عربی (الحلولی) کی طرف منسوب کتاب فصوص الحکم میں لکھا ہوا ہے:

''فأنت عبد وأنت رب لمن له فيه أنت عبد''

[بس تو بندہ ہے اور تُو رب ہے۔ ''کس کا بندہ! اس کا بندہ جس میں تو فنا ہو گیا ہے۔'']

(فصوص الحکم اردو ص ۱۵۷ فص حکمت علیۃ فی کلمۃ اسماعیلیۃ، مترجم عبد القدیر صدیقی، دوسرا نسخہ ص ۷۷ مع شرح الجامی ص ۲۰۲، تنبیہ الغبی الی تکفیر ابن عربی للامام العلامۃ المحدث برہان الدین البقاعی رحمہ اللہ ص ۷۱)

کتبِ لغت اور علماء کے ان چند حوالوں سے معلوم ہوا کہ ابن عربی (اور حسین بن منصور الحلاج) کے مقلدین کے عقیدے وحدت الوجود سے خالق اور مخلوق کا ایک ہونا، حلولیت اور اتحاد ظاہر ہے یعنی ان لوگوں کے نزدیک بندہ خدا اور خدا بندہ ہے۔ اب آپ کے سامنے وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والوں کی دس عبارتیں پیشِ خدمت ہیں جن سے درج بالا نتیجے

کی تصدیق ہوتی ہے:

① تھانہ بھون کے حاجی امداد اللہ ولد حافظ محمد امین ولد شیخ بڈھا تھانوی عرف مہاجر مکی لکھتے ہیں:

''اور اس کے بعد اس کو ہُوہُو کے ذکر میں اسقدر منہمک ہو جانا چاہئے کہ خود مذکور یعنی (اللہ) ہو جائے اور فنا در فنا کے یہی معنی ہیں اس حالت کے حاصل ہو جانے پر وہ سراپا نور ہو جائے گا۔'' (کلیاتِ امدادیہ ص ۱۸، ضیاء القلوب)

تنبیہ: بریکٹ میں اللہ کا لفظ اسی طرح کلیاتِ امدادیہ میں لکھا ہوا ہے۔!

② حاجی امداد اللہ صاحب ایک آیت: ﴿وَفِيۤ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾ (الذاریات:۲۱) کا غلط ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خدا تم میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔'' (کلیاتِ امدادیہ ص ۳۱، ضیاء القلوب)

تنبیہ: آیتِ مذکورہ کا ترجمہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ الدہلوی لکھتے ہیں:

''و در ذاتِ شما نشانہاست آیا نمی نگرید'' (ترجمہ شاہ ولی اللہ ص ۶۲۷)

یعنی اور تمھاری ذات میں نشانیاں ہیں کیا تم نہیں دیکھتے؟

شاہ ولی اللہ کے ترجمے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس آیت سے پہلی آیت میں آیات یعنی نشانیوں کا لفظ آیا ہے۔

③ حاجی امداد اللہ تھانہ بھونوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''اس مرتبہ میں خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہونچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس مقام کو برزخ البرازخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں کسی کو کسی پر غلبہ نہیں'' (کلیاتِ امدادیہ ص ۳۵، ۳۶، ضیاء القلوب)

④ عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی لکھتے ہیں:

''ایک روز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب زید مجدہ نے دریافت کیا کہ حضرت یہ حافظ لطافت علی عرف حافظ مینڈھو شیخ پوری کیسے شخص تھے حضرت نے فرمایا ''پکا کافر تھا''

اور اسکے بعد مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ "ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے۔"

(تذکرۃ الرشید جلد ۲ ص ۲۴۲)

عبارتِ مذکورہ میں حضرت سے مراد رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد سے مراد بذل المجہود، براہینِ قاطعہ اور المہند کے مصنف خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری ہیں۔

ضامن علی جلال آبادی کون تھے اور کس توحید میں غرق تھے؟ اس کے بارے میں گنگوہی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"ضامن علی جلال آبادی کی سہارنپور میں بہت رنڈیاں مرید تھیں ایکبار یہ سہارنپور میں کسی رنڈی کے مکان پر ٹھیرے ہوئے تھے سب مریدنیاں اپنے میاں صاحب کی زیارت کیلئے حاضر ہوئیں مگر ایک رنڈی نہیں آئی میاں صاحب بولے کہ فلانی کیوں نہیں آئی رنڈیوں نے جواب دیا "میاں صاحب ہم نے اُس سے بہتیرا کہا کہ چل میاں صاحب کی زیارت کو اُس نے کہا میں بہت گناہگار ہوں اور بہت روسیاہ ہوں میاں صاحب کو کیا منہ دکھاؤں میں زیارت کے قابل نہیں" میاں صاحب نے کہا نہیں جی تم اُسے ہمارے پاس ضرور لانا چنانچہ رنڈیاں اُسے لیکر آئیں جب وہ سامنے آئی تو میاں صاحب نے پوچھا "بی تم کیوں نہیں آئی تھیں؟" اُس نے کہا حضرت روسیاہی کی وجہ سے زیارت کو آتی ہوئی شرماتی ہوں۔ میاں صاحب بولے "بی تم شرماتی کیوں ہو کرنے والا کون اور کرانے والا کون وہ تو وہی ہے" رنڈی یہ سنکر آگ ہوگئی اور خفا ہو کر کہا لاحول ولا قوۃ اگرچہ میں روسیاہ و گنہگار ہوں مگر ایسے پیر کے مُنہ پر پیشاب بھی نہیں کرتی۔" میاں صاحب تو شرمندہ ہو کر سرنگوں رہ گئے اور وہ اُٹھکر چلدی۔" (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۴۲)

اس طویل عبارت اور قصے سے معلوم ہوا کہ گنگوہی صاحب کے نزدیک توحید میں غرق پیر کا یہ عقیدہ تھا کہ زنا کرنے والا اور کرانے والا وہی یعنی خدا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

اللہ کی قسم! وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے وجودیوں کی ایسی عبارات نقل کرنے سے دل ڈرتا اور قلم کانپتا ہے لیکن صرف احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے پیشِ نظر یہ حوالے پیش کئے

جاتے ہیں اور صرف عام مسلمانوں کو ان کا اصلی چہرہ اور باطنی عقیدہ دکھانا مقصود ہے۔

⑤ ضامن علی جلال آبادی کو توحید میں غرق سمجھنے والے رشید احمد گنگوہی نے اپنے پیر حاجی امداد اللہ کو ایک خط لکھا تھا جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں:

''یا اللہ مُعاف فرمانا کہ حضرت کے اِرشاد سے تحریر ہوا ہے۔ جھوٹا ہوں، کچھ نہیں ہوں۔ تیرا ہی ظل ہے۔ تیرا ہی وجود ہے مَیں کیا ہوں، کچھ نہیں ہوں۔ اور وہ جو مَیں ہوں وہ تو ہے اور مَیں اور تُو خود شرک در شرک ہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ...'' !

(فضائل صدقات از زکریا کاندھلوی دیوبندی حصہ دوم ص ۵۵۶ واللفظ لہ، مکاتیب رشیدیہ ص ۱۰)

مَیں (گنگوہی) اور تُو (خدا) کا ایک ہونا وہ عقیدہ ہے جو وحدت الوجود کے پیروکار اور ابنِ عربی وغیرہ کے مقلدین کئی سو سالوں سے مسلسل پیش کر رہے ہیں۔

⑥ خواجہ غلام فرید، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا رد کرنے، عقیدۂ استوی علی العرش کو غلط اور عقیدۂ وحدت الوجود کو حق قرار دینے کے بعد کہتے ہیں:

''وحدت الوجود کو حق تسلیم کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا کے سوا کسی اور کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ سب خدا کا وجود ہے تو پھر بت پرستی کیوں ممنوع ہے اس کا جواب یہ ہے۔ بت خدا نہیں بلکہ خدا سے جدا نہیں ہے مثال کے طور پر زید کا ہاتھ زید نہیں ہے لیکن زید سے جدا نہیں ہے۔'' (مقابیس المجالس عرف اشاراتِ فریدی ص ۲۱۸)

⑦ خواجہ محمد یار فریدی کہتے ہیں:

''گر محمدؐ نے محمد کو خدا مان لیا — پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں''

(دیوان محمدی ص ۱۵۶)

یہ وحدت الوجود ہی کا عقیدہ ہے جس کی وجہ سے محمد یار صاحب نے محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا مان لیا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یقولون علواً کبیراً.

⑧ محمد قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور اشرف علی تھانوی کے پیر حاجی امداد اللہ کہتے ہیں:

''حرمینؔ میں بعض امور عجیب و پسندیدہ ہیں (۱) وحدۃ الوجود لوگوں میں بہت مُرتکز ہے میں

مدینہ میں مسجد قبا کی زیارت کو گیا ایک آدمی کو دیکھا کہ اندر مسجد کے جاروب کشی میں مشغول ہے جب زیارت سے فارغ ہو کر میں باہر آیا اور جوتے پہننے کا قصد کیا تو سنا کہ کہتا ہے۔ یااللہ یا موجود اور دوسرا جو بیرون مسجد تھا کہتا تھا بل فی کل الوجود اس کو سن کر مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی بعدہٗ لڑکوں کو شغدف میں دیکھا کہ کھیل رہے ہیں اور ایک لڑکا کہہ رہا ہے یَا اَللّٰہ لَیْسَ غَیْرُوکَ اس سے میں نہایت بے تاب ہوا اور کہا کہ کیوں ذبح کرتے ہو...''

(شمائم امدادیہ ص ۷۱، ۷۲، امداد المشتاق ص ۹۵ فقرہ: ۱۹۱)

ہر وجود میں اللہ کو موجود سمجھنا وحدت الوجود کا بنیادی عقیدہ ہے۔

⑨ حاجی امداد اللہ تھانہ بھونوی کہتے ہیں:

''ایک موحد سے لوگوں نے کہا کہ اگر حلوا و غلیظ ایک ہیں تو دونوں کو کھاؤ انہوں نے بشکل خنزیر ہو کر گوہ کو کھالیا۔ پھر بصورت آدمی ہو کر حلوا کھایا اس کو حفظ مراتب کہتے ہیں جو واجب ہے'' (شمائم امدادیہ ص ۷۵، امداد المشتاق ص ۱۰۱ فقرہ: ۲۲۴، واللفظ لہ)

شمائم کے مطبوعہ نسخے میں غلیظ کے بجائے غلیط لکھا ہوا ہے جس کی اصلاح امداد المشتاق سے کر دی گئی ہے۔ گوہ پاخانے کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وجودیوں کے نزدیک پاک و ناپاک سب ایک ہے۔

⑩ ایک سوال کو نقل کرتے ہوئے حاجی امداد اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''سوالِ دوم.... اور دوسری جگہ ضیاء القلوب ہی میں ہے تاوقتیکہ ظاہر و مظہر میں فرق پیش نظر سالک ہے بُوئے شرک باقی ہے اس مضمون سے معلوم ہوا کہ عابد و معبود میں فرق کرنا شرک ہے۔

جوابِ دوم کوئی شک نہیں ہے کہ فقیر نے یہ سب ضیاء القلوب میں لکھا ہے اگر کہیں کہ جو کچھ کہا نہیں جاتا ہے کیوں لکھا گیا جواب یہ ہے کہ اکابر دین اپنے مکشوفات کو تمثیلات محسوسات سے تعبیر کرتے ہیں تا کہ طالب صادق کو سمجھا دیں نہ یہ کہ کَاَنَّہٗ ، ھُوَ کہہ دیتے ہیں....''

(شمائم امدادیہ ص ۳۴، ۳۵)

خلاصہ یہ کہ عابد و معبود کو ایک سمجھنا، اللہ تعالیٰ کو عرش پر مستوی نہ ماننا بلکہ اپنی ذات کے ساتھ

ہر جگہ ہر وجود میں موجود ماننا اور حلولیت کا عقیدہ رکھنا مختصر الفاظ میں وحدت الوجود کہلاتا ہے۔
یہی وہ عقیدہ ہے جسے حسین بن منصور الحلاج مقتول اور ابنِ عربی صوفی نے علانیہ پیش کیا۔
التنبیہ علی مشکلات الہدایہ کے مصنف علی بن ابی العز الحنفی (متوفی ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

"وهذا القول قد أفضى بقوم إلى القول بالحلول والإتحاد وهو أقبح من كفر النصارى فإن النصارى خصوه بالمسيح وهؤلاء عموا جميع المخلوقات ومن فروع هذا التوحيد: أن فرعون و قومه كاملوا الإيمان عارفون بالله على الحقيقة ومن فروعه: أن عباد الأصنام على الحق والصواب وأنهم إنما عبدوا الله لا غيره"

اور یہ قول ایک قوم کو حلول واتحاد کی طرف لے گیا ہے اور یہ نصرانیوں (عیسائیوں) کے کفر سے زیادہ بُرا ہے کیونکہ نصرانیوں نے تو اسے مسیح کے ساتھ خاص مانا اور انھوں نے تمام مخلوقات کے بارے میں عام کر دیا۔ اس (وجودی) توحید کی فروع میں سے ہے کہ فرعون اور اس کی قوم مکمل ایمان والے تھے، حقیقت پر اللہ کو پہچاننے والے تھے۔ اس کی فروع میں سے یہ بھی ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والے حق پر اور صحیح ہیں، انھوں نے اللہ ہی کی عبادت کی ہے، کسی دوسرے کی نہیں۔ (شرح عقیدہ طحاویہ ص ۷۸، ۷۹)

وحدت الوجود کا رد: درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ وحدت الوجود کا عقیدہ سراسر گمراہی اور کفریہ عقیدہ ہے جس کا رد شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر العسقلانی، قاضی ابن ابی العز الحنفی اور ملا علی قاری حنفی وغیرہم نے شد و مد سے کیا ہے۔ ملا علی قاری وحدت الوجود کے رد میں اپنی کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں:

"فإن كنت مؤمنًا و مسلمًا حقًا و مسلمًا صدقًا فلا تشك في كفر جماعة ابن عربي ولا تتوقف في ضلالة هذا القوم الغوي والجمع الغبي فإن قلتَ: هل يجوز السلام عليهم ابتداء؟ قلتُ: لا ولا رد السلام عليهم بل لايقال لهم: عليكم، أيضًا فإنهم شر من اليهود والنصارى وإن حكمهم حكم

المرتدين... ويجب إحراق كتبهم المؤلفة و يتعين علٰى كل أحد أن يبين فسادشقاقهم و كساد نفاقهم فإن سكوت العلماء واختلاف (بعض) الآراء صار سبباً لهٰذا الفتنة وسائر أنواع البلاء ... ''

پھر اگر تم سچے مسلمان اور پکے مومن ہو تو ابن عربی کی جماعت کے کفر میں شک نہ کرو اور اس گمراہ قوم اور بے وقوف اکٹھ کی گمراہی میں توقف نہ کرو، پھر اگر تم پوچھو: کیا انھیں سلام کہنے میں ابتدا کی جا سکتی ہے؟ میں کہتا ہوں: نہیں اور نہ ان کے سلام کا جواب دیا جائے بلکہ انھیں وعلیکم کا لفظ بھی نہیں کہنا چاہئے کیونکہ یہ یہودیوں اور نصرانیوں سے زیادہ بُرے ہیں اور ان کا حکم مرتدین کا حکم ہے... ان لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو جلانا واجب ہے اور ہر آدمی کو چاہئے کہ ان کی فرقہ پرستی اور نفاق کو لوگوں کے سامنے بیان کر دے کیونکہ علماء کا سکوت اور بعض راویوں کا اختلاف اس فتنے اور تمام مصیبتوں کا سبب بنا ہے....

(الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود ص ۱۵۵، ۱۵۶)

محدثین کرام و علمائے عظام کے ان صریح فتووں کے ساتھ عرض ہے کہ اپنے اسلاف سے بے خبر بعض دیوبندی ''علماء'' نے بھی وحدت الوجود کا زبردست رد کیا ہے مثلاً:

① حکیم میاں عبدالقادر فاضل دیوبند لکھتے ہیں:

''وحدۃ الوجود خود کو خدائی مسند پر جلوہ افروز ہونے والوں کا باطل عقیدہ و عمل ہے''

(تنزیہ الٰہ ص ۱۸۵، مطبوعہ بیت الحکمت لوہاری منڈی لاہور، ملنے کا پتہ: کتب خانہ شان اسلام راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور)

② خان محمد شیرانی پنجپیری دیوبندی (ژوب بلوچستان) نے وحدت الوجود کے رد میں ''کشف الحجاب عن عقیدۃ وحدۃ الوجود'' نامی کتاب لکھی ہے جس کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے کہ ''اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کا وحدۃ الوجود اور حلولی کا عقیدہ ہوتا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔''

ابن عربی صوفی کا رد: آخر میں وحدت الوجود کے بڑے داعی اور مشہور حلولی صوفی

ابن عربی کا مختصر و جامع رد پیشِ خدمت ہے:

① حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ امام (شیخ الاسلام) سراج الدین البلقینی سے ابن عربی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فوراً جواب دیا کہ وہ کافر ہے۔

(لسان المیزان ج ۴ ص ۳۱۹، دوسرا نسخہ ج ۵ ص ۲۱۳، تنبیہ الغبی إلی تکفیر ابن عربی للمحدث البقاعی رحمہ اللہ ص ۱۵۹)

ابن عربی کے بارے میں حافظ ابن حجر کا ایک گمراہ شخص سے مباہلہ بھی ہوا تھا جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

② حافظ ابن دقیق العید نے ابو محمد عز الدین عبدالعزیز بن عبدالسلام السلمی الدمشقی الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۰ھ) سے ابن عربی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

''شیخ سوء کذاب مقبوح ، یقول بقدم العالم ولا یری تحریم فرج ''إلخ

گندا، کذاب (اور) حق سے دُور شخص (تھا) وہ عالَم کے قدیم ہونے کا قائل تھا اور کسی شرمگاہ کو حرام نہیں سمجھتا تھا۔ الخ (الوافی بالوفیات ج ۴ ص ۱۲۵، وسندہ صحیح، تنبیہ الغبی ص ۱۳۸)

ابن عبدالسلام کا یہ قول درج ذیل کتابوں میں بھی دوسری سندوں کے ساتھ مذکور ہے:

(تنبیہ الغبی ص ۱۳۹، وسندہ حسن) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (ج ۲ ص ۲۴۴ وسندہ حسن)

میزان الاعتدال (۶۵۹/۳) لسان المیزان (۳۱۱/۵، ۳۱۲، دوسرا نسخہ ۳۹۸/۶)

تنبیہ: الوافی بالوفیات میں کاتب کی غلطی سے ''أبی بکر بن العربی'' چھپ گیا ہے جبکہ صحیح لفظ ابی بکر کے بغیر ''ابن عربی'' ہے۔

③ ثقہ اور جلیل القدر امام ابوحیان محمد بن یوسف الاندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۵ھ) نے فرمایا: ''ومن ذهب من ملاحدتهم إلى القول بالإتحاد والوحدة كالحلاج والشوذى وابن أحلى وابن العربي المقيم كان بدمشق وابن الفارض وأتباع هؤلاء كابن سبعين والتستري تلميذه وابن مطرف المقيم بمرسية والصفار المقتول بغرناطة وابن اللباج وأبوالحسن المقيم كان بلورقة وممن رأيناهُ يُرمى بهذا المذهب الملعون العفيف التلمساني ... ''إلخ

اور ان کے ملحدین میں سے جو اتحاد اور وحدت (یعنی وحدت الوجود) کا قائل ہے جیسے (حسین بن منصور) الحلاج ،شوذی ،ابن اَحلی ،ابن عربی جو دمشق میں مقیم تھا، ابن فارض اور ان کے پیروکار جیسے ابن سبعین اور اس کا شاگرد تستری ،مرسیہ میں رہنے والا ابن مطرف اور غرناطہ میں قتل ہونے والا الصفار، ابن اللباج اور لورقہ میں رہنے والا ابو الحسن اور ہم نے جنھیں اس ملعون مذہب کی تہمت کے ساتھ دیکھا ہے جیسے عفیف تلمسانی ...الخ

(تفسیر البحر المحیط ج ۳ ص ۴۶۴، ۴۶۵، سورۃ المائدہ: ۱۷)

④ تفسیر ابن کثیر کے مصنف حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وله كتابه المسمى بفصوص الحكم فيه أشياء كثيرة ظاهرها كفر صريح"

اور اس کی کتاب جس کا نام فصوص الحکم ہے، اس میں بہت سی چیزیں ہیں جن کا ظاہر کفرِ صریح ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۱۶۷، وفیات ۶۳۸ھ)

⑤ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ولم يمدح الحيرة أحدمن أهل العلم والإيمان ولكن مدحها طائفة من الملاحدة كصاحب الفصوص ابن عربي وأمثاله من الملاحدة الذين هم حيارى..."

اہلِ علم اور اہلِ ایمان میں سے کسی نے بھی حیرت کی تعریف نہیں کی لیکن ملحدین کے ایک گروہ نے اس کی تعریف کی ہے جیسے فصوص الحکم والا ابن عربی اور اس جیسے دوسرے ملحدین جو حیران و پریشان ہیں... (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۱ ص ۳۸۵)

حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم دونوں کے بارے میں ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

"ومن طالع شرح منازل السائرين تبين له أنهما كانا من أكابر أهل السنة والجماعة ومن أولياء هذه الأمة" اور جس نے منازل السائرین کی شرح کا مطالعہ کیا ہے تو اس پر واضح ہوا کہ وہ (ابن تیمیہ اور ابن القیم) دونوں اہلِ سنت والجماعۃ کے اکابر اور اس امت کے اولیاء میں سے تھے۔ (جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۱ ص ۲۰۷)

⑥ محدث بقاعی لکھتے ہیں کہ ہمارے استاذ حافظ ابن حجر العسقلانی کا ابن الامین نامی ایک

شخص سے ابن عربی کے بارے میں مباہلہ ہوا۔ اس آدمی نے کہا: اے اللہ! اگر ابن عربی گمراہی پر ہے تو تُو مجھ پر لعنت فرما۔ حافظ ابن حجر نے کہا: اے اللہ! اگر ابن عربی ہدایت پر ہے تو تُو مجھ پر لعنت فرما۔

وہ شخص اس مباہلے کے چند مہینے بعد رات کو اندھا ہو کر مر گیا۔ یہ واقعہ ۷۹۷ھ کو ذوالقعدہ میں ہوا تھا اور مباہلہ رمضان میں ہوا تھا۔ (تنبیہ الغبی ص ۱۳۶، ۱۳۷)

⑦ ملا علی قاری حنفی کا حوالہ گزر چکا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ ابن عربی کی جماعت کے کفر میں شک نہ کرو۔

⑧ قاضی تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی الشافعی نے شرح المنہاج کے باب الوصیہ میں کہا: ''ومن کان من ھؤلاء الصوفیة المتأخرین کابن عربی وغیرہ فھم ضلال جھال خارجون عن طریقة الإسلام'' اور جو ان متاخرین صوفیہ میں سے ہے جیسے ابن عربی وغیرہ تو یہ گمراہ جاہل ہیں (جو) اسلام کے طریقے سے خارج ہیں۔ (تنبیہ الغبی ص ۱۴۳)

⑨ شمس الدین محمد العیزری الشافعی نے اپنی کتاب ''الفتاوی المنتشرة'' میں فصوص الحکم کے بارے میں کہا:

''قال العلماء: جمیع مافیه کفر لأنه دائر مع عقیدة الإتحاد....'' إلخ
علماء نے کہا: اس میں سارے کا سارا کفر ہے کیونکہ یہ اتحاد کے عقیدے پر مشتمل ہے۔ الخ
(تنبیہ الغبی ص ۱۵۲)

⑩ محدث برہان الدین البقاعی نے تکفیر ابن عربی پر تنبیہ الغبی کے نام سے کتاب لکھی ہے جس کے حوالے آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ عام علماء اور جلیل القدر محدثین کرام کے نزدیک ابن عربی صوفی اور وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے لوگ گمراہ اور گمراہ کرنے والے ہیں۔ جن علماء نے ابن عربی کی تعریف کی ہے یا اسے شیخ اکبر کے خود ساختہ لقب سے یاد کیا ہے، اُن کے دو گروہ ہیں:

اول: جنھیں ابن عربی کے بارے میں علم ہی نہیں ہے۔

دوم: جنھیں ابن عربی کے بارے میں علم ہے۔ان کے تین گروہ ہیں:

اول: جو ابن عربی کی کتابوں اور اس کی طرف منسوب کفریہ عبارات کا یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ یہ ابن عربی سے ثابت ہی نہیں ہیں۔

دوم: جو تاویلات کے ذریعے سے کفریہ عبارات کو مشرف بہ اسلام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سوم: جو ان عبارات سے کلیتاً متفق ہیں۔اس تیسرے گروہ اور ابن عربی کا ایک ہی حکم ہے اور پہلے دو گروہ اگر بذاتِ خود صحیح العقیدہ ہیں تو جہالت کی وجہ سے لاعلم ہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ وحدت الوجود ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے جس کی تردید قرآن مجید، احادیثِ صحیحہ، اجماع، آثارِ سلف صالحین اور عقل سے ثابت ہے۔مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا ھِیَ تَمُوْرُ﴾ کیا تم بے خوف ہو اُس سے جو آسمان پر ہے کہ تمھیں زمین میں دھنسا دے پھر وہ ڈولنے لگے؟ (سورۃ الملک:١٦)

رسول اللہ ﷺ نے ایک لونڈی سے پوچھا: ((أَینَ اللّٰهُ ؟)) اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: ''فِی السَّمَاءِ'' آسمان پر ہے۔آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔آپ ﷺ نے اُس لونڈی کے مالک سے فرمایا: ((أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.)) اسے آزاد کردو کیونکہ یہ ایمان والی ہے۔

(صحیح مسلم: ٥٣٧، ترقیم دارالسلام:١١٩٩)

ابو عمرو الطلمنکی نے کہا: اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے اور معیت سے مراد اُس کا علم (وقدرت) ہے۔

(دیکھئے شرح حدیث النزول لابن تیمیہ ص ١٤٤، ١٤٥ ملخصاً)

تنبیہ: وحدت الوجود کے قائل حسین بن منصور الحلاج الحلولی کے بارے میں تفصیلی تحقیق کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ٢١ ص ٨۔١١

وحدت الوجود اور علمائے دیوبند

دوسرا سوال: علماءِ دیوبند میں کون کون اس فلسفہ کے قائل تھے؟

(محمد شیر وزیر۔ پی سی ایس آئی آر لیبارٹریز، پشاور)

الجواب: علمائے دیوبند کے اکابر میں سے درج ذیل ''علماء'' وحدت الوجود کے قائل تھے:
رشید احمد گنگوہی، محمد قاسم نانوتوی، حسین احمد مدنی ٹانڈوی، اشرفعلی تھانوی اور ان سب کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ تھانہ بھونوی۔

حاجی امداد اللہ لکھتے ہیں: ''نکتہ شناسا مسئلہ وحدۃ الوجود حق وصحیح ست و دریں مسئلہ شکے وشبہے نیست معتقد و فقیر و ہمہ مشائخ فقیر و معتقد کسانیکہ بافقیر بیعت کردہ و تعلق میدارند ہمیں ست مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم و مولوی رشید احمد صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی احمد حسن صاحب وغیرہم از عزیز ایں فقیر اند و تعلق بافقیر میدارند ہیچگاہ خلاف اعتقادات فقیر وخلاف مشرب مشائخ طریق خود مسلکی نخواند پذیرفت...''

''نکتہ شناسا مسئلہ وحدۃ الوجود حق وصحیح ہے اس مسئلہ میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ فقیر ومشائخ فقیر اور جن لوگوں نے فقیر سے بیعت کی ہے سب کا اعتقاد یہی ہے مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم و مولوی رشید احمد صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی احمد حسن صاحب وغیرہم فقیر کے عزیز ہیں اور فقیر سے تعلق رکھتے ہیں کبھی خلاف اعتقادات فقیر وخلاف مشرب مشائخ طریقِ خود مسلک اختیار نہ کریں گے۔''

(کلیات امدادیہ، رسالہ دربیان وحدۃ الوجود ص ۲۱۸، ۲۱۹، شمائم امدادیہ ص ۳۲)

سرفراز خان صفدر گکھڑوی دیوبندی کے بھائی صوفی عبدالحمید خان سواتی لکھتے ہیں:
''علماء دیوبند کے اکابر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) اور مولانا مدنیؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ) اور دیگر اکابر مسئلہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ حضرت نانوتویؒ کا رسالہ بھی اس مسئلہ پر موجود ہے اور متعدد مکاتیب میں بھی اس مسئلہ کا ذکر ہے اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مکاتیب میں بھی اس مسئلہ کی تصویب موجود ہے۔ اور مولانا شاہ اشرف علی

تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) نے بھی اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا ہے اور ان سب کے پیر و مرشد حضرت مولانا حاجی شاہ محمد امداداللہ مہاجر مکیؒ (المتوفی ۱۳۱۷ھ) تو اس مسئلہ میں بہت انہماک اور تیقّن رکھتے تھے۔" (مقالاتِ سواتی حصہ اول، اکابر علمائے دیوبند اور نظریہ وحدۃ الوجود ص ۳۷۵)

عبدالحمید سواتی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) نے دیوبندی جماعت کے اوصاف و خصوصیات کے سلسلہ میں لکھا ہے: "اس جماعت کے امتیازی اوصاف میں ہم وحدۃ الوجود، فقہ حنفی کا التزام، ترکی خلافت سے اتصال، تین اصول متعین کر سکتے ہیں، جو اس جماعت کو امیر ولایت علیؓ کی جماعت سے جُدا کر دیتے ہیں۔" (خطبات و مقالات ص ۲۳۷)

یہ بات کس قدر افسوس ناک ہے اور کس قدر لاعلمی کی بات ہے کہ یہ کہا جائے کہ علماء دیوبند وحدۃ الوجود کے قائل نہیں تھے۔ علماء دیوبند اور ان کے مقتداء و پیشواء حضرات بھی اس مسئلہ کے بڑی شدّ و مد سے قائل تھے۔

حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ نے متعدد کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں اور شیخ ابن عربیؒ (المتوفی ۶۳۸ھ) کا دفاع کیا ہے۔" (مقالات سواتی حصہ اول ص ۳۷۵، ۳۷۶)

معلوم ہوا کہ اکابر علمائے دیوبند ابن عربی والے عقیدۂ وحدت الوجود کے بڑی شدّ و مد سے قائل تھے۔

احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں: "اور وحدتِ وجود حق ہے۔" (فتاویٰ رضویہ نسخہ جدیدہ ج ۱۴ ص ۶۴۱)

دوسرے مقام پر وحدت کو حق قرار دے کر احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

"اور اتحاد باطل اور اس کا معنی الحاد" (فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۶۱۸)

عرض ہے کہ وحدت الوجود ہے ہی اتحاد باطل اور الحاد کا نام جیسا کہ پہلے سوال کے جواب میں متعدد حوالوں سے ثابت کر دیا گیا ہے لہٰذا وحدت الوجود کو حق قرار دے کر عجیب و غریب تاویلیں کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ (۱۶/ مارچ ۲۰۰۸ء)

آلِ دیوبند اور وحدت الوجود

حافظ نثار احمد الحسینی (دیوبندی) کے نام:

بعد از سلام مسنون عرض ہے کہ آپ کی طرف سے ایک کتاب ''علمائے دیوبند.... پر زبیر علی زئی کے الزامات کے جوابات'' شائع ہوئی ہے جس میں آپ لوگوں نے میرے ایک مختصر رسالے ''بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم'' وغیرہ کا بزعمِ خویش جواب دینے کی کوشش کی ہے۔!

عرض ہے کہ آپ اپنے عقیدے وحدت الوجود پر اعتراضات کے جوابات دینے سے عاجز ہیں، جنھیں کتابِ مذکور کے نمبرا میں باحوالہ پیش کیا گیا ہے، کجا یہ کہ پوری کتاب کا جواب آپ کی طرف سے لکھا جائے۔؟!

آپ نے صفحہ نمبرا، پر سات بے دلیل دعوے لکھنے، پھر وحید الزمان، نواب صدیق حسن خان، حکیم فیض عالم ناصبی، بعض علمائے اہلِ حدیث کے غیر مفتیٰ بہا اقوال، اختر کاشمیری (؟) اور اپنے تقلیدی مولویوں کی عبارات پیش کرنے کے سوا کیا کام کیا ہے؟

راقم الحروف نے نواب صدیق حسن خان، میاں نذیر حسین، نواب وحید الزمان، مولوی محمد حسین اور (مولانا) ثناء اللہ (امرتسری) وغیرہم کے بارے میں ماسٹر امین اکاڑوی دیوبندی حیاتی کا قول نقل کیا تھا کہ ''لیکن غیر مقلدین کے تمام فرقوں کے علماء اور عوام بالاتفاق ان کتابوں کو غلط قرار دے کر مسترد کر چکے ہیں....''

(بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم ص۳۲ بحوالہ مجموعہ رسائل ج۱ ص۲۲، تحقیق مسئلہ تقلید ص۶)

امین اوکاڑوی کا قول اس لئے پیش کیا تھا کہ دیوبندیہ حیاتیہ کے نزدیک اُن کا بہت بڑا مقام ہے مثلاً قاضی ارشد الحسینی (اٹک) نے انھیں ''ایک عظیم انسان'' قرار دیا ہے۔
دیکھئے ماہنامہ الخیر ملتان کا اوکاڑوی نمبر (ج۱۹ شمارہ: ۵ تا ۸) ص۲۴۳

جن حوالوں اور عبارات کو تمام اہلِ حدیث علماء اور عوام بالاتفاق غلط قرار دے کر

مسترد کر چکے ہیں، اُصولاً آپ انھیں ہمارے خلاف پیش ہی نہیں کر سکتے کیونکہ فریقِ مخالف کے خلاف وہی دلیل پیش کرنا جائز ہے جسے وہ صحیح اور حجت تسلیم کرتا ہے۔ آپ لوگوں کا اہلِ حدیث کے خلاف بالاتفاق غلط حوالے پیش کرنا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے پاس اہلِ حدیث کے خلاف پیش کرنے کے لئے کوئی دلیل ہی نہیں ہے ورنہ آپ ایسی حرکتیں نہ کرتے۔ راقم الحروف نے علمائے دیوبند کے چند خطرناک عقائد میں سے پہلا عقیدہ وحدت الوجود بالاختصار پیش کیا تھا جس میں حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں:

''نکتہ شناسا مسئلہ وحدت الوجود حق وصحیح ہے، اس مسئلہ میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے...''

(بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۴، بحوالہ شمائم امدادیہ ص ۳۲، کلیاتِ امدادیہ ص ۲۱۸)

اس کے بعد لغت کی دو مشہور کتابوں سے وحدت الوجود کا مطلب ومفہوم پیش کیا تھا:

''تمام موجودات کو اللہ تعالیٰ کا وجود خیال کرنا۔ اور وجود ماسوی کو محض اعتباری سمجھنا جیسے قطرہ، حباب، موج اور قعر وغیرہ سب کو پانی معلوم کرنا'' (حسن اللغات فارسی اردو ص ۹۴۱)

''صوفیوں کی اصطلاح میں تمام موجودات کو خدا تعالیٰ کا وجود ماننا اور ماسوا کے وجود کو محض اعتباری سمجھنا'' (علمی اردو لغت، تصنیف وارث سرہندی ص ۱۵۵۱)

اس لغوی مفہوم وتشریح سے معلوم ہوا کہ عقیدۂ وحدۃ الوجود میں خالق ومخلوق میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا بلکہ مخلوقات کو بھی اللہ تعالیٰ کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے۔

﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴾ [بنی اسرائیل: ۴۳]

حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب نے اس لغوی مطلب ومفہوم کا کوئی جواب نہیں دیا اور محمد تقی عثمانی صاحب کی عبارت لکھ دی ہے کہ ''صحیح مطلب یہ ہے کہ....'' (علمائے دیوبند پر... ص ۲۵)

تقی صاحب کا ''صحیح مطلب'' کتبِ لغت کے مطلب، حاجی امداد اللہ صاحب کی تصریحات اور رشید احمد گنگوہی صاحب کی عبارات (وغیرہ) کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب نے خدا کا خلیفہ کہہ کر ایک بندے کے بارے میں لکھا ہے:

''اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے...''

(بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۴، کلیاتِ امدادیہ ص ۳۵، ۳۶)

حاجی صاحب مزید فرماتے ہیں: ''اور اس کے بعد اس کو ہُو ہُو کے ذکر میں اس قدر منہمک ہو جانا چاہیے کہ خود مذکور یعنی (اللہ) ہو جائے'' (ایضاً ص ۱۴، بحوالہ کلیاتِ امدادیہ ص ۱۸)

حافظ ظہور احمد صاحب نے یہ دونوں عبارتیں نہ تو نقل کیں اور نہ ان کا کوئی جواب دیا بلکہ یہ لکھ دیا کہ ''چنانچہ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

دیوبندی حضرات اس وحدت الوجود کے قائل ہیں جس میں خالق ومخلوق، عابد ومعبود، اور خدا و بندے کے درمیان فرق مٹا دیا جاتا ہے۔ (بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۵)

حالانکہ یہ زبیر علی زئی کا تعصب یا تجاہلِ عارفانہ ہے کہ ''وحدت الوجود'' میں خالق ومخلوق اور عابد ومعبود میں فرق نہیں رہتا۔'' (علمائے دیوبند پر..... ص ۲۶)

عرض ہے کہ یہ تعصب یا تجاہلِ عارفانہ نہیں بلکہ ''باطن میں خدا ہو جاتا ہے'' اور ''(اللہ) ہو جائے'' کا یہی مطلب ہے کہ جس کے جواب سے آپ نے چشم پوشی برتی ہے۔

اب ایک اور حوالہ پڑھ لیں:

ایک آدمی نے دیوبندیوں کے پیر ومرشد حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں ان کے ایک مضمون کے بارے میں سوال کیا:

''اس مضمون سے معلوم ہوا کہ عابد ومعبود میں فرق کرنا شرک ہے۔''

حاجی صاحب نے جواب دیا:

''کوئی شک نہیں ہے کہ فقیر نے یہ سب ضیاء القلوب میں لکھا ہے'' (شمائم امدادیہ ص ۳۴)

حاجی صاحب تو تسلیم کر رہے ہیں کہ عابد ومعبود میں فرق کرنا شرک ہے اور ظہور احمد صاحب اس کا انکار کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

میں نے رشید احمد گنگوہی صاحب کا حوالہ پیش کیا تھا جس میں وہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور وہ جو میں ہوں وہ تُو ہے...''

(بدعتی کے پیچھے نماز... ص ۱۵، بحوالہ مکاتیب رشیدیہ ص ۱۰، وفضائل صدقات حصہ دوم ص ۵۵۶)

تنبیہ نمبر۱: خط کشیدہ لفظ کمپوزنگ کی غلطی سے کتاب: ''بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم'' میں چھپنے سے رہ گیا ہے۔ نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۳ ص ۴۴

تنبیہ نمبر۲: مذکورہ الفاظ ''فضائلِ صدقات'' سے نقل کئے گئے ہیں۔

ظہور احمد صاحب نے اپنے تسلیم شدہ بزرگ گنگوہی صاحب کی عبارت کا تو کوئی جواب نہیں دیا مگر حافظ عبداللہ روپڑی صاحب کی عبارتیں لکھ دی ہیں جن میں وحدت الوجود کی تاویل کی گئی ہے اور ''بندہ خدا ہو جاتا ہے، ذکر کرنے والا خود اللہ ہو جائے اور بندہ کہے: یا اللہ وہ جو میں ہوں وہ تُو ہے'' کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ حافظ روپڑی صاحب تاویل کے ذریعے سے جس وحدت الوجود کو ''مراد ان کی صحیح ہے۔'' قرار دے رہے ہیں وہ وُہ نہیں جو دیوبندیوں کا عقیدہ ہے بلکہ اسی حوالے میں دیوبندیوں کا نام لئے بغیر وحدت الوجود کے غلط عقیدے کے بارے میں حافظ عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں:

''اب رہی ''توحید الٰہی'' سو اس کے متعلق بہت دنیا بہکی ہوئی ہے۔ بعض تو اس کا مطلب ''ہمہ اوست'' سمجھتے ہیں یعنی ہر شئے عین خدا ہے۔'' (فتاویٰ اہلحدیث ج ا ص ۱۵۴)

کیا ظہور احمد صاحب نے یہ عبارت نہیں پڑھی یا تعصب وتجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے؟

بہکے اور پھسلے ہوئے لوگ صحیح ہوتے ہیں یا غلط؟

جن لوگوں کو حافظ روپڑی صاحب بہکے ہوئے قرار دے رہے ہیں، وہ دیوبندی ہی تو ہیں۔

تنبیہ: وحدت الوجود اور ابن عربی کے بارے میں حافظ عبداللہ روپڑی کی عبارات تین وجہ سے غلط ہیں:

اول: یہ تاویلات ہیں جو کہ دیوبندی علماء کی عبارات اور علمائے حق مثلاً حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ کی تحقیقات کے خلاف ہیں۔

دوم: حافظ روپڑی کی مذکورہ عبارت کے آخر میں اُن کے شاگرد مولانا محمد صدیق سرگودھوی حاشیہ لکھتے ہیں:

''یہ محدث روپڑی کی اپنی رائے ہے....'' (فتاویٰ اہلحدیث ج ا ص ۱۵۵)

سوم: حافظ روپڑی صاحب لکھتے ہیں کہ "کیونکہ ابن عربی کی کتاب "عوارف المعارف" سے ماخوذ ہے...." (فتاویٰ اہلحدیث ج ۱ ص ۱۵۵)

حالانکہ عوارف المعارف کا مصنف سہروردی ہے۔ دیکھئے کشف الظنون (ج ۲ ص ۱۱۷۷)

معلوم ہوا کہ حافظ عبداللہ روپڑی صاحب رحمہ اللہ ابن عربی کی کتابوں سے صحیح طور پر واقف نہیں تھے لہٰذا اُن کی تاویلات سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہیں۔

ظہور احمد صاحب نے حاجی امداد اللہ اور گنگوہی صاحبان کی عبارات کا جواب دینے کے بجائے میاں نذیر حسین دہلوی، فضل حسین بہاری، نواب صدیق حسن، حافظ عبداللہ روپڑی، وحید الزمان حیدر آبادی، ابراہیم سیالکوٹی، فیاض علی اور عبدالسلام مبارکپوری سے ابن عربی کی تعریف میں کچھ عبارات نقل کر دی ہیں جو چار وجہ سے مردود ہیں:

اول: یہ علماء ابن عربی سے صحیح طور پر واقف نہیں ہیں۔ دیکھئے الحدیث: ۴۹ ص ۲۴

دوم: یہ علماء ابن عربی کی کتابوں سے صحیح طور پر واقف نہیں ہیں۔

سوم: ان علماء کی تاویلات ان سے بڑے اور جمہور علماء کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔ مثلاً امام بلقینی، العز بن عبدالسلام، ابوحیان الاندلسی، ابن کثیر، ابن تیمیہ، ابن حجر العسقلانی اور محدث بقاعی وغیرہم نے ابن عربی پر شدید جرح کر رکھی ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۴۹ ص ۲۱-۲۳

چہارم: فصوص الحکم اور الفتوحات المکیہ میں ابن عربی کی عبارات سے ان تاویلات کا باطل ہونا صاف ظاہر ہے۔

رشید احمد گنگوہی صاحب نے "ارشاد فرمایا":

"ضامن علی جلال آبادی کی سہارنپور میں بہت رنڈیاں مرید تھیں ایکبار یہ سہارنپور میں کسی رنڈی کے مکان پر ٹھیرے ہوئے تھے سب مریدنیاں اپنے میاں صاحب کی زیارت کیلئے حاضر ہوئیں مگر ایک رنڈی نہیں آئی میاں صاحب بولے کہ فلانی کیوں نہیں آئی رنڈیوں نے جواب دیا "میاں صاحب ہم نے اُس سے بہتیرا کہا کہ چل میاں صاحب کی زیارت کو اُس

نے کہا میں بہت گناہگار ہوں اور بہت روسیاہ ہوں میاں صاحب کو کیا منہ دکھاؤں میں زیارت کے قابل نہیں" میاں صاحب نے کہا نہیں جی تم اُسے ہمارے پاس ضرور لانا چنانچہ رنڈیاں اُسے لیکر آئیں جب وہ سامنے آئی تو میاں صاحب نے پوچھا" بی تم کیوں نہیں آئی تھیں؟" اُس نے کہا حضرت روسیاہی کی وجہ سے زیارت کو آتی ہوئی شرماتی ہوں۔ میاں صاحب بولے" بی تم شرماتی کیوں ہو کرنے والا کون اور کرانے والا کون وہ تو وہی ہے" رنڈی یہ سنکر آگ ہوگئی اور خفا ہو کر کہا لاحول ولا قوۃ اگرچہ میں روسیاہ و گناہگار ہوں مگر ایسے پیر کے مُنہ پر پیشاب بھی نہیں کرتی۔"

میاں صاحب تو شرمندہ ہو کر سرنگوں رہ گئے اور وہ اُٹھکر چلدی۔" (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۴۲)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ گنگوہی صاحب کے نزدیک توحید میں غرق میاں صاحب کا یہ عقیدہ تھا کہ زنا کرنے اور کرانے والا تو وہی ہے۔ معاذ اللہ، استغفر اللہ

وحدت الوجود کے گندے عقیدے کی اس عبرت ناک مثال کو میں نے "بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم" میں مختصراً پیش کیا تھا۔ (ص ۱۵) مگر حافظ ظہور صاحب نے اس کے جواب سے خاموشی برتی لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ میری اس چھوٹی سی کتاب کے صرف ایک باب اور بارہ خطرناک عقائد میں سے صرف ایک عقیدے کے جواب سے بھی عاجز رہے ہیں۔

جواب دینے سے پہلے فریقِ مخالف کی عبارت تو پڑھ لیں ورنہ یہی انجام ہوگا جو ظہور احمد کا ہوا ہے۔ جب تک میری ہر دلیل اور ہر اعتراض کا صریح جواب نہیں آئے گا "الزامات کے جوابات" کی حیثیت باطل و مردود ہی رہے گی۔

نثار صاحب! آپ نے عرضِ ناشر میں بے دلیل اور بے حوالہ دعوے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "علمائے دیوبند کی ان خدمات سے سب سے زیادہ ڈر انگریز حکومت کو تھا" (ص ۱)

آپ کے اس دعوے کی تردید و ابطال میں آلِ دیوبند اور انگریز کے سلسلے میں دس حوالے پیش خدمت ہیں:

① عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی اپنے امام ربانی یعنی رشید احمد گنگوہی صاحب کے بارے

میں لکھتے ہیں: ''ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلحضر ت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جان نثاری کے لئے طیار ہوگیا....'' (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۴، ۷۵)

معلوم ہوا کہ دیوبندی اکابر نے اپنی انگریز سرکار کے مخالف باغیوں سے شاملی میں جنگ لڑی جس میں حافظ ضامن صاحب باغیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

میرٹھی دیوبندی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تا زیست خیر خواہ ہی ثابت رہے۔'' (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۹)

انگریز سرکار مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہی تھی اور دیوبندی اکابر اسے مہربان سرکار قرار دے کر خیر خواہ ثابت ہو رہے تھے۔ سبحان اللہ!

۲ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بارے میں عاشق الٰہی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

''جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیونکی سرکوبی شروع کی تو....'' (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۶)

انگریزوں کی حکومت (اور انگریز سرکار) کو رحمدل کہنے والے کس منہ سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ان سے، سب سے زیادہ ڈر انگریز حکومت کو تھا۔!

۳ دیوبندیوں کے اکابر میں سے ایک مملوک علی صاحب تھے، جن کے بارے میں لطیف اللہ نے لکھا ہے:

''اول یہ کہ مولانا موصوف دہلی کالج میں انگریزی حکومت کے بمشاہرہ سو روپے ماہانہ پر ملازم تھے۔'' (انفاس امدادیہ ص ۱۰۸ حاشیہ نمبر ۱۱)

محمد انوار الحسن شیر کوٹی دیوبندی لکھتے ہیں: ''دہلی کالج کے تمام انگریز پرنسپل ان کی قدر کرتے

اوران پر اعتماد کرتے تھے۔ بلکہ گورنر جنرل نے مولانا مملوک علی کو انعام بھی دیا۔"

(سیرت یعقوب و مملوک ص ۳۴)

کیا خیال ہے ۱۸۲۵ء میں ایک روپے کا کتنا سونا ملتا تھا اور انگریز گورنر جنرل نے کس خوشی میں مملوک علی صاحب کو انعام دیا تھا؟

حفظ الرحمٰن دیوبندی نے اپنی تقریر میں فرمایا:

"مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہوگیا۔" (مکالمۃ الصدرین ص ۸)

تبلیغی جماعت کو انگریزی حکومت کی طرف سے کتنا روپیہ ملتا تھا اور کیوں ملتا تھا؟

جواب دیں، خاموش کیوں ہوگئے ہیں؟

⑤ حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے "علامہ عثمانی" دیوبندی صاحب نے فرمایا: "دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا کہ اون کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے..."

(مکالمۃ الصدرین ص ۹)

ممکن ہے کہ پہلے علم نہ ہو لیکن بعد میں انھیں علم ہوگیا کیونکہ تھانوی صاحب خود فرماتے ہیں:

"تحریکات کے زمانہ میں میرے متعلق یہ مشہور کیا گیا تھا کہ چھ سو روپیہ ماہانہ گورنمنٹ سے پاتا ہے۔" (ملفوظات حکیم الامت ج ۶ ص ۵۶ ملفوظ نمبر ۱۰۸، دوسرا نسخہ ج ۶ ص ۱۰۳)

⑥ اشرفعلی تھانوی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ اگر تمھاری حکومت ہوجائے تو انگریزوں کے ساتھ کیا برتاؤ کروگے؟ تھانوی صاحب نے جواب دیا:

"محکوم بنا کر رکھیں کیونکہ جب خدا نے حکومت دی تو محکوم ہی بنا کر رکھیں گے مگر ساتھ ہی اسکے نہایت راحت اور آرام سے رکھا جائے گا اس لئے کہ انہوں نے ہمیں آرام پہونچایا۔

ہے...'' (ملفوظات حکیم الامت ج٦ص ٥٥، ملفوظ: ١٠٧، دوسرا نسخہ ج٦ص ١٠٢)

⑦ محمد قاسم نانوتوی صاحب کے بیٹے محمد احمد کے بارے میں دیوبندیوں کی ایک معتبر کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ

''١٤٤۔ محمد احمد حافظ شمس العلماء

(١) پسر محمد قاسم بانی مدرسہ دیوبند۔ یہ مدرسہ کا مہتمم یا پرنسپل ہے اور وفادار ہے۔''

(تحریک شیخ الہند ص ٤٤٩)

کیا خیال ہے؟ جس شخص کے بارے میں انگریز حکومت خود اقرار کرے کہ ''وفادار ہے'' تو وہ کتنا بڑا وفادار ہوگا؟!

⑧ محمد احسن نانوتوی کے بارے میں محمد ایوب قادری دیوبندی لکھتے ہیں:

''٢٢/مئی کو نماز جمعہ کے بعد مولانا محمد احسن صاحب نے بریلی کی مسجد نو محلہ میں مسلمانوں کے سامنے ایک تقریر کی اور اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے''

(کتاب: ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' ص ٥٠)

ایوب صاحب مزید لکھتے ہیں: ''اس تقریر نے بریلی میں ایک آگ لگا دی اور تمام مسلمان مولانا محمد احسن نانوتوی کے خلاف ہو گئے۔ اگر کوتوال شہر شیخ بدرالدین کی فہمائش پر مولانا بریلی نہ چھوڑتے تو ان کی جان کو بھی خطرہ پیدا ہو گیا تھا'' (محمد احسن نانوتوی ص ٥١)

⑨ پی سی پگاٹ نامی ایک انگریز لکھتا ہے:

''مجھ کو آج مدرسۂ عربیہ دیوبند کے معائنہ سے غیر معمولی مسرت ہوئی... میں نہایت خوشی سے اپنا نام چندہ دہندگان میں شامل کرتا ہوں۔ پی سی پگاٹ، جنٹ مجسٹریٹ سہارنپور، ٦/ اپریل ١٨٩٧ء'' (مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند ج٢ص ٣٤٩)

کیا خیال ہے؟ پگاٹ صاحب کتنا چندہ دے گئے تھے اور کس وجہ سے نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار کر رہے تھے؟

⑩ ایک انگریز پامر نامی نے کیا کہا تھا؟ اس کا جواب پروفیسر محمد ایوب قادری دیوبندی

سے سنئے، لکھتے ہیں:

''اس مدرسہ نے یوماً فیوماً ترقی کی ۳۱/ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لفٹنٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا اس کے معائنہ کی چند سطور درج ذیل ہیں

''جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے یہ مدرسہ **خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد معاون سرکار ہے...**'' (محمد احسن نانوتوی ص ۲۱۷، نیز دیکھئے کتاب: فخر العلماء ص ۶۰)

نثار صاحب! اس طرح کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں مثلاً عبید اللہ سندھی (سابق نام: بُوٹا سنگھ) نے اپنے ایک خط میں مدرسۂ دیوبند کے بارے میں فرمایا:

''مالکانِ مدرسہ سرکار کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں'' (دیکھئے تحریک شیخ الہند ص ۳۵۸)

آپ ایسا کریں کہ حافظ ظہور احمد صاحب اور دوسرے لوگوں سے میری چھوٹی سی کتاب ''بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم'' کا مکمل اور موضوع کے مطابق جواب لکھوائیں۔ اسی طرح ماہنامہ الحدیث حضرو میں آلِ دیوبند پر جو تحقیقی رد کیا گیا ہے مثلاً ''انوار اوکاڑوی صاحب کے جواب میں'' اور ماہنامہ الحدیث: ۴۹ میں شائع شدہ تحقیقی مضمون ''وحدت الوجود کیا ہے؟ اور اس کا شرعی حکم'' (ص ۱۲۔۲۶) وغیرہ، ان تحریرات کا بھی مکمل اور بمطابق تحریر جواب لکھیں یا لکھوائیں۔

المہند الدیوبندی جیسی بے ثبوت اور اصل عبارات سے فرار والی تحریرات شائع کر کے اپنی جگ ہنسائی نہ کروائیں۔

تنبیہ: ہم نے وحید الزمان حیدر آبادی، نواب صدیق حسن خان، فیض عالم صدیقی اور بعض علماء وغیرہم کے بارے میں صراحتاً یا اشارتاً اعلان کر رکھا ہے کہ یہ ہمارے اکابر میں سے نہیں ہیں یا ہم ان کی تحریرات سے بری ہیں۔ اگر آپ کے پاس میرے اعلانات نہیں

پہنچے تو اس تحریر کو میرا اعلان سمجھ لیں۔
میرے خلاف آپ درج ذیل دلائل پیش کر سکتے ہیں:

۱: قرآن مجید
۲: صحیح اور حسن لذاتہ مرفوع احادیث
۳: اجماع ثابت

اگر آپ ہمارے علماء کرام کے اجتہادات پیش کرنا چاہتے ہیں تو درج ذیل شرائط کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں:

۱۔ وہ عالم ہمارے نزدیک ثقہ وصدوق عندالجمہور رہو اور صحیح العقیدہ اہلِ حدیث ہو۔
۲۔ اس عالم کا قول قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف نہ ہو کیونکہ ہمارا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف ہر شخص کی بات مردود ہے۔
۳۔ اس عالم کا قول ہمارے نزدیک مفتیٰ بہ ہو۔
۴۔ ہم اسے اپنے اکابر میں تسلیم کرتے ہوں۔

دوبارہ عرض ہے کہ ہم کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف ہر عالم کا قول مردود سمجھتے ہیں۔
آپ لوگوں کے خلاف ہم وہی عبارات اور حوالے پیش کرتے ہیں جنھیں آپ صحیح اور حجت تسلیم کرتے ہیں۔ اگر آپ ان عبارات کا صاف طور پر علانیہ انکار کر دیں اور عبارات لکھنے یا کہنے والوں کو اپنے اکابر کی فہرست سے باہر نکال دیں تو ہم آپ کے خلاف یہ عبارات اور حوالے ہرگز نہیں پیش کریں گے۔ کیا خیال ہے؟ اگر حیاتی دیوبندیوں کے خلاف مماتی دیوبندیوں، احمد سعیدی دیوبندیوں اور پنج پیری دیوبندیوں کے حوالے پیش کرنے شروع کر دیئے جائیں تو کیا آپ ان حوالوں کو تسلیم کریں گے؟ اگر نہیں تو پھر ہمارے خلاف بھی آپ کو ایسے حوالے پیش کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں جنھیں ہم تسلیم کرنے سے علانیہ انکار یا اعلان براءت کرتے ہیں۔ **وما علینا إلا البلاغ**

(۲۶/ رمضان ۱۴۲۹ھ بمطابق ۲۷/ ستمبر ۲۰۰۸ء)

آثارِ سفر

یمن کا سفر

ہم بَدِیعہ (سُوَیدی) ریاض (سعودی عرب) میں جناب ابو عبد السلام محمد سعید بن عبد الکریم کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عید الفطر (۱۴۲۵ھ) کا دوسرا دن تھا۔ اتنے میں میرے سعودی کفیل جناب ابو ہشام منصور بن مبارک بن عمر باعطیہ تشریف لائے۔ انتہائی ہنس مکھ اور زندہ دل انسان ہیں۔ سعودی و یمنی تہذیب کے امتزاج کا بہترین نمونہ اور خوش اخلاقی کا روشن ستون ہیں۔

ابو ہشام نے بتایا کہ وہ تقریباً ایک ہفتہ بعد اپنے آبائی وطن یمن کی سیر اور بعض سلفی علماء کی ملاقات کے لئے یمن جانا چاہتے ہیں۔ میرے ذہن میں فوراً یمن کا تصور چھا گیا۔ نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث یاد آگئی: ((أتاکم أهل الیمن هم أرق أفئدة و ألین قلوبًا ، الإیمان یمان والحکمة یمانیة)) تمھارے پاس یمن والے آئے ہیں، یہ لوگ نرم دل اور رقیق القلب ہیں۔ ایمان یمنی ہے اور حکمت یمن میں ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۳۸۸ و صحیح مسلم: ۵۲/۹۰)

یہ صحیح حدیث نبی کریم ﷺ کے دور والے یمنی مومنین پر منطبق ہے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر دور کا ہر یمنی باشندہ ان صفات سے متصف ہے۔ تاہم اس حدیث سے یمنیوں کی فضیلت ضرور ثابت ہوتی ہے۔

شیخ ابو ہشام نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے (عربی زبان میں ☆) کہا: ''اگر آپ بھی میرے ساتھ اس سفر میں جانا اور یمن کی سیر کرنا چاہتے ہیں تو بندہ حاضر ہے۔''

☆ یمنی سفر کا تمام کلام عربی زبان میں تھا، جس کا مفہوم اردو قالب میں ڈھالا گیا ہے، اسے خوب یاد رکھیں۔

میرے ایک دوست اور محسن قاری ابو یزید سیف اللہ بن عبد الکریم النوری اس مجلس میں موجود تھے، بولے: ''ضرور جائیں، یہ بہترین موقع ہے''
یمن کی سیر کا جذبہ میرے دل میں مچل رہا تھا لہٰذا میں نے فوراً ہامی بھر لی۔

یمنی سفارت خانے میں

کچھ دنوں کے بعد، مَیں اپنا پاسپورٹ اور کفیل کا ورقہ لے کر یمنی سفارت خانے پہنچا۔ مختلف ممالک کے پرشکوہ اور عظیم الشان سفارت خانوں کی عمارتیں، ریاض کے قریب ایک خوبصورت علاقے میں واقع ہیں، کھجور کے درختوں کی سرسبز و شاداب قطاریں ایک عجیب روحانی منظر کی عکاسی کر رہی تھیں۔

درخواست دیتے وقت کلرک سے معلوم ہوا کہ ویزے کے حصول کے لئے میڈیکل چیک اپ رپورٹ (Medical check up report) [تقرير الفحص الطبي] کا ہونا ضروری ہے۔

ایک مستوصف (پرائیویٹ ہسپتال) سے چیک اپ کروایا۔ دوسرے دن رپورٹ لے کر سفارت خانے پہنچا تو انھوں نے کہا کہ کفیل کا پاسپورٹ ہونا ضروری ہے۔

دفتری حضرات اسی طرح عام لوگوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔

جب سارے مطلوبہ کاغذات اور ابو ہشام کا پاسپورٹ لے کر سفارت خانے گیا تو حکم ہوا کہ قونسل مہدی الیمنی کے پاس جاؤ، پوچھ پوچھ کر جب مہدی صاحب کے پاس پہنچا تو انھوں نے کاغذات وغیرہ لے کر ارشاد فرمایا: بکرة (یعنی کل آئیں)

بادلِ نخواستہ سفارت خانے سے باہر آتے ہوئے اپنے موبائل سے کفیل ابو ہشام کو ان کے موبائل پر اطلاع دے دی تو انھوں نے کہا کہ وہ بہت جلدی آ رہے ہیں۔ انتظار کرتا رہا، جناب ابو ہشام صاحب پونے دو بجے پہنچے۔ سفارت خانے کی دفتری کارروائیوں کے بند ہونے کا وقت دو بجے تھا۔ ابو ہشام منصور نے بنفسِ نفیس قونسل (کونسلر) مہدی سے

ملاقات کی اور پر زور مطالبہ کیا کہ ویزا آج ہی ملنا چاہیے۔

دفتری تگ ودو کے بعد مہدی صاحب نے میرے پاسپورٹ پر یمن کا ویزا الگوا دیا اور یہ بھی لکھوایا کہ " مع مرافقة الكفيل " یعنی یہ کفیل کے ساتھ یمن کی سیر کریں گے اور کفیل کے پاسپورٹ پر میرا اندراج کروایا کہ ان کے ساتھ مکفول بھی ہوگا۔ سفارتخانے میں ابوہشام کی ملاقات ایک یمنی بابا شیخ جابری سے ہوئی جو اُن کی جان کو چمٹ گیا تھا، بڑی مشکل سے تقریباً دو گھنٹے بعد شیخ جابری سے پیچھا چھڑوایا گیا، تاہم شیخ جابری نے کچھ کاغذات اور رقم صنعاء یمن میں اپنے بیٹے تک پہنچانے کے لئے ہمارے ہاتھ تھمادی۔

یمن کی طرف

2 دسمبر 2004ء کو ابوہشام نے کہا کہ آپ ظہر کے بعد ڈیڑھ بجے (1:30) میرے گھر آجائیں، ان شاء اللہ اسی وقت روانہ ہو جائیں گے۔ ابو عبد السلام کے ساتھ ٹھیک ڈیڑھ بجے ابوہشام کے گھر (خان شلیلا۔ الریاض) پہنچ گیا۔

سامان کی ترتیب جاری تھی۔ مغرب کے بعد عشاء سے تھوڑا پہلے ہم روانہ ہوئے۔ سفر کی مسنون دعائیں پڑھ کر سفر کا آغاز کیا۔ ہم کل پانچ ساتھی تھے:

۱: زبیر علی زئی

۲: ابوہشام منصور

۳: منصور کا آٹھ نو سالہ بیٹا ہشام ابوعبد الملک

۴: ابوعقیل محمد باعطیہ

۵: ابو مالک الیمنی

ابوہشام کی گہرے نیلے رنگ کی، فورسیٹر چھوٹی گاڑی میں ہم بیٹھے ہوئے تھے۔
اذکارِ مساء (شام کے اذکار) سے فارغ ہونے کے بعد طرح طرح کی گفتگو جاری رہی۔
راستے میں الخرج، الدلم، لیلیٰ اور وادیِ دواسر وغیرہ کے شہر آئے۔ سنا ہے کہ مسیلمہ

کذاب حنفی اپنے قبیلے بنوحنیفہ کے ساتھ الخرج کے علاقے میں قیام پذیر تھا، جب سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی بھیجی ہوئی سپاہِ صحابہ نے اسے قتل کر کے واصلِ جہنم کیا تھا۔

الخرج علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔ کھجوروں کے درخت اور لہلہاتا ہوا سبزہ، الربع الخالی کے صحرا میں عجیب بہار پیش کرتا ہے۔

وادی دواسر میں تقریباً رات کے بارہ بجے پہنچے اور ایک ہوٹل میں آرام کیا۔

دوسرے دن، صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اذکارِ صباح پڑھتے ہوئے، خمیس مشیط کی طرف روانہ ہوئے۔ پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا۔

خمیس مشیط (ایک سعودی شہر) سے پہلے ایک جگہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑوں سے بے شمار چھوٹے بڑے بندر، بندریاں اور ان کے بچے سڑک کے پاس آئے ہوئے ہیں۔

ہم نے گاڑی روک دی لیکن سارے شیشے بند ہی رکھے تاکہ یہ وحشی جانور حملہ نہ کر دیں۔ چھوٹا ہشام بڑا ہی خوش ہو رہا تھا۔ ہمارے پاس جو بسکٹ وغیرہ تھے، گاڑی کے شیشوں سے بندروں کی طرف پھینک دیے۔ مگر (ہر آدمی نے) یہ خیال رکھا کہ کہیں شیشہ زیادہ نہ کھل جائے۔

بندر پھینکی ہوئی چیزوں کو اچک اچک کر پکڑتے اور انتہائی تیزی سے کھاتے۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ بھوک کے ستائے ہوئے ہیں۔

کچھ بندر ہماری گاڑی پر چڑھے ہوئے تھے۔ سڑک پر کچھ دوسری گاڑیاں بھی رکی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر اس منظر سے لطف اندوز ہونے کے بعد ہم خمیس مشیط کی طرف روانہ ہو گئے۔

مدثر سے ملاقات

میرے ایک شاگرد مدثر (جھامرہ، غازی ضلع ہزارہ، صوبہ سرحد والے) خمیس مشیط میں اپنے ایک رشتہ دار محمد قاسم کے ساتھ رہتے ہیں۔ دونوں سلفی العقیدہ اہلِ حدیث ہیں۔

مدثر کو اہلِ حدیث ہونے کے بعد اپنے گاؤں جھامرہ میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر وہ ثابت قدم رہے۔

میں نے خمیس مشیط کے قریب سے مدثر کو فون کر دیا کہ ہم آ رہے ہیں۔ مدثر بھائی بہت خوش ہوئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ ہم جب خمیس مشیط پہنچے تو جمعہ ہو چکا تھا۔ مدثر نے ایک مسجد کے پاس ہمارا استقبال کیا اور ہمیں اپنے ڈیرے پر لے گیا وہاں قاسم سے ملاقات ہوئی۔

ہم چونکہ مسافر تھے لہٰذا سفری رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ظہر وعصر کی نمازیں جمع تقدیم کر کے اس ڈیرے میں پڑھیں۔ وہاں ایک سواتی ساجد سے ملاقات ہوئی۔

ساجد صاحب تقریباً دس سال سے سعودیہ میں مقیم ہیں اور بہترین عوامی عربی زبان بولتے ہیں۔

نماز کے بعد دوپہر کا کھانا تیار تھا۔ مدثر اور قاسم نے مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر بھائیوں سے اجازت لی اور خمیس مشیط سے جیزان کی طرف روانہ ہوئے۔ سارا علاقہ پہاڑی تھا۔ چھوٹی چھوٹی بے آب وگیاہ پہاڑیوں کا لامتناہی سلسلہ تھا۔ اَبہا کے شہر سے گزرے۔ مغرب کے بعد جیزان کے شہر ابوالعریش پہنچے، وہاں ابوہشام کے ایک دوست حسن عبدہ کے گھر میں قیام کیا۔

الشیخ احمد المطری الیمنی سے ملاقات

حسن عبدہ کے گھر میں یمنی شیخ احمد بن عبداللہ بن علی المطری سے ملاقات ہوئی، شیخ صاحب ہمارے منتظر تھے، انتہائی دلیر، حاضر جواب اور بذلہ سنج ہیں۔ شیخ مقبل بن ہادی الوادعی الیمنی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں بہترین صدوق، سنی عالم اور داعی ہیں۔ تقلید کی کسی قسم کو جائز نہیں سمجھتے۔ شیخ مقبل رحمہ اللہ، عصر حاضر میں یمن کے اہلِ حدیث علماء کے امام تھے بہت سی مفید کتابوں کے مصنف اور بہت کامیاب مدرس تھے۔ ان کے مدرسے میں ہزاروں طالب علم پڑھتے تھے۔

شیخ مقبل رحمہ اللہ بھی تقلید کے سخت مخالف تھے اور فرماتے تھے:

" التقليد حرام " تقلید حرام ہے۔ (تحفۃ المجیب علی اسئلۃ الحاضر والغریب ص ۲۰۵)

نیز دیکھئے میری کتاب "بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم" ص ۲۳

حسن عبدہ کے گھر میں شیخ مطری نے ایک معمر شخص سے پوچھا:

مصیبت میں "يا رسول الله" کہنا بہتر ہے یا "يا علي" کہنا؟

وہ شخص بے ساختہ بولا: "يا رسول الله" کہنا تو شیخ نے اسے سمجھایا کہ مصیبت میں "يا رسول الله" کہنا اور "يا علي" دونوں طرح ناجائز اور شرک ہے۔ صرف "يا الله" کہہ کر اللہ ہی سے مدد مانگنی چاہئے۔

الشیخ ناصر الکحل سے ملاقات

عشاء کی نماز کے بعد شیخ المطری کے ساتھ ہم شیخ ناصر الکحل کے پاس، ملاقات کے لئے گئے۔ وہاں سوال جواب کے دوران فرض نماز کے بعد بآواز بلند تکبیر (اللہ اکبر) کہنے کا ذکر ہوا، شیخ ناصر الکحل نے کہا: "اس سلسلے میں مروی حدیث ضعیف ہے"

میں نے کہا: "شیخ صاحب! یہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے۔ اسے عمرو بن دینار نے ابو معبد نافذ سے، انھوں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔"

شیخ احمد المطری نے بھی میرے تائید کی اور بتایا کہ "یہ حدیث صحیح ہے اور یمن کے اہلِ حدیث اس پر عمل کرتے ہیں"

حدیث کا متن درج ذیل ہے: " عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كنت أعرف انقضاء صلوة النبي ﷺ بالتكبير " ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کی نماز کا اختتام (لوگوں کی) تکبیر سے معلوم کر لیتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۸۴۲)

صحیح مسلم میں درج ذیل الفاظ ہیں:

" ماكنا نعرف انقضاء صلوة رسول الله ﷺ إلا بالتكبير "

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہمیں نبی ﷺ کی نماز کا اختتام صرف تکبیر کے ذریعے سے ہی معلوم ہوتا تھا۔ (صحیح مسلم: ۱۲۱/۵۸۳)

شیخ ناصر الکحل حفظہ اللہ نے (حدیث دیکھنے کے بعد) فوراً اپنی بات سے رجوع کیا اور کہا:

''یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی دلیل ہے کہ فرض نماز کے بعد اللہ اکبر کہنا سنت ہے''

منصور باعطیہ نے تاویل کی کوشش کی مگر شیخ نے کہا:

''تکبیر کا مطلب تکبیر یعنی اللہ اکبر ہی ہے، اس کا مطلب سبحان اللہ، استغفر اللہ وغیرہ والے اذکار نہیں ہیں لہٰذا صحیح یہی ہے کہ نماز کے فوراً بعد تکبیر جہراً کہی جائے اور بعد میں اذکار مسنونہ پڑھے جائیں''

یہ سن کر مجھے سخت حیرانی اور خوشی ہوئی کہ یہ شیخ فوراً حق کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اہلِ حدیث کا یہی عقیدہ، مسلک اور عمل ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد چوں وچرا نہیں کرتے بلکہ فوراً لبیک کہہ کر حق تسلیم کر لیتے ہیں۔

یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ اس حدیث پر سعودیہ میں عمل نہیں ہوتا۔ سعودی علماء نے اسے اپنی تاویلاتِ باطنیہ کا نشانہ بنا کر عملاً رد کر دیا ہے۔

ایک سعودی شیخ عبداللہ المعتاز سے اس سلسلے میں، ریاض سعودی عرب میں میری بات ہوئی تھی۔ یہ شیخ لاجواب ہونے کے باوجود اپنی ضد اور حدیث کی مخالفت پر ڈٹا رہا، اس مجلس سے ایک نوجوان بول اٹھا تھا: '' انا مع الشیخ الزبیر ''

میں اس مسئلے میں شیخ زبیر کے ساتھ ہوں۔

سونے سے پہلے الارم

شیخ ناصر الکحل حفظہ اللہ سے ملاقات کے بعد حسن عبدہ کے گھر واپس آئے۔ کھانا وغیرہ کھا کر سونے کی تیاری کی۔ ابو ہشام منصور اپنے موبائل پر صبح پانچ بجے کا الارم لگا

چاہتے تھے۔ میں نے انھیں یاد دلایا کہ میں ان شاء اللہ انھیں پانچ بجے بغیر الارم کے اٹھا دوں گا جیسا کہ گذشتہ رات میں نے انھیں مقرر شدہ وقت پر اٹھا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے کہ سوتے وقت جس ٹائم اٹھنے کا ارادہ ہو تو اسی وقت آنکھ کھل جاتی ہے۔ شدید بیماری وغیرہ کی بعض حالتیں کبھی کبھار مستثنیٰ ہیں۔

رات ابوالعریش میں گزارنے کے بعد صبح پانچ بجے میں نے ابوہشام وغیرہ کو مقررہ ٹائم پر اٹھا دیا۔ شیخ مطری کافی دیر پہلے اٹھ کر تہجد پڑھتے رہے۔

صبح کی نماز کے بعد ہم ناشتے کے بغیر ہی یہاں سے یمن کی طرف روانہ ہو گئے۔ سعودی عرب کا اس طرف آخری شہر طوال آیا اور گزر گیا۔

سفر شروع کرتے وقت دعائے سفر کے بعد صبح کے اذکار پڑھے تھے۔ ابوہشام کی یہ خوبی ہے کہ وہ خود بھی صبح و شام کے اذکار پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد سمیت دوسروں سے بھی ان کا اہتمام کرواتے ہیں۔

اذکار کی تکمیل کے بعد شیخ مطری بولے: ”عن المقداد بن الأسود قال قال رسول اللّٰه ﷺ: ((إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنْ ، إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنْ ، إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنْ ، وَلَمَنْ ابْتُلِيَ فَصَبَرَ فَوَاهًا .))

(ترجمہ: مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک وہ شخص خوش قسمت ہے جو فتنوں سے بچا رہے، آپ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی اور فرمایا: اور جو شخص آزمائش میں مبتلا کیا جائے پھر وہ صبر کرے تو کتنا ہی اچھا ہے) رواه أبو داود بإسناد حسن“ (اسے ابوداود: ۴۲۶۳ نے حسن سند سے روایت کیا ہے)

شیخ مطری نے عربی متن تین دفعہ پڑھا اور یہ مطالبہ کیا کہ ہر آدمی یہ حدیث زبانی پڑھے تاکہ یہ حدیث یاد ہو جائے۔ ہم سب نے باری باری یہ حدیث زبانی پڑھی۔

شیخ مطری نے بتایا کہ شیخ مقبل اسی طرح احادیث پڑھ کر اپنے شاگردوں کو یاد کرواتے تھے۔

شیخ مطری نے اپنی پیاری باتوں کے ساتھ سفر کی تھکان کا احساس تک نہ ہونے دیا۔

سرزمین یمن میں

چونکہ شیخ مطری ابوالعریش سے ہمارے قافلے میں شامل ہو گئے تھے لہٰذا گاڑی میں جگہ تنگ ہو گئی تھی۔ جس کا علاج یہ کیا گیا کہ چھوٹے بچے ہشام کو میں نے اپنے ساتھ اگلی سیٹ پر بٹھا لیا۔ شیخ مطری، ابوعقیل اور ابو مالک پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

ابوالعریش سے طوال اور طوال سے حرض (الیمن) والی چیک پوسٹ پر پہنچے۔

راستے میں ہشام بن منصور اپنی پیاری اور توتلی زبان میں قرآن مجید کی بعض سورتیں پڑھتا رہا۔

سعودی جوازات (Passport Authorities) اور یمنی جوازات وجمارک (Tax Authorities) وغیرہ سے فارغ ہو کر حرض پہنچے۔ ہمارے پاسپورٹ پر سعودیہ سے خروج اور یمن میں دخول کی مہریں لگ چکی تھیں۔ قانونی کارروائیوں کے تمام مراحل بخیر وخوبی طے ہو چکے تھے۔

یمن کی حدود میں داخل ہوتے ہی ایک عجیب منظر دیکھا۔ تقریباً ہر آدمی کی کمر سے ایک مضبوط پٹا بندھا ہوا تھا جس کے ساتھ تلوار نما ایک میان لٹکی ہوئی تھی جس میں ایک بڑا اور خوفناک قسم کا خنجر اڑسا ہوا تھا۔ اہلِ یمن کا یہ خاص شعار ہے، وہ اسے جنبیہ اور خنجر کہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمانۂ قدیم کے کسی علاقے میں پہنچ چکے ہیں، یمن میں یہ خناجر اور ہر قسم کا ہلکا اسلحہ رکھنے کی آزادی ہے۔

چونکہ ہم نے ناشتہ نہیں کیا تھا لہٰذا اس کے لئے کسی مناسب ہوٹل کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ سعودی کرنسی میں سے پانچ سو ریال یمنی کرنسی میں چینج (تبدیل) کئے۔ ایک سو سعودی ریالوں کے تقریباً پانچ ہزار یمنی ریال ملتے ہیں، یعنی ایک سعودی ریال: پچاس کے قریب یمنی ریالوں کے برابر ہے۔

بالآخر ایک ہوٹل ملا جو اَزمنۂ قدیم کی پس ماندگی کا شاہکار تھا۔ یہاں سعودیہ والی جدید تہذیب ونفاست اور صفائی کا تصور تک بعید از امکان تھا۔ ہم سب نے زمین پر بچھی ہوئی گول گرد آلود و بوسیدہ چٹائیوں پر بیٹھ کر جو میسر ہوا ناشتہ کیا۔ برتنوں وغیرہ کی صفائی سے یہ لوگ عاری اور بے پروا تھے۔

ناشتے کے بعد ابو ہشام نے بل ادا کیا اور ہم یہاں (حرض) سے حدیدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

سعودیہ کی بہ نسبت یمن میں کھانا پینا بہت سستا ہے۔

حرض سے حدیدہ تک کا علاقہ تہامہ کہلاتا ہے۔ یہ میدانی علاقہ ہے۔ راستے میں سڑکوں پر کئی جگہ کتے بلیاں مرے پڑے تھے۔ انھیں تیز رفتار گاڑیوں نے کچل دیا تھا۔

حُدَیدہ میں آمد

ظہر کے وقت ہم شیخ محمد بن عبدالوہاب الوصابی کے شہر حدیدہ پہنچ گئے۔

شیخ وصابی سے ملاقات، مدینہ میں شیخ فالح بن نافع الحربی المدنی کے گھر میں ہوئی تھی۔

وصابی مذکور یمن کے ایک عالم اور شیخ مقبل بن الوادعی رحمہ اللہ کے شاگرد ابوالحسن المأربی المصری الیمنی پر شدید جرح کر رہے تھے۔

ابوالحسن المأربی پر شیخ یحییٰ الحجوری الیمنی، شیخ محمد بن عبداللہ الامام، شیخ توفیق البعدانی الیمنی، شیخ فالح الحربی اور شیخ ربیع المدخلی وغیرہم بھی جرح کرتے ہیں۔

شیخ سعد الحمید (الریاض)، شیخ احمد المطری الیمنی اور بعض شیوخ اس المأربی کا دفاع کرتے ہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''انوار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل'' ص ۲۴۱

سعودی عرب میں سلفیوں کی ایک قسم ہے جسے تقلیدی سلفی (السّلفی التقلیدی) کہتے ہیں دیکھئے الشرق الأوسط ۱۴ ر رمضان ۱۴۲۵ھ ۲۸۔ اکتوبر ۲۰۰۴م ص ۲

تقلیدی سلفیوں میں شیخ فالح اور شیخ ربیع بن ہادی المدخلی کا بڑا مقام ہے۔

برمنگھم (انگلینڈ) کے تقلیدی سلفیوں کے نزدیک جرح وتعدیل میں شیخ فالح الحربی کا بہت بڑا مقام تھا، وہ جرح وتعدیل کے امام سمجھے جاتے تھے۔ مگر جب شیخ ربیع نے ان پر رد کر دیا تو فوراً تقلیدی سلفیوں کے نزدیک شیخ فالح ہیرو سے زیرو ہو گئے۔

(شیخ فالح الحربی کا ذکر میری کتاب انوار السبیل میں ہے۔ دیکھئے ص ۱۵۵)

یہ شیخ ربیع وہی ہیں جو پہلے مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ النکت علی ابن الصلاح لابن حجر اور المدخل للحاکم ان کی تحقیق سے چھپی ہیں۔ ان تحقیقات کے پہلے ایڈیشن میں شیخ ربیع کو بہت زیادہ اخطاء واوہام ہوئے ہیں۔

مثلاً حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے صحیح ابن خزیمہ سے ایک حدیث مع سند ومتن نقل کی ہے۔ (النکت علی ابن الصلاح ۲/۵۹۳)

شیخ ربیع اس پر حاشیہ لکھتے ہیں کہ ''لم أجده في صحيح ابن خزيمة''

میں نے اسے صحیح ابن خزیمہ میں نہیں پایا..... الخ (ایضاً ص ۵۹۳)

حالانکہ یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ (ج ۱ ص ۲۸۷ ح ۵۷۳) میں موجود ہے۔!

شیخ ربیع نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جو گستاخی کی تھی، اس سے علانیہ توبہ کر لی ہے۔ یہ ان کی فضیلت کی دلیل ہے۔ شیخ ربیع کا مختصر اور جامع ذکر میں نے انوار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل (ص ۶۷) میں لکھا ہے۔ والحمد للہ

شیخ ربیع نے قطبیوں اور مبتدعین پر زبردست رد کیا ہے۔ آج کل وہ ابوالحسن المأربی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ابوالحسن نے بھی ان پر تقریر وتحریر کے ذریعے سے بہت زیادہ رد کر رکھا ہے۔ سنا ہے کہ اس نے شیخ ربیع کے رد میں ایک سو اسی کیسٹیں جاری کی ہیں۔

کسی وجہ سے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر آج کل شیخ ربیع مکہ مکرمہ کی عوالی میں قیام پذیر ہیں۔ میں ان کے پاس کچھ دن رہا ہوں۔ بہترین مکتبے کے مالک لیکن شوگر، بلڈ پریشر جیسی مہلک بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ اپنے سوا دوسرے لوگوں کو (جو ان کے ہم نوا نہیں ہیں) احمق

اور بے وقوف سمجھتے ہیں۔ پاکستان کے بعض کبار علماء نے ان پر جرح کر رکھی ہے۔
میں نے شیخ ربیع سے ان کے مکتبے (گھر) میں یہ کہتے ہوئے سنا:
"إن التقليد واجب" بے شک تقلید واجب ہے۔
میں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا: آپ کیا کہہ رہے ہیں؟
شیخ ربیع المدخلی نے دوبارہ کہا: "إن التقليد واجب"
یہ سن کر میں نے (کچھ کہا... اور) اپنا سامان (بیگ) اٹھایا اور عوالی کو خیر باد کہہ کر حرم (بیت اللہ) چلا آیا۔
گذشتہ رمضان میں جب مدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تو شیخ فالح الحربی نے اپنے شاگرد فیصل بن لافی التمیمی المدنی کے ذریعے سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میرے ساتھ ذوالفقار بن ابراہیم الاثری (من بریطانیہ) اور شاہد (جامعہ اسلامیہ کے ایک طالب علم) تھے۔ شیخ فالح کافی دیر تک شیخ ربیع پر جرح کرتے رہے اور کہا:
"ربیع مرجئ" ربیع مرجئی ہیں۔ خیر یہ تو "اکابر" کی باہمی چشمک اور جروح ہیں، جن سے ہم لوگوں کو دور رہنا چاہیے۔ مبتدعینِ زمانہ کے خلاف شیخ ربیع اور شیخ فالح کی مساعی جمیلہ کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ والحمد للہ
تنبیہ: انگلینڈ وغیرہ کے تقلیدی سلفیوں نے کذب و افتراء اور تشدد کی راہ اپناتے ہوئے اہلِ حدیث علماء و عوام پر رد شروع کر رکھے ہیں۔ ذرہ سی بات یا اجتہادی خطا پر وہ لوگوں کو سلفیت سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ پرانے زمانے میں بھی تھے جن کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "ما هولاء بأصحاب الحديث، بل فجرة جهلة، أبعد الله شرهم" یہ اصحاب حدیث نہیں ہیں بلکہ فاجر و جاہل ہیں۔ اللہ ان کے شر کو دور کرے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۷/۴۶۰)
انھی کذابین میں سے ابو خدیجہ عبدالواحد بن محمد عالم میرپوری، یاسر احمد بن خوشی محمد اور ابو یوسف عبدالرحمٰن حافظ تینوں کذب و افتراء میں بہت مشہور ہیں۔

شیخ الوصابی کے دروازے پر

ظہر وعصر کی دونوں نمازیں، شیخ وصابی کی مسجد میں جمع اور قصر کے ساتھ پڑھیں۔ مسجد میں صفائی کا کوئی خاص انتظام موجود نہیں ہے۔ استنجا خانے اور وضو کی جگہیں پرانے زمانے کی یادگار ہیں۔ بدبو اور عدم صفائی کا ''شاہکار'' ہیں۔

نماز سے فارغ ہو کر شیخ محمد بن عبدالوہاب الوصابی کے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد ان کا تیرہ چودہ سال کا بیٹا باہر آیا۔ اسے کہا کہ اپنے والد صاحب (شیخ وصابی) سے کہو کہ چند مہمان آپ سے مختصر ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ واپس آیا اور بولا: ابا جان کہتے ہیں کہ عصر تک انتظار کریں، عصر کے بعد ملاقات ہوگی۔ ہم نے کہا: وصابی صاحب سے کہو کہ ریاض (سعودی عرب) سے کچھ مہمان آئے ہیں جن کے ساتھ ایک پاکستانی بھی ہے۔ لمبے سفر پر جا رہے ہیں۔ وہ آپ کا زیادہ وقت نہیں لیں گے صرف سلام کہہ کر یہاں سے چلے جائیں گے۔ ان کے پاس انتظار کا وقت نہیں ہے۔ ان کا پروگرام ہے کہ رات سے پہلے معبر (یمن کے ایک شہر) پہنچ جائیں۔

لڑکا گیا مگر واپس نہ آیا۔ شیخ وصابی صاحب نے باہر نہ آنا تھا نہ آئے۔ وہ اکرامِ ضیف کی ''بہترین'' تصویر ہیں۔!!

کافی دیر انتظار کے بعد ہمیں بے نیلِ مرام واپس ہونا پڑا۔

حُدَیدہ میں دوپہر کا کھانا

شیخ مطری نے بتایا کہ حدیدہ میں ان کے کچھ رشتہ دار رہتے ہیں۔ ان سے سلام دعا کرتے ہوئے یہاں سے جلدی چلیں گے۔ جب شیخ مطری کے رشتہ داروں کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنے گھر میں بٹھا کر دوپہر کے کھانے کا بندوبست کر دیا۔ مطری کے عم زاد (Cousin) پابند شرع، ملنسار اور مہمان نواز آدمی ہیں۔ ان کے چار پانچ بیٹے ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ یہ سب لڑکے جوڈو کراٹے سے بہت دلچسپی رکھتے تھے بلکہ بعض کے پاس

بلیک بیلٹ بھی تھے۔ ان میں سے ایک اسی سلسلے میں ایک مہینے کے لئے جاپان بھی گیا تھا۔ کھانا انتہائی پرتکلف اور یمنی انداز کا تھا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مطری صاحب کے عم زاد پانی سے بھری بالٹی لے آئے اور یہ مطالبہ کیا کہ سارے آدمی اسی بالٹی میں ہاتھ ڈال کر بالٹی میں ہی ہاتھ دھوئیں۔

پٹھانوں کے ہاں یہ طریقہ رائج ہے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد دونوں حالتوں میں ایک بچہ یا بڑا آدمی اپنے کندھے پر تولیہ رکھے دائیں ہاتھ میں نیم گرم پانی کا لوٹا اور بائیں ہاتھ میں برتن پکڑے ہوئے، مہمانوں کے پاس آ کر ان کے ہاتھ دھلواتا ہے۔ یہ خاص قسم کا برتن ہوتا ہے جس میں پانی گرتا تو ہے لیکن نظر نہیں آتا۔ اس کے اوپر والے حصے میں چھوٹے چھوٹے سراخ بنے ہوتے ہیں۔ ہاتھ دھلوانے کے بعد یہی بچہ یا بڑا آدمی تولیہ پیش کرتا ہے۔

ابو ہشام وغیرہ نے اس بالٹی میں ہاتھ دھوئے لیکن میں اس سے دور رہا، مندیل والے کاغذ (ٹشو پیپر) سے ہاتھ پونچھے پھر اس گھر سے نکلنے کے بعد پانی سے ہاتھ دھو لئے۔ بالٹی والا یہ انداز مجھے پسند نہیں تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ یمنی قبائلیوں کا یہی رواج ہے۔

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر، عصر سے پہلے ہی ہم یمن کے ایک مشہور شہر معبر کی طرف رواں دواں تھے۔

اب میدانی علاقے کے بجائے پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ بے آب وگیاہ پہاڑوں کے درمیان سرسبز و شاداب وادیاں عجیب حسین منظر پیش کر رہی تھیں۔ سانپ کی طرح بل کھاتی سڑک اور پہاڑی راستوں پر جناب ابو ہشام صاحب تیزی سے گاڑی چلا رہے تھے۔ ہشام کی پیاری قراءت اور شیخ مطری کے شذرات و لطائف سے یہ طویل سفر بڑی آسانی سے طے ہو رہا تھا۔ کوشش یہ تھی کہ شام سے پہلے پہلے معبر پہنچا جائے۔ ابو ہشام منصور نے گاڑی چلاتے ہوئے شیخ مطری کا ایک واقعہ سنایا۔ شیخ مطری نے اپنے ایک ہم سفر آدمی سے کہا تھا:

أكلك حرام (تیرا کھانا حرام ہے) وہ شخص بڑا پریشان اور ناراض ہوا، وہ یہ سمجھا کہ شیخ صاحب اسے حرام خور سمجھتے ہیں حالانکہ اس کے رزق میں حرام والی کوئی بات ہی نہیں۔ اس شخص نے سخت احتجاج کیا اور بتایا کہ اس کا کھانا پینا سب حلال میں سے ہے۔

بعد میں شیخ صاحب نے اسے بتایا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ أكلك حرام (تجھے کھانا حرام ہے) ظاہر ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ انسان کو کھانا حرام ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ شیخ مطری صاحب تدلیس فی المتن سے خوب کام لیتے ہیں لہٰذا انھیں مدلسین کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

میرے ایک پیارے دوست اور شاگرد تدلیس فی المتن کے انتہائی ماہر بلکہ امام فی التدلیس ہیں۔ شام ہوگئی مگر ہم ابھی راستے میں ہی تھے۔ ابو ہشام نے بتایا کہ ان کی نظر کچھ کمزور ہے جس میں رات کو اضافہ ہو جاتا ہے لہٰذا گاڑی کی رفتار کم کرنا پڑی۔

عشاء سے پہلے ہم معبر شہر میں داخل ہو گئے۔ تہامہ کے برعکس یہاں کافی سردی تھی مگر حضرو (وادی چھچھ) کی سردی کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہے۔

میرے ایک پیارے دوست اور بھائی (لیکچرار) ابو انس محمد سرور گوہر صاحب کھڈیاں ضلع قصور کے رہنے والے ہیں۔ وہ جن دنوں حضرو میں مقیم تھے تو سردیوں میں تین تین رضائیاں اوپر نیچے ڈال کر سوتے تھے۔ اور حضرو کی سردی کا بہت شدت سے شکوہ کرتے تھے۔ آج کل قصور کے ایک سرکاری کالج میں لیکچرار ہیں۔

معبر میں

معبر پہنچنے کے بعد ابو ہشام اور ابو عقیل نے دو یمنی موبائل چپیں (الشریحہ) خریدیں تاکہ یمن میں ٹیلیفون رابطوں میں آسانی رہے۔ ابو ہشام کے پاس انٹرنیشنل موبائل کی چپ تھی مگر وہ اسے بہت کم استعمال کر رہے تھے۔ اس کی کال انتہائی مہنگی تھی بلکہ آنے والی (Incoming) کال پر بھی معقول جرمانہ (Roaming charges) ادا کرنا پڑتا تھا۔

شیخ ابونصر محمد بن عبداللہ الامام معبر میں رہتے ہیں۔ آپ شیخ مقبل رحمہ اللہ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں۔ مغرب اور عشاء کی نماز اُن کی مسجد و مدرسہ میں پڑھیں۔ شیخ صاحب موجود نہیں تھے کسی دوسرے علاقے میں دعوت کے لئے گئے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور شیخ مقبل رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کی انتھک محنت کی وجہ سے یمن میں سلفی (اہلِ حدیث) دعوت بڑی تیزی سے پھیلی ہے۔

شیخ مطری کی دو بیویاں ہیں جو علیحدہ علیحدہ گھروں میں رہتی ہیں۔ ان کے دس سے زائد بچے بچیاں ہیں۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر ہم پانچوں ایک تنگ سے کمرے میں سو گئے۔ کمرے کے ساتھ حمام منسلک تھا۔

سونے سے پہلے کچھ یمنی لڑکے ہمارے ساتھی ابو مالک سے ملنے آئے، جن میں سے ایک کا نام ساجد ہے یہ محمود بازلی کا بھائی ہے جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔ ان شاءاللہ

صبح کی نماز ہم نے شیخ محمد الامام کی مسجد میں پڑھی۔ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ قاری صاحب نے خوب لمبی قراءت کی تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ نماز باجماعت میں شامل ہو جائیں اور مسنون قراءت کا حق بھی ادا ہو جائے۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"وكان يطول في الأولى من صلاة الصبح ويقصر في الثانية"

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صبح کی پہلی رکعت لمبی اور دوسری رکعت (اس کی بہ نسبت) مختصر پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۷۵۹، صحیح مسلم: ۴۵۱)

اس مدرسے میں ایک ہزار کے قریب طالب علم پڑھتے ہیں۔ تقریباً ہر طالب علم اور ہر نمازی کی کمر سے خنجر لٹک رہا تھا۔ اسلحہ کی یمن میں فراوانی کے باوجود کوئی ناخوشگوار واقعہ ہمارے علم میں نہیں آیا۔

لوگ امن و سکون اور باہمی بھائی چارے کا بہترین ثبوت دے رہے تھے۔

یہاں شیخ توفیق البعدانی سے ملاقات ہوئی۔ شیخ توفیق فقہ و علوم اسلامیہ کے

زبردست ماہر اور انتہائی متواضع وملنسار عالم دین ہیں۔
ابو مالک صاحب یہاں سے اپنے علاقے حضر موت کی طرف چلے گئے۔

صنعاء میں آمد

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم چاروں (راقم الحروف، ابو ہشام، ابو عقیل اور ابو ہشام کا چھوٹا بیٹا ہشام) معبر سے صنعاء کی طرف روانہ ہوئے۔ صنعاء یمن کا دارالحکومت ہے اور پہاڑوں میں گھرا ہوا انتہائی خوبصورت شہر ہے۔

دوپہر کے قریب صنعاء میں مطعم الشام کے پاس پہنچے۔ یہاں ایک علم دوست نوجوان محمود بازلی سے ملاقات ہوئی جو کہ بہت ہی ملنسار اور مہمان نواز ہیں۔

وہ ہمیں اپنے کسی رشتہ دار کے گھر لے گئے۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے وہ ان کے ایک سگے بھائی کا گھر تھا۔

ابو ہشام نے اسے بتایا کہ ہماری دوپہر کی دعوت عمران شہر میں ہے لہٰذا آپ دوپہر کے کھانے کا بندوبست نہ کریں۔
محمود صاحب ہمارے لئے قسما قسم کے مشروبات اور پانی لے آئے۔
یہاں ہم نے کپڑے وغیرہ بدلے اور نماز پڑھی۔

صنعاء قدیم شہر ہے۔ حدیث کی مشہور کتاب مصنف عبدالرزاق والے امام ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی (متوفی ۲۱۱ھ) اسی شہر کے باشندے تھے۔

امام عبدالرزاق کی بیان کردہ احادیث صحاحِ ستہ کی ساری کتابوں میں موجود ہیں۔

عبدالرزاق الصنعانی سے پہلے امام ہمام بن منبہ بن کامل الصنعانی (متوفی ۱۳۲ھ) نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جو کہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے مطبوع ومشہور ہے۔ یہ حدیث کی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے اور اس کی ساری احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ والحمد للہ

سلطان العمرانی سے ملاقات

محمود بازلی سے اجازت لے کر ہم عُمران شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ صنعاء کے لمبے بازاروں سے گزرتے ہوئے شارع ستین پر آئے۔ یمن کے صدر علی (بن) عبداللہ (بن) صالح کے قصرِ حکومت کے پاس سے گزرے۔ عبدالمجید الزندانی کی یونیورسٹی (الجامعہ) دیکھی۔ یہ وہی زندانی ہے جس کے بارے میں شیخ مقبل رحمہ اللہ فرماتے تھے:

"إن الزنداني ضال مضل ملبس" بے شک زندانی ضال (گمراہ) مضل (گمراہ کرنے والا، اور) ملبس (تلبیس کرنے والا) ہے۔

کافی دیر کے بعد صنعاء شہر سے نکلے۔ اب راستے کے دونوں طرف پہاڑیاں ہی پہاڑیاں تھیں۔

ابو ہشام کا اپنے رشتہ دار سلطان سے موبائل پر رابطہ تھا۔ عمران کے بجلی گھر کے پاس سلطان ہمارا منتظر تھا۔ عصر سے کافی دیر بعد ہم عمران پہنچے۔ سلطان اور اس کے ساتھی نے ہمارا استقبال کیا۔ سلطان اور اس کا ساتھی کوئی چیز کھا رہے تھے جس کی وجہ سے ان کے مونہوں کی ایک طرف پھولی سوجی ہوئی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں ایک نشہ آور درخت "قات" کے پتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

سلطان کی گاڑی کے پیچھے ہم اپنی چھوٹی گاڑی میں روانہ ہوئے۔ سڑکوں پر کتے بلیاں مرے پڑے تھے۔

کافی دیر کے بعد ہم سلطان کے گھر پہنچے۔ قدیم زمانے کے اس گھر میں داخل ہوئے۔ ایک بہترین قالین بچھے ہوئے کمرے میں ہمیں بٹھایا گیا۔

مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ میزبان کو جب معلوم ہوا کہ ہم نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تو فوراً گھر سے ہلکا سا ناشتہ نما کھانا لے آئے اور کہا کہ آپ کے لئے سپیشل کھانا پک رہا ہے۔ یہ ہلکا سا کھانا کھا کر، نماز مغرب وعشاء پڑھ کر ہم سامنے والے کمرے میں سو گئے۔ دونوں

کمروں کے درمیان ایک حمام تھا۔ جس کے لئے پانی باہر سے لانا پڑتا تھا۔

رات گیارہ بجے کے قریب سو کر اٹھے تو کھانا تیار تھا اور سلطان کے بہت سے رشتہ دار حاضر تھے۔ سلطان نے سالم دنبہ ذبح کر کے بہترین طریقے پر بھنوا کر تیار کروایا تھا۔ سلطان وہاں ایک مقامی سکول میں ٹیچر (مدرس) ہے۔

کھانے پینے کے بعد سلطان نے ہمیں سبز رنگ کے پتوں کی ایک تھیلی پیش کی اور مطالبہ کیا کہ ہم اس سے ''شغل فرمائیں'' ہم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

سلطان نے کہا: یہ قات ہے۔

میں نے سلطان کو بتایا کہ قات کھانا جائز نہیں ہے۔ یہ نشہ آور بھی ہے اور صحت کے لئے مضر بھی ہے۔ سعودی علماء نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ اس شجرۂ خبیثہ پر سعودی عرب میں پابندی ہے۔ بس یہ سمجھ لیں کہ یہ درخت تمباکو سے مشابہ ہے۔ مگر تمباکو سے زیادہ ضرر رساں ہے۔ تمباکو سے تو جراثیم کش دوائیں تیار ہو سکتی ہیں مگر اس درخت کا مصرف میرے علم کے مطابق صرف نشہ ہی نشہ ہے۔

شیخ محمد بن عبداللہ الإمام المعبری الیمنی وغیرہ نے اس قات کی حرمت (حرام ہونے) پر کتابیں لکھی ہیں۔

اس کے بعد میں سونے والے کمرے میں آکر اپنے بستر پر لیٹنے کے لئے جھکا تو دیکھا کہ سلطان کا سب سے چھوٹا ایک سال کا بچہ آرام وسکون سے سویا ہوا ہے۔ سلطان کو بلوا کر بچے کو گھر بھجوایا۔ اس نے کوئی پیشاب نہیں کیا تھا۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اپنے گھر اور مستقل مسکن کے علاوہ دوسری جگہوں پر نیند نہیں آتی۔ مگر میں جہاں بھی جاؤں نیند کے وقت فوراً نیند آجاتی ہے۔ والحمد للہ

ابوہشام اور ابو عقیل عمرانیوں سے مہمان خانے میں باتیں کرتے رہے۔

رات تین بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ابوہشام اور ابو عقیل کمرے میں اپنے اپنے بستروں پر لیٹے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے السلام علیکم کہہ کر انھیں بتایا

کہ تین بجنے میں پانچ منٹ باقی ہیں۔ وہ یہ سن کر بھی ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا: کیا آپ صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں گے؟ میری یہ بات سن کر وہ سمجھ گئے اور چپ ہو کر سو گئے۔

صبح سوا پانچ بجے اذانِ فجر ہوئی تو میں نے اٹھ کر وضو کیا اور سلطان کے بھائی کے ساتھ مسجد گیا۔ سعودی عرب ہو یا یمن، یہ عرب لوگ صبح کی نماز اندھیرے میں ہی پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ حنفیوں اور پاکستان کے دیوبندیوں اور بریلویوں کی طرح خوب روشنی پھیلنے کا انتظار نہیں کرتے۔

تنبیہ: جس حدیث میں آیا ہے کہ صبح کی نماز خوب روشنی کر کے پڑھو، وہ اس حدیث کی وجہ سے منسوخ ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ وفات تک صبح کی نماز اندھیرے ہی میں پڑھتے رہے ہیں، آپ نے دوبارہ خوب روشنی کر کے صبح کی نماز نہیں پڑھی۔
دیکھئے سنن ابی داود (باب فی المواقیت ح ۳۹۴ وھو حدیث حسن، وقال الالبانی ''حسن'')

صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے بعد واپس ڈیرے پر آیا تو دیکھا کہ ابو ہشام اور ابو عقیل وضو کی تیاری کر رہے ہیں۔ دیر سے سونے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

ابو ہشام اور ابو عقیل نے نماز کے بعد دوبارہ آرام کیا۔ میں اور ہشام دوسرے کمرے میں سلطان کے رشتہ داروں کے پاس بیٹھ گئے۔ موسم کافی ٹھنڈا تھا۔ ہشام نے اپنے ماموں سلطان سے ایک خنجر لے کر اپنی کمر کے گرد باندھ لیا۔ اسے یہ خنجر بہت اچھا لگ رہا تھا۔

آٹھ بجے کے بعد ناشتہ کر کے ہم جبل یزید کی طرف روانہ ہوئے۔

جبل یزید میں

ابو ہشام کے دوسرے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے عمران سے جبل یزید کی طرف روانہ ہوئے۔ چٹیل پہاڑیوں کے درمیان سے گزر کر جب ہم مطلوبہ گاؤں میں پہنچے تو لوگوں نے ہوائی فائرنگ کر کے ہمارا استقبال کیا۔ اس ہوائی فائرنگ کو عربی زبان میں

"الدفرة" کہتے ہیں۔ شیخ محمد بن عبداللہ الإمام اسے اسراف وغیرہ کی رجہ سے ناجائز وممنوع سمجھتے ہیں۔ دیکھئے "تنویر الأبصار بما فی الرمایة من النافع و الأضرار" (ص ۱۱)

ابوہشام اوران کے بیٹے ہشام نے اپنے رشتہ داروں سے ملاقاتیں کیں۔ ہم نے کافی سفر کر کے پہاڑوں کے درمیان نیچے وادی میں پانی کا ایک چشمہ دیکھا۔

گاؤں میں ایک بہت ہی پرانی مسجد تھی۔ یہاں ابوہشام نے اذان دی اور میں نے نماز پڑھائی۔

پھر دوپہر کا کھانا اکٹھے کھایا۔ انھوں نے بھی دنبہ ذبح کر کے پکایا تھا۔ یہ لوگ بھی ہاتھ دھونے کے لئے ایک بالٹی لائے۔

ان لوگوں سے بمشکل اجازت لے کر ہم واپس روانہ ہوئے۔ ایک جگہ چھوٹا سا چشمہ تھا۔ وہاں گاڑی کھڑی کر کے پانی پیا۔ پھر سلطان وغیرہ کو الوداع کہہ کر عمران سے ہوتے ہوتے صنعاء پہنچے۔ شام ہو چکی تھی۔ ایک جگہ سے کچھ مالٹے اور کیلے خریدے۔ دیکھا کہ کالا انگور بھی موجود ہے۔ سنا ہے کہ کالا انگور صحت کے لئے بہت مفید ہے لہٰذا کالا انگور بھی خریدا۔

طب کی ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ

"کالے انگور کے سلسلہ میں ماہر پروفیسر کیز کی تحقیقات میں لکھا ہے۔ کہ اسے لگاتار استعمال سے دل کے امراض، کینسر و دوسرے پیچیدہ امراض سے ایک حد تک بچا جا سکتا ہے۔ پروفیسر کیز نے یہ تحقیقات امریکہ میں کیلیفورنیا کے ڈوس انسٹی ٹیوٹ میں ریسرچ کے دوران کی۔ کالے انگور میں زیادہ پایا جانے والا جوہر ہے "اینٹی آکسی ٹینٹ"۔ انسانی جسم میں "اینٹی آکسی ٹینٹ" اور "پرو آکسی ڈینٹ" دونوں پائے جاتے ہیں۔ جب جسم میں "پرو آکسی ڈینٹ" کی مقدار بڑھ جاتی ہے، تو جسم پر اس کا خطرناک اثر ہوتا ہے۔ نتیجہ میں جسم میں دل کے امراض سے متعلق امراض یا کینسر جیسی جان لینے والی بیماریاں پیدا ہو جانے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ جب کہ اینٹی آکسی ڈینٹ کی زیادہ مقدار بھی ہو تو اس کا کوئی نقصان دہ اثر نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ کالے انگور کا استعمال جسم میں اینٹی آکسی ڈینٹ کی مقدار کو

بڑھائے گا۔ نتیجہ میں پرو آکسی ڈینٹ کی مقدار اپنے آپ کم ہو گی۔ اور انسانی جسم کئی خطرناک امراض کی گرفت میں جانے سے بچ جائے گا۔'' (تاج العقاقیر ج۸ ص ۱۸۔۱۹)

ابو ہشام رات کو آہستہ آہستہ گاڑی چلاتے رہے۔ عشاء کے بعد جب ہم معبر پہنچے تو محمود بازلی سے ملاقات ہوگئی وہ ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ ان کا گھر شیخ محمد الامام کے مدرسے کے قریب ہے۔ رات وہیں قیام کیا۔

میں نے ترغیب دلوا کر ابو ہشام وغیرہ کو جلدی سونے پر آمادہ کر لیا لہٰذا ہم دس بجے سے کچھ پہلے ہی سو گئے۔ رات کے آخری پہر وتر پڑھے۔ انتہائی سکون محسوس ہو رہا تھا۔ ابو ہشام بھی آخری پہر اٹھ گئے اور تہجد کی چند رکعتیں مع وتر پڑھیں۔ صبح کی نماز شیخ محمد الامام کے مدرسے میں پڑھی۔ پھر واپس آکر محمود صاحب کے گھر میں ناشتہ کیا تو ہم خوب تازہ دم ہو گئے تھے۔

شیخ محمد بن عبداللہ الامام

دس بجے کے قریب ہم شیخ محمد کی لائبریری میں ان کی کتابیں دیکھ رہے تھے۔ بہت بڑی اور لمبی لائبریری ہے اتنی لمبی اور کھلی شخصی لائبریری میں نے نہیں دیکھی۔

یہ معلوم ہو چکا تھا کہ شیخ محمد بن الامام دعوتی دورے سے واپس آچکے ہیں۔ شیخ مطری سے بھی صبح کے وقت ملاقات ہو چکی تھی۔ وہ ہمارے ساتھ مکتبے میں موجود تھے۔

لائبریری کے ساتھ منسلک ایک کمرہ تھا جس میں شیخ محمد الامام بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ صاحب کے ایک شاگرد آئے اور ہمیں شیخ صاحب کے پاس لے گئے۔

محمد الامام چالیس سال کے لگ بھگ ہیں۔ ان کی کمر کے ساتھ بھی ایک بڑا خنجر بندھا ہوا تھا۔ انھوں نے پرتپاک طریقے سے ہمارا استقبال کیا۔ تعارف کے بعد ابو ہشام نے انھیں کچھ عطور وغیرہ کے تحفے دیے۔ انھوں نے ہمیں زمزم کا پانی پلوایا اور اپنی چند کتابیں تحفہ دیں۔

۱: التنبيه الحسن في موقف المسلم من الفتن .

۲: تحذير أهل الإيمان من تعاطى القات والشمة والدخان .

۳: الأخطاء المتعددة في حج المرأة المتبرجة .

ان کے علاوہ دو کتابیں محمود بازلی نے تحفہ دیں:

۴: تحذير المسلمين من الغلو في قبور الصالحين .

۵: تنوير الأبصار بما في الرماية من المنافع والاضرار .

ان سب کتابوں کے مصنف ابونصر محمد بن عبداللہ الامام ہیں۔

محمد بن الامام سے ملاقات کے بعد ہم واپس مکتبے میں آئے اور بعد میں ظہر کی نماز مدرسے والی مسجد میں پڑھی۔ نماز کے بعد شیخ صاحب نے تفسیر اور حدیث کا درس دیا۔ سوال وجواب بھی ہوئے۔

اس کے بعد طالب علموں سے سابقہ درسِ حدیث کی سند اور متن کے بارے میں پوچھا۔ طالب علموں نے اچھے طریقے سے سند ومتن سنا دیا۔ معلوم ہوا کہ طالب علم خوب محنت کرتے ہیں۔ شاگرد اگر سبق اچھے طریقے سے یاد رکھے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کا استاد محنت اور شوق سے پڑھاتا ہے اور شاگرد بھی اِدھر اُدھر کی سرگرمیوں میں مصروف نہیں رہتا بلکہ اپنے آپ کو سبق تک ہی محدود رکھتا ہے۔ نالائق لڑکے فضول کاموں اور سیاسی وحزبی سرگرمیوں میں اندھا دھند لگے رہتے ہیں، اسباق یاد کرنے کے لئے اُن کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ مگر اساتذہ، نظامِ مدرسہ اور کھانے پینے کے بارے میں اُن کی تنقیدی زبانیں بہت تیز چلتی ہیں۔ ایسے طالب علموں کے لئے سوائے ناکامی کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ درس ختم ہونے کے بعد ہم محمود صاحب کے گھر آئے۔

ظہر کے بعد محمود بازلی نے انتہائی پر تکلف کھانا تیار کر رکھا تھا۔ جس میں شیخ محمد الامام، شیخ توفیق البعدانی اور بہت سے لوگ مدعو تھے۔ شیخ کا باڈی گارڈ کلاشن کوف لئے چاک و چوبند کھڑا تھا۔

کھانے کے بعد شیخ محمد الامام فوراً چلے گئے وہ وقت کے بہت پابند ہیں۔

وقت کی پابندی انسان کے سچا اور صاحبِ اصول ہونے کی (دلیلوں میں سے ایک) دلیل ہے۔ بہت سے لوگ وقت کی پابندی نہیں کرتے مثلاً بعض ''نمازی'' ظہر کی نماز عصر کے وقت اور عصر کی نماز شام کے وقت پڑھتے ہیں۔ بعض علماء، قراء اور واعظین حضرات شرعی عذر کے بغیر ان مجالس وجلسہ گاہوں میں نہیں پہنچتے جن میں حاضری کے بارے میں وہ پکا وعدہ کر چکے ہوتے ہیں۔ امکان غالب یہی ہے کہ وعدہ خلافی کے وقت وہ ((و إذا وعد أخلف)) ''اور جب (منافق) وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔'' والی حدیث بھول جاتے ہیں۔

عصر کے بعد بھی شیخ صاحب نے حدیث کا درس دیا۔ مسجد طالب علموں سے بھری ہوئی تھی۔

اس مجلس میں بھی طالب علموں نے زبانی حدیثیں سنائیں۔ شیخ محمد الامام نے اسانیدِ حدیث کے راویوں کے حالات بیان کئے۔ وہ خوب محنت کر کے پڑھاتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ ان کا مدرسہ طالب علموں سے بھرا رہتا ہے۔ یمن میں چاروں طرف اُن کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں، شیخ مقبل رحمہ اللہ کے بعد تدریسی میدان میں اُن کے شاگرد محمد الامام کا بڑا مقام ہے۔

اب ہم شمالی یمن کے شہر صعدہ جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ یہ وہ شہر ہے جہاں شیخ مقبل بن ہادی رحمہ اللہ کے پاس ہزاروں طالب علم پڑھتے تھے۔

آج کل ان کی مسندِ تدریس پر شیخ یحییٰ الحجوری بیٹھے ہوئے ہیں۔

شیخ یحییٰ سے میرا فون پر رابطہ رہا ہے۔

شمال میں ہی شیعوں کا زیدی فرقہ بھی آباد ہے۔ چند مہینے پہلے ان زیدیوں کے شیخ سید حسین الحوثی نے حکومت یمن کے خلاف بغاوت کی تھی۔ جس میں کافی قتل وقتال ہوا۔ حکومت نے کئی مہینوں کی محنت کے بعد اس بغاوت پر قابو پایا اور حسین الحوثی (زیدی شیعہ) مارا گیا۔

یہ رات ہم نے دوبارہ محمو بازلی کے گھر میں گزاری، صبح جب شیخ مطری آئے تو معلوم

ہوا کہ ابو ہشام کا جو موبائل ان کے پاس تھا وہ چوری ہو گیا ہے۔ ابو ہشام کی انٹرنیشنل چپ (الشریعہ) میرے پاس تھی لہٰذا وہ بچ گئی۔

صبح سویرے ہم معبر سے صنعاء کی طرف روانہ ہوئے، صنعاء پہنچ کر ناشتہ کیا۔ شیخ مطری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ یمنی انداز میں بھنی ہوئی کلیجی کا یہ بہترین ناشتہ تھا، اس قسم کی غذائیں ابو ہشام کو انتہائی پسند ہیں۔ ناشتے سے فارغ ہو کر صعدہ کی طرف شمال میں روانہ ہو گئے۔ راستے میں عمران کا شہر آتا ہے۔ سلطان سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ ابو ہشام کے بہت سے رشتہ دار دوبارہ جمع ہو گئے تھے، وہ اصرار کر کے ہمیں روکنا چاہتے تھے مگر ہم نے معذرت کر لی، ہم جلدی صعدہ پہنچنا چاہتے تھے لہٰذا ان سے فارغ ہو کر ہم صعدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

دور دور تک آبادی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ایک جگہ راستہ بھول کر ہم کافی دور نکل گئے۔ اصحاب الجنۃ (غار والوں) کے علاقے کے قریب سے گزرتے ہوئے، پھر پوچھتے پوچھتے صعدہ کی سڑک پر واپس آئے۔ ☆

ابو ہشام بہت تیزی سے گاڑی چلا رہے تھے۔ ہمارا پروگرام یہ تھا کہ شیخ یحییٰ الحجوری سے ملاقات کر کے ایک گھنٹے کے اندر اندر واپس لوٹیں گے۔ ان شاء اللہ

راستے میں بعض چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی آئے۔ ایک جگہ ہم بشری ضروریات کے لئے رکے، یہاں اہلِ سنت (یعنی اہلِ حدیث) کی ایک مسجد تھی وہاں کے لوگ شیخ مطری کو پہچانتے تھے اور زیدی شیعوں کے سخت مخالف تھے۔ اُن میں سے ایک نے تو میرے سامنے

....

☆ طبع اول میں اصحابہ الجنۃ کی جگہ غلطی سے ''اصحاب کہف'' چھپ گیا تھا۔ باغ والے (جن کا باغ آسمانی عذاب سے تباہ کر دیا گیا تھا) یمن کے علاقے ضوران میں رہتے تھے۔

دیکھئے کتاب اطلس القرآن (ص ۲۶۵ طبع دارالسلام ریاض)

زیدیوں کی تکفیر کر دی۔ حاجاتِ ضروریہ سے فارغ ہو کر ہم دوبارہ سوئے منزل روانہ ہو

گئے۔ ظہر سے کافی دیر بعد ہم صعدہ کے قریب پہنچے، ایک پٹرول پمپ سے گاڑی میں پٹرول ڈلوایا۔ یمن میں سعودیہ کی بہ نسبت پٹرول سستا ہے۔

چیک پوسٹ پر

صَعدہ شہر کی چیک پوسٹ پر فوجی (عسکری) نے ہمیں روکا اور پاسپورٹ طلب کئے تو ابوہشام نے اپنا، اپنے بیٹے، میرا اور ابوعقیل کا، چاروں پاسپورٹ اس کے حوالے کر دیئے۔ شیخ مطری کا یمنی اقامہ اور پاسپورٹ ان کے گھر رہ گیا تھا لہٰذا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا، یہ فوجی اپنے افسر کے پاس چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد فوجی واپس آیا تو (اُس نے عربی میں) کہا: ''آپ میرے ساتھ مکتب الجوازات (Passport Office) چلیں۔ چار پانچ منٹ کی تحقیق کے بعد آپ چلے جائیں گے۔''

چونکہ ہمارے کاغذات مکمل تھے اور پاسپورٹوں پر ویزہ اور انٹری لگی ہوئی تھی (سعودیوں کے لئے یمن کا ویزہ ضروری نہیں ہے۔ بس انٹری ضروری ہوتی ہے) لہٰذا ہم مطمئن تھے۔ وہ ایک ایسی چار دیواری (والی) عمارت میں ہمیں لے گیا جس کا دروازہ بند تھا اور باہر فوجی کھڑا تھا۔ اس چار دیواری کے اندر ایک عمارت کے پاس ہمیں پہنچایا گیا۔ چونکہ عصر ہو چکی تھی اور ہم نے ابھی تک ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی لہٰذا ہم نے ظہر وعصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔ زمین پر ہم نے اپنا سفری کمبل بچھا لیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہم نے ابھی تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا۔

فوجی ہمیں اندر ایک جگہ لے گئے جہاں بہت اونچی عمارت تھی اور دیواروں پر لوہے کی کانٹوں والی تاریں لگی ہوئی تھیں۔ فوجیوں نے کہا کہ ''آپ پانچوں اب جیل میں ہیں'' ابوہشام نے بہت شور مچایا کہ ہمارے کاغذات صحیح ہیں، آپ لوگ کیوں ہمیں جیل میں بند کر رہے ہیں؟

مگراس کی ایک نہ سنی گئی۔

اب ہم پانچوں بشمول ننھے ہشام جیل میں بند ہو چکے تھے۔ ہمارے موبائل ہم سے چھین لئے گئے تھے۔ آزاد دنیا سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ ہمارے رشتہ داروں، دوستوں اور متعلقین میں سے کسی کو بھی ہماری اس حالت کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ ایسے کنویں میں ہمیں پھینک دیا گیا تھا جس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہمیں سلاخوں کے پار دوسرے قیدیوں کے پاس پہنچا دیا گیا مگر اس سے پہلے کیا ہوا؟ اس کی تفصیل بھی سن لیں۔

عشاء تک ہم اسی جگہ رہے۔ جیل کا مدیر (سپرانٹنڈنٹ/ داروغہ) احمد الیافعی الیمنی ہمیں باری باری اپنے افسروں کے پاس لے جاتا رہا جہاں ہمارے انٹرویو لئے گئے۔ مختلف قسم کے سوالات کئے گئے مثلاً:

۱: آپ کتنے ساتھی آئے ہیں؟

۲: یہاں صعدہ میں آپ کس کو پہچانتے ہیں؟

۳: شیخ مطری سے آپ کی ملاقات کہاں ہوئی ہے؟

۴: کیا آپ شادی شدہ ہیں؟

۵: اگر شادی شدہ ہیں تو کتنے بچے ہیں؟

۶: آپ یہاں صعدہ میں کیوں آئے ہیں؟ کس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں؟

میرا انٹرویو سب سے آخر میں لیا گیا تھا۔ میں نے ایک افسر کو دوسرے افسر سے یہ کہتے سنا کہ ان کے بیانات ایک جیسے ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

میں نے انھیں کہا: آپ لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے؟ جس کا قیامت کے دن آپ کو حساب دینا پڑے گا۔

یہ ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی کونہ ہو، جیل کے حکام پر مظلومین کی آہ و بکا بے اثر ہوتی ہے۔ ابوغریب جیل کی داستانیں دوہرانے والے اپنی آخرت اور اللہ کی پکڑ سے بے خوف رہتے ہیں۔ کوئی مرے یا جئے، انھیں کیا پروا ہے۔ انسانوں کو جانوروں کی طرح پنجروں میں بند

کرنے اور اُن کو مختلف قسم کے عذاب اور تکلیفیں دے دے کر اُن کے ننگے فوٹو بنانے والے ان ظالموں کو وحشیانہ خوشی ہوتی ہے۔

کاغذات پر انھوں نے وجہ حراست " الاشتباہ "(شبہ) لکھی۔

انھیں یہ شبہ تھا کہ شیخ ابو ہشام منصور چونکہ امیر تاجر ہیں لہٰذا وہ سعودیہ سے یمن آکر مدرسوں کو رقم دیتے ہیں اور تنظیموں کی مالی امداد کرتے ہیں۔

باہر کے لوگوں کا مدرسوں کی امداد کرنا، ان لوگوں کے نزدیک بڑا جرم تھا۔

ابو ہشام نے خوب قسمیں کھائیں اور بتایا کہ " میں مدرسوں کی امداد نہیں کرتا۔ میں تو یمن اپنے رشتہ داروں سے ملاقات، سیر اور بڑے شیوخ کی زیارت کے لئے آیا ہوں"

یہ ساری گفتگو رائیگاں گئی۔

عشاء کے قریب فوجیوں نے ہماری تصاویر لیں۔ اور ہمیں سلاخوں کے پار، قیدیوں کے پاس، جیل میں پہنچا دیا۔

یہ بدھ کا دن تھا۔ (۸/ دسمبر ۲۰۰۴ء)

ہمارے تمام سامان سے ہمیں محروم کر دیا گیا تھا۔

ہمارے پاس دو موبائل تھے:

① شیخ مطری والا جس میں ابو ہشام کے موبائل کی چپ (SIM) ڈالی گئی تھی۔

② ابو عقیل والا۔

ان دونوں موبائلوں پر فوجیوں نے جیل میں داخل ہونے سے پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا۔

دنیا سے ہمارا مکمل طور پر رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔

جیل میں موجود قیدیوں نے ہمارا استقبال کیا۔ ان قیدیوں میں شیعہ بھی تھے اور اہلِ سنت بھی تھے۔

جیل میں

ہمیں سیاسی جیل میں رکھا گیا تھا۔ یہاں بہت سے زیدی شیعہ بھی قید تھے اور کئی اہلِ سنت بھی بند تھے۔ چند مہینے پہلے سید حسین الحوثی (زیدی شیعہ) جو حکومت کے خلاف ایک بغاوت میں مارا گیا تھا۔ اس کا بیٹا، بھائی اور پیروکار اسی جیل میں موجود تھے۔

شیخ مطری، ابوعقیل اور بچہ ہشام ذرا بھی پریشان نہیں تھے مگر ابو ہشام بہت پریشان اور جذباتی (عصبی) ہو گئے تھے۔

ابو ہشام کی تیزی کی وجہ سے ایک دفعہ جیل کا داروغہ: احمد الیافعی اور اس کے ماتحت فوجی ڈنڈے لے کر ابو ہشام کو پیٹنے کے لئے آ گئے تھے بڑی مشکل سے ان کا غصہ ٹھنڈا کیا گیا اور ابو ہشام کو سمجھایا کہ آپ صبر کریں۔

چونکہ ہم نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا لہٰذا شیخ مطری نے فوجیوں کو ایک ہزار یمنی ریال دے کر باہر سے کھانا منگوایا۔

انتہائی بےکار قسم کا کھانا آیا جو کہ دو تین سو یمنی ریالوں کے برابر بھی نہیں تھا۔ باقی ساری رقم فوجیوں کی جیب میں چلی گئی تھی، جیل کی دنیا کا یہی دستور ہے۔

شیخ مطری کے علاوہ ہم سب پہلی دفعہ جیل میں پہنچے تھے۔ آزادی کی قدر و قیمت کا احساس جیل جا کر ہوا، ہم نے منگوایا ہوا کھانا بمشکل کھایا اور اس امید پر سو گئے کہ ان شاء اللہ کل صبح رہائی مل جائے گی۔

یہ ظاہر ہے کہ نیند کانٹوں پر بھی آ ہی جاتی ہے۔ ہمیں ایک انتہائی تنگ کوٹھری دی گئی تھی جو تقریباً 3x2 میٹر لمبی اور چوڑی تھی، اس کوٹھری میں ہم پانچ آدمی تھے۔ اسے یمنی عربی میں ''زنزانه'' کہتے ہیں۔

انتہائی سردی، میلے کچیلے بستر ے اور گندا کمبل، یہ اس ''زنزانہ'' کی کل کائنات تھی۔ صعدہ کی سردی نے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔

ابو ہشام اوران کا بیٹا، دونوں اکٹھے لیٹ گئے۔شیخ مطری، ابوعقیل اور راقم الحروف پانچوں اسی کوٹھری میں سکڑے ہوئے تھے۔دروازہ چونکہ اندرکی طرف کھلتا تھا لہٰذا باہر جانے کے لئے ابوعقیل کو بیدار کرنا ضروری تھا۔

رات کے آخری پہر آنکھ کھلی۔جیل کے اندر کوٹھریوں کی قطار کے آخر میں دو حمام بنے ہوئے تھے جن کے دروازے اندر سے بند نہیں ہو سکتے تھے۔

وضو کر کے جیل کی گلی میں اللہ کے دربار میں کھڑا ہو گیا۔پاؤں کے نیچے مختصر سا میلا کچیلا کمبل بچھا لیا۔سبحان اللہ! کیا عجیب منظر تھا۔رات کے اسی پہر رب العالمین آسمانِ دنیا پر نازل ہو کر اپنے بندوں سے فرماتا ہے:

"من يدعوني فأستجيب له ، من يسألني فأعطيه ، من يستغفرني فأغفر له"

کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے دوں؟ کون ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی مانگے تو میں اسے معاف کردوں؟ (صحیح البخاری: ۱۱۴۵، واللفظ لہ، وصحیح مسلم: ۷۵۸)

حقیقت ہے نماز پڑھنے اور اللہ کے سامنے گڑگڑانے کا جو مزہ اس جیل میں آیا، اس کا تصور بھی آزادی کے عام دنوں میں محال ہے۔

صباح المسجونین

صبح کی اذان کے وقت قیدی اٹھ کھڑے ہوئے۔شیخ احمد مطری نے صبح کی نماز پڑھائی۔امام اور مقتدی تنگ گلی کی وجہ سے ایک ہی صف میں کھڑے تھے۔یہاں جیل میں مسجد اور دو صفوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نماز کے بعد شیخ مطری نے بہترین درس دیا۔وہ انتہائی دلیر اور بہترین واعظ ہیں۔

تمام اہل سنت قیدیوں نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی۔جن میں عبید بن شداد الیمنی ایک نوجوان بھی تھا جو اس وجہ سے قید تھا کہ اس نے لیبیا کے ایک باشندے کی مہمان نوازی

کی تھی۔مظلوم مسلمانوں کے لئے زمین تنگ کردی گئی ہے۔اگر کوئی شخص کسی مسلمان مہمان کی مہمان نوازی کر بیٹھے تو یہ بھی ان لوگوں کے نزدیک ''جرمِ عظیم'' ہے۔

زیدی شیعوں نے علیحدہ اذان دے کر علیحدہ نماز پڑھی۔میں نے اپنی زندگی میں پہلا عجیب منظر دیکھا تھا۔ایک زیدی نے قبلہ سے منہ پھیرے ہوئے ، چلتے چلتے اذان کہی تھی جس میں '' حي على خير العمل '' کے الفاظ بھی تھے۔لیکن '' أشهد أن عليًا ولي الله '' الخ وغیرہ الفاظ بالکل نہیں تھے۔یہ ظاہر ہے کہ بدعت علاقائی ہوتی ہے۔

ماہنامہ ''الحدیث'' حضرو (نمبر ۴ص ۸، ۹ستمبر ۲۰۰۴ء) میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قبلہ رخ اذان دینے پر اجماع ہے۔اس سے مراد اہلِ سنت کا اجماع ہے۔امام ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم السراج النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۳ھ) نے فرمایا: '' حدثنا زياد ابن أيوب : ثنا يعلى بن عبيد و حدثنا أبو عوف : ثنا أبو نعيم قالا : ثنا مجمع بن يحي قال : كنت مع أبي أمامة بن سهل وهو مستقبل المؤذن و كبر المؤذن و هو مستقبل القبلة و قال : الله أكبر الله أكبر اثنين... ''

مجمع بن یحییٰ نے فرمایا: میں (سیدنا) ابوامامہ بن سہل (صحابی رضی اللہ عنہ) کے پاس تھا، آپ مؤذن کی طرف رخ کئے ہوئے تھے۔مؤذن نے قبلہ رخ ہو کر (اذان کی) تکبیر کہی: اللہ اکبر اللہ اکبر، دو (دو) دفعہ کہا۔الخ (مسند السراج قلمی ص ۲۳ ب، مطبوع ص ۵۲ ح ۶۱۲)

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ (وقال الشیخ ارشاد الحق الاثری حفظہ اللہ: اسنادہ صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی قبلہ رخ اذان کہنے کے قائل تھے اور اسے ہی برقرار رکھتے تھے۔

اذان کے بعد ان شیعوں نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے عجیب وغریب نماز پڑھی تھی۔ حسین الحوثی کے یہ ساتھی یمنی حکومت کی تکفیر کرتے ہوئے اپنے آپ کو اہلِ ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز سمجھتے تھے۔

نماز کے بعد اہلِ سنت قیدیوں سے تعارف ہوا۔بعض اسلحے کے غیر قانونی کاروبار

میں ملوث تھے اور بعض دوسرے سیاسی جرائم میں بند تھے۔ دنیا میں ان کا پرسان حال کوئی نہیں تھا سوائے ان ملاقاتیوں کے جو بقول ان کے کبھی کبھار ''تشریف'' لاتے تھے۔

زیدی شیعہ اور روافض

زیدی شیعوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ اپنے آپ کو زیدی کہنے والے کٹر رافضی عقائد رکھتے تھے۔

عذابِ قبر کے علانیہ منکر تھے۔ جیلر احمد الیافعی نے ایک دفعہ شیخ مطری کا ان رافضیوں سے عذابِ قبر پر مناظرہ بھی کروایا۔

عذابِ قبر کے سلسلے میں مجھے یاد آیا کہ قمر احمد عثمانی (دیوبندی) کی تصدیق کے ساتھ ایک کتاب ''عذابِ قبر'' چھپی ہے۔ (شائع کردہ: قرآنک سنٹر راولپنڈی۔؟؟)

محمد امتیاز عثمانی (عذابِ قبر کے منکر) نے اس کتاب میں لکھا ہے:

''یہاں کفار کا یہ کہنا کہ ''کس نے اُٹھا دیا ہمیں ہماری خواب گاہ سے'' واشگاف انداز میں ظاہر کر رہا ہے کہ اپنی قبروں میں چین کی نیند سوئے ہوئے تھے اور کسی عذاب قبر وغیرہ میں مبتلا نہ تھے ورنہ ''یاویلنا'' ''خرابی ہماری'' کے الفاظ ہرگز نہ کہتے۔'' (عذابِ قبر ص ۳۰)

حالانکہ مرقد کا ایک معنی قبر بھی ہے۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۶۵۵)

صحیح بخاری میں ہے کہ '' مرقدنا :مخرجنا'' ہمارے مرقد سے (یعنی) ہمارے مخرج سے۔

(قبل ح ۴۸۰۲، کتاب التفسیر سورۂ یٰسٓ)

مخرج : نکلنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید ص ۴۲۳)

یعنی لوگ اپنی اپنی قبروں سے اُٹھائے جائیں گے۔

(دوسرا قول) حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں کہ

'' قال المفسرون : إنما قالوا هٰذا لأن اللّٰه تعالٰی رفع عنهم العذاب فیما بین النفختین . ''مفسرین نے کہا ہے کہ یہ (کافر لوگ) اس لئے یہ بات کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نفخۂ اولیٰ (کائنات کی تباہی، قیامت) اور نفخۂ ثانیہ (مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے) کے

درمیان لوگوں پر عذاب موقوف کر دے گا۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۲۵)

اس آیت سے یہ مطلب کسی مفسر نے نہیں نکالا کہ کافر لوگ اب آرام وچین سے اپنی قبروں میں سوئے ہوئے ہیں، ان پر کوئی عذاب نہیں ہوتا۔ یہ مطلب تو امتیاز نے اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کر دیا ہے، غالباً اُسے کافروں سے ہمدردی کا بہت شوق ہے۔

زیدی شیعوں کی طرح ڈاکٹر مسعود عثمانی اور بعض دیوبندی حضرات بھی عذابِ قبر کے منکر ہیں۔

یہ زیدی شیعہ استوء الرحمٰن علی العرش کا انکار کرنے والے اور صحیح احادیث کے سخت خلاف اور منکر تھے۔ ایک سے میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ ہم ابوبکر اور عمر کو رضی اللہ عنہ نہیں کہتے۔ میں سخت ناراض ہوا اور اسے فضیلتِ شیخین کی آیات واحادیث سنائیں تو وہ اٹھ کر اپنی کوٹھری میں چلا گیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بالتواتر ثابت ہے کہ وہ فرماتے تھے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں۔ رضی اللہ عنہما دیکھئے صحیح البخاری (۳۶۷۱)

یہ حدیث شیعوں کی کتابوں میں بھی ہے۔

دیکھئے کتاب الشافی لعلم الھدیٰ (ج ۲ ص ۴۲۸ بحوالہ الشیعہ واہل البیت ص ۱۰۳)

اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث متواتر ہے۔ دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص ۲۰۳)

حسین الحوثی کا سولہ سترہ سال کا بیٹا ان عقائد سے دور تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اس کا باپ (حسین الحوثی) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا دفاع کرتا تھا اور انھیں ''ام المومنین'' اور ''رضی اللہ عنہا'' کہتا تھا۔

ہم جب اس لڑکے سے باتیں کرتے تو اس کے شیعہ ساتھی آکر اسے لے جاتے تھے۔ یہ لڑکا اس غار میں اپنے باپ حسین الحوثی کے ساتھ تھا جس میں اس کا باپ آخری معرکے میں مارا گیا تھا۔

حوثی کے بھائی اور دیگر پیروکار بھی قید تھے۔

پرانے زیدیوں کے عقائد اور ہیں اور جدید زیدیوں کے عقائد ان کے سراسر برعکس ہیں۔ جدید زیدیوں کی اکثریت نے رافضی مذہب کے عقائد اپنا لئے ہیں۔

حالانکہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے رافضیوں کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''بريئ الله ممن تبرأ من أبي بكر و عمر'' اللہ اس شخص سے بری ہو جائے جو شخص (سیدنا) ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) پر تبرا کرے۔ (فضائل الصحابہ للامام احمد ۱/۶۰ ح ۱۴۳، وسندہ صحیح)

جمعرات کا دن تھا اور یمن میں سرکاری چھٹی تھی۔ ہمیں بتایا گیا کہ آپ جیل سے جلدی باہر نہیں نکل سکتے۔ ابو ہشام نے بار بار مدیر السجون (جیل کے سپرانٹنڈنٹ) سے ملاقات کا مطالبہ کیا مگر انھیں بتایا گیا کہ جمعرات اور جمعہ چھٹی کی وجہ سے مدیر سے ملاقات ممکن نہیں ہے۔

دوپہر کو اُبلا ہوا سفید لوبیا اور سموسہ ٹائپ روٹیاں لائی گئیں۔ لوبیے میں نہ گھی تھا اور نہ مرچیں۔ ہشام اور ابو ہشام نے کھانا نہیں کھایا بلکہ باہر سے کھانا منگوایا۔ یہ کھانا بھی شبِ اول کی طرح کھانے کے قابل نہیں تھا اور انتہائی مہنگے داموں منگوایا گیا تھا۔

پاکستان کی جیلوں میں جو پانی دال ملتی ہے، یہ سالن بھی ویسا ہی یا اس سے بھی بدتر تھا۔ سیکولر دنیا میں جیلوں کا قانون اور نظام ایک ہے۔ قیدیوں کو عادی اور پکا مجرم بنا کر باہر آزاد دنیا میں بھیجنا جیل کی انتظامیہ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔!

اس تمام مصیبت میں ہشام لڑکا ثابت قدم رہا۔ وہ پیاری پیاری باتیں کرتا، کبھی قرآن کی تلاوت کرتا اور کبھی احادیث سناتا۔ وہ بہت اچھے طریقے سے سعودی لہجے میں قرآن پڑھتا تھا۔ ہم سب اللہ سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ شیخ مطری کے دروس جاری تھے۔ تہجد کا اہتمام بھی خلوصِ نیت سے ہو رہا تھا۔

عصر کی نماز دو رکعتیں قصراً باجماعت پڑھی پھر شام ہوئی۔ شام کی نماز کے بعد وہی لوبیا دال والا کھانا لایا گیا جسے سوائے ہشام کے ہم سب نے بشمول ابو ہشام کھایا۔

عبید بن شداد نے مرچوں والا کیچ اپ منگوا رکھا تھا۔ ہمیں یہ کیچ اپ دیا جس کے

ساتھ کھانے میں کچھ مزہ پیدا ہوا۔

عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد خوب باتیں ہوئیں۔ عبید نے بتایا کہ اس نے شیخ یحییٰ الحجوری سے سنا ہے کہ (تنتخع علیه) ابوالحسن المأربی پر تھوکنا چاہئے۔

ابوالحسن المأربی المصری الیمنی، شیخ البانی رحمہ اللہ کے خاص شاگردوں میں سے ہے۔ کئی کتابوں کا مصنف ہے اور مأرب یمن میں ایک مدرسہ چلا رہا ہے۔

بہت سے یمنی علماء اور تقلیدی سلفیوں کے امام شیخ ربیع المدخلی اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ شیخ احمد المطری الیمنی کی تحقیق میں یہ سب لوگ مخالفت میں غلو کرتے ہیں اور حد سے گزر چکے ہیں۔

جمعہ کا دن

عشاء کے بعد ہم سو گئے، صبح سب ساتھیوں نے نمازِ تہجد پڑھی اور رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگیں۔ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورۃ السجدہ اور سورۃ الدھر پڑھنا مسنون ہے۔ میں نے صبح کی نماز پڑھائی تو یہ دونوں سورتیں نماز میں پڑھیں۔

جمعہ کے دن جیل میں نماز جمعہ پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہوا تو ترجیح اسے دی گئی کہ نمازِ ظہر پڑھی جائے۔

ظہر کے وقت زیدی شیعوں کے بعض ملاقاتی ان سے ملنے آئے جو جاتے وقت انھیں سگریٹ، قات اور نسوار (شمہ) دے گئے تھے۔

شیعہ حضرات ایک کونے میں بیٹھ کر قات (نشہ آور پتوں) سے لطف اندوز ہونے لگے۔ ان کے قریب سگریٹ کی بدبو نے ماحول کو گھیر رکھا تھا۔ میں قرآن پاک کی اپنی منزل جمعرات سے دھرا رہا تھا۔ بارہ پارے زبانی پڑھ لئے۔ والحمدللہ

ہشام کا دل بہلانے کے لئے عبید نے قینچی سے بندھا ہوا دھاگا نکالنے کا کھیل دکھایا۔ اس طرح اس نے ہشام کے ساتھ ناک کان پکڑنے والا کھیل کھیلا۔ ہشام بہت

خوش تھا۔

عبید اپنی ناک پر انگلی رکھ کر فوراً کہتا: "امسك الأذن" یعنی کان پکڑو۔

تو ہشام اپنی ناک پکڑ لیتا۔ کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ عبید نے اپنی ناک پکڑی ہے۔

میں نے ہشام کو دو ہاتھوں کے ساتھ چادر کو گانٹھ دینے والا کھیل سمجھایا۔

عصر سے لے کر مغرب تک سب ساتھیوں نے خوب دعائیں مانگیں۔ جمعہ کے دن عصر سے مغرب تک ایسا وقت ہوتا ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔

دیکھئے سنن ابی داود (۱۴۰۸) اور نیل المقصود

ہم نے دعاء اللھم والحزن خاص پڑھی۔ اس دعاء کے الفاظ درج ذیل ہیں:

" اللهم إني عبدك وابن عبدك وابن أمتك ، ناصيتي بيدك، ماض في حكمك ، عدلٌ في قضاءك ، أسألك بكل اسم هو لك ، سميت به نفسك أو علّمته أحدًا من خلقك أو أنزلته في كتابك أو استأثرت به في علم الغيب عندك ، أن تجعل القرآن ربيع قلبي ونور صدري وجلاء حزني وذهاب همي" (مسند الامام احمد ۱/۳۹۱ ح ۳۷۱۲ وسندہ حسن)

مغرب کے بعد شیخ مطری نے درس دیا جس میں زیدی رافضیوں پر بادلیل رد کیا تو زیدی حضرات سخت مشتعل ہو گئے اور نعرے لگانے لگے۔ شیخ مطری ثابت قدم رہے اور ان نعروں کا بادلیل جواب دیا۔ ہم شیخ کے ساتھ تائید میں کھڑے تھے تو زیدیوں نے کہا کہ وہ احمد الیافعی (جیلر) سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ انھیں دوسری جیل میں منتقل کیا جائے ورنہ جھگڑا ہو جائے گا۔ جھگڑے کا سخت امکان تھا، کافی دیر بعد یہ معاملہ سرد ہوا۔

عشاء کے بعد ہم سو گئے۔ رات تقریباً ایک بجے یمنی فوجی ایک عراقی کو پکڑ کر لائے جس کے پاس کینیڈین پاسپورٹ تھا۔

وہ ویزہ پر یمن آیا تھا۔ اس کی نومسلم بیوی اور بچے بھی ہمراہ تھے۔ اسے بیوی بچوں

سے جدا کر کے جیل میں بند کر دیا گیا تھا۔ جب قیدیوں نے دیکھا کہ اس نئے قیدی (عراقی) کے پاس اس کے ننھے بچے کی قمیص بھی ہے تو بعض فرطِ غم سے رونے لگے۔
یمنی فوجیوں نے ظلم کی حدیں عبور کرتے ہوئے اس بے گناہ کو پکڑ لیا تھا۔ اب دعا کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا؟

جیل سے رہائی

دوسرے دن (بروز ہفتہ، ۱۱/ دسمبر) صبح کی نماز ابو ہشام نے پڑھائی، ابو ہشام کی قراءت بہت اچھی ہے۔ انتہائی خشوع وخضوع سے انھوں نے قنوتِ نازلہ پڑھی اور اللہ سے عاجزی والحاح کے ساتھ رو رو کر دعائیں مانگیں۔ جیل سے نکلنے کا کوئی امکان سامنے نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ دوسرے قیدی کئی کئی مہینوں سے قید تھے۔ دس بجے کے قریب فوجی آئے اور ابو ہشام منصور (کفیل) کو مدیر جیل خانہ جات کے پاس لے گئے۔ احمد الیافعی نے ہمیں بتا رکھا تھا کہ آپ لوگ یہاں سے ایک سال تک باہر نہیں جا سکتے۔!
واپسی پر ابو ہشام انتہائی خوش تھے انھوں نے یہ خوش خبری سنائی کہ ''ہمیں رہا کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا ہے'' ہم الحمد للہ کہتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے جیل سے باہر نکلے۔ آزادی کی قدر و قیمت ہمیں خوب معلوم ہو چکی تھی۔
رہا ہونے کے بعد ہماری گاڑی ہمارے حوالے کر دی گئی۔ جب ہم صعدہ پہنچے تو ابو ہشام نے اپنی بیمار والدہ کو سب سے پہلے فون کیا۔ پھر بیوی بچوں سے رابطہ کیا۔ ابو عقیل نے بھی اپنے گھر والوں کو فون کیا۔
ہم صعدہ سے جلدی جلدی روانہ ہو گئے۔ ابو ہشام نے قسم کھائی کہ ''وہ یمن میں نہیں رہیں گے اور نہ کبھی دوبارہ یمن آئیں گے''۔ شیخ یحییٰ الحجوری سے ملاقات رہ گئی۔
ہم بادل نخواستہ شیخ مقبل رحمہ اللہ کے مدرسے اور صعدہ کو پیچھے چھوڑتے ہوئے یمن کی سرحد ''علب'' کی طرف روانہ ہوئے۔ جگہ جگہ پر فوجی چوکیاں قائم تھیں۔ ابو عقیل کا موبائل واپس کر دیا گیا تھا مگر شیخ مطری والا موبائل احمد الیافعی (جیلر) نے رکھ لیا تھا۔

ابوھشام نے جیل سے نکلتے وقت اپنی ساری رقم سنی قیدیوں پر بطور صدقہ تقسیم کردی۔
ابوھشام نے شیخ مطری کو بتایا کہ آپ کا موبائل احمد الیافعی نے لے لیا ہے۔
علب پہنچنے کے بعد شیخ مطری واپس ہوئے اور دوبارہ دلیری کے ساتھ جیل جا کر احمد الیافعی سے اپنا موبائل لے لیا۔ وہ انتہائی دلیر انسان ہیں۔ انھیں کسی قسم کا ڈر اور فکر نہیں تھا۔

سجدہ شکر

یمنی سرحد پر جوازات اور یمنی پولیس، فوج سے فارغ ہو کر ہم سعودی عرب میں داخل ہو گئے۔ سب ساتھیوں نے علیحدہ علیحدہ سجدۂ شکر ادا کیا۔
سعودی عرب امن اور توحید کی سرزمین ہے۔ والحمد للہ
خمیس مشیط میں پہنچ کر کھانا کھایا۔ ابوعقیل کے پاس موجود رقم کام آرہی تھی۔
وادی دواسر میں رات کو قیام کیا اور ظہر کے وقت ریاض پہنچ گئے۔
ابوعبدالسلام محمد سعید بن عبدالکریم کے بچوں کے لئے کچھ تحفے (ٹافیاں وغیرہ) خریدے۔
میں جب ان (محمد سعید) کے گھر پہنچا تو بچے استقبال کے لئے دوڑتے ہوئے آئے۔
عبدالسلام، عبدالاعلیٰ، سیف الرحمٰن اور عثمان وغیرہ سے معانقے ہوئے۔
محمد سعید کے ایک بیوی سے نو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں:
عبدالسلام، عبدالاعلیٰ، سیف الرحمٰن، عثمان، عبدالکریم، عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالعزیز، محمد ابوعبدالسلام محمد سعید کے بھائی قاری ابویزید سیف اللہ کے دو بیویوں سے تین بچے اور دو بچیاں ہیں۔ یہ جس علاقے میں رہ رہے ہیں، وہاں امام مسجد ابوعبداللہ محمد العیبان بہت ہی بہترین حاضر جواب، ذکی، موحد اور مجاہد انسان ہیں۔ مسلمانوں سے محبت گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ امام العیبان نے انتہائی پرتپاک انداز میں میرا استقبال کیا۔ میں نے انھیں ساری صورت حال بتادی تو انھوں نے الحمد للہ کہہ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔
میں نے راستے میں اپنے بھائی اور شاگرد ابوالعباس حافظ شیر محمد البیاروی سے فون پر

رابطہ کیا۔ میری غیر حاضری میں حافظ شیر محمد پاکستان میں مدرسہ اہل الحدیث حضرو اور رسالہ الحدیث کا کنٹرول سنبھالتے ہیں۔

یمن انتہائی بہترین سرزمین ہے لیکن دنیا کی جدید سیاست نے مسلمانوں پر راستے بند کر دیئے ہیں۔ اللھم فرّج عنا وعن جمیع المسلمین . آمین یا رب العالمین

(۲۷/جنوری ۲۰۰۵ء بمطابق ۱۷/ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ)

متفرق مضامین

عدل وانصاف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

اے ایمان والو! اللہ کے لئے مضبوطی سے قائم رہنے والے (اور) انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، تمھیں کسی قوم کی دشمنی ناانصافی پر نہ اُکسا دے، عدل وانصاف کرو، یہی تقوے کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو، اُسے اللہ خوب جانتا ہے۔ (المائدۃ:۸)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ﴾

جب تم بات کرو تو انصاف سے کرو اگرچہ تمھارا رشتے دار ہی ہو۔ (الانعام:۱۵۲)

اسلام ایسا عدل وانصاف والا دین ہے کہ کافروں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إن المقسطين عند الله على منابر من نور، عن يمين الرحمٰن عزوجل و كلتا يديه يمين ، الذين يعدلون في حكمهم و أهليهم و ما ولوا.))

بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے پاس دائیں طرف نور کے منبروں پر ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، جو اپنے فیصلوں، گھر والوں اور جن کے وہ والی (سربراہ) ہیں اُن میں انصاف کرتے تھے۔ (صحیح مسلم:۱۸۲۷، دارالسلام:۴۷۲۱)

ذوالخویصرہ التمیمی نامی ایک منافق نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ انصاف کریں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((ويلك! ومن يعدل إذا لم أعدل ؟)) تو تباہ ہوجائے! اگر میں انصاف نہ کروں تو پھر کون انصاف کرے گا؟ (صحیح بخاری:۳۶۱۰، صحیح مسلم:۱۰۶۴)

اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے افضل رسول اللہ ﷺ ہیں اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والے بھی آپ ہی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے والد نے ایک دفعہ یہ ارادہ کیا کہ اپنے ایک بیٹے کو ایک غلام ہبہ کر دیں حالانکہ ان کے دوسرے بیٹے بھی تھے، پھر جب وہ (بشیر رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے پوچھا: کیا تم نے سارے بیٹوں کو اسی طرح غلام ہبہ کئے ہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا:

((اِتقوا اللّٰہ واعدلوا في أولادکم .)) اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے بارے میں انصاف کرو۔ پھر آپ نے اس معاملے میں گواہ بننے سے انکار کر دیا۔

دیکھئے صحیح مسلم (۱۶۲۳) و صحیح بخاری (۲۵۸۷، ۲۶۵۰)

یہ سن کر سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ نے فوراً رجوع کر لیا اور اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا اور یہی اہلِ ایمان کا طریقہ ہے۔ اہلِ ایمان کا ہر فیصلہ عدل و انصاف اور سچائی پر ہی مبنی ہونا چاہئے بلکہ حق بات کو تسلیم کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جس نے تین چیزیں اکٹھی کر لیں تو اس نے ایمان اکٹھا کر لیا: اپنے نفس سے انصاف کرنا، سلام کو دنیا میں پھیلانا اور تنگ دستی کے باوجود (اللہ کے راستے میں) خرچ کرنا۔

(صحیح بخاری قبل ح ۲۸، مسند یعقوب بن شیبہ بحوالہ تغلیق التعلیق ۲ر۳۷)

''اپنے نفس سے انصاف کرنا'' کی تشریح میں مولانا محمد داود راز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یعنی اس کے اعمال کا جائزہ لیتے رہنا اور حقوق اللہ و حقوق العباد کے بارے میں اس کا محاسبہ کرتے رہنا مراد ہے اور اللہ کی عنایات کا شکر ادا کرنا اور اس کی اطاعت و عبادت میں کوتاہی نہ کرنا بھی نفس سے انصاف کرنے میں داخل ہے۔ نیز ہر وقت ہر حال میں انصاف مدنظر رکھنا بھی اسی ذیل میں شامل ہے۔''

(شرح صحیح بخاری مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور ج ۱ ص ۲۱۲)

بے گناہ کا قتل حرام ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ جس نے کسی (بے گناہ) مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس (قاتل) پر اللہ کا غضب ہوا، اللہ نے اس پر لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء:۹۳)

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی یہ نشانی بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ اس جان کو ناحق قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ دیکھئے سورۃ الفرقان (۶۸)

رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ﴾ کہ جس نے بدلہ قتل یا زمین میں فساد کے بغیر کسی جان کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔ (المائدہ:۳۲)

نبی کریم ﷺ نے ہلاک و تباہ کرنے والے سات کبیرہ گناہوں میں ناحق قتل کو بھی شمار کیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۲۷۶۶) اور صحیح مسلم (۸۹)

بلکہ یہ اکبر الکبائر (کبیرہ گناہوں) میں سے ہے۔ (دیکھئے صحیح البخاری:۶۶۷۵)

ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (صحیح مسلم:۲۵۶۴، دارالسلام:۶۵۴۱)

جب دو مسلمان ایک دوسرے کو (ناحق) قتل کرنے کے لئے آمنے سامنے آجائیں تو رسول اللہ ﷺ نے قاتل اور مقتول دونوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ پوچھا گیا کہ مقتول کیوں جہنمی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ((إِنَّهٗ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ.))

وہ اپنے ساتھی (مسلمان بھائی) کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ (صحیح بخاری:۳۱، صحیح مسلم:۲۸۸۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ.))

کسی مسلمان کے (بے گناہ) قتل سے اللہ کے نزدیک ساری دنیا کا خاتمہ اور تباہی کمتر ہے۔

(سنن الترمذی: ۱۳۹۵، وسندہ حسن، عطاء العامری وثقہ ابن حبان والحاکم ۱۵۱/۴، ۱۵۲، والذہبی فھو حسن الحدیث)

نبی ﷺ نے فرمایا: مقتول قیامت کے دن قاتل کو پیشانی اور سر سے پکڑے ہوئے (اللہ تعالیٰ کے پاس) آئے گا اور اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا، وہ کہے گا: اے میرے رب! اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟ حتیٰ کہ وہ اسے پکڑے ہوئے عرش کے قریب لے جائے گا۔

(سنن الترمذی: ۳۰۲۹ وقال: ''ھذا حدیث حسن'' وسندہ صحیح، اضواء المصابیح: ۳۴۶۵)

اسلام ایسا دینِ فطرت ہے کہ ذمی کافروں کے حقوق کا بھی خیال رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ .)) جس نے کسی معاہدہ کرنے والے (ذمی کافر یا وہ کافر جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے) کو قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ (صحیح بخاری: ۳۱۶۶)

نبی کریم رحمت للعالمین ﷺ کا ارشاد ہے: ((كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّغْفِرَهُ إِلَّا الرَّجُلُ يَقْتُلُ الْمُؤْمِنَ مُتَعَمِّدًا أَوِ الرَّجُلُ يَمُوْتُ كَافِرًا .)) قریب ہے کہ اللہ ہر گناہ معاف کر دے سوائے اس آدمی کے جس نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کیا یا وہ آدمی جو کافر مرتا ہے۔ (سنن النسائی: ۳۹۸۹ وسندہ صحیح، عمدۃ المساعی فی تحقیق سنن النسائی، قلمی ج ۲ ص ۳۹۸)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهُ كُفْرٌ .)) مسلمان کو گالی دینا فسق (کبیرہ گناہ) ہے اور اس سے قتل وقتال کرنا کفر ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۸، صحیح مسلم: ۶۴)

پیارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ .)) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں سے دور رہے۔ (صحیح بخاری: ۱۰، صحیح مسلم: ۴۰)

کتنے افسوس کا مقام ہے! کہ قرآن وحدیث کے ان دلائل کے باوجود اسلام کا دعویٰ رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کو ناحق قتل کر رہے ہیں۔ کیا انھیں اللہ کی پکڑ کا کوئی ڈر نہیں ہے؟

سب اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اُڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اُڑائیں، ہوسکتا کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ تم ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ اور نہ بُرے القاب سے کسی کو پکارو۔ ایمان لانے کے بعد فاسق ہونا بہت بُرا نام ہے اور جو لوگ توبہ نہیں کریں گے تو وہی ظالم ہیں۔

اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے دُور رہو، بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم تو اُسے بُرا سمجھتے ہو! اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور مختلف قومیں اور قبیلے بنا دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے دربار میں تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، بے شک اللہ جاننے والا (اور ہر چیز سے) باخبر ہے۔

(سورۃ الحجرات: ۱۰-۱۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم ہونے دیتا ہے۔ جو آدمی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا تو اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ جو کسی مسلمان (بھائی) کی مصیبت دُور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے اُس کی مصیبت دُور کرے گا۔ جس نے اپنے بھائی کی پردہ پوشی کی تو اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (صحیح بخاری: ۲۴۴۲، صحیح مسلم: ۲۵۸۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور آپس میں حسد نہ کرو اور ایک دوسرے کی طرف (ناراضی سے) پیٹھ نہ پھیرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ بائیکاٹ کرے۔ (موطأ امام مالک روایۃ ابن القاسم تحقیقی: ۴، صحیح بخاری: ۶۰۷۶، صحیح مسلم: ۲۵۵۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے کے ساتھ محبت، الفت اور رحم کرنے کی مثال ایک جسم کی طرح ہے، جب اس کا ایک عضو (حصہ) بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم اس کے لئے بخار اور بیداری کے ساتھ تکلیف میں رہتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۶ واللفظ لہ، صحیح بخاری: ۶۰۱۱)

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے (ساری دنیا کے) لوگو! سن لو تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ ایک ہے۔ سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، سرخ کو کالے پر اور کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے، کیا میں نے نہیں پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا: رسول اللہ (ﷺ) نے پہنچا دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا: حرمت والا دن (جمعہ) ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا: حرمت والا مہینہ (ذوالحجہ) ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا: حرم (مکہ) ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے تم پر تمھارے خون اور اموال حرام قرار دیئے ہیں۔ راوی نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے عزتوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ آج کے دن کی طرح اس (حُرمت والے) مہینے میں، اس (حرمت والے) شہر میں، کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ لوگوں نے کہا: رسول اللہ (ﷺ) نے پہنچا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: حاضر غائب تک پہنچا دے۔ (مسند احمد ۵/۴۱۱ ح ۲۳۴۸۹ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ دینِ اسلام میں عربی عجمی، کالے گورے، پٹھان پنجابی سندھی بلوچی، پاکستانی ہندوستانی اور ملکی غیر ملکی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ سب اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں لیکن تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو مسلمانوں کو فرقوں اور ٹکڑیوں میں بانٹنا چاہتے ہیں۔

سچے قصے

① زکریا بن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب (عبداللہ) ابن المبارک (رحمہ اللہ) کوفہ تشریف لائے تو آپ بیمار تھے۔ پھر (امام) وکیع، ہمارے ساتھی اور کوفہ والے آپ کے پاس آئے تو مذاکرہ (بحث و مباحثہ) شروع کیا حتیٰ کہ انھوں نے شراب (نبیذ) کا ذکر کیا تو ابن المبارک (رحمہ اللہ) رسول اللہ ﷺ کی احادیث، نبی ﷺ کے صحابہ اور اہلِ مدینہ کے مہاجرین و انصار کی روایات پیش کرنے لگے۔ انھوں (کوفیوں) نے کہا: نہیں، آپ ہمیں ہماری حدیثیں سنائیں۔ ابن المبارک نے فرمایا: ہمیں الحسن بن عمرو الفقیمی نے روایت بیان کی، انھوں نے فضیل بن عمرو سے، انھوں نے ابراہیم (نخعی) سے، انھوں نے کہا: لوگ کہتے تھے کہ اگر شراب (نبیذ) سے نشہ ہو جائے تو اسے دوبارہ پینا کبھی حلال نہیں ہے۔ یہ سن کر اُن لوگوں نے اپنے سر جھکا لئے (یعنی چپ ہو گئے) پھر ابن المبارک (رحمہ اللہ) نے اپنے قریب والے آدمی سے کہا: کیا ان لوگوں سے زیادہ عجیب تم نے کوئی دیکھا ہے؟ میں انھیں رسول اللہ ﷺ، آپ کے صحابہ اور تابعین کی حدیثیں بیان کرتا ہوں وہ اس کی کوئی پروا نہیں کرتے اور ابراہیم (نخعی) سے بیان کرتا ہوں تو سر جھکا لیتے ہیں۔؟!

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۸/۲۹۸، ۲۹۹ وسندہ حسن، الحسن بن علی بن زیاد السری صحح لہ الذہبی والحاکم ۴/۳۴۴، ۳۴۵ ح ۸۰۰۵ فہو صدوق) نیز دیکھئے احناف کی چند کتب پر ایک نظر از مولانا عبدالرؤف بن عبدالمنان بن حکیم محمد اشرف سندھو حفظہ اللہ (ص ۱۷۶)

بعینہ یہی حالت اُن غالی مقلدین کی ہے جنھیں قرآن یا حدیث سنائی جائے تو کان اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اگر ان کے اکابر کی بات سنائی جائے تو خوش ہو جاتے ہیں۔

﴿اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ [الزمر:۴۵] !!

② امام ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے (امام) احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) کے پیچھے ایک جنازے پر نماز پڑھی، آپ نے چار تکبیریں کہیں اور

سورۂ فاتحہ پڑھی اور (صرف) ایک طرف سلام پھیرا پھر جب آپ قبرستان کے پاس پہنچے تو جوتے اُتار کر ننگے پاؤں چلنے لگے۔ (الطیوریات ۲/۲۶۴، ۲۵۶ ح ۱۸۸، وسندہ حسن)

سبحان اللہ! امام اہلِ سنت اتباعِ سنت میں کتنے اعلیٰ مقام پر تھے۔

جنازے میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۳۳۵)

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح امامِ عالی مقام نے تکبیریں اور سلام جہراً پڑھا، اسی طرح سورۂ فاتحہ بھی جہراً پڑھی۔ قبرستان میں اگر کانٹے اور پاؤں کو تکلیف دینے والی اشیاء نہ ہو تو ننگے پاؤں چلنا بہتر ہے جیسا کہ سیدنا بشیر بن الخصاصیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھئے سنن ابی داود: ۳۲۳۰ وسندہ صحیح وصححہ ابن حبان [الموارد: ۷۹۰] والحاکم ۱/۳۷۳ والذہبی)

اور جوتوں کے ساتھ بھی چلنا جائز ہے جیسا کہ صحیح بخاری (۱۳۳۸) کی حدیث سے ثابت ہے۔

③ مشہور ثقہ تابعی امام نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ''ان ابن عمر کان إذا فاتته صلوٰة العشاء في جماعة أحي بقية ليلته '' بے شک جب (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) کی نمازِ عشاء باجماعت فوت ہو جاتی تو آپ باقی ساری رات بیدار (عبادت کرتے) رہتے تھے اور سوتے نہیں تھے۔ (المعجم لابی یعلیٰ الموصلی بتحقیق الشیخ ارشاد الحق الاثری: ۱۸، وسندہ حسن)

نماز باجماعت سے محبت کا یہ کتنا عظیم الشان واقعہ ہے جبکہ کلمہ پڑھنے والوں کی اکثریت نماز باجماعت کا اہتمام کرنے کے بجائے فرض نمازوں سے ہی غافل ہے۔ !!

☆ سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا: ((كل بيمينك .)) دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے (تکبر سے) کہا: میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لا استطعت .)) اللہ تجھے اس (اپنے ہاتھ سے کھانے) کی طاقت نہ دے۔ اس آدمی نے چونکہ تکبر کی وجہ سے انکار کیا تھا لہٰذا وہ کبھی اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ کی طرف نہ اُٹھا سکا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۲۱، دارالسلام: ۵۲۶۸)

یعنی اس کا دایاں ہاتھ لکڑی کی طرح سخت (شل) ہو گیا، یہ ہے منکرِ حدیث کی دنیا میں سزا

اور آخرت کا عذاب تو شدید ترین ہے۔

☆ امام ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل الترمذی رحمہ اللہ سے روایت ہے:

میں اور احمد بن الحسن (الترمذی، امام) ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل (رحمہ اللہ) کے پاس تھے کہ احمد بن الحسن نے کہا: اے ابو عبداللہ! مکہ میں (یحییٰ بن ابراہیم) ابن ابی قتیلہ کے سامنے اصحاب الحدیث کا ذکر کیا گیا تو اس نے کہا: اصحاب الحدیث بُرے لوگ ہیں، پس (یہ سن کر) ابو عبداللہ (احمد بن حنبل رحمہ اللہ) اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: زندیق ہے (سخت گمراہ، بے دین، ملحد)، زندیق ہے، زندیق ہے۔

(پھر) آپ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۴ ح ۵ وسندہ حسن)

اس روایت کا راوی ابو الحسین محمد بن احمد الحنظلی ہے جس کی حدیث کو حاکم اور ذہبی (المستدرک ۵۹۶/۴ ح ۸۷۶۲) دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس پر محمد بن ابی الفوارس کی جرح متصل سند سے ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہوتی تو جمہور کے مقابلے میں مردود ہے لہٰذا قولِ راجح میں یہ راوی حسن الحدیث ہیں۔

اس سچے قصے سے ثابت ہوا کہ اہلِ سنت کے جلیل القدر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان لوگوں کے شدید مخالف تھے جو لوگ حدیث اور محدثین کے مخالف تھے۔

☆ امام ابو عوانہ وضاح بن عبداللہ الیشکری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں (امام) ابو حنیفہ کی مجلس میں تھا کہ ان کے پاس کسی قاضی کا خط آیا جس میں اس نے کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھا تھا۔ ابو حنیفہ کہنے لگے: لکھو (ہاتھ) کاٹا جائے گا، کاٹا جائے گا۔ حتیٰ کہ انھوں نے کھجور کے درخت اور کھجور کے بارے میں کہا: لکھو کاٹا جائے گا۔

میں نے کہا: رک جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((لا قطع في ثمر ولا كثر.)) پھل اور شگوفے (چرانے) میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ انھوں (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ) نے فرمایا: اسے (یعنی میرے فتوے کو) کاٹ دو اور لکھو: (ہاتھ) نہیں کاٹا جائے گا۔

(الطیوریات ج ۳ ص ۱۷۹ ح ۹۰۳ وسندہ صحیح، السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل ۲۲۱/۱ ح ۳۸۰ وسندہ صحیح)

سیرت رحمۃ للعالمین کے چند پہلو

نام ونسب: سیدنا ابوالقاسم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبدمناف (المغیرۃ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مُرۃ بن کعب بن لوئ بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان من ولد اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام.

آپ کی والدہ کا نام آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ہے۔

ولادت: ماہِ ربیع الاول (۵۷۱ء) بروز سوموار (جس سال ابرہہ کافر نے اپنے ہاتھی کے ساتھ مکہ پر حملہ کیا تھا اور اللہ نے اُسے اُس کی فوج سمیت تباہ کر دیا تھا۔) آپ کی ولادت ہوئی۔

آپ کے والد عبداللہ آپ کی پیدائش سے تقریباً مہینہ یا دو مہینے پہلے فوت ہوئے۔ (دیکھئے السیرۃ النبویہ للذہبی ص ۴۹) اور جب آپ سات سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ فوت ہو گئیں پھر آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی اور جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے، ان کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((... دعوة أبي إبراهيم و بشارة عيسى بي و رؤيا أمي التي رأت.)) إلخ

میں اپنے ابا (دادا) ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا اور (بھائی) عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت (خوش خبری) ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں جسے انھوں نے دیکھا تھا۔

(مسند احمد ۴/۱۲۷ ح ۱۷۱۵۰، وسندہ حسن لذاتہ)

حلیہ مبارک: آپ ﷺ کا چہرہ چاند جیسا (خوبصورت، سرخی مائل سفید اور پُرنور) تھا۔ آپ کا قد درمیانہ تھا اور آپ کے سر کے بال کانوں یا شانوں تک پہنچتے تھے۔

نکاح: سیدہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی

ہوئی اور جب تک خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔

اولاد: قاسم، طیب، طاہر (اور ابرہیم) رضی اللہ عنہم

بنات: رقیہ، زینب، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن

پہلی وحی: غارِ حراء میں جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور سورۃ العلق کی پہلی تین آیات کی وحی آپ کے پاس لائے۔ ۶۱۰ء (اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔)

عام الحزن: ہجرتِ مدینہ سے تین سال قبل ابو طالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئے۔

ہجرت: ۶۲۲ء میں آپ اپنے عظیم ساتھی سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔

مکی دور: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ (۱۳) سال رہے۔

مدنی دور: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ میں دس (۱۰) سال رہے اور پھر وفات کے بعد الرفیق الاعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔

غزوۂ بدر: ۲ھ کو بدر میں اسلام اور کفر کا پہلا بڑا معرکہ ہوا جس میں ابو جہل مارا گیا۔

غزوۂ احد: ۳ھ، اس غزوے میں ستر کے قریب صحابۂ کرام مثلاً سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے۔

غزوۂ خندق: ۵ھ (احزابِ کفار نے مدینہ پر حملہ کیا اور ناکام واپس گئے)

صلح حدیبیہ: ۶ھ، اس کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی ہے۔

غزوۂ خیبر: ۷ھ، خیبر فتح ہوا۔

فتح مکہ: ۸ھ، مکہ فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو معاف کر دیا۔

اس سال غزوۂ حنین بھی ہوا تھا۔

غزوۂ تبوک: ۹ھ

حجۃ الوداع: ۱۰ھ

دعوت: قرآن، حدیث، توحید اور سنت آپ کی دعوت ہے۔ آپ نے لوگوں کو شرک و کفر

کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر توحید وسنت کے نورانی راستے پر گامزن کر دیا۔ آپ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم ہونے دیتا ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۴۴۲، صحیح مسلم: ۲۵۸۰)

اخلاق: آپ ﷺ اخلاق کے سب سے اعلیٰ درجے پر فائز تھے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ اور آپ عظیم اخلاق پر ہیں۔ (سورۃ نون: ۴)

آپ نے فرمایا: ((أكمل المؤمنين إيمانًا أحسنهم خلقًا و خياركم خياركم لنساء هم خلقًا.)) مومنوں میں مکمل ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

(سنن الترمذی: ۱۱۶۲، وقال: ھذا حدیث حسن صحیح)

معلّمِ انسانیت: ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ سے بہترین معلّم (استاذ) اچھے طریقے سے تعلیم دینے والا کوئی نہیں دیکھا، نہ پہلے اور نہ بعد۔ اللہ کی قسم! آپ نے مجھے نہ ڈانٹا، نہ مارا اور نہ بُرا بھلا کہا۔ (صحیح مسلم: ۵۳۷)

معاملات: آپ ﷺ نے فرمایا: ((إن خياركم أحسنكم قضاء.)) تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو بہتر طریقے سے قرض ادا کریں۔ (صحیح بخاری: ۲۳۰۵، صحیح مسلم: ۱۶۰۱)

نیز فرمایا: ((دع ما يريبك إلٰى مالا يريبك فإن الصدق طمأنينة وإن الكذب ريبة.)) شک والی چیز کو چھوڑ دو اور یقین والی چیز کو اختیار کرو کیونکہ یقیناً سچائی اطمینان ہے اور جھوٹ شک وشبہ ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۶۱۸ وقال: ھذا حدیث صحیح)

نبی ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں نقص نہیں نکالا، اگر پسند فرماتے تو کھا لیتے اور اگر پسند نہ فرماتے تو چھوڑ دیتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۵۴۰۹)

وفات: ۱۱ھ بروز سوموار، ماہِ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ورحمۃ للعالمین اس دنیا سے تشریف لے گئے، اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔

صلى الله عليه و آله وأصحابه وأزواجه وسلم.

شذرات الذہب

فہرست شذرات الذہب

(۱) صحابہ کرام کی گستاخی حرام ہے
(۲) جنازہ کی تکبیروں میں رفع یدین
(۳) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا متعہ سے رجوع
(۴) اجماع اور اجتہاد
(۵) اسماعیل بن ابی خالد کی تدلیس اور
(۶) دعا
(۷) نزول باری تعالیٰ
(۸) صحابہ کرام سے محبت
(۹) صحابہ سے محبت دین وایمان ہے
(۱۰) اہل حدیث اور آلِ تقلید
(۱۱) خلیفہ ہارون الرشید کا ایمان افروز واقعہ
(۱۲) محدث محمد فاخر الہ آبادی اور تقلید
(۱۳) نبی ﷺ کا پیالہ مبارک
(۱۴) ﴿و شهد شاهد من اهلها﴾
(۱۵) صفر کے بعض مسائل
(۱۶) بدعتی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان
(۱۷) نورِ ہدایت
(۱۸) ہر بدعت گمراہی ہے
(۱۹) امت مسلمہ کے منافقین کی اکثریت...
(۲۰) اللہ تعالیٰ آسمان (عرش) پر ہے
(۲۱) سلف صالحین کی اقتداء
(۲۲) اہل بدعت سے دور رہیں
(۲۳) باطل قیاس ممنوع ہے
(۲۴) کردار کے غازی
(۲۵) زلزلے کی نماز
(۲۶) فتویٰ دینے میں احتیاط
(۲۷) محرم کے بعض مسائل
(۲۸) پروگرام کا افتتاح تلاوت قرآن سے
(۲۹) حدیثِ رسول ﷺ کا احترام
(۳۰) اصول حدیث کی بعض اصطلاحات
(۳۱) نبی ﷺ کی حدیث کا دفاع
(۳۲) حدیثِ رسول اور لوگوں کے اقوال
(۳۳) جھوٹے قصے
(۳۴) الکاسب حبیب اللہ؟

(۱) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی گستاخی کرنا حرام ہے

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

''من يبغض أصحاب رسول الله ﷺ فليس له في الفيء نصيب ''

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بغض رکھتا ہے تو فئ (مالِ غنیمت) میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے سورۃ الحشر کی تین آیات (۸ تا ۱۰) تلاوت کیں اور فرمایا: ''فمن يبغضهم فلا حق له في فيْ المسلمين ''لہٰذا جو شخص ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) سے بغض رکھتا ہے تو مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ (الطیوریات ج۱ص ۸۹، ۹۰ ح ۶۹ وسندہ صحیح، حلیۃ الاولیاء ۳۲۷/۶، نیز دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۳۷۲ وسندہ صحیح)

فئ اس مالِ غنیمت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہو جائے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی کرنے والے لوگ اتنے بڑے گمراہ ہیں کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت کے مشہور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مالِ غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (الحدیث:۱۵ ص ۳)

(۲) نمازِ جنازہ کی تکبیروں میں رفع یدین کا ثبوت

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قال أحمد بن محمد بن الجراح وابن مخلد، قالا: ثنا (عمر) بن شبة قال: حدثنا يزيد بن هارون (قال:) أخبرنا يحي بن سعيد عن نافع عن ابن عمر: أن النبي ﷺ كان إذا صلّى علٰى جنازة رفع يديه في كل تكبيرة وإذا انصرف سلّم. '' سیدنا ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب نمازِ جنازہ پڑھتے تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے اور جب پھرتے (نماز ختم کرتے) تو سلام کہتے تھے۔ (کتاب العلل للدارقطنی ج ۱۳ ص ۲۲ ح ۲۹۰۸)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ امام دارقطنی اور یحییٰ بن سعید الانصاری دونوں تدلیس کے الزام سے بری ہیں۔ دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۲۶، ۳۲)

عمر بن شبہ صدوق حسن الحدیث ہیں۔ احمد بن محمد بن الجراح اور محمد بن مخلد دونوں ثقہ ہیں۔
دیکھئے تاریخ بغداد (۴/۲۰۹ ت ۲۳۱۲، ۳/۳۱۰، ۳۱۱ ت ۱۴۰۶)
تنبیہ: کتاب العلل کا مذکورہ نسخہ محترم مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کی لائبریری میں موجود ہے۔

(۳) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے متعۃ النکاح سے رجوع کرلیا تھا

مشہور ثقہ تابعی امام الربیع بن سبرہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ "ما مات ابن عباس حتی رجع عن هذه الفتيا" ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فوت ہونے سے پہلے اس (متعۃ النکاح کے) فتوے سے رجوع کرلیا تھا۔

(مسند ابی عوانہ طبعہ جدیدہ ج ۲ ص ۲۷۳ ح ۳۲۸۴ وسندہ صحیح علی شرط مسلم)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے نکاحِ متعہ کے جواز والے فتوے سے رجوع کرلیا تھا لہٰذا اب ان کے سابقہ منسوخ اقوال سے اس مسئلے میں استدلال باطل ہے۔

امام ابن جریج اور متعہ: امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (ثقہ حافظ) رحمہ اللہ نے فرمایا: "اشهدوا أني قد رجعت عنها" گواہ رہو کہ میں نے اس (متعۃ النکاح) سے رجوع کرلیا ہے۔ (مسند ابی عوانہ طبعہ جدیدہ ۲/۲۷۹ ح ۳۳۱۳ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے فتح الباری ۹/۱۷۳)

(۴) اجماع اور اجتہاد

امام دارمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " أخبرنا محمد بن عيينة عن علي بن مسهر عن أبي إسحاق عن الشعبي عن شريح أن عمر بن الخطاب كتب إليه : إن جاءك شيء في كتاب اللّٰه فاقض به ولا تلفتك عنه الرجال ، فإن جاءك ما ليس في كتاب اللّٰه فانظر سنة رسول الله ﷺ فاقض بها ، فإن جاءك ما ليس في كتاب الله ولم يكن فيه سنة من رسول الله ﷺ فانظر ما اجتمع عليه الناس فخذ به ، فإن جاءك ما ليس في كتاب الله ولم يكن في سنة رسول الله ﷺ ولم يتكلم فيه

أحـد قبـلك فاختر أي الأمرين شئت : إن شئت أن تجتهد برأيك ثم تقدم فتقدم وإن شـئـت أن تتـأخـر فتأخر ، ولا أرى التأخر إلا خيرًا لك . " ہمیں محمد بن عیینہ (الفزاری ابو عبداللہ الشامی الثغری المصیصی) نے حدیث بیان کی وہ علی بن مسہر سے وہ ابواسحاق (سلیمان بن ابی سلیمان الشیبانی) سے وہ (عامر بن شراحیل) الشعبی سے وہ شریح (بن الحارث القاضی رحمہ اللہ) سے بیان کرتے ہیں کہ (سیدنا) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے ان کی طرف لکھ کر بھیجا: جب تمھارے پاس کتاب اللہ میں سے کوئی چیز (دلیل) آئے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اس کے مقابلے میں لوگوں کی طرف التفات نہ کرنا، پھر اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت (حدیث) دیکھ کر اس کے مطابق فیصلہ کرنا۔ اگر کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی نہ ملے تو دیکھنا کہ کس بات پر لوگوں کا اجماع ہے پھر اسے لے لینا۔ اگر کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی نہ پاؤ اور تم سے پہلے کسی نے اس کے بارے میں کلام نہ کیا ہو تو دو کاموں میں سے جو چاہو اختیار کرلو: یا تو اجتہاد کرو اور فیصلہ کردو یا پیچھے ہٹ جاؤ اور فیصلے میں تاخیر کرو اور میرا خیال ہے کہ تمھارے لئے تاخیر ہی بہتر ہے۔ (سنن الدارمی: ۱۶۹ وسندہ حسن، محمد بن عیینہ الفزاری وثقہ ابن حبان والترمذی [۲۶۷۷] بتحسین حدیثہ وروی عنہ جماعۃ فھو صدوق، سنن النسائی ۲۳۱/۸ ح ۵۴۰۱ من حدیث سفیان الثوری عن الشیبانی بہ)

(۵) اسماعیل بن ابی خالد کی تدلیس اور....

ہفت روزہ الاعتصام (ج ۵۹ شمارہ: ۳۲، اگست ۲۰۰۷ء) میں محترم محمد خبیب احمد صاحب حفظہ اللہ کا ایک مضمون "اہلِ میت کی طرف سے کھانا اور...." شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے طبقۂ ثانیہ اور کثیر و قلیل تدلیس کی بحث لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسماعیل بن ابی خالد رحمہ اللہ کی معنعن (عن والی) روایت صحیح ہوتی ہے۔ عرض ہے کہ اسماعیل مذکور کا مدلس ہونا تو ایک حقیقت ہے جس کے متعدد حوالے خبیب صاحب کے اسی مضمون میں موجود ہیں۔ جس راوی کا مدلس ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے بارے میں راجح بات یہی ہے کہ غیر صحیحین میں اس کی معنعن روایت ضعیف و ناقابلِ حجت ہوتی ہے۔

(دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۳۳ ص ۵۴، ۵۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طبقاتی تقسیم سے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول (الرسالۃ ص ۳۸۹، ۳۹۰) اور دیگر دلائل کی روشنی میں اختلاف کرنا مذموم نہیں ہے۔ خبیب صاحب حفظہ اللہ کا یہ فرمانا کہ ''ابن ابی خالد صرف شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی تدلیس کرتے ہیں۔'' صریح دلیل سے تہی دامن ہونے کی وجہ سے قابلِ التفات نہیں ہے۔

(۶) دعا

دعا اعلیٰ ترین شرعی عبادت ہے جس میں عاجزی، انکساری، خشوع وخضوع اور پر خلوص کامل توجہ مطلوب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اپنے رب کو پکارو عاجزی سے گڑگڑاتے ہوئے اور خفیہ، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الاعراف: ۵۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) دعا ہی عبادت ہے۔

(سنن ابی داود: ۱۴۷۹ وھو حدیث صحیح)

دعا صرف اللہ سے مانگنی چاہئے کیونکہ وہی سمیع، بصیر، مجیب، مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ رب العالمین فرماتا ہے: اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ (معبود) کو نہ پکارو ورنہ ان لوگوں میں شامل کردیئے جاؤ گے جنھیں عذاب دیا جائے گا۔ (الشعرآء: ۲۱۳)

کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر اُس کی مخلوق سے دعائیں مانگتے ہیں، اللہ کا دربار چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے ماتھا ٹیک دیتے ہیں۔ کیا انھیں پتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ (علم وقدرت سے) ہر مخلوق کی شاہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہے۔ وہی ساری دعائیں سنتا ہے اور جب چاہے قبول فرماتا ہے۔ وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ صحیح عقیدے، اتباعِ سنت اور رزقِ حلال کے ساتھ ایک اللہ سے دعا مانگو اور اسی کے سامنے جھک جاؤ۔ وہ ساری دعائیں قبول فرمائے گا۔ إن شاء اللہ

(۷) نزولِ باری تعالیٰ

مشہور ثقہ محدث فقیہِ کبیر اور جلیل القدر امام ابو جعفر محمد بن احمد بن نصر الترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۵ھ) سے کسی نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث: ((إن الله (تعالیٰ) ینزل إلی سماء الدنیا)) بے شک اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا ہے، کے بارے میں پوچھا کہ ''فالنزول کیف یکون یبقی فوقه علو ؟'' پس نزول سے (عرش پر) بلند ہونا کیسے باقی رہ جاتا ہے؟

امام ابو جعفر رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''النزول معقول والکیف مجهول والإیمان به واجب والسؤال عنه بدعة'' نزول معقول (ومعلوم) ہے اور کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان واجب ہے اور اس (کی کیفیت) کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

(تاریخ بغداد ۱/ ۳۶۵ ت ۳۰۷ وسندہ صحیح)

[سید تنویر حسین شاہ ہزاروی]

(۸) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت

مشہور ثقہ امام عبداللہ بن مبارک المروزی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۸۱ھ) نے فرمایا:

'' خصلتان من کانت فیه : الصّدق و حب أصحاب محمد ﷺ فأرجو أن ینجو إن سلم '' جس آدمی میں دو خصلتیں ہوں: سچائی اور (سیدنا) محمد ﷺ کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے محبت تو مجھے امید ہے کہ وہ نجات پا جائے گا بشرطیکہ وہ (گناہوں سے) بچا رہے۔ (الطیوریات ۲/ ۳۳۰، ۳۳۱ ح ۲۷۴ وإسنادہ صحیح) [سید تنویر حسین شاہ]

(۹) صحابہ سے محبت دین وایمان ہے

'' و نحب أصحاب رسول الله ﷺ ولا نفرط في حب أحد منهم ولا نتبرأ من أحد منهم ، ونبغض من یبغضهم وبغیر الخیر یذکرهم ، ولا نذکرهم إلا

بخير ، وحبهم دين وإيمان وإحسان ، وبغضهم كفر ونفاق و طغيان . "

ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کی محبت میں افراط وتفریط نہیں کرتے ، ان میں سے کسی ایک پر تبرا نہیں کرتے۔ ہم ہر اس شخص سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتا اور بھلائی کے بغیر ان کا ذکر کرتا ہے۔ ہم صحابہ کا ذکرِ خیر ہی کرتے ہیں، صحابہ سے محبت دین، ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض: کفر، نفاق اور طغیان (سرکشی) ہے۔ (عقیدہ طحاویہ مع الشرح ص ۵۲۸)

(۱۰) اہلِ حدیث اور آلِ تقلید

علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

"والذي يجب أن يقال : كل من انتسب إلى إمام غير رسول الله ﷺ يوالي على ذلك ويعادي عليه فهو مبتدع خارج عن السنة والجماعة سواء كان في الأصول أو الفروع"

یہ کہنا واجب (فرض) ہے کہ ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے امام سے منسوب ہو جائے، اسی (انتساب) پر وہ دوستی رکھے اور دشمنی رکھے تو یہ شخص بدعتی ہے، اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے، چاہے یہ (انتساب) اصول میں ہو یا فروع میں۔

(الکنز المدفون والفلک المشحون ص:۱۴۹)

علامہ سیوطی کا دیوبندیوں و بریلویوں کے نزدیک بڑا مقام ہے۔

یمن کے مشہور سلفی عالم شیخ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"التقليد حرام ،لايجوز لمسلم أن يقلد في دين الله......"

تقلید حرام ہے، کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ اللہ کے دین میں تقلید کرے۔

(تحفۃ المجیب علی اسئلۃ الحاضر والغریب ص ۲۰۵)

اور کہا: "فالتقليد لايجوز والذين يبيحون تقليد العامي للعالم نقول لهم: أين الدليل ؟" یعنی تقلید جائز نہیں ہے اور جو لوگ عامی (جاہل) کیلئے تقلید جائز قرار دیتے ہیں

ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ (اس کی) دلیل کیا ہے؟ (ایضاً ص ۲۶)

اور کہا: " نصيحتي لطلبة العلم: الابتعاد عن التقليد، قال الله سبحانه وتعالىٰ ﴿لاتقف ما ليس لك به علم﴾ "

میری طالب علموں کے لئے یہ نصیحت ہے کہ وہ تقلید سے دور رہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جس کا تجھے علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ چل۔ (غارۃ الاشرطۃ علی اھل الجہل والسفسطۃ ص ۱۱، ۱۲)

امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " مع إعلاميه نهيه عن تقليده وتقليد غيره " میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے۔ (مختصر المزنی ص ۱)

عبدالحیٔ لکھنوی صاحب لکھتے ہیں:

" وهذا هو مذهب جماعة من المحدثين جزاهم الله يوم الدين، ومن نظر بنظر الإنصاف و غاص في بحار الفقه والأصول مجتنبًا عن الإعتساف يعلم علمًا يقينيًا إن أكثر المسائل الفرعية والأصلية التي اختلف العلماء فيها فمذهب المحدثين فيها أقوى من غيرهم، وإني كلما أشير في شعب الإختلاف أجد قول المحدثين فيه قريبًا من الإنصاف، فلله درهم وعليه شكرهم، كيف لا وهم ورثة النبي ﷺ حقًا و نواب شرعه صدقًا حشرنا الله في زمرتهم وأماتنا على حبهم و سيرتهم "

یہ ہے محدثین کی جماعت کا مذہب، اللہ انھیں قیامت کے دن جزائے خیر دے۔ جو شخص انصاف کی نظر سے دیکھے، تعصب اور بے راہ روی سے بچتے ہوئے فقہ و اصول کے سمندروں کی غوطہ زنی کرے، وہ اس کا یقینی علم رکھتا ہے کہ اکثر فروعی و اصولی مسائل جن میں علماء کا اختلاف ہے، ان میں دوسروں کے مقابلے میں محدثین کا مسلک سب سے زیادہ قوی ہے۔ میں جب اختلاف کی گھاٹیوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں (اور چلتا ہوں) تو محدثین کا قول (ہی) انصاف کے قریب پاتا ہوں۔ یہ خوبی وکمال اللہ ہی کی طرف سے ہے

اور وہی انھیں اجر دے گا۔ ایسا کیوں نہ ہو، وہی تو نبی ﷺ کے برحق وارث اور آپ ﷺ کی شریعت کے سچے نمائندے ہیں۔ اللہ ہمیں انھی (محدثین) کے گروہ میں اٹھائے اور ہمارا خاتمہ انھی کی محبت وسیرت (کی اقتداء) پر ہو۔ (امام الکلام ص ۲۱۶)

امام احمد بن سنان الواسطی (متوفی ۲۵۹ھ) فرماتے ہیں:

" لیس فی الدنیا مبتدع إلا و هو یبغض أهل الحدیث و إذا ابتدع الرجل نزع حلاوة الحدیث من قلبه " دنیا میں جتنے بھی بدعتی ہیں وہ سب اہل الحدیث سے بغض رکھتے ہیں۔ آدمی جب بدعتی ہو جاتا ہے تو حدیث کی مٹھاس اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۴ ح ۶ وسندہ صحیح)

(۱۱) خلیفہ ہارون الرشید کا ایمان افروز واقعہ

امام یعقوب بن سفیان الفارسی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۷ھ) نے فرمایا:

میں نے علی بن المدینی (رحمہ اللہ) کو فرماتے سنا: محمد بن خازم (ابو معاویہ الضریر) نے فرمایا: میں امیر المومنین ہارون (الرشید) کے پاس (سلیمان بن مہران) الاعمش کی ابو صالح (عن ابی ہریرہ عن رسول اللہ ﷺ کی سند) سے بیان کردہ حدیثیں پڑھ رہا تھا، میں جب کہتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو امیر المومنین کہتے: صلی اللّٰه علی سیدي و مولاي حتیٰ کہ میں نے آدم و موسیٰ (علیہما السلام) کی ملاقات والی حدیث بیان کی (جس میں تقدیر کا مسئلہ ثابت ہے) تو ہارون الرشید کے (کسی) چچا نے کہا: اے محمد (بن خازم) ان (آدم و موسیٰ) کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟

یہ سن کر ہارون الرشید (سخت) ناراض ہوئے اور کہا: یہ بات کس نے تجھے بتائی ہے؟ اور اس (چچا) کے گرفتار کرنے کا حکم دے دیا، بعد میں اس (چچا) نے مجھے جیل میں بلایا اور کہا: اللہ کی قسم، مجھے کسی نے یہ بتایا نہیں ہے، ویسے ہی میری زبان سے یہ کلمات نکل گئے تھے۔ میں نے واپس جا کر امیر المومنین (ہارون الرشید) کو بتایا کہ اس نے خود ہی (حماقت سے) یہ کلمات کہہ دیئے تھے، کسی نے اسے بتایا نہیں ہے۔ تو انھوں نے اس (چچا) کی رہائی

کا حکم دیا اور فرمایا: میں یہ سمجھتا تھا کہ بعض ملحدین (بے دین اور زندیق لوگوں) نے یہ کلام اسے سکھایا ہے، مجھے اگر معلوم ہو جائے کہ یہ ملحدین کون ہیں تو میں انھیں قتل کر دوں، ویسے میرا یہ یقین ہے کہ (میرا رشتہ دار) قریشی زندیق نہیں ہو سکتا۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۱۸۱،۱۸۲ وسندہ صحیح، وتاریخ بغداد ۵/۲۴۳ ت ۲۷۳۵)

معلوم ہوا کہ امیر المومنین ہارون الرشید رحمہ اللہ کے نزدیک حدیثِ رسول اللہ ﷺ پر طعن کرنے والا ملحد اور زندیق ہے، آج کل بعض کلمہ گو لوگ کتاب وسنت کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اس بات سے غافل ہیں کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جب ہر انسان اپنے رب کے سامنے پیش ہوگا، جس نے نبی کریم ﷺ کی احادیث رد کی ہوں گی وہ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دے گا؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: کہہ دو، اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم (اس سے) منہ پھیرو گے تو (جان لو کہ) بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۳۲)

وما علینا إلا البلاغ

(۱۲) محدث محمد فاخر الہ آبادی (متوفی ۱۱۶۴ھ) اور تقلید

الشیخ العالم الکبیر المحدث محمد فاخر بن محمد یحییٰ بن محمد امین العباسی السلفی، الہ آبادی (پیدائش: ۱۱۲۰ھ وفات ۱۱۶۴ھ) تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب وسنت کے دلائل پر عمل کرتے اور خود اجتہاد کرتے تھے۔ (دیکھئے نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۵۱ ت ۶۳۶)

امام محمد فاخر الہ آبادی فرماتے ہیں:

''تقلید کا معنی دلیل معلوم کیے بغیر کسی کے قول پر عمل کرنا ہے۔ کسی روایت کو قبول کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کو تقلید نہیں کہتے اہل علم کا اجماع ہے کہ اصول دین میں تقلید کرنا ممنوع ہے، جمہور کے نزدیک کسی خاص مذہب کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اجتہاد واجب ہے.... تقلید کی بدعت چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی ہے۔'' (رسالہ نجاتیہ ص ۴۱،۴۲)

محدث فاخر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"طالب نجات کے لئے لازم ہے کہ پہلے کتاب وسنت کے مطابق اپنے عقائد درست کرے اور اس بارہ میں کسی کے قول وفعل کی طرف قطعاً توجہ نہ دے" (رسالہ نجاتیہ ص ۱۷)

نیز فرماتے ہیں:

"اہل سنت کے تمام مذاہب میں حق موجود ہے، اور ہر مذہب کے بانی کو حق سے کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہے، مگر اہل حدیث کا مذہب دیگر تمام مذاہب سے زیادہ حق پر ہے" (نجاتیہ ص ۴۱)

تنبیہ: علامہ محمد فاخر رحمہ اللہ کی وفات ۱۱۶۴ھ کے بہت بعد میں مدرسہ دیوبند: محمد قاسم نانوتوی صاحب (پیدائش ۱۲۴۸ھ) اور بانی مدرسہ بریلی (پیدائش ۱۲۷۲ھ) پیدا ہوئے تھے۔

(۱۳) نبی ﷺ کا پیالہ مبارک

عاصم الاحول (تابعی) سے روایت ہے:

میں نے نبی ﷺ کا پیالہ (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کے پاس دیکھا ہے، یہ پیالہ ٹوٹ گیا تھا تو انھوں نے اسے چاندی کے تار سے جوڑ دیا تھا، یہ چمکدار لکڑی کا بنا ہوا بہترین چوڑا پیالہ تھا۔

محمد بن سیرین (تابعی) بیان کرتے ہیں: اس پیالے کا حلقہ لوہے کا بنا ہوا تھا، (سیدنا) انس رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس کے بدلے سونے چاندی کا حلقہ بنوالیں تو انھیں (ان کے سوتیلے ابا) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا: "لا تغیرن شیئاً صنعه رسول الله ﷺ"

رسول اللہ ﷺ نے جو کام کیا ہے اس میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ کرو، تو انھوں رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ چھوڑ دیا۔ (صحیح البخاری: ۵۶۳۸)

(۱۴) ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا﴾

سیدنا عبداللہ بن سلام الاسرائیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ اور کہا: رسول اللہ ﷺ تشریف لے

آئے ہیں، تو میں بھی لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کا چہرہ میں نے دیکھا تو جان لیا کہ یہ کذاب (جھوٹے) کا چہرہ نہیں ہے۔
آپ ﷺ نے پہلی بات یہ فرمائی:
((یا أیھا الناس! أفشوا السلام و أطعموا الطعام وصلوا والناس ینام، تدخلوا الجنة بسلام.)) اے لوگو! سلام (السلام علیکم) پھیلاؤ، (ایک دوسرے کو) کھانا کھلاؤ، جب لوگ سو رہے ہوں تو اس وقت نماز پڑھو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (سنن الترمذی، کتاب الزہد باب ۴۲ ح ۲۴۸۵ وقال: "ھذا حدیث صحیح" وصححہ الحاکم علیٰ شرط الشیخین ۳/۱۳، ۱۶۰ ووافقہ الذہبی)

تنبیہ: سیدنا عبداللہ بن سلام بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھے، جنھوں نے دین اسلام قبول کرلیا تھا۔ رضی اللہ عنہ

(۱۵) صفر کے بعض مسائل

۱: ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "ولا صفر" اور صفر (کچھ) نہیں ہے۔
(صحیح بخاری: ۵۷۰۷ وصحیح مسلم: ۲۲۲۰)

اس حدیث کی تشریح میں محمد بن راشد المکحولی رحمہ اللہ (متوفی بعد ۲۶۰ھ) فرماتے ہیں:
"سمعنا أن أھل الجاھلیة یستشئمون بصفر" ہم نے (اپنے استادوں سے) سنا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ صفر کو منحوس سمجھتے تھے۔ (سنن ابی داود: ۳۹۱۶ وسندہ حسن)
"أي لما یتوھمون أن فیه تکثر الدواھي والفتن" یعنی انھیں یہ وہم تھا کہ صفر میں مصیبتیں اور فتنے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ (ارشاد الساری للقسطلانی ج ۸ ص ۳۷۴)

موجودہ دور میں بھی بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ صفر میں "تر ہ تیزی" یعنی تیرہ تیزی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے برتن وغیرہ ٹوٹتے ہیں اور لوگوں کا نقصان ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ باطل عقیدہ بعینہ اہلِ جاہلیت کا عقیدہ ہے۔

۲: صفر کے آخر میں "چُوری" کی رسم کا کوئی ثبوت کتاب وسنت میں نہیں ہے۔ ادارہ

تحقیقات اسلامی اسلام آباد کی کتاب ''تقویمِ تاریخی'' سے صفر کے بارے میں چند معلومات درج ذیل ہیں: ۱: ۲۷ صفر ۱ھ ہجرت شروع ۲: ۱۲ صفر ۲ھ فرضیت جہاد

۳: صفر ۳۲ھ وفات عبدالرحمٰن بن عوف ۴: صفر ۳۵ وفات ابوطلحہ الانصاری

۵: صفر ۴۳ھ وفات محمد بن مسلمہ ۶: صفر ۵۰ھ وفات صفیہ بنت حی

۷: صفر ۵۲ھ وفات عمران بن حصین ۸: صفر ۵۶ھ وفات عبداللہ بن عمرو

۹: صفر ۶۶ھ وفات جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ۱۰: صفر ۱۵۷ھ وفات امام اوزاعی

(۱۶) بدعتی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام)) جس نے بدعتی کی عزت کی تو اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔

(کتاب الشریعہ للآجری ص ۹۶۲ ح ۲۰۴۰)

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری کے استاد العباس بن یوسف الشکلی کے بارے میں حافظ ذہبی اور حافظ الصفدی نے کہا: وهو مقبول الرواية. اور اس کی روایت مقبول ہے۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ج ۲۳ ص ۴۷۹ والوافی بالوفیات ج ۱۶ ص ۳۷۳، توفی سنہ ۳۱۴ھ)

(۱۷) نورِ ہدایت

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

((إِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوبٌ بِخَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ ذٰلِكَ: دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبَشَارَةُ عِيسٰى وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ حِينَ وَضَعَتْنِي أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ))

میں اللہ کے پاس خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور آدم (علیہ السلام) اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے (یعنی آدم علیہ السلام کے جسم میں روح نہیں ڈالی گئی تھی) اور میں تمھیں اس کی پہلی بات

بتاؤں گا: میں اپنے ابا ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت ہوں۔ اور جب میں پیدا ہوا تو میری ماں نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔

(صحیح ابن حبان، الاحسان: ۶۳۷۰، والنسخہ المحققہ ۱۴/۳۱۳ ح ۶۴۰۴ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۲/۲۱۸ ح ۳۵۶۶ ووافقہ الذہبی/عبدالاعلیٰ بن ہلال وثقہ ابن حبان والحاکم وغیرہما فحدیثہ لا ینزل عن درجۃ الحسن)

میں اور میرے ماں باپ، نبی کریم ﷺ پر قربان ہوں، بے شک آپ ہدایت کا نور (روشنی) ہیں۔ اے اللہ! ہمیں نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب فرما۔ آمین

(۱۸) ہر بدعت گمراہی ہے

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۴ھ) فرماتے ہیں:

"حدثنا إسحاق (أنبا) وكيع عن هشام بن الغاز أنه سمع نافعًا يقول: قال ابن عمر: كل بدعة ضلالة و إن رآها الناس حسناً"

ہمیں اسحاق (بن راہویہ) نے حدیث سنائی: ہمیں وکیع (بن الجراح) نے خبر دی، وہ ہشام بن الغاز سے وہ نافع (مولیٰ ابن عمر) سے روایت بیان کرتے ہیں کہ (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ لوگ اسے اچھا (بدعتِ حسنہ) سمجھتے ہوں۔

(کتاب السنہ ص ۲۴ ح ۸۲ وسندہ صحیح، شرح اصول اعتقاد اھل السنہ والجماعۃ ح ۱۲۶، المدخل للبیہقی ح ۱۹۱)

معلوم ہوا کہ جس دینی کام کا ثبوت کتاب وسنت واجماع اور آثار سلف صالحین سے نہیں ملتا، وہ کام بدعتِ ضلالت ہے اگرچہ لوگ اسے بدعتِ حسنہ ہی سمجھتے ہوں۔

(۱۹) اُمتِ مسلمہ کے منافقین کی اکثریت قاریوں میں سے ہے

امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں:

"قال لي محمد بن مقاتل: حدثنا ابن المبارك قال: أخبرنا عبدالرحمٰن بن شريح المعافري قال: حدثني شراحيل بن يزيد عن محمد بن هدية عن

عبدالله بن عمرو بن العاص قال قال النبي ﷺ :أكثر منافقي أمتي قراء ھا"

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت کے منافقوں کی اکثریت قاریوں میں سے ہے۔ (التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۲۵۷ وسندہ حسن)

اس روایت کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں۔ محمد بن ہدیہ الصدفی المصری کو امام (معتدل) العجلی، حافظ ابن حبان اور یعقوب بن سفیان نے ثقہ قرار دیا ہے۔

دیکھئے تحریر تقریب التھذیب (۳۲۸/۳)

لہٰذا یہ سند حسن لذاتہ ہے۔

مسند احمد (۱۵۱/۴، ۱۵۴، ۱۵۵) وغیرہ میں اس کے دوسرے شواہد (تائید کرنے والی روایتیں) موجود ہیں۔

دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للشیخ الالبانی رحمہ اللہ (۳۸۷/۲، ۳۸۸ ح ۷۵۰)

لہٰذا یہ حدیث صحیح (لغیرہ) ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(صحیح الجامع: ۱۲۰۳)

اس حدیث کا مفہوم واضح ہے کہ امت مسلمہ میں اکثر منافقین وہ لوگ ہیں جو قاری (قراء) حضرات ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ قاریوں کی اکثریت بدعات، گمراہیوں، جھوٹ، وعدہ خلافی اور تکبر جیسے امراض میں مبتلا ہے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ آسمان (عرش) پر ہے

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

"الله في السماء و علمه في كل مكان ، لا يخلو من علمه مكان "اللہ آسمان پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے، کوئی جگہ اس کے علم سے باہر نہیں۔

(مسائل الامام احمد، روایۃ ابی داود ص ۲۶۳ وسندہ حسن، کتاب الشریعۃ لابی بکر محمد بن الحسین الآجری ص ۲۸۹ ح ۶۵۲ کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد ۲۸۰/۱ ح ۵۳۲)

(۲۱) سلف صالحین کی اقتداء

امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۷ھ) فرماتے ہیں:

''عَلَيْكَ بِآثَارِ مَنْ سَلَفَ وَ إِنْ رَفَضَكَ النَّاسُ وَ إِيَّاكَ وَآرَاءَ الرِّجَالِ وَإِنْ زَخرَفُوْا لَكَ بِالْقَوْلِ '' اسلاف (سلف صالحین) کے آثار کو لازم پکڑو، اگرچہ لوگ تجھے چھوڑ دیں۔ اور لوگوں کی (سلف صالحین کے خلاف) آراء (وقیاس زنی) سے بچو، اگرچہ وہ اپنی بات کو بری ملمع سازی، اور مرچ مصالحہ لگا کر ہی کیوں نہ بیان کریں۔

(کتاب الشریعہ الشریعہ للآجری ص ۵۸ ح ۱۲۷، واسنادہ صحیح) [تنویر حسین شاہ ہزاروی]

(۲۲) اہلِ بدعت سے دور رہیں

ایک دفعہ امام ابوبکر محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) تشریف فرما تھے کہ (اتنے میں) اہلِ بدعت میں سے دو آدمی آپ کے پاس آئے اور آ کر کہنے لگے: اے ابوبکر! ہم آپ کو ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: نہیں، مجھے حدیث بیان نہ کرو۔ انھوں نے کہا: اچھا پھر ہم قرآن کی کوئی آیت پڑھتے ہیں۔

آپ رحمہ اللہ نے (ان بدعتیوں سے) فرمایا: تم دونوں مجھ سے دور ہو جاؤ یا پھر میں خود اٹھ کر چلا جاتا ہوں۔

جب وہ دونوں چلے گئے تو لوگوں نے آپ سے کہا: اگر وہ آپ کے سامنے قرآن کی کوئی آیت پڑھ دیتے تو اس میں کون سی حرج والی بات تھی؟

آپ نے جواب دیا: مجھے یہ ڈر تھا کہ وہ آیت پیش کر کے اس کی تحریف (غلط تاویل) کریں گے اور یہ بات میرے دل میں جگہ پکڑ لے گی۔ [یعنی مجھے یہ ڈر تھا کہ کہیں یہ بدعتی تم لوگوں کو بھی بدعتی نہ بنا دیں] (سنن الدارمی ۱/۱۰۹ ح ۴۰۳ واسنادہ صحیح)

اس اثر میں عوام الناس کے لئے سامانِ عبرت ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اہلِ بدعت سے

دور بھاگنا چاہئے سوائے اس صاحبِ علم کے جو اہلِ بدعت کا رد کرنے اور انھیں لاجواب کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

[اہلِ بدعت کی مذمت میں اسلاف کے بہت سے دوسرے آثار بھی ہیں]

[تنویر حسین شاہ ہزاروی]

(۲۳) باطل قیاس ممنوع ہے

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰) فرماتے ہیں:

''أَوَّلُ مَنْ قَاسَ إِبْلِيْسُ ، وَمَا عُبِدَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ إِلاَّ بِالْمَقَايِيْسِ ''

سب سے پہلے (نص صریح کے خلاف) قیاس ابلیس نے کیا تھا۔ سورج اور چاند کی عبادت قیاسات کی وجہ سے ہی کی گئی ہے۔ (سنن الدارمی ۱/۶۵ ح ۱۹۵، وسندہ حسن)

(اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف قیاس کرنا ابلیس لعین کا کام ہے)

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

''كانوا يرون أنه على الطريق ما كان على الأثر '' اگلے علماء (یعنی صحابہ کرام اور کبار تابعین عظام) یہ سمجھتے تھے کہ جو شخص متبع آثار ہو) یعنی قرآن وسنت اور متفقہ آثار سلف صالحین پر قائم ہو) شخص صراط مستقیم پر گامزن ہے۔ (مسند الدارمی ۱/۵۳، ۵۴ ح ۱۴۲، واسنادہ صحیح)

(۲۴) کردار کے غازی

امام محمد سیرین رحمہ اللہ اپنی والدہ محترمہ کا بہت خیال رکھا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ان کے لئے کپڑے خریدتے تو نرم کپڑے خریدتے اگرچہ مضبوط نہ بھی ہوں۔ (ان کی والدہ رنگے ہوئے کپڑے پسند کرتی تھیں لہذا) ہر عید کو ان کے لئے کپڑے رنگے جاتے تھے۔

آپ کی ہمشیرہ حفصہ (بنت سیرین رحمہا اللہ) بیان کرتی ہیں: میں نے اپنے بھائی محمد بن سیرین کو کبھی بھی امی کے ساتھ اونچی اور زوردار آواز میں گفتگو کرتے نہیں سنا۔ آپ امی سے اس طرح

گفتگو کرتے تھے جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۷/۱۹۸، واسنادہ صحیح)

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کو اللہ رب العزت نے زہد و تقویٰ کے اس مقامِ رفیع و بلیغ پر فائز کیا تھا کہ اگر کوئی شخص آپ کو جعلی کرنسی دے دیتا تو آپ اسے آگے منتقل نہیں کرتے تھے بلکہ اٹھا کر ایک طرف پھینک دیتے تھے۔ عبداللہ بن عون رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں: اگر (امام) ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس (کہیں سے) کھوٹا سکہ یا چاندی سے ملمع کیا ہوا کھوٹا درہم آجاتا تو آپ اسے کسی دوسرے شخص کو نہیں دیتے تھے بلکہ اس کو ایک طرف پھینک (کر رکھ) دیا کرتے تھے۔ جب آپ فوت ہوئے تو آپ کے پاس (گھر میں) پانچ سو کھوٹے درہم (پڑے ہوئے) تھے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۷ ص ۲۰۱، ۲۰۲ واسنادہ صحیح)

☆ امام مسروق رحمہ اللہ (متوفی ۶۲ھ) فرماتے ہیں: میں (سیدنا) اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک نوجوان نے آپ سے مسئلہ پوچھا: چچا جان! آپ اس (مسئلے) کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: بھتیجے! کیا یہ مسئلہ (کہیں) واقع ہوا یعنی پیش آیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ہمیں اس وقت تک معاف رکھو جب تک یہ مسئلہ واقع نہ ہو جائے۔ (یعنی اس مسئلے کے وقوع کے بعد ہی ہم فتویٰ دے سکتے ہیں۔ وقوع سے پہلے خیالی و فرضی مسائل پر ہم فتوے نہیں دیتے) (سنن الدارمی ۱/۵۶ ح ۱۵۴، وسندہ صحیح)

[تنویر حسین شاہ ہزاروی]

(۲۵) زلزلے کی نماز

جلیل القدر تابعی عبداللہ بن الحارث ابو الولید البصری رحمہ اللہ سے روایت ہے:

''زلزلت الأرض لیلاً'' رات کو زمین پر زلزلہ آگیا، تو (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: مجھے پتا نہیں کہ آپ لوگوں کو بھی (رات کو) وہ (زلزلہ) محسوس ہوا ہے جو مجھے محسوس ہوا ہے؟

لوگوں نے کہا: جی ہاں، ہمیں محسوس ہوا ہے، تو دوسرے دن وہ (سیدنا عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما) گئے اور لوگوں کو (دو رکعت) نماز پڑھائی۔ انھوں نے تکبیر کہہ کر قراءت کی اور رکوع کیا، پھر سر اُٹھا کر قراءت کی، پھر (دوسرا) رکوع کیا۔ پھر سر اُٹھایا تو قراءت کی، پھر (تیسرا) رکوع کیا، پھر سجدے کئے۔ پھر کھڑے ہوئے تو قراءت کی پھر رکوع کیا، پھر سر اُٹھایا تو قراءت کی پھر (دوسرا) رکوع کیا (پھر سر اُٹھا کر قراءت کی، پھر تیسرا رکوع کیا) پھر سجدے کئے۔ آپ کی نماز میں چھ رکوع اور چار سجدے تھے۔ (الاوسط لابن المنذر ۵/ ۳۱۴، ۳۱۵ وسندہ صحیح)

دوسری روایت میں ہے کہ (سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں زلزلہ آنے کے بعد وہاں نماز پڑھی تو لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا پھر سر اٹھایا تو لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا پھر سر اٹھایا تو لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا اور (سر اُٹھایا پھر) سجدے کئے۔ دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح ہی پڑھی، اس طرح دو رکعت نماز میں چھ رکوع اور چار سجدے کئے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۳۴۳ وسندہ صحیح، مصنف عبدالرزاق ۳/ ۱۰۱ ح ۴۹۲۹، الاوسط لابن المنذر ۵/ ۳۱۴)

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے زلزلے والی نماز میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھیں۔ (الاوسط ۵/ ۳۱۵ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں زلزلہ آیا تو انھوں نے منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا تھا۔

(الاوسط لابن المنذر ۵/ ۳۱۵ وسندہ حسن) وما علینا إلا البلاغ

(۲۶) فتویٰ دینے میں احتیاط

امام عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰ھ) فرماتے ہیں: امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''لا أدري'' مجھے اس کے متعلق علم نہیں ہے۔ عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ امام عطاء سے کہا گیا: ''ألا تقول فیھا برأیك ؟'' آپ اپنی رائے سے جواب کیوں نہیں دیتے۔ تو اس کے جواب میں امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے فرمایا: ''إني استحي من اللّٰہ أن یدان في الأرض برأیي'' میں اللہ سے اس بات میں حیا کرتا ہوں کہ زمین میں میری رائے کو دین بنایا جائے۔

(سنن دارمی ۱/ ۴۷ ح ۱۰۸، واسنادہ صحیح واخرجہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق ۴۳/ ۲۶، ۲۷، واسنادہ صحیح)

امام عطاء رحمہ اللہ کے اس عمدہ قول سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث، اقوال صحابہ اور اجماع امت کے خلاف عقائد و احکام، عبادات و معاملات میں اپنی رائے سے فتویٰ دینا گویا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کے مقابلے میں ایک نیا دین کھڑا کرنا ہے۔ اس عمدہ قول سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو اپنے اندھے مقلدین کو قیل و قال لیت و لعل اور خلاف قرآن و حدیث اور حیا سوز مسائل سے بھرپور کتابوں کے نفاذ پر ابھارتے ہیں۔

امام الحکم بن عتیبہ رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۵ھ) فرماتے ہیں:

''لَیْسَ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰہِ إِلاَّ یُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِہِ وَیُتْرَکُ إِلاَّ النَّبِيِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ '' نبی کریم ﷺ (فداہ ابی وامی وروحی) کے علاوہ اللہ کی مخلوق میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کی بات لی اور چھوڑی نہ جاسکتی ہو۔ صرف آپ ﷺ ہی (ایسی بابرکت اور پاکیزہ) شخصیت ہیں جن کی ہر بات لی جائے گی۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ۹۱/۲، دوسرا نسخہ ۱۱۲/۲، تیسرا نسخہ ۱۸۱/۲، واسنادہ حسن لذاتہ)

امام الائمہ الحافظ الکبیر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری (المتوفی ۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

''لَیْسَ لِأَحَدٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قَوْلٌ إِذَا صَحَّ الْخَبَرُ عَنْہُ '' جب نبی ﷺ کی صحیح حدیث آجائے گی اس کے مقابلے میں کسی بھی شخص کی کوئی بات قابل التفات و اتباع نہیں ہوگی۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم النیسابوری ص ۸۴، دوسرا نسخہ ص ۲۸۶ ح ۱۹۰، واسنادہ صحیح)

☆ امام شافعی رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے پوچھا: کیا آپ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ نے (تعجب کرتے ہوئے) فرمایا:

سبحان اللہ! میں رسول اللہ ﷺ سے ایک (صحیح) حدیث بیان کروں اور اس پر عمل نہ کروں؟ اگر کسی وقت مجھے رسول اللہ ﷺ کی (صحیح) حدیث معلوم ہو جائے اور میں اس پر عمل نہ کروں تو سب گواہ رہو کہ (اس وقت) میری عقل ختم ہو چکی ہوگی۔

(آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۵۰ وسندہ صحیح)

یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح (وغیر معارض) حدیث پر عمل نہ کرنے والا شخص پاگل ہے۔ [تنویر حسین شاہ ہزاروی]

(۲۷) محرم کے بعض مسائل

① بعض لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ "محرم میں شادی نہیں کرنی چاہیے" اس بات کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی اصل نہیں ہے

② خاص طور پر محرم ہی کے مہینے میں قبرستان جانا اور قبروں کی زیارت کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے، یاد رہے کہ آخرت وموت کی یاد اور اموات کے لئے دعا کے لئے ہر وقت بغیر کسی تخصیص کے قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے بشرطیکہ شرکیہ اور بدعتی امور سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

③ عاشوراء (۱۰ محرم) کے روزے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " وصيام يوم عاشوراء احتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله " میں سمجھتا ہوں کہ عاشوراء کے روزے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گزشتہ سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۴۶، ۱۹۶/۱۱۶۲)

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ "أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم" رمضان کے بعد سب سے بہترین روزے، اللہ کے (حرام کردہ) مہینے محرم کے روزے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۷۵۵، ۲۰۲/۱۱۶۳)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: " خالفوا اليهود وصوموا التاسع والعاشر " یہودیوں کی مخالفت کرو اور نو اور دس (محرم) کا روزہ رکھو۔

(مصنف عبدالرزاق ۲۸۷/۴ ح ۷۸۳۹ وسندہ صحیح، والسنن الکبریٰ للبیہقی ۲۸۷/۴)

④ محرم حرمت کے مہینوں میں سے ہے۔ اس میں جنگ وقتال کرنا حرام ہے الا یہ کہ مسلمانوں پر کافر حملہ کر دیں۔ حملے کی صورت میں مسلمان اپنا پورا دفاع کریں گے۔

⑤ محرم ۶ھ میں غزوہ خیبر ہوا تھا (۲۳ مئی ۶۲۷ء) دیکھئے تقدیم تاریخی ص ۲

⑥ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کربلاء میں مظلومانہ شہید کیا گیا۔ ان کی شہادت پر شور مچا کر رونا، گریبان پھاڑنا اور منہ وغیرہ پیٹنا یہ سب حرام کام ہیں۔ اسی طرح ''امام زادے'' وغیرہ کہہ کر افسوس کی مختلف رسومات انجام دینا اور سبیلیں وغیرہ لگانا شریعت سے ثابت نہیں ہے۔

(۲۸) تبلیغی پروگرام کا افتتاح قرآن کی تلاوت سے

ابونضرہ (المنذر بن مالک بن قُطَعَہ العبدی البصری رحمہ اللہ، تابعی/متوفی ۱۰۸ھ) فرماتے ہیں:

''کان أصحاب رسول اللّٰہ ﷺ إذا اجتمعوا، تذاکروا العلم وقرء وا سورۃ''

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جب (علمی مجلس وغیرہ کے لئے) اکٹھے ہوتے (تو) علمی مذاکرہ کرتے اور ایک سورت پڑھتے تھے۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ۱۲۰۷، وسندہ صحیح)

خطیب بغدادی کی تبویب سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس کی ابتدا اور آغاز میں یہ قراءت قرآن ہوتی تھی۔

(۲۹) رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا احترام

امام مالک کے شاگرد ابوسلمہ منصور بن سلمہ بن عبدالعزیز الخزاعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۰ھ) فرماتے ہیں: ''کان مالك بن أنس إذا أراد أن یخرج لیحدّث، توضأ وضوء ہ للصلوٰۃ، ولبس أحسن ثیابہ، ولبس قلنسوۃً، ومشط لحیتہ، فقیل لہ فی ذلك؟ فقال: أوقّر بہ حدیث رسول اللّٰہ ﷺ'' (امام) مالک بن انس (المدنی رحمہ اللہ) جب حدیث بیان کرنے کے لئے (گھر سے) باہر آتے تو نماز والا وضو کرتے، اچھے کپڑے پہنتے، (سر پر) ٹوپی رکھتے اور اپنی داڑھی کی کنگھی کرتے تھے۔

اس بارے میں جب آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: اس طرح، میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم کرتا ہوں۔ (کتاب الصلوٰۃ للامام محمد بن نصر المروزی: ۳۱۷ وسندہ صحیح، والمحدث الفاصل

بین الراوی والواعی: ۸۳۰، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ۹۰۳)

معمر بن راشد فرماتے ہیں کہ قتادہ (تابعی) اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بغیر وضو کے بیان کی جائیں۔

(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ۹۷۵ وسندہ صحیح)

سبحان اللہ! سلف صالحین، حدیث کا کتنا احترام کرتے تھے اور آج کل بہت سے گمراہ لوگ صحیح حدیثوں کا انکار کرتے ہیں اور مذاق اُڑاتے ہیں۔

(۳۰) اصولِ حدیث کی بعض اصطلاحات اور ان کا تعارف

صحیح لذاتہ: جس حدیث کا ہر راوی عادل وضابط (یعنی ثقہ، سچا اور قابلِ اعتماد) ہو، سند متصل ہو، شاذ یا معلول نہ ہو۔

حسن لذاتہ: جس حدیث کا ہر راوی، عادل اور جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہو، سند متصل ہو، شاذ یا معلول نہ ہو۔

شاذ: اگر ایک ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی یا دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت کرے تو یہ روایت شاذ ہوتی ہے۔

منکر: اگر ضعیف راوی ثقہ راوی یا راویوں کی مخالفت کرے تو یہ روایت منکر ہوتی ہے۔

تدلیس: اگر ایک راوی اپنے استاد سے وہ روایت ''قال'' یا ''عن'' وغیرہ الفاظ سے بیان کرے جو اس نے استاد سے نہیں سُنی بلکہ کسی دوسرے شخص سے سُنی ہے تو یہ تدلیس ہے۔

مُدَلِّس: تدلیس کرنے والے راوی کو مدلس کہتے ہیں۔ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے بشرطیکہ راوی کا مدلس ہونا ثابت ہو جائے۔

اختلاط: حافظہ کمزور ہونے اور دماغ خراب ہونے کو کہتے ہیں۔

مختلط: جو راوی اختلاط کا شکار ہو جائے تو اسے مختلط راوی کہتے ہیں۔ مختلط راوی کی اختلاط کے بعد والی روایات ضعیف ہوتی ہیں۔

مرفوع: رسول اللہ ﷺ کی حدیث (قول، فعل یا تقریر)

موقوف: صحابی کا اپنا قول یا فعل

مرسَل: اس منقطع روایت کو کہتے ہیں جو کسی تابعی نے بغیر کسی سند کے رسول اللہ ﷺ سے بیان کی ہو۔ مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے۔

مجہول: جس راوی کا ثقہ (قابلِ اعتماد) اور صدوق (سچا) ہونا معلوم نہ ہو وہ مجہول کہلاتا ہے۔ مجہول کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مجہول العین (۲) مجہول الحال یعنی مستور۔ مجہول العین ہو یا مجہول الحال دونوں کی بیان کردہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔

☆ جس راوی کی کم از کم دو محدثین توثیق کر دیں وہ مجہول نہیں رہتا بلکہ ثقہ وصدوق قرار دیا جاتا ہے۔

توثیق: کسی راوی کو ثقہ وصدوق قرار دینا۔

(۳۱) نبی ﷺ کی حدیث کا دفاع

ابو سعید الحسن بن احمد بن یزید الاصطخری رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۸ھ) کے پاس ایک آدمی آیا اور پوچھا: کیا ہڈی سے استنجا جائز ہے؟

انھوں نے فرمایا: نہیں۔ اس نے پوچھا: کیوں؟ انھوں نے فرمایا: کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: یہ تمھارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۔

اس نے پوچھا: انسان افضل ہیں یا جن؟

انھوں نے فرمایا: انسان

اس نے کہا: پانی کے ساتھ استنجا کیوں جائز ہے جبکہ وہ انسانوں کی خوراک ہے۔ راوی (ابوالحسین الطبسی) کہتے ہیں کہ ابو سعید الاصطخری نے حملہ کر کے اس آدمی کی گردن دبوچ لی اور اس کا گلہ گھونٹتے ہوئے فرمانے لگے: ”زندیق (بے دین، گمراہ)! تو رسول اللہ ﷺ کا رد کرتا ہے۔“

اگر میں اس آدمی کو نہ چھڑاتا تو وہ اسے قتل کر دیتے۔

(ذم الکلام واہلہ: ۱۲۵۸ تحقیق عبداللہ بن محمد بن عثمان الانصاری، وسندہ حسن)

(۳۲) حدیثِ رسول اور لوگوں کے اقوال

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ تک ثقہ راویوں کی (متصل) سند کے ساتھ حدیث پہنچ جائے (اور معلول و شاذ نہ ہو) تو یہ آپ ﷺ کی (صحیح و) ثابت حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو کسی حالت میں بھی ترک نہیں کیا جاسکتا، سوائے اس کے کہ اس کی (بظاہر) مخالفت میں دوسری کوئی (صحیح) حدیث موجود ہو... جب رسول اللہ ﷺ سے مروی (صحیح) حدیث کی مخالفت (ثابت) نہ ہو اور آپ ﷺ کے بعد والے کسی شخص کا قول اس حدیث کی تائید کرتا ہو تو اس حدیث کی قوت زیادہ ہو جاتی ہے۔

نبی ﷺ کی حدیث بذاتِ خود سب چیزوں سے غنی و بے نیاز ہے۔ اگر آپ ﷺ کی حدیث کی مخالفت میں کسی کا قول ہو تو اس قول کی ذرا پروا نہیں کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہی اس کی مستحق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

(المدخل للبیہقی ص ۱۰۴ ح ۲۴ وسندہ صحیح) [حافظ طارق مجاہد یزمانی]

(۳۳) جھوٹے قصے

بعض جھوٹے قصے عوام الناس میں مشہور ہیں مثلاً:

① خنساء بنت عمرو رضی اللہ عنہا کے بارے میں مشہور ہے کہ جنگِ قادسیہ میں اُن کے چار بیٹے شہید ہو گئے تھے۔

یہ قصہ محمد بن الحسن بن زبالہ نے بیان کیا ہے، دیکھئے الاصابہ (۲۸۸/۴) ابن زبالہ کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''و کان کذاباً'' اور وہ جھوٹا تھا۔

(تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۰۶۰)

ابن معین نے مزید فرمایا: ''عَدُوُّ اللّٰہِ'' یہ اللہ کا دشمن ہے۔ (الجرح والتعدیل ۲۲۸/۷ وسندہ صحیح)

اور فرمایا: ''وَكَانَ يَسْرِقُ الْحَدِيْثَ'' اور یہ حدیثیں چوری کرتا تھا۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ۱/۷۶ ت ۱۵۴ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے۔

2 بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ طارق بن زیاد نے جب سپین (اندلس) پر حملہ کیا تھا تو کشتیاں جلانے کا حکم دے کر کشتیاں جلا ڈالی تھیں۔ کشتیاں جلانے والا یہ سارا قصہ جعلی اور من گھڑت ہے۔ دیکھئے ''کتب أخبار رجال أحاديث تحت المجهر'' (ص ۱۷۔۱۹)

[حافظ زبیر علی زئی]

(۳۴) ''اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ'' ؟

بعض لوگ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ)) مزدور اللہ کا محبوب (دوست) ہے۔

بعض علاقوں میں اسے بڑے بورڈوں پر لکھ کر عوام الناس کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ یہ کوئی حدیث نہیں ہے اور نہ کسی مستند عالم کا قول ہے۔ اسے چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں بعض جھوٹے لوگوں نے گھڑ کر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ حدیث کی کسی کتاب میں اس موضوع و مردود روایت کا کوئی وجود نہیں ہے لہٰذا اسے بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ وما علينا إلا البلاغ

نصر المعبود فی الرد علی سلطان محمود

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم والصّلاۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین .

"جناب" سلطان محمود صاحب! سلام مسنون، اما بعد: آپ کا اشتہار "غیر مقلدین کی خدمت میں گزارش" بذریعہ "جناب" عامر بن مسکین عن "جناب" شوکت عن سلطان محمود، اس مطالبہ کے ساتھ ملا کہ اس کا جواب لکھا جائے لہٰذا اس اشتہار کا مختصر جواب پیشِ خدمت ہے:

۱۔ آپ کے اشتہار پر تسمیہ [بسم اللہ الرحمٰن الرحیم] درج نہیں ہے حالانکہ بسم اللہ الخ لکھنا شریعتِ مطہرہ سے ثابت ہے۔ مگر آپ نے شروع میں ہی سنتِ مطہرہ کی مخالفت کر دی ہے۔ آئندہ اس بات کا خاص خیال رکھیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا اہتمام کریں۔

۲۔ آپ کے اشتہار میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھی نہیں لکھا گیا۔

۳۔ آپ نے اہل الحدیث کو بطور طنز "غیر مقلدین" لکھا ہے۔ آپ کو یہ علم ہونا چاہئے کہ جناب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی "غیر مقلد" ہی تھے۔ حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں لکھا ہوا ہے کہ "**الأولی طبقۃ المجتھدین في الشرع کالأربعۃ وأمثالھم ممن أسس القواعد واستنبط أحکام الفروع من الأدلۃ الأربعۃ وھم غیر مقلدین**"

پہلا (طبقہ) شریعت میں ان مجتہدین کا طبقہ ہے۔ ائمہ اربعہ وغیرہم کی طرح، جنھوں نے (اصولی) قواعد کی بنیاد رکھی اور ادلۂ اربعہ سے فروعی مسائل کا استنباط کیا اور وہ غیر مقلدین ہیں۔ (ج ۱ ص ۵۱ طبع المکتبۃ العربیۃ کانسی روڈ، کوئٹہ)

۴۔ آپ نے اہل الحدیث کو "غیر مقلد" اور "غیر مقلدین" بھی لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ "وہ بھی مقلد ہیں اور ہم بھی مقلد ہیں" اس تضاد بیانی اور دوہری پالیسی کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

۵۔ آپ نے لکھا ہے کہ "غیر مقلد حضرات ایک بھی ایسا مسئلہ بتا دیں کہ جس میں امام

صاحب کا فتویٰ قرآن مجید یا حدیث کے مخالف ہو تو ہم غیر مقلدوں کے تابعدار ہو جائیں گے'' تو عرض ہے کہ [فی الحال آپ کے نزدیک فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے] دس (۱۰) مسئلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اور دس (۱۰) مسئلے فقہ حنفی کے آپ کی خدمت میں عرض ہیں۔ آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ ان مسئلوں کا قرآن وحدیث کے موافق ہونا ثابت کر دیں۔ آپ ''غیر مقلدین'' کے تابعدار نہ بنیں بلکہ قرآن وحدیث کے تابعدار بن جائیں۔ (۱)

مسئلہ نمبرا: امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس کی، صبح کی دو سنتیں رہ جائیں، وہ یہ سنتیں نہ تو سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پڑھے گا اور نہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد۔

دیکھئے الہدایہ (ج ۱ص ۱۵۲، باب ادراک الفریضۃ)

☆ امام صاحب کا یہ قول اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں [آیا] ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ سنتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فرض نماز کے متصل بعد، سورج کے طلوع سے پہلے پڑھی تھیں اور آپ نے انکار نہیں فرمایا تھا۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ج ۲ص ۱۶۴ ح ۱۱۱۶) وصحیح ابن حبان (ج ۴ص ۸۲ ح ۲۴۶۲، دوسرا نسخہ: ۲۴۷۱) اس حدیثِ پاک کو امام حاکم اور امام ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ (المستدرک ج ۱ص ۲۷۴، ۲۷۵ ح ۱۰۱۷)

☆ امام صاحب کا یہ قول اس ضعیف حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں طلوعِ شمس کے بعد ان سنتوں کے ادا کرنے کا ذکر ہے۔

مسئلہ ۲: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص پر کوئی حد نہیں ہے جو قوم لوط کا گندا عمل کرے۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۱ص ۵۱۶ کتاب الحدود باب الوطي الذي يو جب

---

(۱) اس کتاب ''نصر المعبود'' مع ضمیمات کے مخاطب دیوبندی حضرات بھی ہیں۔ قاری چمن محمد دیوبندی نے [بوٹا گاؤں والے] مناظرہ سے پہلے ہمیں لکھ کر دیا تھا کہ ''فقہ حنفی تمام کی تمام قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے، قرآن وحدیث کا مخالف نہیں'' اس کے بعد چمن صاحب نے مناظرہ سے راہِ فرار اختیار کی تھی۔ اس واقعہ کے عینی گواہ ابھی تک زندہ ہیں۔ والحمد للہ

الحد والذي لا يو جبه)

☆ امام صاحب کا فتویٰ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں ایسے شخص کے قتل کرنے کا حکم ہے جو قوم لوط کا گندا عمل کرے، دیکھئے سنن ابی داود وغیرہ۔

بلکہ اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہے۔دیکھئے ضمیمہ [اجماع اور مقلدین حضرات: ۹]

مسئلہ۳: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص کے لئے فارسی زبان میں نماز پڑھنی جائز ہے جسے عربی زبان اچھی طرح آتی ہے۔دیکھئے الہدایہ (ج ۱ص ۱۰۱ کتاب الصلاۃ باب صفة الصلاۃ)

☆ امام صاحب کا یہ فتویٰ اُن متواتر احادیث کے خلاف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عربی زبان میں نماز پڑھتے تھے۔

تنبیہ: ہدایہ ص ۱۰۲ پر جو [امام ابوحنیفہ کے] رجوع کا ذکر ہے وہ بلحاظِ سند باطل ہے کیونکہ اس کا راوی نوح بن ابی مریم بالاتفاق کذاب (جھوٹا) [متروک اور ضعیف جداً] تھا لہٰذا رجوع ثابت ہی نہیں ہے، جو اسے ثابت مانتا ہے وہ صحیح سند پیش کرے۔

مسئلہ۴: امام ابوحنیفہ کے نزدیک عید کی نماز کیلئے جانے والا راستہ میں تکبیریں نہ کہے۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۱ص ۱۷۳ باب العیدین)

☆ حالانکہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جناب [سیدنا] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب عید کی نماز کیلئے جاتے تو راستے میں اونچی آواز کے ساتھ تکبیریں کہتے تھے۔دار قطنی وغیرہ

حافظ ابن حجر نے الدرایہ [ج ۱ص ۲۱۹ ح ۲۸۲] میں اسے صحیح کہا ہے۔

مسئلہ۵: امام ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص اپنی ماں وغیرہا کے ساتھ نکاح کر کے جماع (یعنی بدترین زنا) کرے اور یہ کہے کہ مجھے یہ پتہ تھا کہ یہ میرے اوپر حرام ہے تو ایسے شخص پر کوئی حد نہیں لگے گی۔دیکھئے فتاویٰ قاضی خان (ج ۲ص ۴۰۷. دوسرا نسخہ جو فتاویٰ عالمگیری کے حاشیہ پر ہے۔ج ۳ص ۴۶۸)

☆ یہ فتویٰ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا جس پلید شخص نے اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔

مسئلہ ٦: امام ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی نابالغ بچے یا بالغ آدمی کو پانی میں ڈبو کر قتل کر دے تو اس قاتل پر کوئی قصاص نہیں ہے۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۲ ص ۵٦٦ کتاب الجنایات باب ما یوجب القصاص وما لا یوجبہ)

☆ امام صاحب کا یہ فتویٰ قرآن وحدیث دونوں کے خلاف ہے۔ آپ خود سوچیں کہ اس ظالم قاتل سے قصاص نہ لینا کون سا انصاف ہے؟

مسئلہ ۷: امام صاحب کے نزدیک جو شخص قرآن مجید دیکھ کر نماز پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ دیکھئے الجامع الصغیر (ص ۹۷) اور الہدایہ (ج ۱ ص ۱۳۷، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا)

☆ امام ابوحنیفہ کا یہ فتویٰ صحیح بخاری کی اس حدیث کے خلاف ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام انھیں جو نماز پڑھاتا تھا، اس میں قرآن دیکھ کر تلاوت کرتا تھا۔

مسئلہ ۸: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص پر کوئی حد نہیں لگے گی جو ایسا مشروب پیئے جس سے اسے نشہ ہو جائے۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۲ ص ۴۹٦ کتاب الأشربۃ)

☆ حالانکہ احادیث صحیحہ میں شرابی پر حد قائم کرنے کا حکم ہے۔

مسئلہ ۹: [حنفی کہتے ہیں کہ] امام ابوحنیفہ کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ ہے۔ چاہے پے درپے رکھے یا متفرقاً۔

دیکھئے فتح القدیر لابن ہمام الحنفی (ج ۲ ص ۳۴۹) فتاویٰ عالمگیری (ج ۱ ص ۲۰۱)

☆ جبکہ صحیح مسلم وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان روزوں کی بڑی فضیلت ثابت ہے۔

مسئلہ ۱۰: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر کوئی شخص "اللّٰہ اجل" وغیرہ الفاظ کے ساتھ نماز شروع کرے۔ یعنی تکبیرِ تحریمہ میں اللہ اکبر نہ کہے تو اس کی نماز جائز ہے۔

دیکھئے ہدایہ (ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱، باب صفۃ الصلاۃ)

☆ حالانکہ متواتر احادیث کے ساتھ ثابت ہے کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر (اللہ اکبر)

کہنا ہی سنت نبوی ہے (صلی اللہ علی النبی وسلم علیہ)

[حنفیوں کی مستند کتابوں سے] امام ابوحنیفہ کے یہ دس مسئلے بطورِ مثال ذکر کر دیئے ہیں جن میں صراحت کے ساتھ کتاب وسنت کی مخالفت ہے۔ میں ان شاءاللہ امام صاحب کے ایسے مسئلے بھی پیش کروں گا جنکی نام نہاد حنفی علماء اور فرقہ دیوبندیہ وفرقہ بریلویہ نے مخالفت کی ہے۔

اب آپ کی خدمت میں فقہ حنفی کے چند غلط مسئلے عرض ہیں:

مسئلہ ۱: حنفیوں کے نزدیک جبری طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۳۵۸ کتاب الطلاق باب طلاق السنة)

یہ مسئلہ صحیح احادیث اور عمومِ قرآن کے سراسر خلاف ہے۔

مسئلہ ۲: حنفیوں کے نزدیک خمر (شراب حرام) کا سرکہ بنانا جائز ہے۔

دیکھئے ہدایہ (ج ۲ ص ۴۹۹ کتاب الأ شربة)

☆ جبکہ صحیح مسلم [۱۹۸۳، ترجمہ دار السلام: ۵۱۴۰] وغیرہ میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خمر کا سرکہ بنانے سے منع کیا ہے۔

مسئلہ ۳: حنفیوں کے نزدیک دار الحرب میں سُود کھانا جائز ہے۔

دیکھئے الہدایہ (ج ۲ ص ۸۶ کتاب البیوع باب الربا)

☆ حالانکہ سود کا حرام وناجائز ہونا قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے۔

مسئلہ ۴: حنفیوں کے نزدیک مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) میں ذمی کافروں کا داخلہ جائز ہے۔

دیکھئے الہدایہ (ج ۲ ص ۴۷۴ کتاب الکراهية)

☆ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مشرکین کو نجس قرار دے کر داخل ہونے سے روک دیا ہے۔ [دیکھئے سورۃ التوبہ: ۲۸]

مسئلہ ۵: حنفیوں کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں اس قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۲ ص ۵۶۳ کتاب الجنايات، باب ما يوجب القصاص وما لا يوجبه)

☆ حالانکہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ ((من قتل عبده قتلنا ه)) جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا، ہم اسے قتل کردیں گے۔ دیکھئے ابو داود شریف ([یعنی سنن ابی داود] ج ۲ ص ۲۷۲ ح ۴۵۱۵ کتاب الدیات باب من قتل عبده أو مثل به یقا د منه)

مسئلہ ۶: حنفیوں کے نزدیک پیشاب سے علاج کیلئے سورہ فاتحہ لکھنی جائز ہے۔

(دیکھئے فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۱۵۴)

حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ﴿ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾ [الواقعہ:۷۹]

مسئلہ ۷: حنفیوں کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنا کتا اٹھا کر نماز پڑھے تو اس کی نماز جائز ہے۔ دیکھئے فتاویٰ شامی (ج ۱ ص ۱۵۳) مگر شرط یہ ہے کہ منہ باندھا ہوا ہو (ایضاً)

لیکن اس شخص کی نماز مکروہ ہے جو اپنے بچے کو اٹھا کر نماز پڑھے۔!!

دیکھئے فتاویٰ عالمگیری (ج ۱ ص ۱۰۷)

حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنی نواسی کو اٹھا کر فرض نماز پڑھی مگر یہ کسی مسلمان سے قطعاً ثابت نہیں چاہے صحابی ہو یا تابعی وغیرہ، کہ اس نے کتا اٹھا کر نماز پڑھی ہو۔

مسئلہ ۸: حنفیوں کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر سجدہ میں نہ رکھے تو اس کی نماز جائز ہے۔ دیکھئے فتاویٰ عالمگیری (ج ۱ ص ۷۰)

حالانکہ بے شمار احادیث میں سات اعضاء کے زمین پر، سجدہ میں، رکھنے کا حکم ہے۔

مسئلہ ۹: حنفیوں کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنا کتا ذبح کرکے اس کا گوشت بیچے تو جائز ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۱۱۵)

حالانکہ صحیح احادیث میں بغیر کسی استثناء کے زندہ کتے کے بیچنے سے بھی منع کیا گیا ہے بلکہ کتے کی قیمت کو خبیث قرار دیا گیا ہے۔

مسئلہ ۱۰: حنفیوں کے نزدیک اگر کوئی شخص کوئی عورت زنا کیلئے کرایہ پر لے آئے اور اس سے زنا بھی کرے تو ایسے شخص پر حد نہیں ہے۔ دیکھئے فتاویٰ عالمگیری (ج ۲ ص ۱۴۹)

حالانکہ زانی پر حد کا ثبوت قرآن وحدیث دونوں میں موجود ہے۔فقہ حنفی کی چند مستند عربی کتابوں سے یہ چند حوالے پیش کئے ہیں۔تفصیل کیلئے ہمارے استاذ محترم ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ کی کتاب ''فقہ و حدیث'' کا مطالعہ کریں بشرطیکہ آپ سندھی زبان سے واقف ہوں۔ان مسائل کے بعد فقہ حنفی کے چند گندے مسائل پیش خدمت ہیں جنھیں پڑھ کر ہر سلیم الفطرت انسان ان مسائل سے نفرت کرتا ہے:

مسئلہ ۱: درمختار (جو فقہ حنفی کے ایک مستند کتاب ہے) میں لکھا ہوا ہے کہ

''(و) لا عند (وطء بهيمة أو ميتة أو صغيرة غير مشتهاة''

جانور (مثلاً گدھی وغیرھا) اور مُردہ عورت اور معصوم بچی کے ساتھ وطی (زنا) کرنے سے وضونہیں ٹوٹتا۔ (الدر المختار مع کشف الاستار ج ۱ص ۳۱، ۳۲، والدر المختار مع رد المحتار ج ۱ص ۱۲۲)

نیز دیکھئے رد المحتار (ج ۱ص ۱۰۸)

مسئلہ ۲: فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ ''وإذا جامع بهيمةً أو ميتةً أو جامع فيما دون الفرج ولم ينزل لا يفسد صومه'' اور اگر کوئی شخص کسی جانور (مثلاً گدھی وغیرہا) سے جماع (یعنی زنا) کرے یا عورت کی شرمگاہ کے علاوہ دوسری جگہ جماع (یعنی زنا) کرے اور اسے انزال نہ ہو تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(ج ۱ص ۲۰۵ بحوالہ قاضی خان، نیز دیکھئے فتاویٰ قاضی خان ج ۱ص ۱۰۰)

مسئلہ ۳: فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ '' و كذا لو عانقها بشهوة ولو أتى بهيمةً فأولجها فلا شيء عليه إلا إذا أنزل فيجب عليه الدم ولا تفسد حجته ولا عمرته '' إلخ اور اسی طرح اگر کوئی (''حاجی'') اس (مادہ) کے ساتھ شہوت کے ساتھ معانقہ کرے۔ بلکہ اگر جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اور اس کے اندر داخل کر دے تو اس شخص پر کوئی چیز نہیں ہے سوائے اس کے کہ اسے انزال ہو جائے۔تو دم واجب ہو جائے گا، اور اس (حاجی) کے اس (گندے) عمل کی وجہ سے اس کا نہ حج خراب ہوگا اور نہ عمرہ، الخ

(الفتاوی الھندیہ ج ۱ص ۲۴۴)

یہ مسئلہ اردو والی کتب میں بھی موجود ہے۔[نیز دیکھئے معلم الحجاج ص ۲۴۱]

مسئلہ۴: فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ" إذا أصابت النجاسة بعض أعضا ئه ولحسها بلسانه حتى يذهب أثرها يطهر "اگر اس کے بعض اعضاء (مثلاً انگلی وغیرہ) پر نجاست لگ جائے اور وہ اسے اپنی زبان سے چاٹ لے حتیٰ کہ نجاست کا اثر زائل ہوجائے تو یہ عضو پاک ہوجائے گا۔ (ج ا ص ۴۵)

یہ مسئلہ فتاویٰ شامی (ردالمختار) میں بھی لکھا ہوا ہے جس میں اصبعـــــہ یعنی انگلی کی صراحت موجود ہے۔ (ج ا ص ۲۲۶)

نیز دیکھئے فتاویٰ قاضی خان (ج ا ص ۲۲ وفی نسخہ ج ا ص ۱۱) درمختار (ج ا ص ۵۳)

فقہ حنفی کے اس مفتیٰ بہ مسئلہ کے بارے میں فرقہ بریلویہ کے بانی "جناب" احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ "اُنگلی کی نجاست چاٹ کر پاک کرنا کسی سخت گندی ناپاک روح کا کام ہے اور اُسے جائز جاننا شریعت پر افترا و اتہام اور تحلیل حرام اور قاطع اسلام ہے اور یہ کہنا محض جھوٹ ہے کہ مُنہ بھی پاک رہے گا نجاست چاٹنے سے قطعاً ناپاک ہو جائے گا اگرچہ بار بار وہ نجس ناپاک تھوک یہاں تک نگلنے سے کہ اثر نجاست کا مُنہ سے دُھل کر سب پیٹ میں چلا جائے پاک ہوجائے گا۔ مگر اس چاٹنے نگلنے کو وہی جائز رکھے گا جو نجس کھانے والا ہو۔ الخبيثٰت للخبيثين و الخبيثون للخبيثٰت...." إلخ

(احکام شریعت حصہ سوم ص ۲۵۲)

مسئلہ۵: درمختار میں لکھا ہوا ہے کہ "أما في دبر نفسه فرجح في النهر عدم الوجوب إلا بالإنزال" اگر کوئی شخص اپنا آلہ تناسل اپنی دبر میں داخل کردے تو النہر (نامی کتاب) میں لکھا ہوا ہے کہ انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہے۔

(درمختار مع ردالمختار ج ا ص ۱۲۰)

حنفیہ کا یہ مسئلہ مفتیٰ بہ ہے۔ دیکھئے عبدالشکور لکھنوی کی کتاب "علم الفقہ" (ص ۱۱۶، ص ۱۵)

مسئلہ۶: فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ" مس ذكره أو ذكر غيره ليس

یحدث عندنا ''اگر کوئی شخص اپنے آلہ تناسل کو یا کسی دوسرے آدمی کے آلہ تناسل کو چھوئے تو اس سے ہمارے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ (ج ۱ص ۱۳)

عرض ہے کہ غیر مرد کے آلہ تناسل کو چھونے کی کیا دلیل ہے اور اس میں کیا حکمت ہے؟

مسئلہ ۷: فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہوا ہے کہ ''إذا أولج رجل رجلاً فعليهما القضاء والغسل أنزل أولم ينزل ولا كفارة فيه'' اگر کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے اندر (اپنا آلہ تناسل) داخل کرے تو دونوں پر روزے کی قضا اور غسل (لازم) ہے۔ چاہے انزال ہو یا نہ ہو اور دونوں پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ (ج ۱ص ۱۰۱)

یعنی جو شخص اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس پر کفارہ ہے اور جو شخص قومِ لوط کا گندا عمل اور زنا کرے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ سبحان اللہ! یہ کیسی فقہ ہے؟!

مسئلہ ۸: دُرِّ مختار میں لکھا ہوا ہے کہ ''ثم الأحسن زوجة ..ثم الأكبر رأساً والأصغر عضواً'' پھر وہ شخص امام ہونا چاہئے جس کی بیوی زیادہ اچھی (خوبصورت) ہو... پھر وہ ہو جس کا سر بڑا اور عضو (یعنی آلہ تناسل) چھوٹا ہو۔

(الدر المختار مع کشف الاستار ج ۱ص ۸۲)

حاشیہ طحطاوی میں اس کا ایک فائدہ بھی لکھا ہوا ہے جس کے ذکر سے حیا مانع ہے۔ دیکھئے (ج ۱ص ۲۴۲)

مسئلہ ۹: ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ'' ومن وطئ بهيمة فلا حد عليه لأنه ليس في معنى الزنا'' اور جو شخص کسی جانور (مثلاً گدھی وغیرھا) سے وطی (یعنی زنا) کرے تو اس شخص (زانی) پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ یہ فعل زنا کے حکم میں نہیں ہے۔

(ج ۱ص ۵۱۷ کتاب الحدود باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه)

مسئلہ ۱۰: درمختار میں لکھا ہوا ہے کہ ''ويتخذ جلده مصلى ودلواً'' اور اس (کتے) کی جلد سے جائے نماز اور ڈول بنائے جائیں گے۔

(درمختار مع ردالمحتار ج ۱ص ۱۵۳، نیز دیکھئے فتاویٰ ''دارالعلوم'' دیوبند ج ۱ص ۲۹۲ وغیرہ)

"درمختار پر اعتراضات کے جوابات" نامی کتاب میں محمد شریف صاحب لکھتے ہیں کہ "میں کہتا ہوں کہ دباغت کے بعد جب کھال پاک ہو جاتی ہے تو اس سے جانماز یا ڈول بنانے میں کیا مضائقہ ہے" (ص ۱۷، نیز دیکھئے فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات ص ۳۰۵)

یہ چند حوالے اصل کتابوں سے باحوالہ مع عبارات لکھے ہیں۔ ہدایہ ج ۱، سے مراد ہدایہ اولین ہے، اور ج ۲، سے مراد اخیرین ہے۔ اب [حنفی کتابوں سے] امام ابوحنیفہ کے چند وہ مسائل لکھتا ہوں جن پر فرقہ حنفیہ کا عمل نہیں ہے بلکہ وہ ان کی مخالفت کرتے ہیں:

مسئلہ ۱: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر میت مرد ہو تو نماز جنازہ پڑھانے والا امام اس کے سر کے قریب کھڑا ہوگا اور اگر میت عورت ہو تو اس کے درمیان (سامنے) کھڑا ہوگا۔

(الهدایہ ج ۱ ص ۱۸۱ کتاب الصلوۃ باب الجنائز)

امام صاحب کے پاس جناب [سیدنا] انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے مگر فقہ حنفی اس فتویٰ کے خلاف ہے۔

مسئلہ ۲: امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمیندار کو اس شرط پر اپنی زمین دینا کہ وہ (۱/۳) یا (۱/۴) حصہ لے یا دے تو باطل ہے۔ (دیکھئے ہدایہ ج ۲ ص ۴۲۴ کتاب المزارعة)

جبکہ تقلیدی عمل و فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

مسئلہ ۳: ہدایہ میں ہے کہ "ولو لبس عقد لولوء غیر مرصّع لایحنث عند أبي حنیفة" اور اگر قسم اٹھانے والا غیر مزین موتی پہن لے تو اس کی قسم امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گی۔ (ج ۱ ص ۵۰۳ کتاب الأیمان باب الیمین في لبس الثیاب إلخ)

جبکہ فتویٰ اس کے خلاف ہے:

"ویفتی بقولهما لأن التحلي به علی الانفراد معتاد"☆

مسئلہ ۴: امام ابوحنیفہ کے نزدیک مفقود الخبر کی بیوی ایک سو بیس (۱۲۰) سال انتظار کرے۔

(ہدایہ ج ۱ ص ۶۲۳ کتاب المفقود)

جبکہ قدیم و جدید حنفیوں کے اور حنفیت کے دعویداروں کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

مسئلہ۵: امام ابوحنیفہ کے نزدیک انڈا بیچنا جائز نہیں ہے۔

(ہدایہ ج۲ص۵۴ کتاب البیوع باب البیع الفاسد)

جبکہ فتویٰ اس قول کے خلاف ہے۔

مسئلہ۶: امام ابوحنیفہ کے نزدیک حدود اور قصاص کے علاوہ دوسرے مقدمات میں قاضی گواہوں کے حال کے بارے میں سوال نہیں کرے گا۔ (ہدایہ ج۲ص۱۵۶ کتاب الشهادة)

جبکہ فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

مسئلہ۷: پرانے حنفیوں (جن میں امام صاحب خود بخود شامل ہیں) کے نزدیک اذان، حج، امامت، تعلیمِ قرآن اور تعلیمِ فقہ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

(دیکھئے ہدایہ ج۲ص۳۰۳ کتاب الاجارات وغیرہ)

جبکہ متاخرینِ حنفیہ اس فتویٰ کے خلاف ہیں۔

مسئلہ۸: امام ابوحنیفہ کے نزدیک کنویں میں نہانے سے اگر حرکت پیدا ہو تو اس تحریک کا اعتبار ہوگا۔ (ہدایہ ج۱ص۳۶ باب الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوزبه)

جبکہ فتویٰ اس کے خلاف ہے.

مسئلہ۹: امام ابوحنیفہ کے نزدیک روٹی کو گندم کے بدلے میں بیچنے میں کوئی خیر نہیں ہے۔

(ہدایہ ج۲ص۸۵ کتاب البیوع باب الربا)

جبکہ فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

مسئلہ۱۰: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ میں سر نہیں کھاؤں گا تو اس سے مراد گائے یا بکری کا سر ہے۔ (ہدایہ ج۱ص۴۹۰ کتاب الأیمان)

جبکہ جدید حنفیوں نے اسے اختلاف عصر کہہ کر رد کر دیا ہے اور فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

یہ چند مسئلے مشتے از خروارے ہیں۔ آپ اگر فقہ حنفی کا بغور مطالعہ کریں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ فقہ حنفی ہرگز قرآن وحدیث کا نچوڑ نہیں ہے۔ اسے قرآن وحدیث کا نچوڑ کہنا اور سمجھنا شریعت مطہرہ کے ساتھ بہت بڑا مذاق ہے جسکی سزا صرف اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ ان شاء اللہ

مشتہر صاحب نے لکھا ہے کہ ''صحیح بخاری وصحیح مسلم شریف وغیرہ کتب احادیث سے لیتے ہیں'' اور ''نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی مقلد ہیں اور ہم بھی مقلد ہیں''

آپ کی تضاد بیانی کو نظر انداز کرتے ہوئے عرض ہے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) کے صحیح ہونے پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے (سوائے احرف یسیرہ کے اور وہ بھی صحیح ہیں) اور اصول فقہ میں یہ مسلم ہے کہ اجماع کو ماننا تقلید نہیں ہے۔ دیکھئے مسلّم الثبوت (ص ۲۸۹)

لکھا ہے کہ ''التقليد العمل بقول الغير من غير حجة كأخذ العامي و المجتهد من مثله ، فالرجوع إلى النبي عليه الصّلاة والسّلام أو إلى الإجماع ليس منه '' تقلید اُس عمل کو کہتے ہیں جو کسی غیر (نبی کے علاوہ) شخص کے بلا دلیل قول پر کیا جائے مثلاً عامی کا عامی کے قول پر عمل کرنا اور مجتہد کا مجتہد کے قول پر عمل کرنا، پس نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے۔ [مسلم الثبوت ص ۲۸۹]

اس فقہی اصول سے ثابت ہوا کہ حدیث اور اجماع پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے، ورنہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد وغیرہم کو مقلدین غیر مجتہدین تسلیم کرنا پڑے گا، کیونکہ انھوں نے اپنی کوشش کے مطابق احادیث پر ہی عمل کیا تھا۔ حالانکہ ان ائمہ کا مجتہد و غیر مقلد ہونا [تقلیدیوں کے نزدیک بھی] مسلم ہے لہٰذا یہ دعویٰ اصلاً باطل ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ ''کتب احادیث پر عمل کرنا تقلید ہے۔''

بطورِ الزام عرض ہے کہ آپ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سُننِ اربعہ (ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) کی احادیث پر عمل کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کرتے ہیں تو کس دلیل سے؟ کیا امام ابوحنیفہ نے ان احادیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ صحیح ہیں وغیرہ وغیرہ؟

آپ اگر صحیح بخاری وصحیح مسلم پر عمل کریں اور بخاری و مسلم کے مقلد نہ بنیں۔ بقولِ خود ''حنفی'' کے ''حنفی'' رہیں اور اگر ہم عمل کریں تو مقلد بن جائیں؟ ﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ آپ حدیث کی وہ ''الجامع الصحیح'' [!] پیش کریں جسے آپ کے مزعوم امام ابوحنیفہ نے تصنیف کیا ہے۔ هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين !

آپ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ''چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز پڑھی اور ہر رات ختم قرآن مجید کیا...... '' الخ

تو عرض ہے کہ یہ قصہ اصلاً جھوٹا ہے۔ اگر آپ کے پاس اسکی کوئی صحیح سند ہے تو پیش کریں اور سند کے راویوں کا ثقہ ہونا بھی ثابت کریں۔ إذ لیس فلیس

دوسرے یہ کہ کیا رسول اللہ (ﷺ) نے بھی چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز پڑھی تھی؟ اگر نہیں تو کیا امام ابوحنیفہ رسول اللہ ﷺ سے بھی اس فعل میں بڑھ گئے؟ جب یہ کام سنتِ رسول (ﷺ) کے خلاف ہے تو اس داستان کے بیان کرنے میں امام ابو حنیفہ کی توہین ہے منقبت نہیں ہے۔ ذرا غور تو کریں۔

تیسرے یہ کہ کیا آپ نے بھی چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز پڑھی ہے؟ اگر نہیں تو آپ اپنے امام کے مخالف ہوئے۔ ایسے امام کی تقلید کرنے کا کیا فائدہ جو چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز پڑھے اور آپ چالیس دن بھی ایسا نہ کرسکیں؟

آپ نے لکھا ہے کہ ''غیر مقلد حضرات محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مقلد ہیں''

تو عرض ہے کہ آپ کی یہ بات سیاہ جھوٹ ہے۔ اور ہم حلفیہ (طور پر) اس اتہام سے بری ہیں۔ یاد رہے کہ لوگوں پر تہمت لگانا کبیرہ گناہ ہے۔ اگر آپ نے ہم سے معافی نہ مانگی تو (اس اتہام کی) اخروی سزا سے بچ نہیں سکتے۔ ان شاء اللہ

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب التمیمی رحمہ اللہ ونوّر اللہ مرقدہ کے بارے میں فرقہ بریلویہ اور حسین احمد ٹانڈوی دیوبندی وغیرہ نے جو تہمتیں لگائی ہیں اور اکاذیب وافتراءات اور جھوٹی افواہیں پھیلائی ہیں، ان شاء اللہ [انھیں] اس کا بھی حساب دینا پڑے گا۔

واللّٰہ من ورائھم محیط

شیخ الاسلام التمیمی رحمہ اللہ سے صدیوں پہلے اہل الحدیث ([کتاب وسنت کی اتباع کرنے والوں اور] تقلید نہ کرنے والوں) کا وجود ثابت ہے۔ علامہ ابن حزم وغیرہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آپ کا امام ابومحمد القاسم بن محمد القرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۶ھ) کے بارے

میں کیا خیال ہے جنھوں نے کتاب الایضاح فی الرد علی المقلدین لکھی تھی؟

(دیکھئے سیر اعلام النبلاء للذہبی ج ۱۳ ص ۳۲۹)

آپ کا امام ابوحنیفہ کے بارے میں کیا خیال ہے جنھوں نے اپنی تقلید سے منع فرمایا تھا۔
دیکھئے مقدمہ عمدۃ الرعایہ (ص ۹) لمحات النظر للکوثری (ص ۲۱) وغیرہ.....

''ہمفرے'' نام کے کسی مجہول شخص سے جو کتاب منسوب ہے بالکل باطل اور بے اصل ہے۔ آپ پہلے ہمفرے کا وجود ثابت کریں۔ اس کا شجرہ نسب، جائے پیدائش و جائے موت وغیرہ لکھیں، اسکی ''توثیق'' بھی ثابت کریں۔ اور پھر اس مجہول کتاب کا اس سے ثبوت پیش کریں اور یہ بھی بتائیں کہ سب سے پہلے یہ کتاب کہاں شائع ہوئی تھی اور اسے کس نے شائع کیا تھا؟

آپ نے فاتحہ خلف الامام کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اس میں قرآن مجید کی مخالفت ہو جاتی ہے'' تو عرض ہے کہ قرآن مجید آپ پر نازل نہیں ہوا بلکہ ہمارے پیارے امام اعظم فداہ ابی و امی وروحی محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے اور آپ ﷺ نے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم دیا ہے (صحیح ابن خزیمہ: ۱۵۸۱، صحیح ابن حبان: ۱۸۴۹، ابوداود: ۸۲۴ وغیرہ) لہٰذا قرآن کی مخالفت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تفصیل کیلئے ... [مولانا] عبدالرحمٰن مبارکپوری کی کتاب تحقیق الکلام کا مطالعہ کریں۔ اصولاً آپ یہ آیت (وإذا قرئ القرآن والی آیت، سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰۴) پیش ہی نہیں کر سکتے کیونکہ آپ کی اصول کی کتابوں میں لکھا [ہوا] ہے کہ یہ آیت سورۃ المزمل کی آیت ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ﴾ سے ٹکرا کر ساقط ہو گئی ہے۔ (معاذاللہ)

دیکھئے نور الانوار (ص ۱۹۳، ص ۱۹۴) احسن الحواشی شرح اصول الشاشی (ص ۸۲ حاشیہ ۷)
غایۃ التحقیق شرح الحسامی (ص ۱۷۳) النامی شرح الحسامی (ج ۱ ص ۱۵۵، ۱۵۶)
معلم الاصول شرح اردو اصول الشاشی (ص ۲۵۰) وغیرہ۔

سورہ فاتحہ کے مسئلہ پر میری کتاب ''الکواکب الدریۃ في وجوب الفاتحۃ خلف

الإمام في الجهرية'' کا مطالعہ کریں۔
آپ نے لکھا ہے کہ'' آمین بالجہر اور رفع یدین یہ کوئی اہم مسئلہ ہی نہیں مستحب وغیر مستحب کا فرق ہے'' تو عرض ہے کہ رفع یدین اور آمین بالجہر کا ثبوت متواتر احادیث سے ثابت ہے۔
دیکھئے میری کتاب نور العینین فی مسئلہ رفع الیدین، نور القمرین اور القول المتین فی الجہر بالتامین ۔ نیز دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر للکتانی (ص۹۶، ۹۷) لقط اللالی المتناثرۃ فی الاحادیث المتواترۃ للزبیدی (ص۲۰۷) الازھار المتناثرہ فی الاخبار المتواترۃ للسیوطی (ص۹۵ ح۳۳) اور امام مسلم کی کتاب الاول من کتاب التمییز (ص۴۰) وغیرہ
آپ نے لکھا ہے کہ'' اگر صلوۃ التراویح رسول اللہ ﷺ نے بیس نہیں پڑھیں تو صحابہ کرام کا یہ عمل تو ہے'' عرض ہے کہ واللہ! رسول اللہ ﷺ سے بیس رکعات قیامِ رمضان کا عدد (تراویح) قطعاً ثابت نہیں ہے، جس کا آپ کے بڑوں کو بھی اعتراف ہے۔
آپ کے طحطاوی صاحب صاف صاف اعتراف کرتے ہیں کہ'' لأنّ النبي علیه الصّلاۃ والسّلام لم یصلھا عشرین بل ثماني '' کیونکہ بے شک نبی ﷺ نے بیس رکعتیں نہیں پڑھی ہیں بلکہ آٹھ [رکعت] پڑھی ہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۱/ ص۲۹۵)
اس سے آگے طحطاوی نے یہ جھوٹ لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بیس پڑھی ہیں۔ اِس جُھوٹ کا اسے حساب دینا ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!
پیرزئی والے مولوی عبدالحق صاحب (جو کہ دیوبند کے پڑھے ہوئے اور بریلوی تھے) نے ہمارے گاؤں میں علانیہ تسلیم کیا تھا کہ نبی ﷺ سے آٹھ رکعات تراویح ہی ثابت ہیں۔ اس کے متعدد گواہ ہیں مثلاً نذیر خان، اجمل خان، امجد خان وغیرہم۔
سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے آٹھ رکعتیں ثابت ہیں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کی مخالفت کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین بیس رکعات پڑھنا شروع کر دیں۔
صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہر مسلمان کا یہی حسنِ ظن ہے کہ وہ نبی ﷺ اور آپ کی سنت سے بہت زیادہ محبت کرنے والے تھے۔

مشہور صحابی جناب [سیدنا] السائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كنّا نقوم في زمان عمر بن الخطاب با حدى عشرة ركعة" إلخ

ہم (جناب) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں گیارہ رکعات قیام (تراویح) کرتے تھے۔ (سنن سعید بن منصور بحوالہ الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۴۹ المصابیح فی صلوۃ التراویح ص ۴)

آگے چل کر علامہ سیوطی اس سند کے بارے میں لکھتے ہیں: "وفي مصنف سعيد بن منصور بسند في غاية الصحة عن السائب بن يزيد احدى عشرة ركعة"

اور سعید بن منصور کے مصنف (سنن) میں بہت زیادہ صحیح سند کے ساتھ [سیدنا] سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعات (ثابت) ہیں۔ (ص ۳۵۰)

آخر میں سلطان محمود صاحب بریلوی نے لکھا ہے کہ "وہ بھی مقلد ہیں اور ہم بھی مقلد ہیں۔ ہم پاکیزہ زندگی والے اماموں کے مقلد ہیں اور وہ گیارھویں، چودھویں صدی کے عالموں کے مقلد ہیں" تو عرض ہے کہ تمام بریلوی حضرات عقیدہ میں "غیر مقلد" ہیں۔ اِن میں سے ایک بھی امام ابوحنیفہ کے عقیدہ پر نہیں ہے۔ امام صاحب کا یہ عقیدہ قطعاً نہیں تھا کہ علی مشکل کشا ہیں، حاجت روا ہیں، فریادرس ہیں، فلاں شخص غوث ہے۔ عالم الغیب ہے وغیرہ وغیرہ

ابن ہمام حنفی اور ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ "وذكر الحنفية تصريحًا بالتكفير باعتقاده أن النبي عليه الصّلاة والسّلام يعلم الغيب"

اور حنفیوں نے اس کی صراحت کی ہے کہ وہ شخص کافر ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام غیب جانتے ہیں۔ (المسامرۃ مع المسایرۃ ص ۲۱۲، شرح الفقہ الاکبر ص ۱۵۱)

"مفتی" احمد یار نعیمی بدایونی صاحب نے "جاء الحق" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ "عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں" (جاء الحق ج ۱ ص ۱۷)

یاد رہے کہ ہمارے نزدیک بدایونی کی اس کتاب کا صحیح نام: "جاء الباطل" ہے۔ اس کتاب کا بہترین جواب جناب محمد داود ارشد [حفظہ اللہ] کی کتاب "دین الحق" میں ہے۔

یہی "مفتی صاحب" (احمد یار نعیمی بدایونی) لکھتے ہیں:

''چار سلسلے: شریعت وطریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ان میں سے بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے۔اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچکر وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں، تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟'' (جاء الباطل ج ا ص ۲۲۲)

اس عبارت میں نعیمی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اُن کے ایمان وکلمہ میں بدعات داخل ہیں اور یہ کہ بریلوی ودیوبندی دونوں بدعتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

یہاں پر بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ فرقہ دیوبندیہ والے بھی اصول وعقائد میں حنفی نہیں ہیں۔ان کے اکابر نے بھی رسول اللہ ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ وغیرہما کو مشکل کشا تسلیم کیا ہوا ہے۔

دیکھئے امداد اللہ ... مکی کی کُلیاتِ امدادیہ (ص ۹۱، ۱۰۳) اشرفعلی تھانوی کی تعلیم الدین (ص ۱۷۱) صوفی عبدالحمید سواتی کی فیوضات حسینی (ص ۶۸)

دیوبندیوں کے مشرکانہ عقائد کا اُن کے اکابر سے ثبوت اور پھر اس کی کتاب وسنت کے ساتھ مدلل تردید کیلئے حنبلی شیخ حمود بن عبداللہ بن حمود التویجری (متوفی ۱۴۱۳ھ) کی مشہور کتاب ''القول البلیغ فی التحذیر من جماعة التبلیغ'' کا مطالعہ کریں۔

''جناب'' خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری دیوبندی صاحب ''المھند علی المفند'' میں اس بات کا صاف اعتراف کرتے ہیں کہ ''اور اصول واعتقادیات میں پیرو ہیں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی رضی اللہ عنہما کے'' (ص ۱۳)

اس سے ثابت ہوا کہ وہ یعنی (دیوبندی ''حضرات'') اصول اور عقیدہ میں حنفی نہیں ہیں۔

یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ دروغ گو کی طرح انبیٹھوی صاحب اپنی یہ بات بھول کر ص ۲۶ پر اُصول میں بھی امام ابوحنیفہ کی تقلید کا دعوی کرتے ہیں جو کہ خلافِ حقیقت ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو کذب بیانی اور تضاد وتناقض سے بچائے۔ آمین

آخر میں شاہ عبدالعزیز الدھلوی صاحب کا ایک خواب پیش خدمت ہے:

''ایک بار شاہ عبدالعزیز صاحب نے جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ مذاہب اربعہ میں کونسا مذہب آپ کے مذہب کے مطابق ہے؟ فرمایا: کوئی بھی نہیں پھر سلاسل اربعہ کو دریافت کیا۔ اس کی بابت بھی وہی ارشاد ہوا کہ کوئی بھی نہیں۔ جب اس خواب کی خبر مرزا جان جاناں کو ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھ بھیجا کہ یہ خواب اضغاث احلام تو نہیں ہے؟ اس کے کیا معنی کہ سلاسل اربعہ اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی ایک بھی جناب امیر المومنین کے موافق نہ ہو؟

شاہ صاحب نے لکھا کہ یہ خواب رویائے صالحہ ہے اور عدم موافقت کا یہ مطلب ہے کہ من کل الوجوہ اور ہر ہر جزئیات میں کوئی سلسلہ اور کوئی مذہب آپ کے مذہب کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ ہر ایک مذہب، مذاہبِ صحابہ کا مجموعہ ہے۔ کوئی مسئلہ حضرت صدیقؓ کے مطابق ہے تو کوئی مسئلہ حضرت علیؓ کے، اور کوئی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے رضی اللہ عنھم اجمعین۔ اور یہی حال سلاسل مشائخ کا ہے''

(حکایات اولیاء/ارواح ثلاثہ للتھانوی ص ۵۷، ۵۸ حکایت نمبر ۳۳ تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۶۷)

اس طویل عبارت سے معلوم ہوا کہ خلیفہ راشد جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ نے سچے خواب میں یہ فرمایا ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کوئی مذہب بھی ان کے مذہب کے مطابق نہیں۔

ہم جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو بالکل صحیح سمجھتے ہیں، رہا شاہ عبدالعزیز وغیرہ کا باطل تاویلیں کرنا تو یہ ہم پر حجت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر شاہ عبدالعزیز وامثالہ کی (آراء کی) اطاعت لازم نہیں کی۔ بلکہ سنتِ خلفائے راشدین کی پیروی کا حکم دیا۔ لہٰذا وہ شخص سعادت مند ہے جو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے اس قول پر عمل کر کے ان چاروں مذاہب کو چھوڑ کر قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہو جائے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۱/ رمضان ۱۴۱۸ھ بمطابق ۲۰/ جنوری ۱۹۹۸ء)

ضمیمہ

الذیل المحمود علی نصر المعبود

دیوبندی اور بریلوی حضرات اس کا بزعمِ خویش دعوی کرتے ہیں کہ وہ قرآن مجید، حدیث وسنت، اجماع اور اجتہاد پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ ان کا عمل ان چاروں کے خلاف ہے۔ وہ صرف اور صرف اپنے خودساختہ اکابر = مولویوں اور پیروں کی تقلید کرتے ہیں اور بس!

اس مختصر مضمون میں ان حضرات کے وہ چند اقوال وافعال جمع کیے گئے ہیں جن میں انھوں نے ''ادلہ اربعہ'' (قرآن، حدیث، اجماع اور اجتہاد) کی مخالفت کی ہے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والے غیر مسلم ذمی (مثلاً یہودی، نصرانی، ہندو وغیرہ) کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ کا یہ فیصلہ ہے کہ اسے قتل کردیا جائے۔ دیکھئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ الشامی کی شہرہ آفاق کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول، وغیرہ جبکہ فقہ اہل الرائے (فقہ حنفیہ) کا یہ فیصلہ ہے کہ ایسے شخص کے بنیادی حقوق محفوظ رہیں گے، اس کا ذمہ نہیں ٹوٹے گا۔ دیکھئے المختصر للقدوری مع حلہ المسمی التوضیح الضروری (ص ۲۳۲ کتاب السیر) الہدایہ مع الدرایہ (ج۱ص ۵۹۸ کتاب السیر باب الجزیۃ) الہدایہ شرح بدایۃ المبتدی (ج۲ص ۱۶۳) الہدایہ مع شرح فتح القدیر لابن ھمام (ج۵ص ۳۰۲، ۳۰۳) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للکاسانی (ج۷ص ۱۱۳) شرح الوقایۃ مع حاشیۃ عمدۃ الرعایۃ (ج۲ص ۳۷۳) قدوری اردو (ص ۲۸۳) الدر المختار للحصکفی مع کشف الاستار (ج۱ ص ۳۵۳، ۳۵۴) البنایہ فی شرح الہدایہ للعینی (ج۶ص ۶۸۹ ط دارالفکر، بیروت) رد المختار لابن عابدین الشامی (ج۳ص ۳۰۴) الفتاوی العالمگیریہ (ج۲ص ۲۵۲) الجہاد فی الاسلام للمودودی (ص ۲۸۹) وغیرہ

اگر چہ بعض حنفی ''علماء'' نے بطور سیاست ایسے ذمی کے قتل کا تعزیری فتویٰ دیا ہے جو علانیہ سب وشتم کرتا ہو۔ جیسا کہ بعض مصادر مذکورہ بالا میں موجود ہے۔ لیکن ایسے ''فقہاء'' بھی گزرے ہیں جو قتل کے علاوہ دوسری سزا دینے کے قائل تھے۔ شیخ محمد اکرم نے ''رودِ کوثر'' میں ایک شاتمِ رسول کا واقعہ لکھا ہے کہ ''اس پر علماء میں اختلاف پیدا ہو گیا، بعض کہتے تھے کہ اہانتِ نبوی کی شرعی سزا موت ہے۔ دوسرے کہتے تھے کہ قتل کے علاوہ کوئی دوسری سزا بھی دی جا سکتی ہے اور امام اعظم کا فتویٰ سناتے تھے کہ اگر ایک ذمی پیغمبرؐ کی شان میں بے ادبی کرے تو عہد شکنی اور ابراء ذمہ جائز نہیں ہوتا'' (ص ۱۰۱)

اس انتہائی نازک مسئلہ پر ایک حنفی فقیہ ابن نُجیم لکھتا ہے کہ **"نعم، نفس المؤمن تميل إلٰى قول المخالف في مسئلة السبّ لكن اتباعنا للمذهب واجب"**

جی ہاں! مومن کا دل مسئلہ سب وشتم میں (ہمارے) مخالف (شافعی، اہل الحدیث وغیرہ) کی طرف مائل ہے لیکن ہم پر اپنے (تقلیدی) مذہب کی اتباع (تقلید) واجب ہے۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۵ ص ۱۱۵)

ہم پوچھتے ہیں کہ کتاب وسنت کے مقابلے میں کس نے آپ پر اس تقلیدی مذہب کی اندھا دھند پیروی فرض کی ہے؟ جس کی وجہ سے آپ نے مومنین کے راستے کو بھی چھوڑ دیا ہے!؟ **هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين !**

۲: محمود حسن دیوبندی کی املاء شدہ ''التقریر للترمذی'' میں مسئلہ بیع خیار کے سلسلہ میں لکھا ہوا ہے کہ **"الحق والإنصاف أن الترجيح للشافعيّ في هذه المسئلة و نحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا أبي حنيفة ، والله أعلم "**

حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں (امام) شافعی کو ترجیح حاصل ہے اور ہم مقلد لوگ ہیں، ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔ واللہ اعلم

(ص ۶۵۰ دنی نسخہ ص ۲۰۱، والمطبوع مع العرف الشذی ص ۳۶)

ان شاء اللہ قیامت کے دن امام ابوحنیفہ ایسے غالی مقلدین سے اعلانِ براءت کریں

گے جنھوں نے خود بخود بغیر کسی دلیل کے اُن کی اندھا دھند تقلید کو فرض و واجب بنالیا ہے۔

یالیت قومی یعلمون

۳: شیخ احمد سرہندی بغیر کسی لگی لپٹی کے صاف صاف لکھتے ہیں کہ "ومُقلّد را نمیرسد کہ خلاف رائے مجتہد از کتاب وسنت احکام اَخذ کند وبَران عامل باشد" (مکتوبات مکتوب نمبر ۲۸۶ ص ۵۴۶)
اور مقلد کو اس امر کی اجازت نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف از خود ہی کتاب وسنت سے احکام اخذ کرتا پھرے اور ان پر عمل کرے۔ (اردو ترجمہ دفتر اول حصہ پنجم ج ۲ ص ۷۰۰ مکتوب نمبر: ۲۸۶)
ایک دوسرے نسخہ میں یہ عبارت اس طرح ہے: "مقلد کو لائق نہیں کہ مجتہد کی رائے کے برخلاف کتاب وسنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے"

(مکتوبات ج ۱ ص ۶۰۱ ترجمہ عالم الدین نقشبندی مجددی، ط مکتبہ مدنیہ لاہور)

رفعِ سبابہ کے مسئلہ پر یہی مقلد سرہندی صاحب لکھتے ہیں کہ "جب روایات معتبرہ میں اشارہ کی حرمت واقع ہوئی ہو۔ اور اس کی کراہت پر فتویٰ دیا ہو اور اشارہ وعقد سے منع کرتے ہوں اور اس کو اصحاب کا ظاہر اصول کہتے ہیں تو پھر ہم مقلدوں کو مناسب نہیں کہ احادیث کے موافق عمل کر کے اشارہ کرنے میں جرأت کریں۔ اور اس قدر علمائے مجتہدین کے فتویٰ کے ہوتے ہوئے امر محرم اور مکروہ اور منہی کے مرتکب ہوں" (مکتوبات ج ۱ ص ۷۱۸ مکتوب نمبر ۳۱۲)

روایات معتبرہ سے مراد تقلید پرست فقہاء کے نام نہاد فتاوی ہیں۔ یہ شیخ سرہندی صاحب وہی صوفی ہیں جن کے بارے میں شاہِ ہند جہانگیر اپنی توزک جہانگیری میں لکھتا ہے کہ "اُن ہی دنوں مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک مکار سرہند میں مکروفریب کا جال بچھا کر کئی نادان اور بے سمجھ لوگوں کو اپنے فریب میں پھانسے ہوئے ہے... مزخرفات اور واہیات قسم کے خطوط اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام لکھ کر مکتوبات کے نام سے ایک مجموعہ کیا ہے۔ اس لئے اس مجموعہ میں اکثر ایسی فضول اور بیہودہ باتیں لکھی ہیں جو کفر اور زندیقیت تک پہنچی ہیں... بے وقوف اور کم عقل ہونے کے ساتھ نہایت مغرور اور خود پسند معلوم ہوتا ہے میں نے اس کی اصلاح کے لئے یہی مناسب سمجھا کہ اسے چند دن قید رکھا

جائے'' (توزک جہانگیری فارسی ص ۳۱۲ ط لکھنو بحوالہ ''قیام دار العلوم دیوبند'' ص ۲۷، ۲۸)

۴۔ عامر عثمانی دیوبندی مدیر تجلی دیوبند سے کسی نے سوال کیا کہ ''حدیث رسول سے جواب دیں'' تو ان دیوبندی صاحب نے علانیہ لکھا کہ ''اس نوع کا مطالبہ اکثر سائلین کرتے رہتے ہیں یہ دراصل اس قاعدے سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ مقلدین کے لئے حدیث وقرآن کے حوالوں کی ضرورت نہیں بلکہ ائمہ وفقہاء کے فیصلوں اور فتووں کی ضرورت ہے'' الخ

(ماہنامہ تجلی دیوبند ج ۱۹ ص ۴۶، ۴۷ شمارہ نمبر: ۱۱، ۱۲، بابت جنوری فروری ۱۹۶۸ء)

۵: ''مفتی'' احمد یار خان نعیمی بدایونی صاحب لکھتے ہیں کہ

''کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے، قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں'' (''جاء الحق'' ج ۲ ص ۹، ہمارے نزدیک اس کتاب کا صحیح نام جاء الباطل ہے)

نیز لکھتے ہیں کہ ''کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت واحادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں....'' الخ (جاء الباطل ج ۲ ص ۹۱)

۶: قاضی محمد زاہد الحسینی حیاتی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں کہ

''حالانکہ ہر مقلد کے لئے آخری دلیل مجتہد کا قول ہے.... اب اگر ایک شخص امام ابوحنیفہ کا مقلد ہونے کا مدعی ہو اور ساتھ ہی وہ امام ابوحنیفہ کے قول کے ساتھ یا علیحدہ قرآن وسنت کا بطور دلیل مطالبہ کرتا ہے تو وہ بالفاظ دیگر اپنے امام اور رہنما کے استدلال پر یقین نہیں رکھتا''

(مقدمہ ''دفاع امام ابی حنیفہ'' ص ۲۶ ط اکوڑہ خٹک، سرحد پاکستان)

۷: حسین احمد ٹانڈوی دیوبندی صاحب ''فرماتے'' ہیں: ''اور سوائے امام صاحبؒ کے کوئی مُقلَّد نہیں۔ مُقلَّد وہ ہوتا ہے جس کے قول کو بلا دلیل مانا جائے'' (تقریر ترمذی اردو ص ۱۷)

اسی کتاب میں ٹانڈوی صاحب نے ایک مالکی کا واقعہ لکھا ہے کہ ''ایک مرتبہ تین عالم (حنفی، شافعی اور حنبلی) مل کر ایک مالکی کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم ارسال کیوں کرتے ہو۔

اس نے جواب دیا کہ میں امام مالکؒ کا مقلد ہوں دلیل ان سے جا کر پوچھو اگر مجھے دلائل

معلوم ہوتے تو تقلید کیوں کرتا۔ تو وہ لوگ ساکت ہو گئے'' (ص ۳۹۹)
ارسال کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی جائے۔

یہ چند حوالے بطورِ نمونہ مُشتے از خروارے پیش کئے ہیں تا کہ یہ ثابت کیا جائے کہ مقلدین حضرات قرآن و حدیث کو اصل دلیل نہیں مانتے بلکہ صرف اپنے مزعوم امام کی ہی تقلید کے دعویدار ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب انکی خواہشاتِ نفسانیہ کے خلاف قولِ امام ہو مثلاً اُجرتِ تعلیم القرآن کا مسئلہ تو ایسی صورت میں قول امام کو چھوڑ کر نام نہاد متاخرین کے قول پر عمل کر لیا جاتا ہے۔!

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بریلوی اور دیو بندی حضرات دعویٰ تقلید تو کرتے ہیں مگر وہ امام ابوحنیفہ کے مقلد نہیں ہیں بلکہ صرف اور صرف اپنے خود ساختہ اکابر (احبار، رہبان، پیر، مولوی حضرات) کے مقلد ہیں اور بس!

اب حسبِ وعدہ دیو بندیوں و بریلویوں وغیرہم کی قرآن و سنت و اجماع اور اجتہاد کی مخالفتیں پیش خدمت ہیں تا کہ عام مسلمان ان لوگوں کو پہچان کر ان کے شر سے محفوظ رہیں:

قرآن مجید اور تقلید پرست حضرات

۱: قرآن مجید میں ہے کہ ﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ بے شک مشرکین نجس (پلید) ہیں۔ اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئیں۔ (التوبہ آیت: ۲۸)

اس آیتِ کریمہ سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز وغیرہ نے استدلال کیا کہ کفار مسجد حرام وغیرہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۱۰۴، [تفسیر ابن جریر طبری ج ۱۰ ص ۷۴] وغیرہ)
جبکہ حنفیہ کے نزدیک کفار (اہل الذمہ) کا مسجد حرام میں داخل ہونا جائز ہے۔
دیکھئے نصر المعبود مسئلہ ۴

۲: قرآن کریم میں ہے کہ ﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ﴾

اور ہم نے اس (تورات) میں اُن پر فرض کیا کہ نفس کے بدلے میں نفس کو قتل کیا جائے۔

(المائدۃ آیت:۴۵)

اس کے برخلاف حنفیہ کا فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی نابالغ بچے وغیرہ کو پانی میں ڈبو کر قتل کر دے تو اس قاتل پر کوئی قصاص نہیں ہے۔ (دیکھئے نصر المعبود مسئلہ ۶)

اسی طرح ان کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (دیکھئے نصر المعبود مسئلہ ۵)

۳: قرآن مجید میں ہے کہ ﴿ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾

اسے (یعنی قرآن کو) صرف پاک ہی چھوتے ہیں۔ (سورۃ الواقعہ آیت:۷۹)

اس آیت کے برخلاف تقلید پرستوں کا فتویٰ ہے کہ پیشاب سے سورہ فاتحہ لکھنا جائز ہے۔

(دیکھئے نصر المعبود مسئلہ ۶)

۴: قرآن مجید میں ہے کہ (غیر شادی شدہ) زانی اور زانیہ کو سو کوڑے حد لگانی چاہئے (سورۃ النور آیت ۲) جبکہ فقہ حنفی میں ہے کہ کرایہ پر لائی ہوئی عورت سے زنا کرنے پر کوئی حد نہیں ہے۔ (دیکھئے نصر المعبود مسئلہ ۱۰)

۵: قرآن مجید سے ثابت ہے کہ مشکل کشا صرف اللہ ہی ہے۔ مثلاً ارشاد ہے:

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ کیا کوئی ہے جو مجبور کی پکار سنتا ہے اور مشکل کو دور کر دیتا ہے اور تمھیں زمین کا خلیفہ بنا دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ بھی ہے؟ تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔ (سورۃ النمل آیت:۶۲)

اس آیت کے خلاف دیوبندیوں اور بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ فلاں مخلوق بھی مشکل کشا ہے۔ بریلویوں کے مشرکانہ عقائد تو عام لوگوں کو معلوم ہیں۔ دیوبندیوں کے عقائد بھی با حوالہ سن لیں:

حاجی امداد اللہ... مکی صاحب، نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر ''نالہ امداد غریب'' میں لکھتے ہیں کہ

یارسول کبریا فریاد ہے یا محمد مصطفیٰؐ فریاد ہے
آپ کی امداد ہو میرا یا نبیؐ حال ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آجکل اے میرے مشکل کشا فریاد ہے

(کلیات امدادیہ ص ۹۰، ۹۱)

یہی صاحبِ کلیات امدادیہ (ص ۱۰۳ میں) اور اشرفعلی تھانوی صاحب تعلیم الدین (ص ۱۷۱) میں لکھتے ہیں کہ "ہادی عالم علی مشکل کشا کے واسطے"

اس سلسلہ میں ٹانڈوی صاحب کی تاویلات کی علمی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے، فلیتنبه

صوفی عبدالحمید سواتی حیاتی دیوبندی لکھتے ہیں: "الٰہی بحرمت حضرت خواجہ مشکل کشا سید الاولیاء... پیر دستگیر حضرت مولانا محمد عثمانؒ" (فیوضات حسینی ص ۶۸ بحوالہ فوائد عثمانی ص ۱۷)

"فضائل درود" (از زکریا صاحب) کی حکایت ۴۳ کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں محمد بن عبداللہ صاحب قرآن ہوں (ﷺ) یہ تیرا باپ بڑا گناہ گار تھا لیکن مجھ پر کثرت سے درود بھیجتا تھا۔ جب اس پر یہ مصیبت نازل ہوئی تو اس کی فریاد کو پہنچا اور میں ہر اس شخص کی فریاد کو پہنچتا ہوں جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجے"

(ص ۱۳۱ و تبلیغی نصاب ص ۷۹۱ طبع تحقیق اکیڈمی ملتان)

یہ مختصر مضمون تفصیل کا محتمل نہیں ہے۔ شائقین حضرات القول البلیغ وغیرہ کتب کا مطالعہ کرلیں۔

۶: قرآن کریم میں ہے کہ ﴿ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ﴾ اور تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم قصد اور ارادہ دل سے کرو۔

(سورۃ الاحزاب آیت ۵، ترجمہ احسن البیان ص ۵۴۷ ط دار السلام لاہور)

اسی طرح ارشاد ہے کہ جو مجبور ہو جائے اس پر کوئی گناہ نہیں (قرآن مجید [البقرۃ: ۱۷۳])

اس کے برعکس حنفیہ کہتے ہیں کہ جبری طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ دیکھئے نصر المعبود مسئلہ ا

۷: قرآن کریم میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت:۲۷۵)
جبکہ فقہ حنفی کا مسئلہ ہے کہ دارالحرب میں سود کھانا جائز ہے۔ (دیکھئے نصر المعبود مسئلہ ۴)
۸: قرآن کریم میں ہے کہ ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ﴾
پس جو لوگ ایمان والے ہیں ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے۔
(التوبہ آیت:۱۲۴، دیگر آیات کیلئے دیکھئے صحیح بخاری کتاب الایمان)
اس کے برعکس فقہ حنفی کا فیصلہ ہے کہ ایمان زیادہ یا کم نہیں ہوتا۔
(دیکھئے الفقہ الاکبر المنسوب الی الامام ابی حنیفہ ص ۸۷، شرح العقائد النسفیہ ص ۹۲ وغیرہ)
۹: قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾
پس قرآن میں سے جو میسر ہو وہ پڑھو۔ (سورۃ المزمل:۲۰)
اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ نماز میں قرآن (یعنی سورہ فاتحہ بدلیل احادیث متواترہ) پڑھنا فرض ہے۔ نیز دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۹۸ باب صفة الصلوة) وغیرہ
اس کے برعکس حنفیہ وغیرہ کا فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص (امام یا منفرد) فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں جان بوجھ کر سورہ فاتحہ نہ پڑھے بلکہ چپ کھڑا رہے یا تسبیح پڑھتا رہے تو اس کی نماز بالکل صحیح اور کامل ہے۔
دیکھئے قدوری (ص ۲۲، ۲۳ ط ۱۳۱۱ھ) ہدایہ (ج ۱ ص ۱۴۸) فتح القدیر (ج ۱ ص ۳۹۵) اور دیوبندیوں کی کتاب بہشتی زیور (ص ۱۶۳ حصہ دوم ص ۱۹ باب ہفتم مسئلہ ۱۷) وغیرہ
تفصیلی بحث کے لئے راقم الحروف کی کتاب "الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الجہریہ" (طبع اول ص ۵۷) وغیرہ کا مطالعہ کریں۔
۱۰: قرآن کریم میں ہے کہ ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾
پس اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ (سورۃ النساء آیت:۴۳، سورۃ المائدۃ آیت:۶)
ان کے مقابلے میں ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ کھجور کے شربت (نبیذ) سے وضو کرنا چاہئے اگر پانی نہ ملے۔ (ج ۱ ص ۴۷ قبل باب التیمم)

تیمم کے سلسلہ میں حنفیہ کے مضحکہ خیز فتاویٰ کیلئے شہرہ آفاق کتاب ''حقیقۃ الفقہ'' (ص ۱۵۶) کا مطالعہ کریں۔ حقیقۃ الفقہ کے سلسلہ میں بریلوی اور دیو بندی پروپیگنڈے کے رد کے لئے جامعہ سلفیہ بنارس کے استاد اور.... مولانا محمد رئیس ندوی کی کتاب ''ضمیر کا بحران'' (صفحات ا تا ۴۶۹) کا مطالعہ کریں۔

۱۱: قرآن کریم نے: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ اور اپنے کپڑے پاک رکھ کا حکم دیا ہے۔
(سورۃ المدثر:۴)

جبکہ ہدایہ (ج ا ص ۷۴) وشرح وقایہ (ج ا ص ۱۳۹) وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ اگر ایک درہم کے برابر گندگی لگی ہوئی ہو تو نماز جائز ہے۔ نیز دیکھئے شیخ ابو محمد امین اللہ البشاوری کی ''التحقیق السدید... فی مسئلہ التقلید'' [دَتقلیدد تَورو تیارو نه نحات] ص ۹۰
شیخ امین اللہ حفظہ اللہ جماعت اہل الحدیث کے قابل اعتماد عالم اور محقق ہیں۔ جزاہ اللہ خیراً انکی یہ کتاب پشتو زبان میں انتہائی لاجواب کتاب ہے۔ میرے پاس تو وقت نہیں، کاش کوئی اسے اردو زبان میں ترجمہ کر کے شائع کر دے۔ [یہ کتاب: ''تقلید کی حقیقت'' کے نام سے حیدر فاروقی کے قلم سے اردو زبان میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ والحمد للہ]

۱۲: قرآن مجید میں شراب کے بارے میں حکم ہے کہ ﴿فَاجْتَنِبُوْهُ﴾
پس اس سے اجتناب کرو۔ (سورۃ المائدہ آیت:۹۰)

(لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی حالت میں بھی شراب کا پینا جائز نہیں ہے) اس کے مقابلے میں فقہ حنفی کا مفتیٰ بہ فتویٰ ہے کہ پیاسے کے لئے شراب پینی جائز ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ا ص ۱۵۴ وغیرہ)

۱۳: قرآن کا فیصلہ ہے کہ ﴿لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾
آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (سورۃ النمل آیت:۶۵)

اس کے برعکس بریلویوں اور دیو بندیوں کا فیصلہ ہے کہ فلاں فلاں مخلوق بھی غیب جانتی ہے۔ بریلویوں کا عقیدہ تو عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہے۔ دیو بندیوں کے عقائد کیلئے

القول البلیغ وغیرہ کا مطالعہ مفید ہے۔ اشرفعلی تھانوی صاحب نے ''عبداللہ خان'' کے بارے میں لکھا ہے کہ ''ان کی یہ حالت تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرمادیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا۔ اور جو آپ بتلادیتے تھے وہی ہوتا تھا''

(حکایات اولیاء ص ۱۸۵، حکایت: ۱۴۷)

غرض ان تقلید پرست دیوبندیوں اور بریلویوں نے قرآن مجید کی صریح آیات کی بے شمار مقامات پر مخالفت کی ہے۔

حدیثِ صحیح اور تقلید پرست حضرات

۱: [سیدنا] انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''من السنة إذا تزوج الرجل البكر علی الثیب أقام عندها سبعًا وقسم وإذا تزوّج الثیب أقام عندها ثلاثًا ثم قسّم''

سنت یہ ہے کہ کوئی شخص بیوی والا جب اپنا دوسرا نکاح کسی کنواری سے کرے تو سات راتیں اس کے پاس گزارے پھر باریاں تقسیم کرے اور اگر کسی ایسی عورت سے شادی کرے جس کی پہلے شادی ہوئی تھی (خاوند مرگیا یا طلاق مل گئی وغیرہ) تو اس کے پاس تین راتیں گزارے اور پھر باریاں تقسیم کرے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۵ ح ۵۲۱۳ واللفظ لہ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۲)

جبکہ ملا مرغینانی حنفی نے کہا: ''والقديمة والجديدة سواء''

یعنی پرانی بیوی اور نئی (شادی شدہ) بیوی (باریوں میں) دونوں برابر (کی حقدار) ہیں۔

(الہدایہ ص ۳۲۹ کتاب النکاح باب القسم)

۲: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من مات وعلیه صیام، صام عنه ولیه)) جو شخص مرجائے اور اس پر (نذر وغیرہ کے) روزے باقی ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی یہ روزے رکھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ص ۲۶۲،وصحیح مسلم ج ۱ص ۳۶۲)

جبکہ ہدایہ میں ہے کہ " ولا یصوم عنه الولی "
میت کی طرف سے اس کا ولی روزہ نہ رکھے۔ (کتاب الصوم ص ۲۰۳)۔

۳: [سیدنا] عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "خرج النبي ﷺ يستسقي فتوجّه إلى القبلة يدعو وحوّل ردائه ثم صلّى ركعتين يجهر فيهما بالقراءة"
نبی ﷺ استسقاء کے لئے نکلے، پس آپ نے قبلہ کی طرف رُخ کیا دعا کرتے ہوئے اور آپ نے اپنی چادر پلٹائی پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ ان میں آپ جہر کے ساتھ قراءت کررہے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۱۳۹ ح ۱۰۲۴، واللفظ لہ، وصحیح مسلم ج ۱ص ۲۹۳)
صحیح بخاری وغیرہ کی دوسری روایت میں ہے کہ "ثم صلّى لنا ركعتين"
پھر آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں۔
اس کے برعکس ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ "ليس في الإستسقاء صلوة مسنونة في جماعة"
(امام ابوحنیفہ نے کہا:) استسقاء کے موقعہ پر نماز باجماعت مسنون نہیں ہے۔

(ج ۱ص ۱۷۶، باب الاستسقاء)

۴: عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "إن الشمس خسفت على عهد رسول الله ﷺ فبعث منا دیًا: الصلوة جامعة، فتقدم فصلّى أربع ركعات في ركعتين وأربع سجدات" رسول اللہ ﷺ کے (مبارک) عہد میں سورج گرہن کے موقعہ پر آپ نے منادی کے ذریعے سے اعلان کرایا کہ نماز کے لئے جمع ہو جاؤ۔ پھر آپ نے آگے بڑھ کر دو رکعتیں پڑھیں اور چار سجدے کئے، آپ نے ہر رکعت میں دو رکوع کئے۔
(صحیح بخاری ج ۱ص ۱۴۵، واللفظ لہ، صحیح مسلم ج ۱ص ۲۹۶)
اس کے برخلاف ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ "إذا انكسفت الشمس صلّى الإمام بالناس ركعتين كهيئاة النافلة في كل ركعة ركوع واحد"
سورج گرہن کی نماز امام دو رکعت پڑھائے جیسے نفل نماز کی ہیئت (حالت) ہے۔ ہر رکعت

میں ایک رکوع کرے۔ (ج۱ص۱۵۵، باب صلوۃ الکسوف)

۵: [سیدنا] عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رأیت النبي ﷺ یمسح علٰی عمامته وخفیه"

میں نے نبی ﷺ کو عمامہ اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح البخاری ج۱ص۳۳)

جبکہ ہدایہ میں ہے کہ "ولا یجوز المسح علی العمامة"

اور عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ (ج۱ص۴۴ کتاب الطھارۃ)

۶: [سیدنا] انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ان النبي ﷺ سئل عن الخمر: تتخذ خلاً؟ فقال: لا" بے شک نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا شراب (خمر) کا سرکہ بنالیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں۔ (صحیح مسلم ج۲ص۱۶۳)

جبکہ ہدایہ میں ہے کہ جب شراب کا سرکہ بن گیا تو وہ حلال ہو گیا خواہ خود بخود بن جائے۔ خواہ کوئی اور چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنایا جائے۔ "ولا یکرہ تخلیلھا" اور شراب (خمر) کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔ (ص۴۸۳ کتاب الأشربة)

۷: امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے صحیفہ میں یہ بات موجود تھی کہ "لا یقتل مسلم بکافر" مسلم کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے گا۔

(صحیح بخاری ج۲ص۱۰۲۱ کتاب الدیات باب ۳۱ لا یقتل المسلم بالکافر)

سنن ابوداود وغیرہ میں یہ حدیث صریحاً نبی ﷺ سے منسوب ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔

اس کے مقابلے میں ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ "والمسلم بالذمي"

اور کافر ذمی کے بدلے میں مسلم کو قتل کر دیا جائے گا۔ (ج۲ص۵۴۷، باب ما یوجب القصاص)

۸: [سیدنا] ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ان رسول الله ﷺ نھی عن ثمن الکلب" بے شک رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری ج۱ص۲۹۸ کتاب البیوع وصحیح مسلم ج۲ص۱۹)

بلکہ حدیث میں کتے کی قیمت کو خبیث کہا گیا ہے۔ (صحیح مسلم ج۲ص۱۹)

اسکے برخلاف ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ" يجوز بيع الكلب والفهد والسباع"
کتے، چیتے اور درندوں کی فروخت جائز ہے۔ (ج۲ص۵۵ کتاب البیوع)
بلکہ فقہ حنفی کے مطابق اگر کوئی شخص اپنا کتا ذبح کر کے اس کا گوشت بیچے تو جائز ہے۔
(فتاویٰ عالمگیری عربی ج۳ص۱۱۵)

۹: [سیدنا] ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ترجیع والی اذان سکھائی تھی۔ (صحیح مسلم ج۱ص۱۶۵، وغیرہ)
ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ چار دفعہ اللہ اکبر، چار دفعہ کلمہ شہادت، الخ
اس کے خلاف ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ " ولا ترجيع فيه"
یعنی: اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ (ج۱ص۸۷)

۱۰: [سیدنا] عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن بيع الذهب با لذهب ....وا لتمر با لتمر ...إلا سواء بسواء عيناً بعين ' فمن زاد أو ازداد فقد أربى " میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونے کے بدلے سونا... اور کھجور کے بدلے کھجور بیچنے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے... اِلا یہ کہ دونوں چیزیں برابر برابر، نقد کے بدلے نقد ہوں، پس جس نے زیادہ کیا یا زیادہ مانگا تو اس نے سودی کاروبار کیا۔ (صحیح مسلم ج۲ص۲۴، ۲۵ کتاب المساقاۃ باب الربا)
[سیدنا] ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ" الآخذ والمعطي فيه سواء"
لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔
جبکہ ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ" يجوز .....التمرة بالتمرتين "(محمد بن الحسن الشیبانی نے کہا:) ایک کھجور کو دو کھجوروں کے بدلے میں بیچنا جائز ہے۔
(ج۲ص۸۱ کتاب البیوع باب الربا)

۱۱: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان "رب اغفرلي" دو دفعہ پڑھتے تھے۔

دیکھئے سنن ابی داود (ج ۱ ص ۱۳۴ ح ۸۷۴ باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ) وغیرہ

اس کے خلاف ظاہر روایت کی مشہور کتاب ''الجامع الصغیر'' میں امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ ''وکذلك بین السجدتین یسکت''

اور اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان خاموش رہے گا۔ (دعا نہیں پڑھے گا) (ص ۸۸)

اس قول کے بارے میں عبدالحیٔ لکھنوی (حنفی) صاحب ''النافع الکبیر'' میں لکھتے ہیں:

''ھذا مخالف لما جاء فی الأخبار الصحاح من زیادۃ الأدعیۃ فی القومۃ وبین السجدتین'' یہ قول اُن صحیح احادیث کا مخالف ہے جن میں قومہ اور دو سجدوں کے درمیان دعائیں پڑھنے کا ثبوت ہے۔ (ایضاً)

۱۲: متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ مدینہ منورہ ''حَرَم'' ہے۔

دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص ۲۱۲)

اس کے خلاف فقہ حنفی کا فیصلہ ہے کہ مدینہ حرم نہیں ہے: ''لا حرم للمدینۃ عندنا'' ہمارے (یعنی حنفیوں کے) نزدیک مدینہ حرم نہیں ہے۔

(الدر المختار ج ۱ ص ۱۸۴، آخر کتاب الحج، رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۸ حاشیۃ الطحطاوی ج ۱ ص ۵۶۱)

غرض اس طرح کی بے شمار مثالیں کتبِ فقہ حنفیہ اور کتبِ احادیث کے مطالعہ و مقارنہ سے واضح و ظاہر ہیں۔ تفصیل کیلئے اعلام الموقعین وغیرہ کتب کا مطالعہ کریں۔

اجماع اور مقلدین حضرات

۱: اس بات پر اجماع ہے کہ تقلید بے علمی کو کہتے ہیں اور مقلد عالم نہیں ہوتا (یعنی جاہل ہوتا ہے۔) دیکھئے جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر (ج ۲ ص ۱۱۷) اعلام الموقعین لابن القیم (ج ۱ ص ۷ و ج ۲ ص ۱۸۸)

زیلعی حنفی (!) نے لکھا ہے کہ ''فالمقلد ذھل والمقلد جھل''

پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا مرتکب ہوتا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۹)

عینی حنفی (!) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ" فالمقلد ذهل و المقلد جهل و آفة کل شيء من التقلید "پس مقلد غلطی کرتا ہے اور جاہل ہوتا ہے اور تمام مصیبتیں تقلید کی وجہ سے ہیں۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ ج ۱ ص ۳۱۷ ط ملتان، وص ۲۲۲ ط بیروت)

ان دونوں عبارتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱: مقلد جاہل ہوتا ہے۔

۲: جن علماء کے ساتھ حنفی وغیرہ کا دُم چھلا لگا ہوا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ وہ مقلد تھے۔ بلکہ اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ اُن کا طریقۂ استدلال اور اصول اسی طرح کے ہیں جس طرح کے امام ابوحنیفہ وغیرہ کے اصول تھے۔ شاہ ولی اللہ الدھلوی الحنفی (!) کی الانصاف وغیرہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس اجماع کے برعکس دعویٰ تقلید کرنے والے دیوبندی اور بریلوی حضرات اپنے آپ کو علماء میں سمجھے بیٹھے ہیں۔ کہاں جاہل اور کہاں عالم؟
[اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ہم آپ لوگوں کے مقابلے میں عالم ہیں!!]

۲: اس پر صحابہ کا اجماع ہے کہ جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

(دیکھئے مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۱۸۱ مسئلہ ۴۲۶)

جرابوں پر [سیدنا] علی بن ابی طالب، ابو مسعود (ابن مسعود) براء بن عازب، انس بن مالک، ابوامامۃ، سہل بن سعد اور عمرو بن حریث (رضی اللہ عنہم) وغیرہم نے مسح کیا ہے اور یہی مروی ہے عمر بن الخطاب اور ابن عباس سے۔ (سنن ابی داود ج ۱ ص ۲۴ تحت ح ۱۵۹)

امام اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ اس مسئلہ میں ان (صحابہ) کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(الاوسط لابن المنذر ج ۱ ص ۴۶۵)

نیز دیکھئے منجنیق الغرب حافظ ابو محمد بن حزم کی شہرہ آفاق کتاب المحلّی وغیرہ

امام ابوحنیفہ اپنی زندگی کے شروع میں خفین (موزوں) جوربین منعلین (جوتیوں والی جرابوں) اور جوربین مجلدین (وہ جرابیں جن کا نچلا حصہ چمڑے کا ہوتا ہے) پر مسح کے جواز کے قائل تھے اور جرابوں پر مسح کے منکر تھے۔ آخری عمر میں آپ اپنی بات سے رجوع

(توبہ) کر کے جرابوں پر مسح کے قائل ہو گئے اور جواز کا یہی قول مُفتیٰ بہ ہے۔

(دیکھئے الہدایہ ج ۱ص ۶۱ وغیرہ)

صحابہ کے اجماع، قولِ امام ابی حنیفہ اور مُفتیٰ بہ قول کے برخلاف آج کل کے دیوبندی اور بریلوی حضرات جرابوں پر مسح کے جواز کے سخت منکر ہیں۔

۳: صحابہ میں سے کوئی بھی حنفی، شافعی، دیوبندی و بریلوی نہیں تھا۔ (دیکھئے جاء الباطل ج ۱ص ۲۲۲)

اس کے برعکس آج کل کے لوگ حنفی، شافعی، دیوبندی، بریلوی وغیرہ بنے ہوتے ہیں۔

۴: [سیدنا] عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے مقتدی اس طرح آمین بالجہر کہتے تھے کہ مسجد میں شور مچ جاتا تھا۔ دیکھئے صحیح بخاری و مصنف عبدالرزاق وغیرہما

کسی صحابی نے عبداللہ رضی اللہ عنہ پر انکار یا تنقید نہیں کی لہٰذا ثابت ہوا کہ آمین بالجہر کے جواز پر اجماعِ صحابہ ہے۔ اس کے برعکس مقلدین دیوبندیت و بریلویت آمین بالجہر سے سخت دشمنی، حسد اور نفرت رکھتے ہیں۔

۵: کسی صحابی سے بھی تقلیدِ شخصی کا صراحتاً یا اشارۃً ثبوت نہیں ہے، بلکہ [سیدنا] معاذ بن جبل وغیرہ نے مطلق تقلید سے بھی منع فرمایا ہے۔ (جامع ابن عبدالبر ج ۲ص ۱۳۶، وسندہ حسن وغیرہ)

اس کے سراسر برخلاف دیوبندی اور بریلوی حضرات تقلیدِ شخصی کے وجوب کے قائل ہیں۔

۶: امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے کہ نماز کی ساری رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ (دیکھئے فقہ عمر وغیرہ)

اس کے برعکس دیوبندی و بریلوی حضرات کا فتویٰ ہے کہ آخری دو رکعتوں میں اگر جان بوجھ کر سورہ فاتحہ بلکہ قرآن کا کوئی حصہ بھی نہ پڑھا جائے۔ بالکل چپ سادھ لی جائے تو نماز بالکل صحیح اور جائز ہے۔!

۷: امیر المومنین [سیدنا] عثمان، سعد بن ابی وقاص اور معاویہ وغیرہم سے صرف ایک رکعت وتر کا جواز ثابت ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری وغیرہ) ایک وتر کے جواز کا صحابہ میں کوئی مخالف نہیں ہے۔

اس کے برعکس دیوبندی و بریلوی حضرات ایک رکعت وتر کے سخت منکر ہیں۔

۸: تمام صحابہ توحید وسنت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ حجرِ اسود کو [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے چومتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوما تھا۔ کسی صحابی کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور علی (رضی اللہ عنہ) وغیرہما مشکل کشا ہیں۔ اس کے برعکس بریلوی اور دیوبندی حضرات [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کو مشکل کشا سمجھتے ہیں۔

دیکھئے یہی مضمون (قرآنِ مجید اور تقلید پرست حضرات، فقرہ:۵)

۹: اس پر صحابہ کا اجماع ہے کہ قومِ لوط کا عمل کرنے والے کو قتل کر دینا چاہئے۔

(المغنی لابن قدامہ ج۹ص۵۸ مسئلہ ۷۱۶۸)

اس کے سراسر برعکس فقہ حنفیہ کا فتویٰ ہے کہ قوم لوط کا عمل کرنے والے شخص پر کوئی حد نہیں ہے۔ دیکھئے نصر المعبود (مسئلہ نمبر۲)

یہ علیحدہ بات ہے کہ حنفی امام کسی شخص کو بطور سیاست کوئی سزا دے دے۔

۱۰: متعدد صحابہ سے یہ ثابت ہے کہ ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی۔

دیکھئے السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل (ج۱ص۳۱۴، ۳۱۵) سنن ابن ماجہ (ح ۷۵) الایمان لابن ابی شیبہ وغیرہ

صحابہ وسلف صالحین کا اس مسئلہ میں کوئی مخالف نہیں ہے۔ اس کے برعکس اہل التقلید کا عقیدہ ہے کہ ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم۔ (دیکھئے قرآنِ مجید اور تقلید پرست حضرات، فقرہ:۸)

اِنا للّٰہ و اِنا اِلیہ راجعون

غرض اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں۔

اہل التقلید اور اجتہاد کی مخالفت

شامی حنفی نے لکھا ہے کہ ''چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ ۱/۵۵'' (بحوالہ کتاب: ''اجتہاد اور اوصاف مجتہد'' مصنفہ: گوہر رحمٰن ص ۵۰)

صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ '' و قد ذکروا أن المجتهد المطلق قد فقد''

اور انھوں نے ذکر کیا ہے کہ مجتہد مطلق مفقود ہو گیا ہے۔ (ج ۱ص ۱۵)

تقلید پرستوں نے اجتہاد کا دروازہ بزعم خود بند کر دیا اور کہنے لگے: ''ہماری مثال ایسی ہے، جیسے ایک اندھا ہے اُس کا مدار ہی عصا پر ہے اگر وہ عصا لیکر نہ چلے تو وہ خندق ہی میں گرے، وہ ہم ہیں'' (الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ ج ۱ص ۶۹ ملفوظ ۷۳، از اشرفعلی تھانوی)

اس [کے بعد آنے والے] باب [اور بعد والے ابواب] میں ان تقلید پرستوں اور خلفائے راشدین کے فتاویٰ کا ذکر ہے جنکی یہ لوگ مخالف کرتے ہیں۔ یہ اظہر من الشمس ہے کہ چاروں خلفائے راشدین زبردست مجتہدین بھی تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

خلیفۂ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات

۱: امیر المومنین خلیفہ راشد ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۷۳ وقال: رواتہ ثقات، واقرہ الذہبی وابن حجر)

نیز دیکھئے فقہ ابی بکر (ص ۱۹۵)

اس کے خلاف ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی متواتر احادیث کے ساتھ رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ثابت ہے۔

دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص ۹۶، ۹۷) لقط اللآلی المتناثرۃ فی الاحادیث المتواترہ (ص ۲۰۷) الازھار المتناثرۃ للسیوطی وغیرہ

ان احادیث متواترہ اور عمل صدیقی کے برعکس دیوبندی و بریلوی حضرات رفع یدین کے سخت منکر ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض غالیوں نے رفع یدین کرنے والوں کی تکفیر بھی کی ہے۔ دیکھئے محمد عاشق الٰہی میرٹھی [دیوبندی] کی ''تذکرۃ الخلیل'' (ص ۱۳۲، ۱۳۳)

یہاں بطورِ تشکر عرض ہے کہ میرٹھی صاحب نے ایسے (نام نہاد) حنفیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اور یہ سخت ترین غلطی تھی، بڑی گمراہی تھی'' (ایضاً)

۲: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ قوم لوط کے مرتکب کو قتل کر دیا جائے۔

(دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۳۲ وفقہ ابی بکر ص ۳۵ و ۲۴۵)

تنبیہ: اس مضمون میں فقہ ابی بکر، فقہ عمر، فقہ عثمان اور فقہ علی رضی اللہ عنہم اجمعین سے مراد وہ اردو تراجم ہیں جو ادارہ معارف اسلامی لاہور نے شائع کئے ہیں۔

اس کے برعکس حنفیہ قومِ لوط کا عمل کرنے والے پر حد کے قائل نہیں ہیں۔

دیکھئے نصر المعبود (مسئلہ: ۲)

۳: ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک قربانی کرنا سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

(دیکھئے المغنی ج ۸ ص ۶۱۸ وغیرہ بحوالہ فقہ ابی بکر ص ۵۶)

جبکہ حنفیہ قربانی کو واجب کہتے ہیں۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۲ ص ۴۴۳ كتاب الأضحية)

۴: [کہا جاتا ہے کہ] امام برحق ابوبکر رضی اللہ عنہ عیدین میں بارہ تکبیرات کے قائل وفاعل تھے، سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں۔

دیکھئے المجموع (ج ۵ ص ۱۷ بحوالہ فقہ ابی بکر ص ۲۰۱)

جبکہ حنفیہ صرف چھ تکبیرات کے قائل وفاعل ہیں۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۱۷۳ باب العیدین)

۵: [سیدنا] ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر کے قائل تھے۔

دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۹۸ وغیرہ بحوالہ فقہ ابی بکر ص ۱۹۷)

جبکہ فرقہ دیوبندیہ و فرقہ بریلویہ دونوں ایک رکعت وتر کے منکر ہیں۔

دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۱۴۴ باب صلاۃ الوتر) وغیرہ

یہاں پر بطورِ لطیفہ عرض ہے کہ خلیل احمد سہارنپوری انبیٹھوی دیوبندی نے انوارِ ساطعہ کے بدعتی مولوی کے رد میں لکھا ہے کہ ''اقول: وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے اور عبداللہ بن عمر اور ابن عباس وغیرہما صحابہ اس کے مقر اور مالک و شافعی و احمد کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مولف کا ان سب پر طعن ہے۔ کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا.....'' الخ

(براہین قاطعہ ص ۷)

۶: صدیق رضی اللہ عنہ عمامہ پر مسح کے قائل تھے دیکھئے ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۳۰۵ وغیرہ بحوالہ

فقہ ابی بکر ص ۲۷۰) اس کے برعکس اہل تقلید مسح علی العمامہ کے منکر ہیں۔
دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۶۱ باب المسح علی الخفین)

۷: ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ غیر شادی شدہ زانی کو کوڑے لگا کر ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ دیکھئے [سنن] ترمذی (کتاب الحدود باب ما جاء فی النفی، وغیرہ بحوالہ فقہ ابی بکر ص ۱۶۰، ۱۶۱)

جبکہ اس کے بالکل برعکس حنفی حضرات جلاوطنی کے قائل نہیں ہیں۔
دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۵۱۲ کتاب الحدود)

۸: جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ اس ذمی کافر کے ذمہ کے ٹوٹنے کے قائل تھے جو کہ رحمۃ للعالمین کی شان اقدس میں گستاخی کرے۔ دیکھئے المحلی (ج ۱۱ ص ۴۰۹ وغیرہ بحوالہ فقہ ابی بکر ص ۱۳۵)

جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے شخص کا نہ ذمہ ٹوٹتا ہے اور نہ وہ قتل کیا جائے گا۔
دیکھئے یہی مضمون (الذیل المحمود کا پہلا صفحہ)

فتاویٰ شامی میں منقول ہے کہ "واما ابو حنیفة واصحابه فقالوا لا ینتقض العهد بالسب ولا یقتل الذمی بذلك لكن یعزر علٰی اظهار ذلك" اور ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد اس کے قائل ہیں کہ سب وشتم سے عہد نہیں ٹوٹتا اور نہ ذمی کو اس وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ سب وشتم کا علانیہ اظہار کرے تو تعزیر لگے گی۔ (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۳۰۵)

۹: جو مچھلی پانی میں خود بخود یا بغیر شکار کے مرجائے، اسے الطافیہ کہا جاتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ الطافیہ کے حلال ہونے کے قائل تھے۔

(دیکھئے مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۵۰۳ ح ۸۶۴۴ و فقہ ابی بکر ص ۲۰۷)

جبکہ فقہ حنفی میں طافیہ کھانا مکروہ ہے۔ (دیکھئے الہدایہ ج ۲ ص ۴۴۲ آخر کتاب الذبائح)

یہاں بطور تنبیہ عرض ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے اپنے تقلیدی مذہب کو بچانے کے لئے جو حدیث وآثار کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سے کچھ بھی عندالتحقیق ثابت نہیں ہے۔ صدیقی فتویٰ کے مقابلے میں کسی دوسرے اثر کا پیش کرنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔

۱۰: جناب [سیدنا] صاحب الرسول ﷺ وخلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ مرتدہ (مرتد ہونے والی عورت) کو قتل کر دیا جائے۔
دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۸ ص ۲۰۴ وغیرہ بحوالہ فقہ ابی بکر ص ۱۴۳، ۱۴۴)
جبکہ اس کے سراسر مخالف حنفی حضرات کا فتویٰ ہے کہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

(دیکھئے الہدایہ ج ۱ ص ۶۰۰ باب احکام المرتدین)

اس قسم کی اور مثالیں بھی ہیں۔
مثلاً دیکھئے فقہ ابی بکر ص ۶۶ (خلیفہ پر حد) ص ۴۷ (اطاعت فی المعروف) ص ۱۳۱ وفقہ عثمان ص ۲۲۸ (زکوۃ الخیل) ص ۲۴۹ (مزارعت) ص ۱۸۹ (صبح کی نماز) وغیرہ

خلیفہ ثانی [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات

۱: شہیدِ محراب جناب [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال انتظار کرے۔ دیکھئے فقہ عمر (ص ۶۱۵) موطأ امام مالک، مسند شافعی وغیرہ
جبکہ حنفی فتویٰ اس کے برعکس ہے۔

(دیکھئے نصر المعبود، امام ابوحنیفہ کے وہ مسائل جن پر حنفیہ کا عمل نہیں ہے۔ مسئلہ ۴)

بہشتی زیور میں لکھا ہوا ہے کہ "تو وہ عورت اپنا دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ بلکہ انتظار کرتی رہے کہ شاید آ جائے، جب انتظار کرتے کرتے اتنی مدت گزر جائے کہ شوہر کی عمر نوے برس کی ہو جائے تو اب حکم لگا دیں گے کہ وہ مر گیا ہوگا۔" (حصہ چہارم ص ۲۸، ۲۹ وصفحہ مسلسل ص ۳۵۴، ۳۵۵)

جب اس فتویٰ میں حنفی حضرات پھنس گئے تو انھوں نے امام مالک کے قول پر فتویٰ دینا شروع کر دیا۔ حیلہ ناجزہ کا چکر چلانے لگے۔ ایک کی تقلید سے نکل کر دوسرے کی تقلید میں داخل ہو کر تلفیق وخواہش پرستی کے مرتکب بن گئے اور جناب [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ کا نام تک نہ لیا تاکہ کہیں تقلید کا مسئلہ ہی ختم نہ ہو جائے۔

۲: [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ مروجہ حلالہ کے سخت خلاف تھے بلکہ وہ سزا دینے کے قائل تھے۔

(فقہ عمر ص ۴۹۷)

جبکہ حنفیہ حلالہ کے قائل وفاعل ہیں۔

۳: [سیدنا] جناب عمر رضی اللہ عنہ بغیر ولی والے نکاح کو باطل ومردود سمجھتے تھے اور ایسا کرنے والوں کو کوڑے لگاتے تھے۔ (فقہ عمر ص ۶۵۷، ۶۵۸)

جبکہ حنفیہ کے نزدیک ''باکرہ بالغہ'' کے نکاح کے جواز کے لئے ولی کا ہونا شرط نہیں ہے ....اور عقد صحیح ہو جائے گا۔ (دیکھئے فتاویٰ دار العلوم دیو بند......ج ۸ ص ۳۹، ۴۰ وغیرہ)

۴: [سیدنا] جناب عمر رضی اللہ عنہ حالت احرام میں کئے گئے نکاح کو مردود قرار دیتے تھے۔

(فقہ عمر ص ۲۵۴)

جبکہ حنفیہ کے نزدیک حالت احرام میں نکاح جائز ہے۔

(دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۳ ص ۲۴۳ وغیرہ)

۵: [سیدنا] جناب عمر رضی اللہ عنہ رضاعت میں دو سال کی مدت کے قائل تھے۔ (فقہ عمر ص ۳۴۱)

جبکہ حنفیہ ودیوبندیہ کے نزدیک اسکی مدت اڑھائی سال ہے۔

(دیکھئے تفسیر عثمانی ص ۵۴۸ سورۃ لقمان آیت ۱۴ حاشیہ ۱۰)

[فائدہ:] تفسیر عثمانی کے مصنف شبیر احمد عثمانی دیوبندی صاحب اپنی اسی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے اُمتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں ان کی صداقت وعدالت پر گواہ ہوں گے''۔ (ص ۲۷ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۳ ف ۳)

۶: جناب [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ زبردستی کی دی ہوئی طلاق کے قائل نہیں تھے۔ (فقہ عمر ص ۴۸۷)

حنفیہ کے نزدیک یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۴ ص ۲۱۵ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۸۲، ۱۸۶)

۷: جناب [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ وقف میں نہ فروخت کے قائل تھے اور نہ ھبہ کے۔

(فقہ عمر ص ۶۸۴)

جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وقف کو بیچنا اور اس میں رجوع کرنا جائز ہے۔

(دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۸ ص ۱۵۴)

٨: جناب [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ ضب: ''سانڈھا'' (جسے پشتو میں سمسارہ کہتے ہیں) کھانا جائز سمجھتے تھے۔ یہ ایک قسم کا زمینی جانور ہے۔ (فقہ عمر ص ۴۷۸)
جبکہ حنفیہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں بلکہ ایک قول حرمت کا بھی ہے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۳ ص ۵۰۹)

٩: جناب [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ رباعی (چار رکعت والی) نماز کی آخری دو رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ (فقہ عمر ص ۴۳۷)
جبکہ دیو بندی ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ ''اگر پچھلی دو رکعت میں الحمد نہ پڑھے بلکہ تین دفعہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ لے تو بھی درست ہے لیکن الحمد پڑھ لینا بہتر ہے اور اگر کچھ نہ پڑھے چپکی کھڑی رہے تو بھی کچھ حرج نہیں نماز درست ہے''۔

(ص ۱۶۳ حصہ دوم ص ۱۹ باب فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کا بیان مسئلہ نمبر ۱۷)

١٠: جناب [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ اگر ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو عصر کا وقت ہو جاتا ہے۔ (فقہ عمر ص ۴۲۶)
لیکن ہمارے علاقے کے تمام دیو بندی و بریلوی حضرات دو مثل کے ہی بعد عصر کی نماز پڑھتے ہیں۔ نیز دیکھئے البوارق المرسلہ (ص ۱۴، ۱۵) وغیرہ
جناب [سیدنا] عمر رضی اللہ عنہ کے دیگر بہت سے فتاویٰ کے بھی اہل التقلید مخالف ہیں۔

خلیفۂ ثالث [سیدنا] عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل تقلید حضرات

١: جناب خلیفہ راشد شہید مظلوم [سیدنا] عثمان رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ مدینہ حرم ہے۔

(دیکھئے فقہ عثمان ص ۱۷۶)

حنفی مخالفت کیلئے دیکھئے (حدیثِ صحیح اور تقلید پرست حضرات، فقرہ: ۱۲)

٢: جناب [سیدنا] عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک حالت احرام میں نہ اپنا نکاح کرنا چاہیے اور نہ کسی دوسرے کا۔ (فقہ عثمان ص ۲۸، ۲۹)
حنفی مخالفت کیلئے دیکھئے (خلیفۂ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات، فقرہ: ۴)

۳: مفقود الخبر کے بارے میں عثمانی فتویٰ یہ ہے کہ اس کی بیوی چار سال انتظار کرے، اس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ (دیکھئے فقہ عثمان ص ۳۸۱) وغیرہ
حنفی مخالفت کیلئے دیکھئے (خلیفۂ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات، فقرہ:۱)
۴: جناب [سیدنا] عثمان رضی اللہ عنہ عیدین میں بارہ تکبیروں کے قائل و فاعل تھے۔
دیکھئے فقہ عثمان (ص ۲۸۷) وغیرہ
حنفی مخالفت کیلئے دیکھئے یہی مضمون (خلیفۂ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات، فقرہ:۴)
۵: جناب [سیدنا] عثمان رضی اللہ عنہ سفر میں دو نمازوں (ظہر+عصر اور مغرب+عشاء) کی جمع کے قائل تھے۔ (دیکھئے فقہ عثمان ص ۲۴۸ وغیرہ)
جبکہ دیوبندی و بریلوی حضرات اس کے سخت منکر ہیں۔
۶: مرتدہ کے بارے میں عثمانی فتویٰ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

(دیکھئے فقہ عثمان ص ۲۱۱ وغیرہ)

جبکہ حنفی حضرات اس فتوی کے خلاف ہیں۔
دیکھئے (خلیفۂ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات، فقرہ:۱۰)
۷: جناب [سیدنا] عثمان رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر کے قائل و فاعل تھے۔

(دیکھئے فقہ عثمان ص ۲۸۰ وغیرہ)

جبکہ آلِ دیوبند و آلِ بریلوی بالعموم منکر ہیں۔
دیکھئے (خلیفۂ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات، فقرہ:۵)
۸: قربانی کے بارے میں عثمانی فقہ یہ ہے کہ سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

(دیکھئے فقہ عثمان ص ۷۶)

جبکہ مخالفینِ فقہ عثمان اسے واجب کہتے ہیں۔
دیکھئے یہی مضمون (خلیفۂ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات، فقرہ:۱۲)
۹: جناب [سیدنا] عثمان رضی اللہ عنہ طافیہ کی حلت (حلال ہونے) کے قائل تھے۔

(دیکھئے فقہ عثمان ص ۳۰۴)

جبکہ آل تقلید اس کے مخالف ہیں۔
دیکھئے (خلیفۂ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات، فقرہ: ۹)
۱۰: قومِ لوط کا عمل کرنے والے شخص پر خلیفہ راشد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ حد ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ دیکھئے فقہ عثمان ص ۲۷۴ وغیرہ، اور اسی پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (ایضاً)
حنفی مخالفت کیلئے دیکھئے نصر المعبود (مسئلہ: ۲)
اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً دیکھئے فقہ عثمان (ص ۲۷۴) طلاق السکران (ص ۲۷۴) وقت الجمعہ (ص ۱۴۱) سر براہ پر حد (ص ۱۷) شراب کا مسئلہ وغیرہ

خلیفۂ چہارم [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست فرقہ

نصر المعبود کے آخر میں امیر المومنین خلیفہ راشد جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ کا قول گزر چکا ہے کہ چاروں تقلیدی مذاہب اور سلاسل اربعہ میں سے کوئی بھی ان کے مذہب کے مطابق نہیں ہے۔ اب چند علوی فتاویٰ اور ان کی تقلیدی مخالفتیں پیش خدمت ہیں۔
۱: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ جرابوں پر مسح کے قائل و فاعل تھے۔ (دیکھئے فقہ علی ص ۷۹۳ وغیرہ)
جبکہ آل دیوبند و آل بریلوی اس کے سراسر منکر ہیں۔
دیکھئے یہی مضمون: اجماع اور مقلدین حضرات (فقرہ: ۲)
۲: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ مدینہ کے حرم ہونے کے قائل تھے۔ (دیکھئے فقہ علی ص ۶۹۴)
جبکہ آل تقلید حرم مدینہ کے خلاف ہیں۔
دیکھئے یہی مضمون: حدیثِ صحیح اور تقلید پرست حضرات (فقرہ: ۱۲)
۳: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ سجدوں کے درمیان دعا کے قائل تھے۔ (فقہ علی ص ۴۸۰)
جبکہ ظاہر روایت کی الجامع الصغیر میں اسکے خلاف فتویٰ ہے۔
دیکھئے یہی مضمون حدیثِ صحیح اور تقلید پرست حضرات (فقرہ: ۱۱)
۴: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ وتر کے سنت ہونے کے قائل تھے دیکھئے۔ (فقہ علی ص ۴۸۲)

جبکہ حنفیہ وتر کو واجب گردانتے ہیں۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۱۴۴ باب صلوۃ الوتر)

۵: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ بارہ تکبیرات عیدین کے قائل تھے۔ دیکھئے فقہ علی (ص ۵۰۱)

جبکہ فرقہ تقلیدیہ اس کے مخالف ہے۔

دیکھئے یہی مضمون: خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تقلید پرست حضرات (فقرہ: ۴)

یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ شیعوں کی کتاب مسند زید میں اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے کئی لحاظ سے مردود ہے:

اس مسند کا بنیادی راوی عمرو بن خالد الواسطی بالا جماع کذاب ہے دیکھئے تہذیب التہذیب وغیرہ اور راقم الحروف کی کتاب: ''تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ'' (طبع اول ص ۲۹)

دوسرا راوی عبدالعزیز بن اسحاق غالی شیعہ اور ضعیف تھا۔ (لسان المیزان ج ۴ ص ۲۵ وغیرہ)

زیدی شیعوں کی من گھڑت کتاب کو اہل السنۃ کے خلاف پیش کرنا مردود ہے۔ وغیرہ

۶: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ دوبارہ جنازہ کے جواز کے قائل تھے۔ (دیکھئے فقہ علی ص ۵۰۶)

جبکہ دیوبندی و بریلوی حضرات بعض فقہی جزئیوں وغیرہ کی بنیاد پر دوبارہ جنازہ کے سخت منکر و مخالف ہیں۔

۷: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ شاتم الرسول کا ذمہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(دیکھئے فقہ علی ص ۳۳۶)

جبکہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ و اصحابہ کا مسلک اس کے سراسر خلاف ہے۔

دیکھئے یہی مضمون: الذیل المحمود (پہلا صفحہ)

۸: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ سفر میں جمع بین الصلاتین کے قائل و فاعل تھے۔

(دیکھئے فقہ علی ص ۴۲۷)

جبکہ بریلویہ و دیوبندیہ اس کے مخالف ہیں۔

۹: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ حرم مکہ میں کفار داخل نہیں ہو سکتے۔

(دیکھئے فقہ علی ص ۶۹۹، ۷۰۷)

جبکہ حنفیہ اس حیدری فتویٰ کے خلاف ہیں۔
دیکھئے یہی مضمون: قرآنِ مجید اور تقلید پرست حضرات (فقرہ:۱)
۱۰: جناب [سیدنا] علی رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ عیدگاہ کی طرف عید کے دن، نماز پڑھنے کے لئے جانے والا راستہ میں تکبیریں کہتا رہے۔ (دیکھئے فقہ علی ص ۶۰۴)
جبکہ امام ابوحنیفہ کا فتویٰ اس کے برعکس ہے۔ دیکھئے نصر المعبود (مسئلہ:۴)

مختصر یہ کہ اس قسم کے اور بھی بہت سے فتاوی ہیں جنکی دیوبندیہ و بریلویہ دونوں مخالفت کرتے ہیں، مثلاً دیکھئے فقہ علی (ص ۱۰۶) شراب کی تجارت (ص ۲۲۷) سلطان پر حد (ص ۳۹۵) حلالہ (ص ۴۱۵) سجدہ شکر (ص ۴۱۵) سجدہ تلاوت (ص ۴۶۶، ۴۹۳) ظہر و جمعہ میں تعجیل (ص ۴۷۶) دو سورتیں ایک ہی رکعت میں (ص ۴۸۷) اقامت صفوف (ص ۴۸۶) دوسری جماعت (۴۹۵) مسنون قراءت در جمعہ (ص ۵۰۶) نماز استسقاء (ص ۵۹۹) عقیقہ، وانظر قول الامام فیھا (ص ۷۱۲) شوہر کا بیوی کو غسل دینا (ص ۷۵۱) لانکاح الابولی، وغیرہ

یہاں بطور تنبیہ عرض ہے کہ فقہ علی وغیرہ میں بعض اقوال غیر ثابت شدہ ہیں مثلاً مسند زید وغیرہ کے حوالے۔ میں نے خلفائے راشدین کے صرف وہی اقوال لکھے ہیں جو (عام طور پر) کتاب وسنت کے موافق ہیں یا ان سے ثابت و مشہور ہیں۔ ضعیف و مردود الاسانید اقوال کو راقم الحروف نے ترک کر دیا ہے۔

مثلاً فقہ علی ص ۶۹۰ پر لکھا ہوا ہے کہ "آپ سے کنویں میں چوہا گر جانے سے متعلق ایک روایت میں ہے کہ ایسی صورت میں کنویں سے چالیس ڈول نکالے جائیں"
مجھے یہ روایت نہیں ملی۔ [نیز دیکھئے آثار السنن بتحقیقی: ۱۱]

یہ الگ بات ہے کہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب الہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ
اگر کنویں میں چوہا گر جائے تو بیس سے تیس تک ڈول نکالے جائیں۔ (ص ۴۲)
اور اگر کبوتر گر جائے تو چالیس سے ساٹھ تک ڈول نکالے جائیں۔

(ص۴۳ باب الماء الذی یجوز به الوضوء وما لا یجوز به)

نیز دیکھئے تھانوی بہشتی زیور حصہ اول (۹۸/۵۳) کنویں کا بیان مسئلہ (۶ و ۸) بہار شریعت (ج۲ ص ۲۷) کنویں کا بیان، وغیرہ

اس ''فقہ شریف'' کی حکمت دیوبندی یا بریلوی حضرات ہی سمجھ سکتے ہیں کہ چوہا گرے تو بیس ڈول اور حلال پرندہ کبوتر گرے تو چالیس !؟

خلفائے راشدین کی یہ چند مثالیں اس لئے پیش کی ہیں تاکہ تمام مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ بریلوی و دیوبندی حضرات قرآن وحدیث واجماع کی مخالفت کے ساتھ ساتھ مجتہدین صحابہ وغیرہم وخاص کر خلفائے راشدین کے بھی سراسر مخالف ہیں۔

وما علینا إلا البلاغ (۷/شوال ۱۴۱۸ھ بمطابق ۵/فروری ۱۹۹۸ء)